



معربی بنگال میں لوک سبھا انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء
بارک پور کے نزدیک ایچھا پور میں ایک پولنگ بوتھ کے باہر کا منظر

سرِورق پر : وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، مغربی بنگال میں لوک سبھا انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء کے موقع پر ایک پولنگ بوتھ میں اپنا ووٹ ڈالتے ہوئے

ووٹ ڈالنے کے لئے ووٹروں کی قطاریں

پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

مدیر اعلیٰ: پرتین بھٹاچاریہ ★ مدیر: دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم جنوری ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱

شرح خریداری

سالانہ: تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ:
بزنس منیجر: شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر۔ این۔ مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

لوک سبھا انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء

مغربی بنگال میں پُرامن انتخابات، تقریباً ۷۵ فیصد ووٹروں نے ووٹ دیئے

مغربی بنگال میں ۲۴ دسمبر ۱۹۸۴ء کو لوک سبھا کیلئے ۴۲ نشستوں کے سلسلے میں عام انتخابات ہوئے۔ ان ۴۲ نشستوں کے لئے ۲۴۸ امیدواروں نے مقابلہ کیا جن میں کانگریس (آئی) کے ۴۲، سی پی آئی (ایم) کے ۳۲، آر۔ ایس۔ پی کے ۴، فارورڈ بلاک کے ۱، اور دیگر پارٹیوں معہ آزاد امیدواروں کے ۱۹۴ امیدوار تھے۔ اس مقابلے میں نو عورتوں نے بھی حصہ لیا۔ ان ۴۲ حلقہ ہائے انتخاب میں سے تین حلقہ ہائے انتخاب کے ہر حلقہ میں دو امیدواروں نے اور تین حلقہ ہائے انتخاب کے ہر حلقہ میں بارہ امیدواروں نے سابقتی مقابلہ کیا۔

سارے مغربی بنگال میں ۴۱۰۰۰ سے زیادہ پولنگ بوتھ قائم کئے گئے اور پولنگ کے کام کاج کے لئے ۲۵۰۰۰۰ پولنگ افراد مقرر کئے گئے۔ مغربی بنگال میں جہاں سندربن کے دور افتادہ علاقوں میں ساحلی علاقوں پر پولنگ بوتھ قائم کئے گئے، وہاں ضلع دارجلنگ میں سیری کھولا میں بھی، جو سطح سمندر سے ۹۰۰۰ فیٹ کی بلندی پر واقع ہے، پولنگ بوتھ قائم کیا گیا۔

۲۴ دسمبر کی صبح ساڑھے سات بجے سے پولنگ بوتھ میں ووٹ ڈالنے کا کام شروع ہوا اور یہ کام بلا روک ٹوک پُرامن طریقہ سے سہ پہر ساڑھے تین بجے تک جاری رہا۔ اس ریاست میں ۶۵ تا ۷۰ فیصد ووٹروں نے اور بعض علاقوں میں ۸۰ فیصد ووٹروں نے ووٹ دیئے۔ ریاستی حکومت کی طرف سے بہت ہی اچھے انتظامی اور دیگر اقدامات کئے گئے تھے اور ایک دو جگہوں کے علاوہ اس ریاست کے باقی تمام علاقوں میں بہت ہی پُرامن طریقہ سے پولنگ کا کام مکمل ہوا۔ انتخابی کمیشن کے مرکزی مشاہد شری کے۔ این۔ اردھاناریشورن نے اس ریاست میں پولنگ کے سلسلے میں یوں کہا:

"اس ریاست میں پُرامن پولنگ کے لئے ریاستی حکومت اور انتظامیہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔"

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے پُرامن پولنگ کے لئے لوگوں کو، پولس کو اور پولنگ کے انتظامات سے وابستہ افراد کو مبارکباد دی۔

انہوں نے کہا کہ:

"مغربی بنگال نے اپنی نیک نامی کو برقرار رکھا اور سارے مغربی بنگال میں انتخابات پُرامن طریقے سے ہوئے۔" ++

مستحکم ریاستیں ملک کو بھی مستحکم بنادینگی

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ انہوں نے مرکز۔ ریاست تعلقات کے کمیشن، جس کے سربراہ جسٹس آر۔ ایس۔ سرکاریہ ہیں، سے اپیل کی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنا کام مکمل کرے اور اپنی سفارشات داخل کردے۔ وزیر اعلیٰ نے ۹ر نومبر ۱۹۸۴ء کو کلکتہ کمیشن کے سامنے بیان دیا تھا۔ بعد میں رائٹرس بلڈنگس میں پریس رپورٹروں سے بات چیت کرتے ہوئے اس سلسلہ میں اپنی باتوں کی وضاحت کی۔

شری جیوتی باسو نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس کمیشن کی، کمیشن آف انکوائری ایکٹ کے تحت یا پارلیامنٹ کی قرارداد کے ذریعہ تشکیل نہیں کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ مرکز۔ ریاست کے موجودہ تعلقات میں بڑی تبدیلی لانی چاہئے۔ اور اس کمیشن کو اپنی رپورٹ میں ایسی تبدیلیوں کا ذکر کرنا چاہئے۔ انہوں نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا کہ کمیشن کو جن باتوں کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں وہ بہت وسیع ہیں اور کمیشن کے ممبران موجودہ مرکز۔ ریاست تعلقات کے چند اہم پہلوؤں کی بابت پوچھ گچھ کررہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ انہوں نے کمیشن کے سامنے یہ تجویز پیش کی ہے کہ راجیہ سبھا کی از سر نو اس طرح تشکیل کی جائے کہ اس میں تمام ریاستوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ بہت سارے ملکوں مع ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین میں اسی اصول کو اپنایا گیا ہے اور اس اصول سے نسبتاً کمزور اور چھوٹی ریاستوں کو، جنہیں اس بات کی شکایت ہے کہ ان سے غفلت برتی جاتی ہیں اور ان سے بدلیسی جیسا سلوک کیا جاتا ہے، کچھ تشفی حاصل ہوگی۔

جموں و کشمیر اور آندھرا پردیش میں ریاستی حکومتوں کو ختم کرنے میں گورنروں کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے اپنے اس نظریہ کا اعادہ کیا کہ گورنر کے عہدہ کو ختم کردیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ نو تشکیل کردہ سیاسی نظام میں فاضل یا بچے ہوئے اختیارات کو وفاقی ریاستوں کے نہ کہ وفاقی مرکز کے حوالے کردینا چاہئے۔ انہوں نے کمیشن سے یہ درخواست بھی کی ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے امریکہ، سوویت یونین، آسٹریلیا اور کناڈا جیسے ملکوں کے دستوروں کا معائنہ کریں۔

آٹھویں مالیات کمیشن کی سفارشات پر مرکزی حکومت کے فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ مرکز کے اس فیصلہ سے ریاستوں کو موجودہ مالی سال میں تقریباً ۱۵۰۰ کروڑ روپے سے محروم ہونا پڑا۔ اس رقم سے ۳۰۰ کروڑ روپے تو صرف مغربی بنگال کو ملتے۔ انہوں نے بین ریاستی کاؤنسل کی تشکیل پر زور دیا۔ انہوں نے کمیشن کو بتایا کہ جہاں مرکز۔ ریاست تعلقات کا مسئلہ درپیش ہو وہاں بین ریاستی کاؤنسل سے نہ کہ مرکزی وزرا کی کاؤنسل سے رہنمائی حاصل کرنی بہتر ہوگی۔

وزیر اعلیٰ نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ کیوں ایک

مغربی بنگال اسمبلی کے پاس کردہ ۱۲ بلوں کو صدر کی منظوری حاصل نہیں ہوئی۔

وزیر اعلیٰ نے کل ہند ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی طرفداری کے ... پر اپنے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان عوامی ذرائع کو صرف مرکزی حکومت کے لئے مخصوص نہیں کی جانی چاہئے۔

انہوں نے مزید کہا کہ اگر ریاستوں کو زیادہ اختیارات دیئے جائیں تو اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ مرکز کو کمزور بنا دیا جائے کیوں کہ مضبوط ریاستیں مضبوط تر مرکز بنائیں گی

وزیر اعلیٰ ... ری جیوتی باسو نے سرکاریہ کمیشن کے سامنے جو بیان دیا تھا اس کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

مرکز و ریاست تعلقات پر کمیشن ایک عظیم قومی المیہ کے موسم میں مغربی بنگال کے دورہ پر آرہا ہے۔ اس الم... نے اس بات کو اور بھی زیادہ اہم بنا دیا ہے کہ یہ کمیشن جلد سے جلد اپنا کام مکمل کرے اور اپنی سفارشات پیش کرے۔ آج قوم شدید تناؤ سے اور قوم کو منتشر کرنے والی طاقتوں سے دوچار ہے، لیکن اس طرح کے زیادہ تر مسائل تو مرکز اور وفاقی ریاستوں کے درمیان موجودہ تعلقات میں عدم توازن کی پیداوار ہیں۔ جب تک مرکز۔ریاست تعلقات کو جامع طور پر از سر نو مرتب نہ کیا جائے گا اس وقت تک اس بات کا خدشہ لاحق رہے گا کہ سماجی اور معاشی دباؤ میں کافی اضافہ ہو جائے گا اور اس میں کافی شدت پیدا ہو جائے گی۔ یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ معروضی باتیں نظام سیاست میں غیر منطقی جذبات کو ابھرنے سے روک دیں۔

کمیشن کے پیش کردہ سوالنامہ کا جواب دیتے ہوئے حکومت مغربی بنگال نے ہمارے ملک میں مرکز۔ریاست تعلقات ... نو ترتیب دینے سے وابستہ اہم مسائل کی مکمل طور پر وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود کمیشن کی آمد کے موقع پر میں اس کمیشن کی توجہ اور بھی کئی مسائل کی طرف مرکوز کرانا چاہتا ہوں کیوں کہ حالیہ مہینوں میں ان مسائل کی اہمیت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

ہم لوگوں نے کمیشن کے سوالنامہ کے جواب میں گورنر کے کردار کی بابت کچھ تفصیل کے ساتھ اپنے نظریہ کا اظہار کیا ہے۔ اس سال کے جولائی اور اگست کے مہینوں میں علی الترتیب جموں و کشمیر اور آندھرا پردیش کے گورنروں کے، ریاستی حکومتوں کی ساخت میں تبدیلی لانے کے لئے، کردار سے ہمارے اس نظریہ کو کافی تقویت ملتی ہے۔ ان دونوں ریاستوں میں گورنروں نے ریاستی مجلس قانون ساز کی رائے معلوم کئے بغیر اپنے امتیازی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے جمہوری طور پر منتخبہ وزرائے اعلیٰ کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہیں اپنی پسند کے لوگوں کو بٹھا دیا۔ ہمارے ملک میں سماجی اور سیاسی بیداری کی حالت کی بابت جتنا کم کہا جائے اتنا ہی بہتر ہے، کیوں کہ ہمارے یہاں قانون ساز اسمبلی کے ممبروں کو دَل بدلی کی اور ان سیاسی منشور سے، جن کی بنیاد پر وہ منتخب ہوئے، انکار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ایسی دَل بدلی کی گورنروں کی سرگرمیوں اور اقدامات سے دیدہ و دانستہ طور پر ہمت افزائی کی جاتی ہے، کیوں کہ گورنروں نے اپنی من مانی کرتے ہوئے یا مرکزی حکومت کے جاری کردہ ہدایت نامے کے تحت اپنے طور پر وزرائے اعلیٰ کو برطرف کرتے ہیں یا ان کی تقرری کرتے ہیں۔ جموں و کشمیر میں جو ناانصافی کی گئی اس کا ابھی تک ادراک نہیں کیا گیا۔ اس وقت سے وہاں کے ممبران مجلس قانون ساز نے جنہیں اپنی وفاداری بدلنے پر راغب کیا گیا تھا، اپنی پرانی پارٹی کی طرف واپس آنا پسند نہ کیا لیکن اس سے گورنر کے کئے گئے اقدامات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

آندھرا پردیش میں صورتحال مختلف تھی۔ شاید یہاں گورنر کے منتخب کردہ وزیر اعلیٰ کو ریاستی اسمبلی کی اکثریت کی تائید حاصل نہ تھی۔ یہ نہایت ہی ہتک آمیز بات ہے کہ گورنر نے موجودہ وزیر اعلیٰ کی اس درخواست کو، کہ انہیں ۴۸ گھنٹے کی مہلت دیں تا کہ وہ ریاستی اسمبلی کو بلا کر اور وہاں اس کے ممبروں کو آنے کے لئے مدعو کر سکے، جہاں وہ اپنی اکثریت کا ثبوت پیش کر سکے، گورنر نے نامنظور کر دیا اور اس کی جگہ انہوں نے جس شخص کو بحیثیت وزیر اعلیٰ منتخب کیا تھا اسے تیس دنوں کی مہلت دی کہ وہ اس عرصہ میں اسمبلی کا جلسہ منعقد کرے اور وہاں اپنی اکثریت کا ثبوت پیش کرے۔ اور ایسا کرنے میں وہ ناکام رہا۔

اس موضوع کا ایک اور بھی رخ ہے جس کی طرف میں کمیشن کی توجہ مرکوز کرانا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ پہلی جولائی ۱۹۸۴ء کے سہ پہر تک جموں اور کشمیر کے وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ بھی تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے علم میں لائے بغیر، ان کی رضامندی حاصل کئے بغیر اسی دن کی صبح سے ہی اس ریاست میں نیم فوجی سپاہیوں کو بذریعہ ہوائی جہاز بھیجنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ فوجی سپاہیوں کی باہر سے اس طرح کی آمد گورنر کے براہِ راست حکم سے ہوئی۔ یہ دستوری طریقہ کار کے بالکل خلاف ہے ...ت کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ اس طرح کے واقعات دوبارہ رونما ہوں۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم بلا جھجک اس بات کا پرچار کر سکتے ہیں کہ گورنر کے عہدے کو ختم کر دیا جائے۔ میں کمیشن سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ صوبائی گورنر کے کردار ... سفارشات کی بابت حکومتِ ہند ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعات پر غور کرے۔ ...انعکاسات کو مسلمہ ہمارے دستور میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ہمارے وفاقی جمہوری ڈھانچہ پر شاہی میراث لاد دی گئی ہے۔ ساری دنیا میں بہت ساری وفاقی قومیں ہیں جہاں وفاقی مرکز اور وفاقی یونٹیں ایک درمیانی فرد جیسے ہمارے دستور کے تحت گورنر، کی موجودگی کے بغیر ساری دستوری انتظامات کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔

کمیشن کے سوالنامہ کا ریاستی حکومت نے جواب بھیج دیا۔ لیکن اس کے بعد سب سے پریشان کن واقعہ رونما ہوا اور وہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے آٹھویں مالیاتی کمیشن کی سفارشات کو تسلیم نہیں کیا۔ اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ مالی سال میں ریاستی حکومتوں کو تقریباً ۱۵۰۰ کروڑ روپے کے وسائل سے محروم ہونا پڑا۔ اس رقم میں سے تین سو کروڑ سے زیادہ روپے صرف مغربی بنگال کو ملتے۔ مرکزی حکومت کے اس فیصلہ کی قانونی اور دستوری پہلوؤں کے سلسلے میں سوال اٹھایا جا سکتا ہے اور سپریم کورٹ میں ریاستی حکومت نے اس فیصلہ کو چیلنج کیا ہے۔ پھر بھی شدت کے ساتھ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بذاتِ خود دستوری گنجائشوں میں مناسب طور پر ترمیم لائی جانی چاہئے تاکہ ایسے معاملات میں تمام غیر واضح باتوں کو دور کر دیا جائے۔ اس طرح مالیاتی کمیشن کی سفارشات کو روبہ عمل لانے سے ٹالنے کے لئے مرکزی حکومت کو کوئی بہانہ نہ ملے۔ مرکز۔ ریاست مالیاتی رشتہ، جو وفاقی نظام کو برقرار رکھنے کیلئے بنیادی ضرورت ہے، کا اہم نقطہ یہ ہے کہ ایسے انتظامات کئے جائیں کہ مقررہ مدت کے بعد مالیاتی کمیشن کی تقرری کی جائے اور اس کی سفارشات کو روبہ عمل لایا جائے۔ اگر مرکزی حکومت اپنی متلون مزاجی سے اس نظام کو درہم برہم کرنا چاہے تو یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ملک کے وسیع علاقوں میں وسیع پیمانہ پر سماجی اور معاشی بے چینی رونما ہوگی۔ ایسی پیچیدگیوں سے ہر قیمت پر پرہیز کرنا چاہئے اور اس کے لئے حسبِ ضرورت دستوری تبدیلیوں کو روبہ عمل لانا چاہئے۔

میں اس نقطہ کی طرف بھی کمیشن کی توجہ مرکوز کرانا چاہتا ہوں کہ مرکزی حکومت کمیشن کی سفارشات کو پرے رکھ سکتی ہے، کیوں کہ دستور کی دفعہ ۷۴ میں ایسی باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اب اس دفعہ میں درج باتوں کے تحت صدر کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں مرکزی وزراء کی کاؤنسل کے مشورہ کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ میں یہاں ریاستی حکومت کے خیالات کو دہراتا ہوں کہ جہاں مرکز۔ ریاست تعلقات کا سوال ہو وہاں صدر کو مرکزی وزراء کی کاؤنسل کے مشورہ سے نہیں بلکہ دستور کی دفعہ ۲۶۳ کے تحت بین ریاستی کاؤنسل کے مشورہ سے، حسبِ ضرورت اقدامات کرنے چاہئیں۔ ان باتوں کا ہم نے اپنے جواب میں ذکر کیا ہے۔

کمیشن نے بین ریاستی کاؤنسل کے دائرہ کو دیکھا ہوگا جہاں ہم یہ چاہتے تھے کہ کاؤنسل اپنے اختیارات کو روبہ عمل لا سکے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ پارلیامنٹ کا کردار پر پابندی عائد کر دی جائے بلکہ لوک سبھا و راجیہ سبھا کے از سر نو تنظیم کے سہارے جمہوری نظام میں سب سے نمایاں آتھوریٹی دینا ہوگا۔ لیکن مرکز۔ ریاست تعلقات سے وابستہ اہم مسائل کا جہاں سوال آتا ہے وہاں تو بین ریاستی کاؤنسل، جس کی تشکیل میں وفاقی ریاستوں کے نقطہ نظر کو کافی اہمیت دی جانی چاہئے، جیسے اداروں کے مشورے ان مسائل کو سمجھنے اور ان کی بابت فیصلہ لینے میں بہت معاون ثابت ہوں گے۔

اب میں چند مخصوص مسائل کا ذکر کروں گا۔ دستور کی دفعہ ۲۰۰ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ماضی میں اس ریاست کے گورنروں نے ہماری ریاستی اسمبلی کے پاس کردہ کئی ایک اہم بلوں کو مرکزی حکومت کے پاس بھیج دیا، اور ابھی تک ایسے بلوں کو منظوری نہیں دی گئی۔ میں اس سلسلہ میں مغربی بنگال اصلاحات آراضی (ترمیمی) بل ۱۹۸۱ء اور کلکتہ یونیورسٹی ایکٹ (ترمیمی) بل ۱۹۸۴ء کا خاص طور پر ذکر کروں گا۔ بعد الذکر بل کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اس بل کا موضوع مشترکہ فہرست سے وابستہ ہے اور اس کی دفعات کسی بھی مرکزی ایکٹ کی دفعات کے مترادف نہیں ہے۔ تاہم اس بل کو روکے رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اصلاحات آراضی (ترمیمی) بل کی بابت بھی، مرکزی حکومت نے دستور کی دفعہ ۳۱ (الف) میں رکھی گئی گنجائش کو روبہ عمل لاتے ہوئے گول مول طور پر اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اس ترمیم کی منظوری سے ملک کی برآمدات کے فروغ کی کوششوں پر ناموافق اثر پڑے گا۔ ہمارے دستور میں ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصولوں میں برآمدات کے فروغ کا ذکر نہیں ہے۔ ہمارے دستور کی دفعات ۳۸ اور ۳۹ میں یہ باتیں وضاحت کے ساتھ درج ہیں کہ قطعات آراضی کو اور بھی زیادہ مساوی طور پر تقسیم کیا جائے۔ اس لئے یہ امر لازمی ہے کہ ان معاملوں میں جن کی بابت ریاستوں کو خصوصی اختیارات حاصل ہیں، قانونی اور انتظامی طور پر مداخلت کرنے کے لئے مرکزی حکومت کے اختیارات کو دستور کے تحت روبہ عمل لانا چاہئے اور مجھے امید ہے کہ یہ کمیشن اس مقصد کی برآوری کے لئے دستور میں حسبِ ضروری ترمیمات لانے کیلئے سفارش پیش کرے گا۔

کمیشن کے سوال نامہ کے جواب میں ہم نے اس بات کی پرزور درخواست کی ہے کہ ریاستوں کے کاؤنسل اور راجیہ سبھا کو اس طرح نئے سانچے میں ڈھالا جائے کہ تمام ریاستوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہو۔ یہ اصول سوویت یونین اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دستوروں میں درج ہے۔ اور یہ اصول ان ملکوں میں نسبتاً چھوٹی اور کمزور ریاستوں کے، جو یہ سمجھتی ہیں کہ ان سے غفلت برتی جاتی ہے اور ان سے غیر ملکیوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے، ایسے خیالات کو دور کرنے اور ان میں یک جہتی کو فروغ دینے میں کافی معاون ثابت ہوا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے لوگوں کے درمیان نسلی، لسانی اور ثقافتی تنوع ہیں اور ان کی زندگی میں ان کی معاشی اور سماجی سطحوں پر بھی وسیع تفریق ہے، اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ مختلف ریاستوں میں رہنے والے لوگوں کا ایک ایک الگ فورم ہو جہاں وہ مساوی طور پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ریاستوں کے کاؤنسل کی اس طرح تشکیل کی جائے کہ اس میں تمام ریاستوں میں مساوی نمائندگی حاصل ہو۔

اگر ایسا فورم عالم وجود میں ہوتا تو نیپالی زبان کو ایک قومی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرنے اور آٹھویں جدول میں اسے درج کرنے کے مسئلہ کی طرف کافی توجہ دی جا سکتی ہے۔ اس زبان کو تسلیم کرنے سے مغربی بنگال اور سکم کے بہت سارے لوگوں کو تسلی حاصل ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلہ میں کمیشن سفارش پیش کریگا۔

کمیشن کے سوالنامہ کے جواب میں ہم نے مرکز اور ریاستوں کے درمیان مالیات اور مال وسائل کی تقسیم سے وابستہ مسئلہ کی وضاحت کی۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے صنعتی لائسنسنگ کے کردار پر کافی بحث و مباحثہ کیا اور اس بات کی وضاحت کی کہ صنعتی (ترقیاتی و ضابطگی) ایکٹ کی دفعات کے تحت ملک کی متوازی معاشی ترقی کے کاز کو اس سے کتنا نقصان پہونچا ہے۔ ہم نے ملک میں معاشی منصوبہ بندی کے حالِ زار کا بھی اور منصوبہ بندی کمیشن کی دشواریوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مجھے اس بات کی پوری امید ہے کہ یہ کمیشن ان مسائل کی بابت ہمارے تجویزوں کا غائر تجزیہ کرے گا اور اس کے بعد ہی اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرے گا۔

میں کمیشن سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آج قوم جن مسائل سے دوچار ہے ان کی روشنی میں وہ مرکز۔ ریاست تعلقات کو متاثر کرنے والے مسائل پر غور و خوض کرے۔ اس معاملہ میں تاریخی باتوں کو زیر غور رکھنا ہوگا۔ برٹش کی آمد سے قبل اس ملک میں ایک متحدہ انتظامی نظام قائم نہ تھا۔ برٹش کے دورِ حکومت میں بھی یہاں بہت ساری ریاستیں تھیں جہاں راجے اور نوابوں کی حکومتیں تھیں اور باقی ریاستیں برٹش کے زیرِ حکومت تھیں۔ آزادی کے قبل کے

دنوں میں انڈین نیشنل کانگریس کے سربراہ اس تاریخی حقیقت سے بخوبی واقف تھے اور وہ سب اس بات کے خواہاں تھے کہ آزادی کے بعد ہندستان میں وفاقی نظام برقرار رہے اور اس حقیقت کو رسمی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا، ساتھ ہی مختلف ثقافتی، لسانی، نسلی اور مذہبی فرقوں کو، جن پر عظیم ہندستانی قوم مشتمل ہے، مزید سہولتیں فراہم کی جائیں تاکہ وہ اپنی ترقیاتی سرگرمیوں کو پورے طور پر جاری رکھ سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کافی اہمیت کی حامل ہے کہ مجموعی سماجی، معاشی ترقی کی کاوشوں کے نام پر دوسرے فرقوں کے مفادات، ان کی بہتری اور ترقی کے لئے کسی خاص فرقہ کے مفادات کو دبایا نہ جائے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی اگست سنہ ۳۱ء کی قرارداد میں، اس بات کی تجویز پیش کی تھی کہ آزادی کے فوراً بعد ہی نو تشکیل کردہ نظام ریاست میں بقیہ اختیارات وفاقی ریاستوں کو حاصل ہوں گے نہ کہ وفاقی مرکز کو۔ لیکن جب دستور ہند مرتب کیا گیا اور لاگو کیا گیا تو اس میں اس تجویز کے برعکس تجویز کا ذکر کیا گیا۔ میری یہ تجویز ہے کہ دستور ہند میں اس طرح ترمیم لائی جائے کہ آزادی کی تحریک کے عرصہ میں جو عہد کیا گیا تھا وہ پورا ہو۔

اس سلسلہ میں میں کمیشن سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ، سوویت یونین، کناڈا اور آسٹریلیا جیسے وفاقی ملکوں کے دستوروں میں درج باتوں پر غور و خوض کرے۔

ہندستان جن مسائل سے دوچار ہے وہ بے نظیر نہیں ہیں۔ ہندستان جیسے دیگر ممالک بھی ایسے مسائل سے دوچار ہیں اور انہیں حل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہمیں ان تمام باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ اس کمیشن کے لئے مثال کے طور پر روس کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے کامریڈ اسٹالن نے جو تقریر کی تھی، اس کا مطالعہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کامریڈ اسٹالن نے سنہ ۱۹۲۳ء میں سوویت یونین کے مجوزہ دستور پر مرکزی کمیٹی کے سامنے یہ تقریر کی تھی:

"اگر ہم یونین کی مرکزی ایگزیکیٹو کمیٹی کے اندر مساوی اختیارات کے دو چیمبر، ایک بلالحاظ قومیت سوویتس کے یونین کانگریس ہوگا جو منتخب ممبروں پر مشتمل ہوگا اور دوسرا ریپبلک اور قومی علاقوں پر مشتمل ہوگا (دوسرے چیمبر میں ریپبلک اور قومی علاقوں کے ممبروں کی تعداد برابر ہوگی) قائم کر سکیں اور یونین ری پبلک کے سوویت کانگریس انہیں تسلیم کرے تو میرے خیال میں ہمارے اعلیٰ ترین ادارے نہ صرف تمام محنت کشوں کے طبقاتی مفادات کی بلکہ اس کے ساتھ قومی ضرورتوں کا بھی اظہار کریں گے۔ ہمارے پاس ایسا ادارہ ہوگا جو اس ری پبلک یونین میں رہنے والے تمام قومیت، فرقے اور ذات کے لوگوں کے مفادات کا خصوصی خیال رکھے گا۔ ہمارے یونین میں فی الحال ۱۴ کروڑ کی آبادی ہے۔ ان میں سے ۶ر۵ کروڑ افراد غیر روسی ہیں۔ اس لئے ایسے ملک میں حکومت کرنا ناممکن ہے جب تک کہ ہم لوگ اپنے ساتھ یہاں ماسکو میں، اس اعلیٰ اختیار تنظیم میں ان مختلف اقوام کے نمائندوں کو مجموعی طور پر اس پرولتاریت میں نہ صرف اپنے عام مفادات کے اظہار کے لئے بلکہ خصوصی قومی مسائل کو پیش کرنے کے لئے، شامل نہ کریں۔ کامریڈس، ایسا کئے بغیر ہمارے لئے حکومت کرنی ممکن نہ تھی۔ جب تک ہم انفرادی طور پر مختلف قوموں کی خصوصی ضرورتوں کو مرتب کرنے اور انہیں حل کرنے کے لئے ان لوگوں کو اپنے ساتھ نہ رکھیں گے، اس وقت تک حکومت کرنی ممکن نہ ہوگی۔"

(جے۔ وی۔ اسٹالن، ورکس، حجم ۵ صفحات ۲۶۳-۲۶۴ ماسکو سنہ ۱۹۵۳ء)

ایک دستور زندہ رہتا ہے اور اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اگر اس میں رکھی گنجائشوں میں ایک ایسے انتظام کا ذکر ہو جس کے تحت حکمراں ایجنسیاں اور ان لوگوں کے درمیان جن پر وہ حکومت کرتے ہیں مسلسل رابطہ قائم رکھا جا سکے۔ اس مقصد کے پیش نظر ہم ہمارے دستور میں مرکز۔ ریاستی تعلقات کی از سر نو ترتیب کرنے کے متلاشی ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ اس کمیشن نے اپنے لئے اسی مقصد اور اسی منزل کو پیش نظر رکھا ہے ٭٭

کلکتہ کے نئے شیرف

مغربی بنگال کے گورنر نے شری جوہر لال سین گپتا کو ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۸۴ء سے کلکتہ کا شیریف مقرر کیا ہے

مغربی بنگال

صنعتی رفتار ترقی

تقریباً بیس سال قبل تک مغربی بنگال کو اس ملک کی صنعتی ریاستوں میں اول مقام حاصل تھا۔ لیکن بہت ساری وجوہ سے اب مغربی بنگال دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں پیچھے رہ گیا ہے۔ ریاستی حکومت نے اس پسماندگی کی وجہ کی شناخت کرلی ہے اور اس ریاست میں صنعت کی افزائش اور ترقی کی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کرنے کیلئے اقدامات کئے ہیں۔

نئی سمت: اس ریاست کی صنعتی پالیسی کو اب ایک نئی سمت کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

اس نئی پالیسی میں صنعتوں کے قیام کے لئے خارجی سہولتوں کی فراہمی، پاٹ اور چائے جیسی روایتی صنعتوں کے ساتھ ساتھ الیکٹرونکس اور پیٹرو کیمیکل صنعتوں کا فروغ، برآمد کرنے کے لئے مصنوعات کی تیاری، صنعتی بڑھاوا اسکیم کے تحت کاروباریوں اور صنعت کاروں کو خدمات اور دیگر سہولتوں کی فراہمی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی تیز رفتار ترقی اور صنعتی پروجیکٹوں کے لئے حکومت کی طرف سے اجازت حاصل کرنے کے لئے خدمات وغیرہ کی فراہمی شامل ہیں۔

صنعتوں کے قیام کے لئے مغربی بنگال میں چند قدرتی سہولتیں فراہم ہیں۔ مقامی مزدوروں کے ہنر اور جدت پسندی کافی مشہور ہیں۔ اس ریاست میں بہت ہی مستحکم حکومت قائم ہے۔ اس کا دارالسلطنت کلکتہ کا ساری دنیا کے محفوظ ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس ریاست میں کلکتہ اور ہلدیہ میں دو بندرگاہیں ہیں۔ بڑی صنعتوں کو چھوٹی چھوٹی معاون صنعتوں سے کافی مدد ملتی ہے۔ آج مغربی بنگال کو سارے ملک میں انجینئرنگ مصنوعات تیار کرنے کے سلسلے میں مرکزی مقام حاصل ہے۔

صنعتی تعلقات: ریاستی حکومت نے ٹریڈ یونینوں اور انتظامیہ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھے ہیں۔ گزشتہ برسوں میں صنعتی تنازعات کے واقعات بہت کم ہوئے اور سارے ملک میں اس ریاست میں صنعتی تعلقات سب سے بہتر ہیں۔

نتائج: ریاستی حکومت کی ان کوششوں کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ لائسنس، رجسٹریشن اور پروجیکٹوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ غیر رہائشی ہندستانیوں نے بھی اس ریاست میں صنعتیں قائم کرنے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

بجلی کی سہولتیں: اس ریاست میں بجلی کی کمی ہے۔ لیکن بجلی کی کمی تو ایک قومی مسئلہ ہے۔ تمام ریاستی حکومتوں اور مرکزی حکومت کو اس بات کا احساس ہے اور اس کے لئے اس سیکٹر میں وسیع پیمانہ پر سرمایہ کاری کی گئی۔ حکومت مغربی بنگال نے بھی بجلی کے پلانٹ کی صلاحیت میں اور بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ سنہ ۱۹۸۲ء میں مغربی بنگال میں ۱۳۸۵ میگاواٹ بجلی پیدا کی جاتی تھی اور اسی سال اس صلاحیت میں ۳۳۰ میگاواٹ کا اضافہ کیا گیا۔ ایک منصوبہ کے تحت مغربی بنگال میں مرکزی، ریاستی اور پرائیویٹ سیکٹر میں بجلی سپلائی ایجنسیوں سے سنہ ۱۹۸۶ء تک مزید ۸۰۰ میگاواٹ بجلی فراہم کی جائے گی۔ سنہ ۱۹۸۱ء اور سنہ ۱۹۸۳ء کے درمیان سی ای ایس سی اور ڈبلیو بی ایس ای بی کی پیداواری صلاحیت بڑھ کر علی الترتیب ۴۸۰.۵۰ لاکھ یونٹ اور ۵۵۵۷۰ لاکھ یونٹ ہوگئی۔

صنعتوں کے قیام کے مراکز: اس ریاست میں بہت سی جگہوں میں صنعتوں کے قیام کے مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ اس طرح کے ہر مرکز میں قطعات اراضی کو بہتر بنایا جا رہا ہے، پانی اور بجلی کی سپلائی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ان اقدامات سے صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں وقت اور اخراجات کی بچت ہوتی ہے۔ آج مغربی بنگال میں صرف چار ایسے

مراکز ہیں اور ایسے نئے مراکز کے قیام کیلئے کوششیں کی جارہی ہیں۔

صنعتی بڑھاوا: پرائیویٹ صنعتوں کے تئے حکومت مغربی بنگال بہت ہی اچھی بڑھاوا اسکیم کو روبہ عمل لارہی ہے۔ اسی اسکیم کے تحت صنعتوں کو سیلس ٹیکس بطور قرض واپس دیا جاتا ہے۔ بجلی کی قیمت میں کمی کردی جاتی ہے، ترجیحاتی قرض فراہم کئے جاتے ہیں۔ صنعتوں کو خود کار بجلی مشین خریدنے کیلئے امداد فراہم کی جاتی ہے۔ ایسی امداد مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہے۔ اس کارپوریشن نے ۹۰ لاکھ روپے تک بطور قرض اور ۱۵ لاکھ روپے (آئی ڈی بی آئی اسکیموں کے تحت) بطور ابتدائی سرمایہ پرائیوٹ سیکٹر پروجیکٹوں کو فراہم کئے۔

مشاورتی ایجنسی: سیلپو بندھو اور ایس آئی ڈی سی جیسی ایجنسیاں ایک طرف بڑے اور متوسط درجہ کی صنعتوں کو اور دوسری طرف چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی مختلف سرکاری ایجنسیوں سے صنعتوں کو چالو کرنے کے سلسلہ میں اجازت نامے حاصل کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

جائے وقوع: مغربی بنگال میں ۵ اضلاع ایسے ہیں جہاں صنعتیں قائم نہیں ہیں۔ ان میں سے چار اضلاع شمالی بنگال میں ہیں۔ ایسے اضلاع کو حکومت اور مالیاتی اداروں سے کافی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں تاکہ صنعت کار یہاں صنعتیں قائم کرسکیں۔

تیز رفتار صنعت: ریاستی حکومت نے الیکٹرونکس، پیٹرو کیمیکلس اور برآمد کی مصنوعات تیار کرنے والی صنعتوں کی تیز تر ترقی کے لئے منصوبے مرتب کئے ہیں۔

الیکٹرونکس: مغربی بنگال کی حکومت نے ایک الگ کارپوریشن، مغربی بنگال الیکٹرونکس انڈسٹری ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کیا ہے۔ اس کارپوریشن نے کلکتہ میں الیکٹرونکس کے سامان تیار کرنے کے لئے بہت سی صنعتی یونٹیں قائم کی ہیں۔ نیز اس طرح کے الیکٹرونکس کے ۵ اور علاقے جلپائی گوڑی، کھڑگپور، دارجلنگ، ڈائمنڈ ہاربر اور بانکوڑا میں قائم کئے جائیں گے۔ ان علاقوں میں الیکٹرونکس صنعت قائم کرنے کے لئے اس کارپوریشن کو بہت ساری درخواستیں موصول ہوتی ہیں۔

پیٹرو کیمیکلس: ہلدیہ میں نیپتھا پر مبنی پیٹرو کیمیکلس کی مصنوعات تیار کرنے کے بہت سارے کارخانے قائم کئے گئے ہیں۔ اس صنعتی یونٹ میں ایتھیلین اور دیگر مصنوعات جیسے پی وی سی، ایچ ڈی پی ای، بنزن، لڑلیون، بوٹادین، ایتھیلین آکسائڈ، گلائی کول وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں ۵ پروجیکٹوں کو روبہ عمل لانے کے لئے قطعات آراضی کی حصولیابی کا کام جاری ہے۔ ان میں سے بہت سارے پروجیکٹوں کے لئے مقامی علاقوں سے خام اشیاء فراہم کی جائیں گی۔

فالتا برآمدات پروسیسنگ علاقہ: کلکتہ کی بندرگاہ سے تقریباً ۵۰ کیلو میٹر کی دوری پر فالتا برآمدات کے فروغ کے لئے ایک پروسیسنگ علاقہ قائم کیا جارہا ہے۔ اس مقصد کے لئے ۲۸۰ ایکڑ قطعات آراضی حاصل کرلئے گئے ہیں اور انہیں بہتر بنانے کا کام جاری ہے۔ اس علاقہ میں صنعتیں قائم کرنے کے سلسلہ میں لائسنس کے لئے درخواستیں موصول ہورہی ہیں۔ یہاں پر قائم ہونے والی صنعتوں کو بہت ساری سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ چنگی سے آزاد درآمدات کی، آبکاری، اکسائز ٹیکس اور سیلس ٹیکس سے مستثنیٰ، نفع وغیرہ کے ترسیل کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

قدرتی وسائل: مغربی بنگال میں بہت اہم معدنی ذخائر جیسے چینی مٹی، کھلونے بنانے کی مٹی، چٹان، فاسفیٹ، ٹنگسٹن خام، فیلڈ سپر، سیلیکا اور ڈولومائٹ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ سٹرونیلا اور لیمو گھاس (عطر اور سینٹ تیار کرنے کے یہ دونوں خام اشیاء ہیں) کی اور ادویہ سازی صنعت کے لئے خام اشیاء جیسے اپیکاک، ڈائیسکوریا اور سنکونا کی کاشت کے لئے شمالی بنگال کا علاقہ کافی زرخیز ہے۔

چھوٹے اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتیں: مغربی بنگال خاص طور پر دستی رنگ [illegible] ریشم [illegible] ، بل میٹل، مٹی کے پتلے، ہاتھی دانت

کی مصنوعات تیار کرنے کی دیہی صنعتوں اور دستکاری کے لئے کافی مشہور ہے۔ اس ریاست کی سب سے اہم دیہی صنعت ہتھ کرگھے کی صنعت ہے۔ اس صنعت کی پیداوار ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۲۸۰ کروڑ میٹرس سے بڑھکر ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۳۶۹ کروڑ میٹر ہوگئی۔ خام ریشم کی پیداوار بھی ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۵۵ر۳ لاکھ کیلوگرام سے بڑھکر ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۶ لاکھ کیلوگرام ہوگئی۔ گزشتہ چند برسوں میں چمڑے کی صنعت میں بھی، صنعتی یونٹوں کی تعداد، پیداوار اور روزگار کے میدان میں کافی ترقی کی۔ دیہی صنعتوں کے امداد باہمی سیکٹر کے فروغ پر ریاستی حکومت نے کافی زور دیا اور کاریگروں کو بہت ساری سہولتیں اور مراعات فراہم کیں۔ ہینڈ لوم، پاور لوم، دستکاری، چمڑا سازی وغیرہ میں ریاستی حکومت کے اداروں نے بھی کافی ترقی کی۔

چھوٹے پیمانہ کی رجسٹرڈ صنعتی یونٹوں کی تعداد ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۱۱۵۲۹۴ تھی جو بڑھکر ستمبر ۱۹۸۲ء تک ۱۲۳۹۰۲ ہوگئی۔ اس اضافہ سے ۱۵۰۰۰ سے زیادہ افراد کے لئے مزید روزگار فراہم کئے گئے۔ ریاستی حکومت نے چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کے لئے نہ صرف مالی سہولتیں، خام اشیاء اور دیگر سہولتیں فراہم کرنے کے لئے، بلکہ ان کی مصنوعات کو بازاروں میں فروخت کرنے کے لئے بھی خصوصی پروگراموں کو روبہ عمل لایا۔ نیز چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کو سود سرمایہ، ٹیکس وغیرہ کے سلسلہ میں کافی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ مغربی بنگال چھوٹے پیمانہ کی صنعت کارپوریشن، جو چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کو فروغ دینے کے لئے ریاستی حکومت کی ایجنسی ہے، چھوٹی صنعتوں کو خام اشیاء کی سپلائی، رسل و رسائل اور دیگر سہولتیں فراہم کرتا ہے، اور اس نے ایسی یونٹوں کے صنعتی اسٹیٹ قائم کئے ہیں۔ مغربی بنگال کی چھوٹی صنعتیں بہت ساری چیزیں جن میں جدید ترین الکٹرونکس، الیکٹرک اور انجینیئرنگ سامان شامل ہیں تیار کرتی ہیں۔

برآمدات: مغربی بنگال ملک کے لئے خاص طور پر چائے اور دیگر چیزوں جن میں انجینیئرنگ، ہینڈلوم، دستکاری،

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

غزل

ہم کسی مونس کسی دمساز کو ترسا کئے
زندگی بھر زندگی کے راز کو ترسا کئے

صبح تک احساس کی محفل میں سناٹا رہا
ساز جانے کون سی آواز کو ترسا کئے

جس کے آگے زندگی کی عظمتیں ہوں سرنگوں
موت کے اس دل نشیں انداز کو ترسا کئے

ایک دن ہوگا انہیں ہاتھوں میں سورج کا چراغ
جو ابھی تک چاندنی کے ناز کو ترسا کئے

دور تھی منزل بہت لمبا تھا خوابوں کا سفر
ہو کے گھائل ہم پر پرواز کو ترسا کئے

پریم تیرے شعر جو سپنوں کے آنگن میں پلے
وہ پرندے کس لئے پرواز کو ترسا کئے

پریم وار برٹنی

ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ سنہ ۱۹۸۴ء

ریاست مغربی بنگال نے اپنی بہت ساری صنعتی اور دیگر مصنوعات تیار کرنے والی یونٹوں کے ساتھ ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ سنہ ۱۹۸۴ء میں شرکت کی۔ یہ میلہ نئی دہلی کے پراگتی میدان میں منعقد ہوا اور ہندستان کے نائب صدر شری آر۔ وینکٹ رمن نے ۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۸۴ء کو اس میلہ کا افتتاح کیا۔ مغربی بنگال کے پویلین میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سیکٹروں کے ۲۰ صنعتی اور کاروباری یونٹوں نے حصہ لیا۔

اس میلہ کا افتتاح کرتے ہوئے نائب صدر نے کہا کہ ترقی پذیر ملکوں کو اپنی صنعتی رفتار میں اور بھی تیزی لانی ہے تاکہ وہ عالمی تجارتی میدان میں اپنے مقام کو قائم رکھ سکیں۔ انہوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ زیادہ سے زیادہ غیر روایتی سامان سپلائی کرنے والے ترقی پذیر ملکوں میں نمودار ہو رہے ہیں اور انہوں نے عالمی تجارت کی دنیا میں ایک نئی وسعت کا ڈھانچہ تیار کر دیا ہے۔

گرچہ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ملکوں نے نئے نئے سامانوں کی تیاری کے کام کو ترک کر دیا ہے یوں بر ایسے سامانوں کی تیاری میں اخراجات کے لحاظ سے ترقی پذیر ملکوں کو کچھ زیادہ سہولتیں فراہم ہیں لیکن ایسی حالت میں بھی ترقی پذیر ملکوں کو برآمدات میں شدید مسابقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک نئی نئی تکنیک استعمال کر کے نئی نئی مصنوعات تیار کرتے ہیں ان تمام اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ عالمی بازار میں وہ اپنے مقام کو قائم رکھ سکیں۔

مرکزی وزیر مالیات اور تجارت شری پرنوب مکھرجی نے اپنی استقبالیہ تقریر میں ہندستان میں گزشتہ برسوں سے صنعتی میدان میں جو ترقی ہوئی ہے اس کی جھلکیاں اس تجارتی میلے میں پیش کرنے کے لئے میلہ کے حکام اور منتظمین کو مبارکباد پیش کی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے اس میلہ میں شرکت کرنے والے ملکوں کے درمیان قریبی تجارتی رشتہ کے فروغ کے لئے اس بین الاقوامی میلہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

حکومت مغربی بنگال کے وزیر صنعت و حرفت شری نرمل بوس نے ۱۵ر نومبر سنہ ۱۹۸۴ء کو اس میلہ کے مغربی بنگال پویلین میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا "مغربی بنگال صنعتی سکوت کے دور سے، جس میں یہ گزشتہ دو دہائی سے مبتلا رہا، صنعتی ترقی کی راہ پر گامزن ہو چکا ہے۔ ایسا اس لئے ممکن ہو سکا کیونکہ بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں صنعتوں کو بہت ساری سہولتیں فراہم کیں، انہیں کافی بڑھاوا دیا۔ نیز اس ریاست کے صنعتی میدان میں پرامن فضا بحال کر دی گئی۔ اب نہ صرف مقامی کاروباری بلکہ غیر رہائشی ہندستانی بھی مغربی بنگال میں صنعتیں قائم کرنے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں وزیر اعلیٰ نے حال ہی میں انگلینڈ اور امریکہ کا جو دورہ کیا تھا، اس کے مثبتی نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

شری پرلے تالکدار، وزیر ریاست، شعبہ دیہی اور چھوٹی صنعت، مغربی بنگال، جو اس کانفرنس میں موجود تھے، نے کہا کہ گزشتہ چند برسوں میں اس ریاست میں دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی رجسٹرڈ صنعتی یونٹوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

پراگتی میدان میں مغربی بنگال کا پویلین ع۲ نمبر گیٹ کے نزدیک ۲۲۶۵ مربع میٹر قطعات آراضی پر پھیلا ہوا تھا۔ نمائش گھر کو بہت ہی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور اس میں رکھی خوب صورت مصنوعات اس ریاست کی صنعتی اور ثقافتی ترقی سے لوگوں کو روشناس کراتی تھیں۔ اس پویلین کے دروازہ کے سامنے سنگ تراشی کے دو مجسمے رکھے گئے جن سے صنعتوں میں مزدور کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔ داخل ہونے کے دروازے کے اندر آئینے اس طرح رکھے گئے کہ ان میں اس ریاست کی صنعتی خود اعتمادی کی جھلکیاں نظر آتیں۔ پویلین کے باہر بٹیر اگوما (جلی مٹی)

بڑے اور چھوٹے پتلے رکھے گئے جن سے مغربی بنگال کی ثقافت اور دستکاری کی بہتری کی جھلک ملتی ہے۔ اس پویلین میں دھیمے سروں میں موسیقی یہاں آنے والے لوگوں کے دلوں کو سرور سے مست کر دیتی تھی۔ نیز یہاں روشنی اور سایہ کے ملاپ سے اس ریاست کی صنعتی ترقی کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس پویلین کا پورا ماحول ثقافتی دولت سے مالا مال تھا اور اس سے دیکھنے والے کافی مستفید ہوئے۔

اس پویلین میں جن یونٹوں کی مصنوعات بطور نمائش پیش کی گئی تھیں ان سے اس ریاست میں بڑے پیمانہ کی صنعتوں کی، چھوٹی اور دیہی صنعتوں کی اور دستکاری کی ترقی کی نمائش ہوتی ہے۔

پرائیوٹ سیکٹر کے اداروں جیسے ٹیکسماکو، جے شری ٹیکسٹائیل، ہربنس لال ملہوترہ، پردار صنعتیں، برلا جوٹ مل اور انڈین لینولیم نے اس نمائش میں اپنے اپنے یہاں تیار کردہ مصنوعات کی نمائش کی۔ صرف ٹیکسماکو نے اپنی مصنوعات اور اپنی صنعتی سرگرمیوں کی رنگین تصویروں میں نمائش کی۔ جے شری ٹیکسٹائیل کے جو سو فیصد برآمدات کا کاروبار کرتا ہے، اس نمائش میں دیسی ریشوں سے تیار کردہ آگ بجھانے کے لئے پانی کے پائپ اور کتان (لینولیم) کے دھاگے اور ریشے، کی نمائش نے کافی غیر ملکی تاجروں کو اپنی طرف کھینچا۔ اسی طرح پردار صنعت کی پاٹ ملوں کی تیار کردہ پاٹ قالین، پاٹ چٹائی اور انڈین لینولیم کی رنگین کتان قالین کو لوگوں مع کاروباریوں نے کافی پسند کیا۔

نیشنل جوٹ مینوفیکچرس کارپوریشن لمیٹڈ، مرکزی حکومت کا ادارہ ہے۔ اس کے تحت چھ ملوں نے اپنے یہاں تیار کردہ پاٹ کی خوبصورت مصنوعات، تھیلے سے لیکر موزوں نائٹ کے سنگار بٹوے تک کو لوگوں نے پسند کیا۔ نیز ریاستی حکومت کے زیر انتظام ادارے جیسے مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن، مغربی بنگال الیکٹرونکس صنعت ترقیات کارپوریشن (ویبل)، مغربی بنگال چائے ترقیات کارپوریشن، ایجل انڈیا، درگاپور کیمیکلس اور درگاپور پروجیکٹ لمیٹڈ، مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن نے بھی اپنی علاوہ چھوٹی اور دیہی صنعتوں کی تیار کردہ مصنوعات کی نمائش کی۔ تانا

برآمدات پروسیسنگ علاقہ کے ایک خاکہ کی نمائش بھی کی گئی۔ اس میں لوگوں نے خصوصی دلچسپی لی۔

ویبل کا اسٹال بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس میں نمائش کے لئے پیش کردہ الیکٹرونکس کے سازو سامان کی سبھوں نے تعریف کی۔ اس کے اسٹال میں رکھے رنگین ٹی۔ وی سیٹ اور وی سی۔ آر کو لوگوں نے کافی پسند کیا نیز اس کمپنی میں خود کار پلاسٹک کھلونے تیار کرنے والی مشینوں میں تیار کردہ پلاسٹک کی بہت ساری مصنوعات بھی اس نمائش میں رکھی گئی، جنہیں لوگوں نے کافی پسند کیا۔

دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی نظامت کا بھی یہاں بہت ہی خوشنما اسٹال تھا۔ اس اسٹال میں دیہی اور چھوٹی صنعتوں کی تیار کردہ مصنوعات کو لوگوں نے کافی پسند کیا۔ اس اسٹال میں الیکٹرونکس کے اور جدید انجینئرنگ کے آلات اور دیگر چیزوں کی بھی نمائش کی گئی۔ دارجلنگ کی ایک کوآپریٹیو یونٹ، کمپنی کی تیار کردہ پھلوں کی مصنوعات بہت سارے لوگوں نے خریدیں۔

مغربی بنگال کے ہتھ کرگھے اور ریشم کے کپڑے اور دست کاری کی مصنوعات تو سارے ہندستان میں مقبول عام ہیں۔ اس نمائش میں منجوشا، تانتوجا، تانتو شری، گرامین اور بنگیشری کے اسٹالوں میں کافی مالیت کے کپڑے اور دست کاری کی مصنوعات فروخت ہوئیں۔ شانتی پوری، دھان کھالی اور بنگلہ تیل ساڑھیوں، مرشدآباد ریشم اور بنگال کی دستکاری کی مصنوعات اور چمڑے کے بیگ خریدنے کیلئے بنگالی اور غیر بنگالی عورتوں کا ان اسٹالوں میں تانتا بندھا رہتا۔

اس کے ساتھ یہاں انا پورنا بھنڈار کی بھی دکان تھی جہاں سے مغربی بنگال کی مٹھائیاں فروخت کی گئیں۔ لوگوں نے کافی مٹھائیاں خریدیں۔

اس بار بلا شبہ مغربی بنگال کے پویلین کو کافی کامیابی حاصل ہوئی اور اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں اور بھی کامیابیاں حاصل ہوں گی ۔۔

سنہ ۱۹۸۵ء کیلئے مغربی بنگال میں عام تعطیلات کی فہرست

حکومتِ مغربی بنگال نے سنہ ۱۹۸۵ء کے درج ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کا دن قرار دیا ہے :

نیتاجی کا جنم دن — ۲۳ر جنوری ** یوم جمہوریہ اور شری پنچمی — ۲۶ر جنوری، دول جاترا — ۷ر مارچ، گڈ فرائڈے — ۵ر اپریل، یوم مئی — یکم مئی، عید الفطر — ۲۰ر جون، یوم آزادی — ۱۵ر اگست، عید الاضحیٰ — ۲۷ر اگست، جنم اسٹمی — ۷ر ستمبر، محرم — ۲۶ر ستمبر، گاندھی جینتی — ۲ر اکتوبر، درگا پوجا — اسٹمی : ۲۱ر اکتوبر، نومی : ۲۲ر اکتوبر، دسمی : ۲۳ر اکتوبر، لکشمی پوجا — ۲۸ر اکتوبر، کالی پوجا — ۱۱ر نومبر، میلاد النبیؐ / فاتحہ دوازدہم — ۲۷ر نومبر، گرونانک جینتی اور پارس ناتھ کی رتھ جاترا — ۲۷ر نومبر، کرسمس ڈے — ۲۵ر دسمبر اور * بنک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی — ۳۱ر دسمبر۔

<u>نوٹس</u> :

الف : این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔

ب : مسلمانوں کا تہوار اگر اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر درج بالا فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلمان سرکاری ملازمین کو اعلان کردہ دن کے ساتھ ساتھ اس دن بھی شعبہ جاتی چھٹی دی جائے گی جس دن وہ تہوار منائیں گے۔

ج : چونکہ سنہ ۱۹۸۵ء میں بنگلہ سال کا پہلا دن ۱۴ر اپریل، بنک اکاؤنٹس کی نصف سالہ بندی — ۳۰ر جون، مہالیا ۱۴ر اکتوبر اور درگا پوجا کی سپتمی — ۲۰ر اکتوبر، اتوار کے دن ہیں اور این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت یہ تعطیلات کے دن ہیں اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کے دنوں میں شمار نہیں کیا گیا۔

ریاستی حکومت یہ اعلان کرتی ہے کہ سنہ ۱۹۸۵ء میں مندرجہ ذیل دنوں میں جنہیں عوامی تعطیل کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے، کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنس اور اسٹامپ ریونیو کے کلکٹر کے دفتر کے علاوہ حکومتِ مغربی بنگال کے باقی دفاتر بند رہیں گے۔

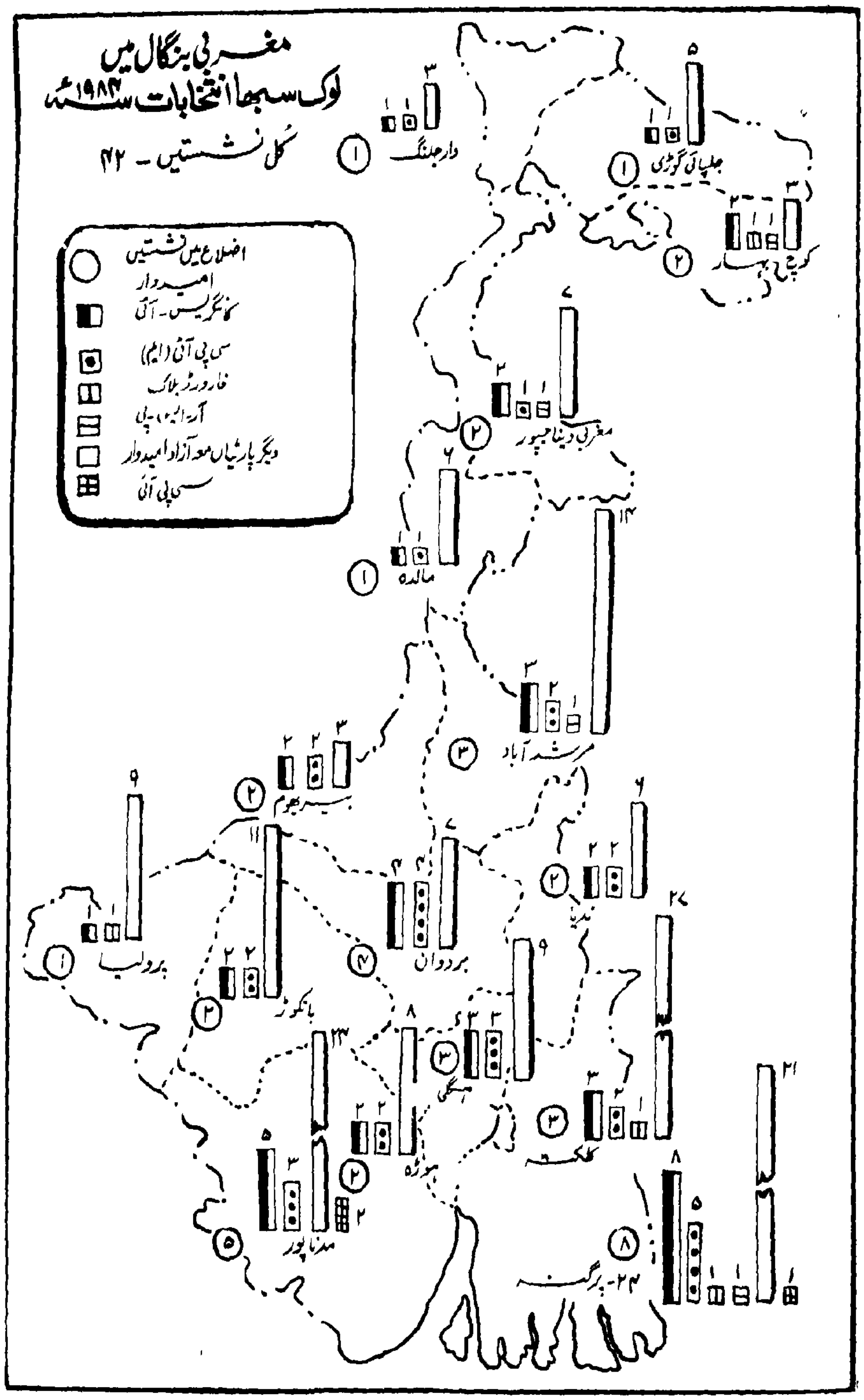
رابندر ناتھ ٹیگور کا جنم دن — ۸ر مئی، درگا پوجا — ۲۴ر ۲۵ر اور ** ۲۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۵ء اس اعلانیہ کے تحت ریاستی حکومت نے مزید اعلان کیا کہ مندرجہ ذیل دنوں میں مختلف فرقوں کے ملازمین کیلئے شعبہ جاتی تعطیلات ہوں گی۔

مہابیر جینتی (صرف جین مذہب والوں کے لئے)	:	۳ر اپریل
ایسٹر سٹرڈے (صرف عیسائیوں کیلئے)	:	۶ر اپریل
** بیساکھی (صرف سکھوں کیلئے)	:	۱۳ر اپریل
بدھ پرنیما (صرف بدھ مت والوں کے لئے)	:	۴ر مئی۔

* ٹریزری اور سب ٹریزری کے علاوہ دیگر سرکاری دفاتر ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۹۸۵ء کو کھلے رہیں گے حالانکہ اس دن کو اس اعلانیہ کے تحت تعطیل کا دن قرار دیا گیا ہے۔ ** ان کا اطلاق ان سرکاری دفتروں میں ہوگا جہاں مہینے کے دوسرے سنیچر اور چوتھے سنیچر کو پوری تعطیل ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ ۱۱ کا)

چمڑا وغیرہ کی مصنوعات شامل ہیں کی برآمدات سے اچھی خاصی رقم غیر ملکی زر مبادلہ کی صورت میں کماتا ہے۔ صرف پاٹ اور چائے کی برآمدات سے سالانہ ۴۰۰ کروڑ روپیہ حاصل ہوتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں کلکتہ کی بندرگاہ کو مزید بہتر بنایا گیا اور ہلدیہ میں قائم کردہ نئی بندرگاہ بڑھتی ہوئی برآمدات کے کام میں مشغول ہے۔ کلکتہ کے نزدیک فالتا میں ایک آزاد تجارتی علاقہ کے قیام سے صنعتوں کو کافی فائدہ پہنچائے گا ***



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
1 January 1985

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 32 No. 1
PRICE 12 Paise



مغربی بنگال میں لوک سبھا انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء
کلکتہ کے دو پولنگ بوتھ کے مناظر



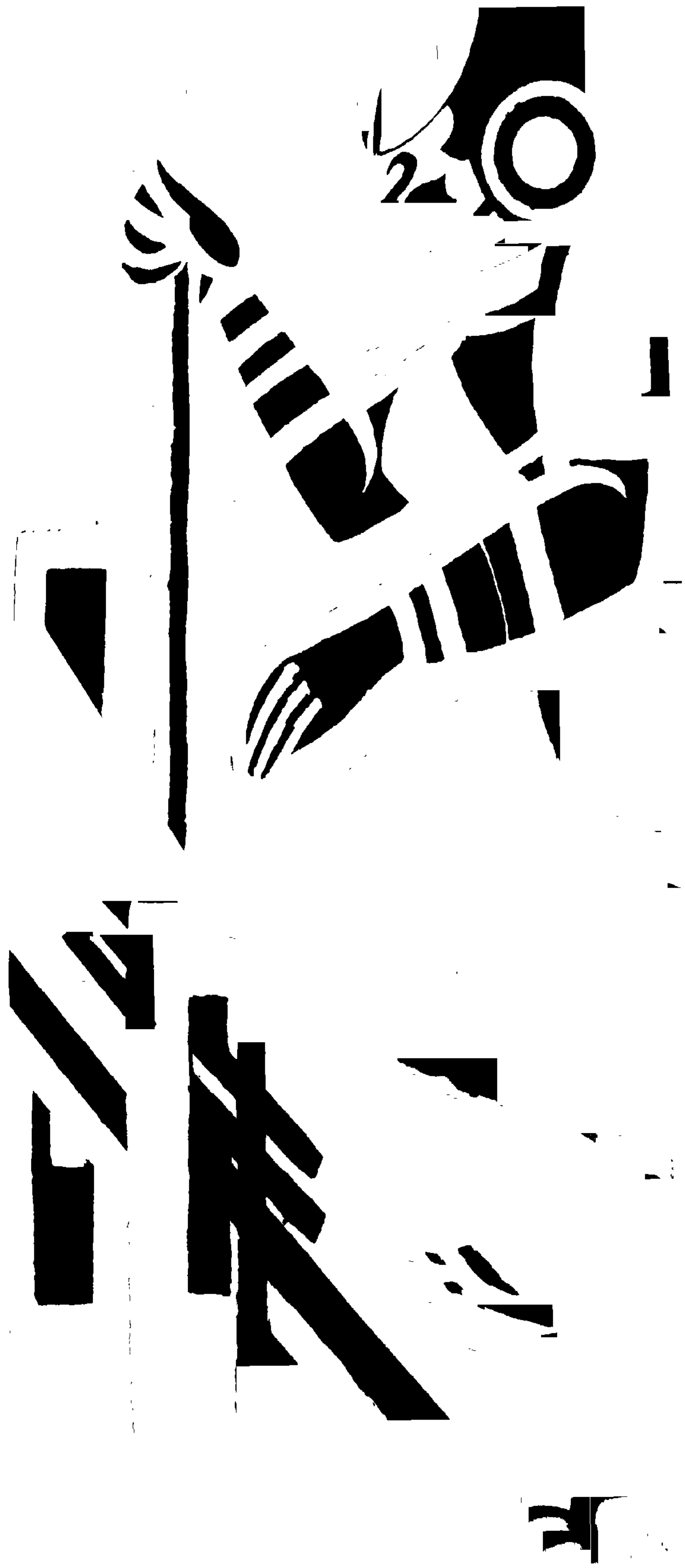




مغربی بنگال

۱۵ر جنوری ۱۹۸۵ء





پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵؍جنوری ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۲

شرح خریداری

سالانہ۔ تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر : شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ — کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں حال ہی میں منعقدہ مجاہدینِ آزادی کی تصویروں کی نمائش

پیار کی چاندنی

ہدیۂ اشکِ خوں لے کے آیا ہوں میں
خوں بہائے وفا، دل کی سوغات کیا
جیب و داماں کی اڑنے لگیں دھجیاں
جرم کیا، جرمِ غم کی مکافات کیا
عشق کی مشعلیں، عشق کے ولولے
ہم سفر، صبح کیا، شام کیا، رات کیا
چشمِ اہلِ ہوس مسکراتی ہے مگر
چشمِ اہلِ ہوس مسکراتی رہے
ابنِ آدم کو سولی چڑھاتے رہو
زندگانی سرِ دار گاتی رہے
یادِ یاراں میں اک جامِ غم اور دو
رات کی تیرگی سوز گاتی رہے
دل بڑھاتی رہیں ہاتھ کی نرمیاں
پیار کی چاندنی جگمگاتی رہے

مخدوم محی الدین

لوک سبھا عام انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء

بیالیس ۴۲ نشستوں کیلئے مغربی بنگال میں لوک سبھا عام انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء کے نتائج

۱۔ کوچ بہار (شیڈولڈ کاسٹ) حلقہ انتخاب

امیدواروں معہ پارٹی کے نام	حاصل کردہ ووٹ
۱۔ امرائے پردھان، فارورڈ بلاک ۔	۳۴۵۱۲۰
۲۔ درگا چرن رائے کائیت، آزاد ۔	۵۹۴
۳۔ پرانجیت برمن، آئی این سی ۔	۲۹۹۶۴۳

منتخب ہوئے شری امرائے پردھان، فارورڈ بلاک

ووٹروں کی تعداد ــــ ۷۷۷۰۳۴

ڈالے گئے ووٹ ــ ۶۶۰۸۶۳

منسوخ کردہ ووٹ ــ ۱۰۱۴۶

۲۔ علی پور دوار (شیڈولڈ ٹرائب) حلقہ انتخاب

۱۔ پیوش ترکے، آر ایس پی	۳۷۸۳۵۸
۲۔ غلب منیر، آئی این سی	۲۴۸۱۷۶
۳۔ لالمن لاما، آزاد	۷۷۱۶
۴۔ سنجے کمار اراؤں، آزاد	۱۹۳۱

منتخب ہوئے شری پیوش ترکے، آر ایس پی

ووٹروں کی تعداد ۷۳۶۷۴۲

ڈالے گئے ووٹ ۵۵۷۳۸۲

منسوخ کردہ ووٹ ۲۱۳۰۱

۳۔ جلپائی گوڑی حلقہ انتخاب

۱۔ اروِن مونترا، آئی این سی	۲۵۲۴۴۷
۲۔ جوئے دیو منڈل، ایس یو سی آئی	۶۱۳۴
۳۔ تپن بسواس، بی جے پی	۷۵۱۳
۴۔ بیمانن ملک، آزاد	۸۳۶۲
۵۔ بنکم چندر رائے، آزاد	۲۰۸۶
۶۔ مانک سانیال، سی پی آئی۔ ایم	۲۸۵۶۱۹
۷۔ ستیلنشو بھوشن داس، آزاد ۔	۳۵۴۳

منتخب ہوئے: شری مانک سانیال، سی پی آئی ایم

ووٹروں کی تعداد ۷۴۷۸۷۴

ڈالے گئے ووٹ ۵۸۰۸۶۴

منسوخ کردہ ووٹ ۱۵۱۶۰

۴۔ دارجلنگ حلقہ انتخاب

۱۔ آنند پرشاد پاٹھک، سی پی آئی ایم ۔	۲۲۸۶۷۹
۲۔ داوا نربلا، آئی این سی	۲۲۷۲۹۰
۳۔ پدم بہادر رائی، آزاد ۔	۵۰۱۰
۴۔ سمیہ رائے، آزاد	۳۴۴۱
۵۔ سدھارت شنکر رائے، آزاد	۸۰۵۵۴

منتخب ہوئے: شری آنند پرشاد پاٹھک، سی پی آئی ایم

ووٹروں کی تعداد ــ ۸۲۴۵۶۴

ڈالے گئے ووٹ ۵۶۱۷۳۸

منسوخ کردہ ووٹ ۱۶۷۶۱

۵۔ رائے گنج حلقہ انتخاب

۱۔ اجیت کمار داس، آزاد ۔	۱۲۰۵۱
۲۔ گوپال جی کیڈیا، آزاد ۔	۲۸۹۴
۳۔ غلام یزدانی، آئی این سی	۲۷۱۹۸۳
۴۔ بالی کانتو برمن، آزاد	۲۸۱۰
۵۔ مقبول حسین، ایم ایل	۳۱۳۲
۶۔ محمد دین احمد، آزاد	۱۴۸۵
۷۔ موہیت رنجن سکدار، بی جے پی	۱۵۹۸۱
۸۔ سبرتو مکھرجی، سی پی آئی ایم ۔	۲۵۱۷۵۹

منتخب ہوئے: شری غلام یزدانی ۔ آئی این سی

ووٹروں کی تعداد ۔ ۶۶۷۳۴۸

ڈالے گئے ووٹ ۵۷۴۵۳۶

منسوخ کردہ ووٹ ۲۴۳۶

۶۔ بلور گھاٹ (شیڈولڈ کاسٹ) حلقہ انتخاب

۱۔ جینت ساہا، آزاد	۶۶۵
۲۔ پلاس برمن، آر ایس پی	۱۴۱
۳۔ ستندرا ناتھ رائے، آئی این سی	۶۹۲۴

منتخب ہوئے: شری پلاسن برمن، آر ایس پی

ووٹروں کی تعداد ۹۳۱

ڈالے گئے ووٹ ۱۱۳۰

منسوخ کردہ ووٹ ۰۰

۷۔ مالدہ حلقۂ انتخاب

۱۔ ابوبرکات عطاالغنی خان چودھری، آئی این سی ۳۰۴۹۶۳
۲۔ تشار کانتی گھوش، بی جے پی ۱۰۵۷۲
۳۔ دینیش جوارداری، سی پی آئی ایم ۲۵۸۴۲۷
۴۔ نارائن پرشاد اگروال، آزاد ۱۴۰
۵۔ پربودھ کمار داس، آزاد ۳۲۱۱
۶۔ بھوپتے سرکار، آزاد ۹۲۹
۷۔ وشوناتھ گوپا، آزاد ۵۷۹۴
۸۔ سعید، ایم ایل ۲۰۳۹
منتخب ہوتے: شری ابوبرکات عطاالغنی خان چودھری آئی این سی

ووٹروں کی تعداد ۷۱۶۹۷۲
ڈالے گئے ووٹ ۵۸۷۳۵۵
منسوخ کردہ ووٹ ۱۰۲۵۷

۸۔ جنگی پور حلقۂ انتخاب

انیما باسو، بی جے پی ۱۹۱۰۵
عبدالسعید، ایس یو سی آئی ۸۴۸۶
زین العابدین، سی پی آئی ایم ۲۸۳۹۷۷
پرانک شیکھر کمار، آزاد ۲۳۹۳
مرینال کانتی گھوش، آزاد ۳۲۳۳
علیا ارجا، ایم ایل ۲۳۷۲
دلیپ سنہا، آزاد ۹۳۱
محمد سہراب، آئی این سی ۲۶۹۶۳۹
منتخب ہوتے: شری زین العابدین، سی پی آئی ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۷۴۵۳۸
ڈالے گئے ووٹ ۵۹۸۶۷۸
منسوخ کردہ ووٹ ۱۱۷۴۲

۹۔ مرشدآباد حلقۂ انتخاب

۱۔ عزیز الرحمٰن، آئی این سی ۳۱۰۳۰۹
۲۔ مشرف حسین، ایس یو سی آئی ۱۹۳۷۱
۳۔ شیامل گپتا، بی جے پی ۱۹۵۴۲
۴۔ سنتوش سرکار، آزاد ۲۶۰۵
۵۔ سمیع الدین سرکار، مسلم لیگ ۴۴۳۱
۶۔ سید مسعود الحسین، سی پی آئی ایم ۳۱۶۵۷۱
منتخب ہوتے: سید مسعود الحسین سی پی آئی ایم
ووٹروں کی تعداد ۸۰۶۱۵۴
ڈالے گئے ووٹ ۶۸۴۳۰۶
منسوخ کردہ ووٹ ۱۱۲۷۷

۱۰۔ برہم پور حلقۂ انتخاب

۱۔ آتیش چندر سنہا، آئی این سی ۳۱۷۰۱۱
۲۔ عبدالرحمٰن جلال احمد، ایم ایل ۲۸۹۷
۳۔ جتیندر سرکار، آزاد ۱۵۰۷
۴۔ ترودیپ چودھری، آر ایس پی ۳۱۳۹۶۴
۵۔ پرونب کمار بنرجی، بی جے پی ۱۴۴۵۲
۶۔ شیخ مقدم، لوک دل ۲۷۸۵
منتخب ہوتے: شری آتیش چندر سنہا، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۸۵۹۰۴۱
ڈالے گئے ووٹ ۶۶۳۶۷۸
منسوخ کردہ ووٹ ۱۱۰۶۲

۱۱۔ کرشنانگر حلقۂ انتخاب

۱۔ سوہن ادھیکاری، آزاد ۶۹۳
۲۔ عزیز الحق، ایس یو سی آئی ۸۳۱۰
۳۔ پورنیش چندر سرکار، آزاد ۳۲۱۷
۴۔ رگھو پرود داس، سی پی آئی ایم ۲۹۴۶۵۷
۵۔ ششانکر داس بنرجی، آئی این سی ۲۸۹۸۷۰
۶۔ سناتن منڈل، آزاد ۱۵۱۶
منتخب ہوتے: شری رگھو پرود داس، سی پی آئی ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۳۰۷۶۴
ڈالے گئے ووٹ ۶۱۱۹۴۶
منسوخ کردہ ووٹ ۱۳۶۹۴

۱۲۔ نوادیپ (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت لال مجمدار، آئی این سی ۳۳۴۵۳۶
۲۔ بیبھا گھوش گوسوامی، سی پی آئی ایم ۳۴۱۱۸۸
۳۔ بھوبیش دھارا، آئی سی ایس ۴۷۹۸
۴۔ مدھوسدن بالا، آزاد ۲۳۰۱
منتخب ہوتے: شریمتی بیبھا گھوش گوسوامی سی پی آئی ایم
ووٹروں کی تعداد ۸۵۶۵۰۰
ڈالے گئے ووٹ ۶۹۵۷۷۴
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۹۵۱

۱۳۔ باراسات حلقۂ انتخاب

۱۔ الحاج عبدالسلام، مسلم لیگ ۹۹۳۲
۲۔ افتخار الرحمٰن (بنیم)، آزاد ۸۵۸
۳۔ چترا باسو، فارورڈ بلاک ۳۲۰۵۷۲
۴۔ شری جگن ناتھ بسواس، آزاد ۴۰۹۸
۵۔ نیپندر ناتھ گھوش، آزاد ۴۳۸۱
۶۔ نورون کانتی گھوش، آئی این سی ۳۴۳۱۸۴

۷۔ سبھاش سرکار، آزاد ۸۲۹
منتخب ہوئے : گورون کانتی گھوش، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۸۳۹۶۷۳
ڈالے گئے ووٹ ۷۰۳۸۶۵
منسوخ کردہ ووٹ ۱۰۰۱۰

۱۴۔ بشیرہاٹ حلقۂ انتخاب

۱۔ اندرجیت گپتا، سی پی آئی ۳۱۵۴۴۴
۲۔ کمل باسو، آئی این سی ۲۷۶۴۰۱
۳۔ توشار کانتی گھوش، آزاد ۱۷۰۷
۴۔ محمد علی مظہر حسن، مسلم لیگ ۵۴۲۳
۵۔ جاسٹوراسیام، آزاد ۱۵۰۶
۶۔ لیاقت علی منڈل، آزاد ۳۵۴۵
۷۔ شمس الحق، آزاد ۷۷۲
۸۔ ہریندرا ناتھ رائے، بی جے پی ۲۷۸۱
منتخب ہوئے : شری اندرجیت گپتا، سی پی آئی
ووٹروں کی تعداد ۷۵۴۷۶۵
ڈالے گئے ووٹ ۶۱۷۹۸۰
منسوخ کردہ ووٹ ۱۰۲۰۱

۱۵۔ جے نگر (شیڈولڈ کاسٹ)
(حلقۂ انتخاب)

۱۔ اروبندو شیکھر نسکر، آئی این سی ۲۴۳۹۵۷
۲۔ جگدیش چندر کرتانیہ، آزاد ۲۰۴۵
۳۔ راجارام رائے منڈل، ایس یو سی آئی ۸۱۱۴۷
۴۔ سنت کمار منڈل، آر ایس پی ۲۹۴۳۰۶
منتخب ہوئے : سنت کمار منڈل، آر ایس پی

ووٹروں کی تعداد ۷۶۲۹۲۴
ڈالے گئے ووٹ ۶۱۱۱۹۰
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۶۳۵

۱۶۔ متھرا پور (شیڈولڈ کاسٹ)
حلقۂ انتخاب

۱۔ کولے جنارون، مسلم لیگ ۱۴۰۷
۲۔ نرمل سنہا، سی پی آئی ایم ۲۸۰۰۴۴
۳۔ منورنجن ہالدار، آئی این سی ۲۸۲۴۴۳
۴۔ سسیم شیکھر تیا، ایس یو سی آئی ۲۶۹۹۲
منتخب ہوئے : شری منورنجن ہالدار، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۷۳۴۲۲۴
ڈالے گئے ووٹ ۵۹۹۶۷۲
منسوخ کردہ ووٹ ۹۸۹۶

۱۷۔ ڈائمنڈ ہاربر حلقۂ انتخاب

۱۔ امل دت، سی پی آئی ایم ۲۸۱۲۷۱
۲۔ پارسورام شا، آزاد ۲۴۶۵
۳۔ محمد صلاح الدین، مسلم لیگ ۲۵۶۹۵
۴۔ سدھیندو منڈل، آئی این سی ۲۷۶۵۹۸
منتخب ہوئے : شری امل دت، سی پی آئی ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۹۵۳۱۳
ڈالے گئے ووٹ ۵۹۸۲۸۶
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۲۵۷

۱۸۔ جادب پور حلقۂ انتخاب

۱۔ ممتا بنرجی، آئی این سی ۳۳۱۶۱۸
۲۔ رادھاناتھ پرشاد، آزاد ۲۴۳۶
۳۔ شکتی سرکار، آئی سی ایس ۵۹۹۳
۴۔ سومناتھ چٹرجی، سی پی آئی ایم ۳۱۱۹۵۸
منتخب ہوئیں : شریمتی ممتا بنرجی - آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۸۷۱۷۳۲
ڈالے گئے ووٹ ۶۶۶۱۵۵
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۲۵۰

۱۹۔ بارکپور حلقۂ انتخاب

۱۔ کلیان براتو رائے، بی جے پی ۳۴۳۸
۲۔ دے بی گھوشال، آئی این سی ۳۲۳۴۸۳
۳۔ نریش سرکار، آزاد ۵۷۵۲
۴۔ وجے نارائن مسرا، آزاد ۱۸۸۹
۵۔ محمد امین، سی پی آئی ایم ۲۶۹۸۱۴
منتخب ہوئے : شری دیبی گھوشال، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۷۷۸۴۳۶
ڈالے گئے ووٹ ۶۱۷۱۰۱
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۷۲۵

۲۰۔ دمدم حلقۂ انتخاب

۱۔ شری اسوتوش لاہا، آئی این سی ۳۸۱۹۸۴
۲۔ شری نرین گھوش، سی پی آئی ایم ۳۷۹۲۸۱
منتخب ہوئے : شری اسوتوش لاہا آئی۔ این سی
ووٹروں کی تعداد ۰۰۵۸۷۹
ڈالے گئے ووٹ ۷۸۸۱۴
منسوخ کردہ ووٹ ۱۷۵۴۹

۲۱۔ کلکتہ شمال مغرب حلقۂ انتخاب

۱۔ امیہ ناتھ بوس، فارورڈ بلاک ۱۱۰۵۶۰
۲۔ ارون بسواس، آزاد ۱۲۲۲
۳۔ اشوک جین (جھابڑا) آزاد ۸۲۱
۴۔ اشوک کمار سین، آئی این سی ۲۴۲۹۸۲
۵۔ ابراہیم خان، آزاد ۵۴۱۱
۶۔ درگھاوت اگروال، آزاد ۱۲۳۳
۷۔ درگا پرشاد نغانی، بی جے پی ۱۰۷۸۱
۸۔ بتن سنگھ، آزاد ۱۱۸۹
۹۔ بینوتے سرکار، آزاد ۱۹۸۲
۱۰۔ رام جیلا شاہی، آزاد ۶۹۴
۱۱۔ رام بہاری لال شکلا، آزاد ۹۰۵
۱۲۔ حفیظ الرحمن خان، آزاد ۴۳۹

منتخب ہوئے: شری اشوک کمار سین، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۵۹۸۱۰۸
ڈالے گئے ووٹ ۳۸۷۱۴۶
منسوخ کردہ ووٹ ۸۹۲۵

۲۲۔ کلکتہ شمال مشرق حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت کمار پانجا، آئی این سی ۲۸۴۳۲۴
۲۔ امولینیدو رانئے، آزاد ۱۹۲۳
۳۔ کنائی لال چودھری، آزاد ۲۰۸۵
۴۔ کنائی لال بوس، آزاد ۷۶۰
۵۔ دھریندرا ناتھ چٹرجی، آزاد ۶۹۰
۶۔ نربالیندو دے، بی جے پی ۵۴۸۸
۷۔ ڈاکٹر نیلیما نندی، آزاد ۷۳۸
۸۔ بروبن مکھرجی، آزاد ۵۸۶
۹۔ سندرا ناتھ داس گپتا، آزاد ۱۰۸۸
۱۰۔ راجیش گپتا، آزاد ۱۱۵۵
۱۱۔ محمد شمس الدین، مسلم لیگ ۳۰۹۱
۱۲۔ سنیل موئترا، سی پی آئی ایم ۱۹۵۷۴۸

منتخب ہوئے: شری اجیت کمار پانجا، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۷۰۹۵۶۸
ڈالے گئے ووٹ ۵۰۸۶۰۱
منسوخ کردہ ووٹ ۱۱۲۴۵

۲۳۔ کلکتہ جنوب حلقۂ انتخاب

۱۔ چندن بانک، آزاد ۸۶۲
۲۔ دنیش گپتا، آزاد ۱۲۷۴
۳۔ بھولاناتھ سین، آئی این سی ۳۲۴۸۲۳
۴۔ میدو لہ مکھرجی، آزاد ۲۵۴۴
۵۔ ایم۔ کے رتنان، آزاد ۱۰۹۷
۶۔ شیخ سلطان، آزاد ۲۵۴۳
۷۔ شیام سندر ٹھاکر، آزاد ۷۸۹
۸۔ ستیہ سادھن چکرورتی، سی پی آئی ایم ۲۳۵۸۸۴
۹۔ سوربن مترا، آزاد ۷۴۰

منتخب ہوئے: شری بھولاناتھ سین، آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۸۰۳۰۲۲
ڈالے گئے ووٹ ۵۸۲۳۶۹
منسوخ کردہ ووٹ ۱۱۸۰۳

۲۴۔ ہوڑہ حلقۂ انتخاب

۱۔ امیہ بنا چاریہ، آئی سی ایس ۲۰۱۶
۲۔ کاشی ناتھ چودھری، آزاد ۷۴۷
۳۔ گنیش داس، آزاد ۲۳۲۹
۴۔ جیون دھن مکھرجی، آزاد ۷۲۴
۵۔ پرامیشور سنگھ، آزاد ۱۳۴۴
۶۔ پریہ رنجن داس منشی، آئی این سی ۳۸۱۲۱۶
۷۔ بابو رام تیبری وال، آزاد ۱۶۹۷
۸۔ سمیر مکھرجی، سی پی آئی ایم ۲۸۷۱۷۴

منتخب ہوئے: شری پریہ رنجن داس منشی۔ آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۹۱۰۷۹۹
ڈالے گئے ووٹ ۶۸۹۵۹۹
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۲۵۲

۲۵۔ الوبیڑیا حلقۂ انتخاب

۱۔ شیخ انور علی، آئی این سی ۲۹۹۶۱۶
۲۔ چندرا داس کائل، آزاد ۲۱۱۳
۳۔ سرولیشور گوسوامی، آزاد ۳۲۷۴
۴۔ حنان ملا، سی پی آئی ایم ۳۱۲۰۴۱

منتخب ہوئے: شری حنان ملا۔ سی پی آئی ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۷۴۳۶۰
ڈالے گئے ووٹ ۶۲۷۵۳۰
منسوخ کردہ ووٹ ۹۴۳۳

۲۶۔ سیرام پور حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت باگ، سی پی آئی ایم ۳۰۷۹۲۱
۲۔ امر چودھری، آزاد ۲۶۶۰
۳۔ دوارکا تھیرانی، آزاد ۲۹۳۶
۴۔ پریم ناتھ ٹھاکر، آزاد ۱۹۰۶
۵۔ پروفیسر بمل کانتی گھوش، آئی این سی ۳۳۸۱۵۲
۶۔ ولیسر جن پرشاد کویری، آزاد ۲۶۸۹

منتخب ہوئے: پروفیسر بمل کانتی گھوش، آئی این سی

ووٹروں کی تعداد ۸۷۳۳۸۷
ڈالے گئے ووٹ ۶۷۱۲۸۷
منسوخ کردہ ووٹ ۱۴۷۲۳

۲۷۔ ہگلی حلقۂ انتخاب

۱۔ اندو متی بھٹاچاریہ، آئی این سی ۳۲۰۴۳۶
۲۔ پرمانند گور، آزاد ۲۱۸۰
۳۔ پروفیسر روپ چند پال، سی پی آئی ایم ۳۰۹۴۶۹
۴۔ اسنیہا مرتہ دت، آزاد ۲۴۲۱
منتخب ہوئیں: شریمتی اندو متی بھٹاچاریہ
۔ آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۷۷۴۷۱۹
ڈالے گئے ووٹ ۶۴۶۸۶۷
منسوخ کردہ ووٹ ۱۳۱۶۱

۲۸۔ آرام باغ حلقۂ انتخاب

۱۔ انیل باسو، سی پی آئی۔ ایم ۳۲۷۷۸۶
۲۔ گوپال داس ناگ، آئی این سی ۳۱۳۶۲۶
۳۔ ڈاکٹر نیکو نجا جانا، آزاد ۴۷۵۶
۴۔ نیپال چندر بھومک آزاد ۳۱۶۰
۵۔ جوگیندر سنگھ، آزاد ۵۸۴
منتخب ہوئے: شری انیل باسو۔ سی پی آئی۔ ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۶۸۶۴۵
ڈالے گئے ووٹ ۶۵۹۱۰۸
منسوخ کردہ ووٹ ۹۱۹۶

۲۹۔ پانسکوڑا حلقۂ انتخاب

۱۔ گیتا مکھرجی، سی پی آئی ۳۲۱۶۹۴
۲۔ جنرنجن چکرورتی، آئی این سی ۲۷۳۸۱۸
۳۔ جگدیشور پانجا، آزاد ۲۱۱۵
۴۔ دوبراج ساہنی، آزاد ۱۸۷۴
۵۔ شنکاری دھوبی، آزاد ۳۸۳
منتخب ہوئیں: شریمتی گیتا مکھرجی۔ سی پی آئی
ووٹروں کی تعداد ۷۰۸۸۹۶
ڈالے گئے ووٹ ۶۰۷۹۶۷
منسوخ کردہ ووٹ ۷۷۸۳

۳۰۔ تملوک حلقۂ انتخاب

۱۔ اسوتوش سامنتو، ایس یو سی آئی
۹۲۷۸
۲۔ ستیہ گوپال مصرا، سی پی آئی ایم
۳۱۳۹۵۵
۳۔ سرادیندو سامنت، آئی این سی
۳۰۲۲۶۴
۴۔ [illegible]، آزاد ۱۸۳۱
۵۔ شبھتا نکھو شکیر داس، آزاد ۱۰۰۴
۶۔ موہن مائیتی، آزاد ۴۲۳
منتخب ہوئے: شری ستیہ گوپال مصرا۔ سی پی آئی۔ ایم
ووٹروں کی کل تعداد ۷۶۶۶۱۶
ڈالے گئے ووٹ ۶۴۷۱۷۶
منسوخ کردہ ووٹ ۸۴۲۲

۳۱۔ کونٹائی حلقۂ انتخاب

۱۔ اروبندو منّا، آزاد ۲۲۰۱
۲۔ پراموتھوس گوئنیا، آزاد ۳۴۰۳
۳۔ پھول رینو گوہا، آئی این سی ۲۸۲۰۶۵
۴۔ مدن لال پرساری، آزاد ۱۳۸۹
۵۔ سدھیر کمار گیری، سی پی آئی۔ ایم
۲۶۸۴۰۷
منتخب ہوئیں: شریمتی پھول رینو گوہا۔ آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۶۹۶۷۳۶
ڈالے گئے ووٹ ۵۶۴۵۸۳
منسوخ کردہ ووٹ ۷۲۱۸

۳۲۔ مدنا پور حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت کمار کھانرا، آئی این سی ۲۶۱۵۱۴
۲۔ اشوک چندر دے، آزاد ۱۵۵۰
۳۔ عبدالرحیم، آزاد ۵۶۷۷
۴۔ اندرا دیو داس، آزاد ۷۶۲
۵۔ اگنور ہری بھٹاچاریہ، آزاد ۱۸۶۸
۶۔ ڈاکٹر جتیندر رادے، آزاد ۱۳۴۴
۷۔ تارک داس دت، آزاد ۵۲۲
۸۔ دلیپ مائیتی، ایس یو سی آئی ۳۹۲۷
۹۔ نارائن چوبے، سی پی آئی ۳۱۸۵۱۱
۱۰۔ بجنیشور ساہو، آزاد ۲۵۲۷
۱۱۔ مرزا رحیم الرحمٰن بیگ، آزاد ۴۲۴
۱۲۔ سشیل کمار، آزاد ۶۶۶
منتخب ہوئے: شری نارائن چوبے۔ سی پی آئی
ووٹروں کی کل تعداد ۷۶۱۴۷۹
ڈالے گئے ووٹ ۶۰۹۵۲۹
منسوخ کردہ ووٹ ۱۰۲۳۷

۳۳۔ جھاڑگرام (شیڈولڈ ٹرائب) حلقۂ انتخاب

۱۔ امیہ کمار کیشو، آئی این سی ۲۱۵۲۱۲
۲۔ چندرائے ہانسدا، آزاد ۱۳۲۹۸
۳۔ نیتانندا مورا، آزاد ۶۶۴۸
۴۔ منگل ماجھے، آزاد ۲۶۱۳
۵۔ موتی لال ہانسدا، سی پی آئی - ایم ۲۹۰۴۵۴
۶۔ وشنو پدو سارین، آزاد ۱۴۱۷۴
منتخب ہوئے: شری موتی لال ہانسدا، سی پی آئی - ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۴۵۴۷۲
ڈالے گئے ووٹ ۵۸۸۴۲۰
منسوخ کردہ ووٹ ۱۳۰۵۴

۳۴۔ پرولیا حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت پرشاد مہاتو، آزاد ۱۶۷۹۰
۲۔ اسوتو مہاتو، آزاد ۲۸۱۹
۳۔ ایچ۔ بی ولیسن، آزاد ۸۲۹
۴۔ کے پی سنگھ دیو، آئی این سی ۲۴۷۷۰۹
۵۔ گماشتہ پرشاد سورین، آزاد ۲۹۲۹
۶۔ چتر بھج مہاتو، فارورڈ بلاک ۲۶۱۴۶۰
۷۔ روبی چودھری، آزاد ۳۶۶۸
۸۔ رادھارمن گھوش، آزاد ۷۹۳
۹۔ سریت کمار چکرورتی، آزاد ۵۹۰۷
۱۰۔ سوکمار داس، آزاد ۱۰۶۵
۱۱۔ سدم نیسادا آزاد ۷۳۷
منتخب ہوئے: شری چتر بھج مہاتو، فارورڈ بلاک
ووٹروں کی تعداد ۷۵۴۴۴۷
ڈالے گئے ووٹ ۵۵۷۶۵۳
منسوخ کردہ ووٹ ۱۲۸۸۴

۳۵۔ باکوڑا حلقۂ انتخاب

۱۔ ارون کمار بھٹاچاریہ، آئی این سی۔ ۲۴۳۹۲۰
۲۔ اچاریہ باسودیب، سی پی آئی - ایم ۲۶۸۱۳۶
۳۔ تپن چکرورتی، آزاد ۲۹۷۷
۴۔ نندالال ماجھی، آزاد ۱۱۰۱۹
۵۔ بھگوت مہاتو، آزاد ۱۵۲۹
۶۔ سنتو چکرورتی، ایس یو سی آئی۔ ۱۷۲۰۲
۷۔ شکتی پدو کمبھاکر، آزاد ۹۹۴
۸۔ شکتی پدو مکھرجی، آزاد ۲۷۰۵
۹۔ شیلن مصرا، آزاد ۲۶۶۵
۱۰۔ ساگر چندر مہاتو، آزاد ۴۰۱
منتخب ہوئے: شری باسودیب اچاریہ، سی پی آئی - ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۷۱۰۵۰
ڈالے گئے ووٹ ۵۶۷۲۹۸
منسوخ کردہ ووٹ ۱۵۷۹۸

۳۶۔ وشنوپور (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ اجیت کمار ساہا، سی پی آئی ایم ۳۲۸۵۸۰
۲۔ اسولو اہیر، آزاد ۱۱۲۵۹
۳۔ گنور چندر لوہار، آئی این سی ۲۵۲۹۴۰
۴۔ بھگت دولے، آزاد ۳۴۸۸
۵۔ منڈل بہادر، آزاد ۳۶۰۸
منتخب ہوئے: شری اجیت کمار ساہا سی پی آئی - ایم
ووٹروں کی تعداد ۷۹۱۷۲۵
ڈالے گئے ووٹ ۶۱۳۱۹۶
منسوخ کردہ ووٹ ۱۳۳۲۱

۳۷۔ درگاپور (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱۔ گوپال منڈل، آئی این سی ۲۹۵۹۲۰
۲۔ پرنا چندر ملک، سی پی آئی - ایم ۳۳۴۶۸۸
منتخب ہوئے: شری پرنا چندر ملک، سی پی آئی - ایم
ووٹروں کی تعداد ۸۲۸۸۴۹
ڈالے گئے ووٹ ۶۴۵۲۷۱
منسوخ کردہ ووٹ ۱۴۶۶۳

۳۸۔ آسنسول حلقۂ انتخاب

۱۔ آنند گوپال مکھوپادھیہ، آئی این سی۔ ۳۳۴۲۱۲
۲۔ گوپال کرشن سرما، آزاد ۳۰۷۵
۳۔ مانک چندر گھاسی، آزاد ۴۴۷۴
۴۔ چھیدی لال جالان، آزاد ۳۹۹۳
۵۔ ہاما پدو مکھرجی، سی پی آئی - ایم ۲۴۷۵۴۶
۶۔ مانک بھوریں، آزاد ۷۳۶۰
۷۔ محمد ایس ایم شمس الحق، آزاد ۴۹۶۸
منتخب ہوئے: شری آنند گوپال مکھوپادھیہ آئی این سی
ووٹروں کی تعداد ۸۹۴۶۸۵
ڈالے گئے ووٹ ۶۲۵۰۶۵
منسوخ کردہ ووٹ ۱۹۴۳۷

۳۹- بردوان حلقۂ انتخاب

۱- اسیت کمار مترا، آزاد ۷۲۴۲

۲- براُوت گرہا، آئی این سی ۳۰۸۸۶۳

۳- راجیشور منڈل، آزاد ۲۴۶۲

۴- اسدھیر رائے، سی پی آئی ایم- ۳۶۶۵۴۷

منتخب ہوئے: شری سدھیر رائے، سی پی آئی ایم

ووٹروں کی تعداد	۸۴۰۴۵۶
ڈالے گئے ووٹ	۶۹۷۷۰۷
منسوخ کردہ ووٹ	۱۲۵۹۴

۴۰- کٹوا حلقۂ انتخاب

۱- صدیق اللہ چودھری، آئی این سی۔ ۳۰۲۸۰۱ —

۲- سیف الدین چودھری، سی پی آئی ایم ۳۴۶۲۵۱

منتخب ہوئے: شری سیف الدین چودھری، سی پی آئی ایم

ووٹروں کی تعداد	۸۰۰۵۳۶
ڈالے گئے ووٹ	۶۹۴۴۷۱
منسوخ کردہ ووٹ	۱۳۴۲۹

۴۱- بولپور حلقۂ انتخاب

۱- نارائن چند منڈل، آزاد ۲۱۷۰

۲- نہار دت، آئی این سی ۲۵۶۸۱۸

۳- سرادیش رائے، سی پی آئی-ایم ۳۱۷۷۴۹

منتخب ہوئے: شری سرادیش رائے، سی پی آئی-ایم

ووٹروں کی تعداد	۷۵۲۸۵۳
ڈالے گئے ووٹ	۵۸۹۱۸۶
منسوخ کردہ ووٹ	۱۲۴۴۹

۴۲- بیربھوم (شیڈولڈ کاسٹ) حلقۂ انتخاب

۱- اشیم ساہا، ایس یو سی آئی ۸۹۳۰

۲- گدادھر ساہا، سی پی آئی ایم ۲۷۸۱۵۵

۳- بادل باگدی، آئی این سی ۲۶۴۶۷۴

۴- رنجیت کمار مال، آزاد ۱۰۱۹

منتخب ہوئے: شری گدادھر ساہا، سی پی آئی-ایم

ووٹروں کی تعداد	۷۵۱۳۴۴
ڈالے گئے ووٹ	۵۶۳۳۹۱
منسوخ کردہ ووٹ	۱۰۶۱۳

سرکاری خبریں

سندربن علاقہ میں سڑک کی تعمیر

ریاستی حکومت نے کیننگ میں گھٹیاری شریف ریل گیٹ سے لیکر گانتی ریل گیٹ تک پختہ سڑک کی تعمیر کے لئے ۳ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

یہ اسکیم سندربن ترقیاتی پروگرام کے دائرہ عمل میں آتی ہے۔

جھاڑگرام کے تعلیمی ادارہ کے لئے عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے جھاڑگرام کے مانک پاڑہ وویدکا نند ستلا بارشک ہاودیہ لایا کو فرنیچر خریدنے کے لئے ۲۰۰۰۰ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

سندربن میں ترقیاتی کام

حسن آباد میں بس اسٹینڈ کے قریب واقع اچھامتی ندی کے جنوبی کنارے پر ایک چھوٹی جیٹی از سر نو تعمیر کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے ۳۸۱۸۷ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

یہ اسکیم سندربن ترقیاتی پروگرام میں شامل ہے۔

کاکدیپ میں ترقیاتی کام

حکومت مغربی بنگال نے کاکدیپ کے ہری پور میں گھیاآں کھال پر واقع ایک چوبی پل کی مرمت کے سلسلے میں ۳۰۸۰۱ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

مغربی بنگال میں ۴۲ نشستوں کیلئے لوک سبھا انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء کے نتائج

ڈالے گئے جائز ووٹوں کا فیصد	ووٹ حاصل کئے	کل نشستوں کا فیصد	کامیاب ہونے والے امیدواروں کی تعداد	امیدواروں کی تعداد	پارٹی کا نام
۴۸٫۱۶	۱۲۲۲۷۸۶۳	۳۸٫۱	۱۶	۴۲	انڈین نیشنل کانگریس (آئی)
۴۸٫۴۳	۱۲۲۹۶۸۱۶	۶۱٫۹	۲۶	۴۲	۲- بائیں محاذ
٫۷۷	۱۹۶۷۶۷	—	—	۱۰	۳- ایس یو سی آئی
٫۴۰	۱۰۱۱۶۵	—	—	۹	۴- بی جے پی
٫۲۴	۶۱۱۲۰	—	—	۱۰	مسلم لیگ
٫۰۵	۱۲۸۰۷	—	—	۳	آئی سی ایس (ایس)
٫۰۲	۵۴۸۸	—	—	۱	۷- جنتا پارٹی
٫۰۱	۲۷۸۵	—	—	۱	لوک دل
۱٫۹۲	۴۸۶۵۷۱	—	—	۱۳۰	آزاد
۱۰۰٫۰۰	۲۵۳۹۱۳۸۲	۱۰۰٫۰۰	۴۸	۲۴۸	کل

ووٹروں کی کل تعداد — ۳۲۹۵۴۸۵۱

ڈالے گئے ووٹ — ۲۵۹۰۷۷۹۰

رد کردہ ووٹ — ۵۱۶۴۰۸

جائز اور صحیح ووٹ — ۲۵۳۹۱۳۸۲

پس منظر

لوک سبھا کیلئے عام انتخابات سنہ ۱۹۸۰ء

سنہ ۱۹۸۰ء میں مغربی بنگال میں ہونیوالے انتخابات کے نتائج

پارٹی کا نام	امیدواروں کی تعداد	منتخب ہونیوالے امیدواروں کی تعداد	کل نشستوں کا فیصد	حاصل کردہ ووٹوں کی تعداد	مغربی بنگال کے کل ووٹروں کا فیصد
۱۔ انڈین نیشنل کانگریس (آئی)	۴۱	۴	۹ر۵۲	۷۵۰۰۵۷۸	۳۶ر۵۱
۲۔ انڈین نیشنل کانگریس (یو)	۱۸	—	—	۲۹۷۴۳۳	۱ر۲۰
۳۔ جنتا پارٹی	۳۵	—	—	۹۳۱۱۵۴	۴ر۵۳
۴۔ جنتا پارٹی (سیکولر)	۱۷	—	—	۱۰۴۰۷۱	ر۵۱
۵۔ ہندستان کی کمیونسٹ پارٹی	۳	۳	۷ر۱۴	۸۷۸۷۹۳	۴ر۲۸
۶۔ ہندستان کی کمیونسٹ پارٹی (مارکسی)	۳۱	۲۸	۶۶ر۶۸	۸۱۹۹۹۲۶	۳۹ر۹۱
۷۔ کل ہند فارورڈ بلاک	۴	۳	۷ر۱۴	۹۳۶۰۱۳	۴ر۵۶
۸۔ انقلابی سوشلسٹ پارٹی	۴	۴	۹ر۵۲	۱۰۷۱۶۲۳	۵ر۲۲
۹۔ ہندستان کی شوشلسٹ یونٹی سنٹر (ایس یو سی آئی)	۱۱	—	—	۲۵۵۵۰۳	۱ر۲۵
۱۰۔ جھارکھنڈ پارٹی	۴	—	—	۵۰۱۹۳	ر۲۴ر
۱۱۔ مسلم لیگ	۳	—	—	۲۱۲۷۲	ر۱۰
۱۲۔ ہندستان کی ریپبلکن پارٹی	۴	—	—	۱۶۰۶۱	ر۰۸
۱۳۔ بھارتیہ سوشلسٹ پارٹی	۱	—	—	۵۷۶	ر۰۰
۱۴۔ آزاد امیدوار	۱۰۹	—	—	۳۳۱۴۴۸	۱ر۶۱
کل =	۲۸۵	۴۲	۱۰۰ر۰۰	۲۰۵۴۴۶۴۲	۱۰۰ر۰۰

مغربی بنگال سے زرعی چیزوں کی برآمدات

مغربی بنگال روایتی طور پر پاٹ، پاٹ کی مصنوعات، چائے اور لاک برآمد کرتا ہے۔ مچھلیاں اور خاص طور پر جھینگا اور باگدا جھینگا بھی حال ہی میں اس ریاست سے کافی مقدار میں برآمد کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ چند زرعی چیزیں ایسی ہیں جنہیں برآمد کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ مغربی بنگال سے کچھ تازہ پھل جیسے آم، نارنگی، اناناس وغیرہ فی الحال برآمد کئے جا رہے ہیں۔ نیز برطانیہ میں خصوصی آرڈر پانے کے بعد مخصوص سبزیاں بھی برآمد کی جاتی ہیں۔ نیز مغربی بنگال میں قائم فرموں سے مسالا بھی برآمد کیا جاتا ہے۔ گرچہ مسالا کی تمام چیزیں مغربی بنگال سے حاصل نہیں کی جاتیں۔ مغربی بنگال کو خاص طور پر آم اور اناناس سے تیار کردہ پھل مصنوعات کی برآمد کے میدان میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں برآمدات کی تفصیل درج ذیل ہے:

	چیزیں		حجم (ٹن میں)		قیمت (کروڑ روپے میں)		کس ملکوں میں برآمد کیا گیا
(۱)	پروسس کردہ پھل	—	۵۰۰۰	—	۳ر۶۱	—	برطانیہ، روس، یورپ کے دیگر ممالک عرب ممالک
(۲)	مسالا	—	۶۰	—	۱۸ر	—	مغربی جرمنی، جاپان
(۳)	تازہ پھل	—	۲۰۷۰	—	۱۵۰۰	—	بنگلہ دیش
(۴)	تازہ سبزی	—	۵۰	—	۰ر۲	—	برطانیہ
(۵)	پان کے پتے	—	۵۰۰	—	۰ر۰۷	—	برطانیہ

مغربی بنگال کی فرمیں تھوڑا بہت نباتاتی تیل خاص طور پر چاول کے بھوسے سے تیار کردہ تیل برآمد کرتی ہیں۔

برآمدات کی ان کوششوں میں بہت ساری سد راہ ہیں ان غیر روایتی زرعی چیزوں کی برآمد کو فروغ دینے کے لئے کوئی ایسی مرکزی تنظیم نہیں ہے جو مقامی پیداوار کے لئے منصوبہ مرتب کر سکے اور رسل و رسائل، چیزوں کو حفاظت سے رکھنے، مالیات کی فراہمی، بیرونی ملکوں سے ان چیزوں کے لئے آرڈر حاصل کرنا وغیرہ جیسی سہولتیں فراہم کر سکے۔ اکثر مختصر عرصہ میں آلو، تازہ پھل، گاجر وغیرہ کی سپلائی کیلئے پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ مناسب ایجنسیوں کی کمی کی وجہ سے ایسی درخواستوں پر عمل نہیں کیا جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابھرتے ہوئے تجار/ برآمد کرنے والے کاروباری کو ایسی زرعی چیزوں کی برآمدات کے لئے جو سہولتیں دستیاب ہیں ان سے وہ ناواقف ہیں۔ درحقیقت شعبہ زراعت کے افسران بھی ان باتوں سے ناواقف ہیں، حالانکہ ان افسروں کا چھوٹے اور بڑے کاشتکاروں اور زرعی چیزوں

کے تجار سے قریبی رشتہ قائم ہے۔

امکانات:

غیر رسمی اور جلد خراب ہو جانے والی زرعی چیزیں تو مختصر عرصہ میں اگائی جاتی ہیں اور اسی لئے انہیں جلد از جلد برآمد کر دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلا منصوبہ ان چیزوں کی پیداوار میں یکایک تبدیلی لانی ممکن نہیں۔ اس لئے یہ بات محسوس کی گئی کہ تازہ پھل، سبزی اور ان سے پروسس کردہ مصنوعات کی برآمدات کو فروغ دینے کیلئے ان کو بونے، انکی کاشتکاری کے کام سے کافی قبل ان کی برآمدات کے لئے منصوبہ تیار کرنا چاہئے اور اسی مطابق اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ دوسرے لفظوں میں بیرونی ملکوں سے آرڈر پانے کے بعد پیداوار کے لئے حسب خواہ بندوبست کرنا چاہئے تاکہ پیداوار کی کوالیٹی، قیمت، بروقت برآمد کرنے اور نقل و حمل کی سہولتوں کے پیش نظر حسب خواہ منصوبہ مرتب کیا جا سکے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مقامی بازار پر ان برآمدات کا ناموافق اثر نہیں پڑے گا۔

مغربی بنگال سے سبزی اور تازہ پھلوں، جو برآمد کئے جا سکتے ہیں، کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی بنگال وہ تمام سبزیاں اگا سکتا ہے، جن کو بیرونی ممالک درآمد کرتے ہیں۔ مقامی طور پر سبزی کے موسم میں ایسے مطالبات پورے کئے جاتے ہیں۔ مغربی بنگال میں آلو کی فاضل پیداوار ہوتی ہے۔ اگر اور مناسب اقدامات کئے جائیں تو آلو کی پیداوار میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے اور اس طرح بیرونی بازار میں اس کی فروخت کے امکانات کافی روشن ہیں۔ مغربی بنگال فروری۔ مارچ کے مہینوں میں کافی آلو برآمد کر سکتا ہے۔ مغربی بنگال میں پان کی کاشت کی جاتی ہے اور سارے ملک میں مغربی بنگال میں پان کے سب سے زیادہ پتے اگائے جاتے ہیں۔ اسکی پیداوار میں مزید اضافہ کرنے کی گنجائش ہے اور بیرونی ممالک میں اس کی کافی مانگ ہے اور کافی مقدار میں پان کے پتے برآمد کئے جا سکتے ہیں۔

جیسا کہ قبل ذکر کیا جا چکا ہے مغربی بنگال مناسب موسموں میں مستحکم آرڈروں پر کافی مقدار میں تازہ سبزیاں سپلائی کر سکتا ہے۔ ایک اور چیز کی بھی بیرونی ممالک میں کافی مانگ ہے اور وہ ہے خشک گلاہ باراں۔ اگر بیرونی ملکوں سے اسکی سپلائی کے لئے آرڈر ملے تو اس ریاست میں برآمد کرنے کیلئے کافی گلاہ باراں اگائے جا سکتے ہیں۔

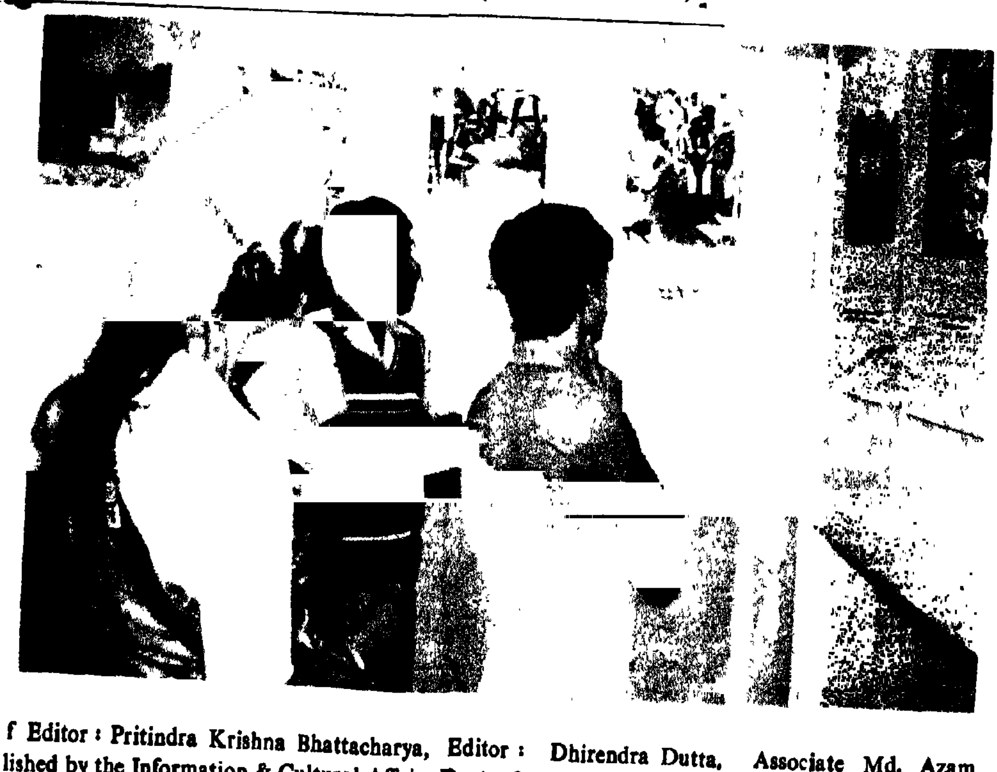
مغربی بنگال میں برآمد کرنے کی کوالیٹی کے تمباکو کے پتے کافی مقدار میں پیدا کئے جاتے ہیں اور اس کی پیداوار میں کافی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن موجودہ صورتحال میں اس کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کے بڑے بڑے کاروباری تازہ پھل، سبزی، پان کے پتے یا گلاہ باراں کی برآمد کو فروغ دینے میں دلچسپی نہیں لیتے۔ لیکن چند متوسط درجہ کے کاروباری آم اور انناس سے تیار کردہ چیزیں برآمد کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کاروبار میں سب سے کمزور نقطہ یہ ہے کہ مناسب موسموں میں سپلائی کیلئے پہلے سے آرڈر نہیں ملتے۔ دوسری کمزوری ترسیل و رسائل، برآمد کرنے کی سہولتوں کی کمی وغیرہ ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان دشواریوں کو دور کرنے اور برآمدات کو فروغ دینے کیلئے ریاستی سطح پر ایک تنظیم قائم کی جائے۔ حکومت ہند کی یہ تجویز بہت ہی اچھی ہے کہ سکریٹری، زراعت شعبہ کو ان فصلوں کے لئے کمشنر برآمدات کی ذمہ داری بھی سونپ دی جائے تاکہ شعبہ زراعت کیساتھ ساتھ زرعی پیداوار کے فروغ کے کام میں کافی تعاون قائم رہے۔ زرعی مارکٹنگ کی نظامت سے ریاستی حکومت نے یہ کہا ہے کہ وہ زرعی پیداوار کی برآمدات کیلئے تعاون اور فروغ کی اسکیمیں تیار کرے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بیرونی ملکوں سے آرڈر پانے والی فرموں کے ساتھ اس نظامت کا رابطہ قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس ریاست سے زرعی چیزوں کی برآمد کرنے والوں تجار کو شعبہ زراعت کے حکام کے ذریعہ بڑھاوا دینے کیلئے حکومت ہند چند اسکیمیں مرتب کرے ÷ ÷ ÷



بسومتی، بنگلہ اخبار کے فوٹو گرافر نے بھوپال جاکر وہاں مہلک گیس کے حادثہ کے شکار ہونے والوں کی تصویریں کھینچیں۔ ۷ / جنوری ۱۹۸۵ء کو کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پربھاش پھدیکر نے ان تصویروں کی نمائش کا افتتاح کیا

وزیر موصوف نمائش کی تصویروں کا معائنہ کرتے ہوئے (اوپر) اور نمائش بین (نیچے)



f Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Associate Md. Azam
lished by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.
iters. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 32 No. 2
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BANGAL
15th January 1985

کلکتہ

انفارمیشن سنٹر

میں لوک سبھا

[redacted]

انتخابات سنہ ۱۹۸۴ء

کے نتائج کی

تفاصیل

ALCUTTA INFORMATION CENTRE







پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ
یوم جمہوریہ نمبر

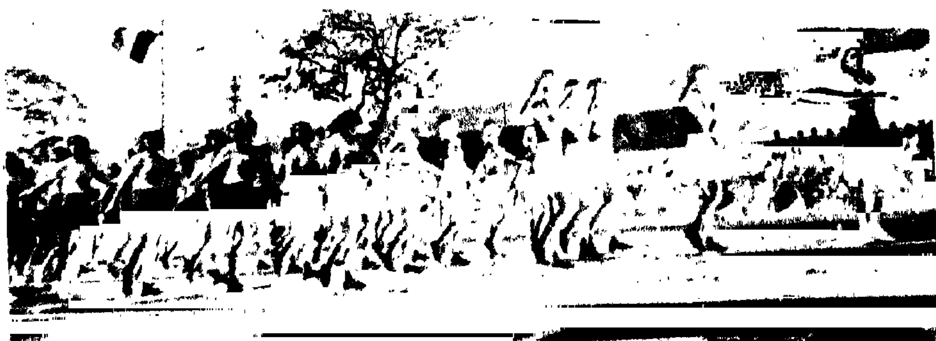
نگراں: پرتیم بھٹاچاریہ ★ مدیر: دھریندر ناتھ دت ★ مدیر معاون: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم فروری سنہ ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۳

شرحِ خریداری: سالانہ تین روپے ۔ اس خصوصی شمارے کی قیمت: ۳۰ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر: شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۱۰۰۰۰۱







ابھی نہیں

جاں نثار اختر

بہل رہے تو کب حرام ہے نشاطِ گلستاں
ابھی تو خود ہی سینۂ چمن میں آگ ہے نہاں
یہ جشنِ گل ابھی نہیں، یہ رنگ و بو ابھی نہیں

ابھی تو پُرفشاں دلِ بشر میں غم کی آگ ہے
ابھی تو وقت کے لبوں پہ شعلہ بار راگ ہے
نوائے مطربانِ خوش گلو، ابھی نہیں

ابھی تو چرخِ زندگی پہ ظلمتوں کا دور ہے
ابھی تو بجلیوں کی زد پہ خرمنِ وجود ہے
نظارہ سوز مہ وشوں کی آرزو ابھی نہیں

ابھی تلاطمِ حیات ہے کمالِ اوج پر
ابھی سفینۂ بشر ہے ظلمتوں کی موج پر
چراغِ ماہتاب و سیرِ آبِ جو ابھی نہیں

ابھی تو غیر معتبر ہے شرح کائنات کی
ابھی تو بحث گرم ہے مسائلِ حیات کی
نیاز و ناز کی لطیف گفتگو ابھی نہیں

ابھی تو دورِ نو ہے غرقِ شورِ ناوک و کمند
ابھی تو جامِ ارض سے ہے ایک موجِ خوں بلند
مئے ہوس ابھی نہیں، خم و سبو ابھی نہیں

جھکا وہ فرشِ آسماں اٹھی وہ تیغِ بے نیام
ہم اپنے ملک و قوم کو رکھیں گے کیا سدا غلام
جوانیوں کا سرد اس قدر لہو ابھی نہیں

ملک کی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی دونوں ہمارے استحکام کے جڑواں ستون ہیں

یوم جمہوریہ کے موقع پر مغربی بنگال کے گورنر کا عوام سے خطاب

یوم جمہوریہ کے موقع پر ۲۶ر جنوری سنہ ۸۵ء کی شام کو مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر دکشت نے اپنی ایک نشری تقریر میں مغربی بنگال کے عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی دونوں ہمارے استحکام کے جڑواں ستون ہیں۔ انہوں نے مزید کہا "اصلاحات اراضی اور پنچایت نظام کے مثبتی اقدامات کے ذریعہ اور اس طرح لاکھوں محنت کشوں کے مفادات کو فروغ دینے کیلئے ریاستی حکومت ترقی کی راہ پر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے" گورنر موصوف کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے :

یوم جمہوریہ کی ۳۵ ویں سالگرہ کے موقع پر میں مغربی بنگال کے عوام کو اپنی دلی مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

یہ ایک موقع ہے کہ ہم دستور میں درج بنیادی نصب العین کو برقرار رکھنے اور ان کو فروغ دینے کیلئے خود کو وقف کر دیں۔ گزشتہ سال ہماری سابق وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل کا المناک واقعہ پیش آیا۔ درحقیقت ہمارے ملک کے لوگوں کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کو اس سلسلہ میں خدشہ لاحق ہو گیا کہ ان کے اچانک ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے کے بعد ملک کی صورتحال کیا ہوگی۔ لیکن ہم نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ہماری سرزمین میں جمہوریت کے تصورات مستحکم بن چکے ہیں، اور وزیر اعظم کے عہدے پر جلد از جلد جانشینی اور پُرامن طریقے سے عام انتخابات کے انعقاد سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔ میں مغربی بنگال کے لوگوں کو داد و تحسین پیش کرتا ہوں اور اس بات کو درج ریکارڈ کرنے میں مجھے خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ مغربی بنگال کے لوگوں نے، اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ۳۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۴ء کے المیہ کے بعد کی صورتحال کا مقابلہ کرنے میں، جمہوری قدروں اور شائستگی کی شاندار مثال پیش کی۔ ملک کی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی دونوں ہمارے استحکام کے جڑواں ستون ہیں۔ یہ بات کافی باعثِ تسکین ہے کہ مشکلات کے دور میں اس ریاست کے لوگوں کے دل و دماغ میں یہ تمام اصول چھائے ہوئے تھے۔

میں اپنی ریاست کے بہت سارے مسائل اور مشکلات سے واقف ہوں اور مجھے امید ہے کہ بہت ساری دشواریوں کے باوجود ریاستی حکومت کے لئے یہ ممکن ہو سکے گا کہ وہ عوام کیلئے ایک بہتر مستقبل فراہم کرنے کے سلسلہ میں ان دشواریوں پر قابو پالے۔ اصلاحاتِ اراضی اور پنچایت نظام کے مثبتی اقدامات کے ذریعہ اور اس طرح لاکھوں محنت کشوں کے مفادات کو فروغ دینے کیلئے ریاستی حکومت ترقی کی راہ پر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس ریاست کے شہری علاقوں میں دیہی صنعتوں اور دیگر چھوٹی صنعتوں، جن میں زیادہ سے زیادہ افراد کو روزگار فراہم ہو سکتا ہے، کے قیام اور فروغ کیلئے مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔ نیز اس مقصد کی برآوری کیلئے یہ

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

از: نرمل بوس: وزیر صنعت، مغربی بنگال

عوامی جمہوریہ

۲۶؍ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان کا عوامی جمہوریہ ہونے کا اعلان کردیا گیا۔ تقریباً دو سو سال برٹش نوآبادی حکومت کے تحت غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کے بعد ۱۵؍ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوگیا — اس دن کے بعد سے ۲۵؍ جنوری ۱۹۵۰ء تک اس ملک نے برٹش بادشاہت سے رشتہ قائم رکھا۔ پھر ۱۹۵۰ء میں ۲۶؍ جنوری کے پاک دن میں سارے ملک میں ہندوستان کے نئے دستور کو رائج کردیا گیا حالانکہ ۱۹۴۷ء تک ہر سال ۲۶؍ جنوری کو ملک کی آزادی کے مجاہدین یوم جمہوریہ کی طرح منایا کرتے تھے۔ اس دستور میں یوں تو بہت ساری اہم باتیں درج ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم 'عوامی جمہوریہ' کا پہلو ہے اور اسی وجہ سے جس دن یہ دستور نافذ کیا گیا اسی دن کو یوم جمہوریہ قرار دیا گیا۔

عوامی جمہوریہ ہونے کے علاوہ دستور ہند میں دو اور اہم خصوصیات جمہوریت اور لامذہبیت یعنی سیکولرزم ہیں۔ پھر ایمرجنسی کے دوران دستور ہند کی ۴۲ ویں ترمیم کے ذریعہ دستور کی تمہید میں ہندوستان کو ایک اشتراکیتی جمہوریہ قرار دیا گیا۔ لیکن ہندوستانی سیاسی نظام کی نوعیت کا ذکر کرتے وقت لفظ "اشتراکیت" پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں، ملک کی معیشت کی، جو بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ نوعیت کی ہے، موجودہ صورتحال میں اس کے سیاسی یا معاشی نظام کو "اشتراکیتی" نہیں کہا جاسکتا۔ ہندوستان کو صرف رعایتاً "اشتراکیتی" جمہوریہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن دستور میں درج تین بنیادی نکات یعنی عوامی جمہوریہ، جمہوریت اور اشتراکیت بہت ہی اہم ہیں کیوں کہ یہ تینوں بنیادی ستون ہیں جن پر ہمارے ملک کا سیاسی نظام تعمیر کیا گیا ہے۔ دستور میں ایک اور اہم بات درج ہے اور یہ دستور کی وفاقی نوعیت ہے۔ گرچہ دستور ہند میں کہیں بھی لفظ "وفاق" درج نہیں ہے تاہم ہندوستان ایک وفاقی ملک ہے لیکن یہ ایک نامکمل وفاق ہے — نیم وفاقی ملک ہے — جہاں تمام اختیارات مرکز کو حاصل ہیں اور ریاستوں کو بہت ہی کم اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن بلاشبہ ہندوستان میں جس نظام کو اپنایا گیا تھا وہ وفاقی نوعیت کا تھا۔

ہندوستان کے لئے عوامی جمہوریہ کے علاوہ اور کوئی نظام بہتر نہیں ہوسکتا۔ اس ملک میں انگریزوں کی حکومت سے پہلے ملک کے مختلف علاقوں میں ہندو اور مسلمان راجاؤں کی حکومتیں تھیں۔ انگریزوں کے دور حکومت میں بھی یہاں چھوٹی چھوٹی دیسی ریاستیں تھیں جہاں شاہی حکومتیں قائم تھیں۔ بیرونی ممالک برطانیہ میں بھی شاہی نظام قائم تھا۔ لیکن دستور ساز اسمبلی میں اور اس کی مسودہ ساز کمیٹی میں جواہر لال نہرو اور دیگر مشہور کانگریسی سربراہوں کی رہنمائی میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان خاندانی شاہی نظام کو نہیں اپنائے گا اور یہ ایک عوامی جمہوریہ بن جائے گا۔ جمہوریت کے موجودہ دور میں ہمارے محترم دستور سازوں نے ملک کے لئے جمہوری نظام کو اپنایا۔ جدوجہد آزادی کے دنوں میں لوگوں نے آزادی کے لئے اور اس کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے لئے جدوجہد کی اور آزادی کے ساتھ ساتھ انہیں

جمہوریت بھی ملی۔ زبردست دباؤ اور ناموافق حالات کے باوجود اس ملک میں جمہوریت قائم رہی۔ جبکہ ہم لوگوں کے تقریباً تمام پڑوسی ملکوں میں جمہوریت کو کچل ڈالا گیا اور وہاں فوجی، سامراجی یا شاہی حکومتیں قائم ہو گئیں، ہندستان میں جمہوریت کا زندہ رہنا واقعی قابل تعریف اور کافی اہمیت کی بات ہے۔

ہمارے دستور میں سیکولرزم پر زور دیا گیا ہے وہ بہت سارے لوگوں کے خیال کے مطابق نہ صرف بہت اہم ہے بلکہ یہ تو دستور کی سب سے زیادہ اہم بات ہے۔ دو قوموں کی تھیوری کی بنیاد پر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندستان کو تقسیم کر دیا گیا۔ اور ساتھ ہی فرقہ وارانہ فسادات کے بعد تقسیم کا فیصلہ کیا گیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہندستان کے دستور سازوں نے جان بوجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس ملک کے لئے ایک سیکولر نظام قائم کیا جائے، جہاں تمام مذاہب کے لوگوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں مساوی حقوق حاصل ہوں گے اور جہاں ریاست کسی بھی مذہبی جماعت، اکثریت یا اقلیت سے مثبتی یا منفی طور پر متاثر ہوئے بغیر، بہت ہی سیکولر طریقہ سے اپنی خدمات انجام دیگی۔ اگر سیکولرزم کے علاوہ کسی دوسرے نظام کو اپنایا جاتا تو اس کے نتیجہ میں فرقوں پر یہ ملک مختلف حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔

ہندستان جیسے ملک میں، جسے اکثر برصغیر کہا جاتا ہے اور جو مختلف النوع مذاہب، زبان، ثقافت وغیرہ کی آماجگاہ ہے، وہاں وفاقی نظام کے سوا کوئی اور نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ دور افتادہ علاقوں میں دور بیٹھے دہلی سے حکومت نہیں کی جا سکتی۔ ان علاقوں کو اپنے سیاسی، ثقافتی، مالیاتی امور میں خود اختیاری حاصل ہونی چاہئے۔ اس لئے ہمارے سربراہوں نے بجا طور پر جدوجہد آزادی کے دنوں میں اس ملک میں صحیح معنوں میں وفاقی نظام قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ دستور سازوں نے بھی اس نظریہ کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ دستور کو ایک وفاقی شکل میں مرتب کرتے ہوئے انہوں نے قصداً مرکز کو بہت ہی مضبوط بنا دیا اور اس طرح انہوں نے ریاستوں کو بہت ہی کمزور بنا کر رکھ دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم سے قبل ملک میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات نے، ساتھ ہی کشمیر میں رونما ہونے والے حادثات نے اس وقت انہیں متاثر کیا تھا۔

دستور کی یہ تمام بنیادی باتیں — عوامی جمہوریہ، جمہوریت، سیکولرزم اور وفاق — ایک طرح سے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ یہ سب جمہوری اصول ہیں۔ عوام ہی، نہ کہ کوئی شخص، خاندان یا ایک خاص مذہبی فرقہ یا مرکز کو اختیارات کلی حاصل ہے۔

ہندستان کو اپنے سیاسی نظام پر بجا طور پر فخر کرنا چاہئے۔ لیکن بدقسمتی سے اس نظام سے وابستہ خطرات کے سگنل آج نمودار ہو رہے ہیں۔ حالیہ لوک سبھا کے انتخابات نے ان خطرات کی تصدیق کر دی۔ انتخابات کے نتائج نے کسی بھی طرح سے اس نظام کو مستحکم نہیں بنایا ہے۔ مسلسل خاندانی حکومت کی طرف رجحانات نے ہمارے دستور کے عوامی جمہوری نوعیت کو کمزور بنا دیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس تبدیلی کو قومی انتخابات میں لوگوں کی اکثریت نے سراہا۔ اس طرح یہ اس حقیقت سے انحراف نہیں کرتا کہ حکمراں پارٹی کے پاس اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا اور اسی لئے اس نے ماں کی جگہ پر بیٹے کو منتخب کیا۔ شریمتی اندرا گاندھی کے دور میں آمرانہ رجحانات کافی عیاں تھے۔ اب حالیہ انتخابات میں حزب اختلاف کے صرف چند افراد کو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح اب پارلیمنٹ میں ایک موثر حزب اختلاف کے بغیر، اس نظام کو، اس بات کی توقع کی جاتی ہے، بروئے کار لایا جائے گا۔ مضبوط حزب اختلاف کی غیر موجودگی میں جمہوریت ایک پارلیمانی نظام میں کام نہیں کر سکتی۔

ملک میں سیکولرزم کو اس کا واجب مقام نہیں دیا گیا۔ خواہ سیاست میں یا تعلیم میں، بہت سارے کیسوں میں فرقہ واریت نے اہم کردار ادا کئے اور یہ بات باعث شرم ہے کہ آج بھی ملک کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں اور شریمتی اندرا گاندھی کے قتل کے بعد دہلی اور دیگر جگہوں میں ہزاروں سکھوں اور ان کے خاندانوں پر جو گزری وہ ہم سبھوں کے لئے ایک تنبیہہ ہے۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

غزل

اعزاز افضل

ناوک انداز نئے بھیس بدل کر نکلے
سینۂ زخم سے ٹوٹے ہوئے نشتر نکلے

لوگ گل گشت کو جاتے تھے بڑی سج دھج سے
ہم بھی زخموں کی ردا اوڑھ کے باہر نکلے

پھینک کر مجھکو، ہواؤں میں اڑے جاتے ہیں
بے وفا کتنے مرے ٹوٹے ہوئے پر نکلے

ہر قدم سر کے تعاقب میں کہیں در کہیں دار
کیا مسافر تھے کہ اس راہ سے بچ کر نکلے

لطف آ جائے اگر جامہ تلاشی لیجئے
ہاتھ میں دستۂ گل جیب میں پتھر نکلے

نوکِ ہر خار پہ اب پھول کھلاتے چلئے
کیوں حدودِ لب و رخسار سے باہر نکلے

جب اندھیرے میں بڑھا قافلۂ گردن و سر
خیر مقدم کو چمکتے ہوئے خنجر نکلے

ایک لمحے کو ہوئے رقصِ بہاراں میں شریک
عمر بھر یادوں میں زنجیر پہن کر نکلے

دستورِ ہند اور جمہور

از ـــــــــــ بھبھتوش رائے

دستور ساز اسمبلی نے جب ہندستان کے دستور کو اپنایا تو اس وقت ہندستان کو خود مختار عوامی جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس طرح ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء سے ہم سب ایک ایسے عوامی جمہوریہ کے شہری بن گئے جو جمہوری بھی ہے اور خود مختار بھی ہے۔

۱۹۷۶ء میں اندرونی ملک ایمرجنسی کے عرصہ کے دوران دستور میں ایک ترمیم لاکر ملک کی اس حیثیت میں تھوڑی بہت تبدیلی لائی گئی۔ اس ترمیم کے ذریعہ الفاظ "خود مختار" اور "جمہوریہ" کے درمیان لفظ "اشتراکی" شامل کر دیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں دستور کی تمہید میں درج باتوں کی روشنی میں ہمارا ملک نہ صرف جمہوری ہے بلکہ یہ اشتراکی بھی ہے۔

اس ملک میں حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں دستور میں درج باتیں رہنمائی کرتی ہیں۔ حکومت کی روز مرہ کی سرگرمیاں اور فرائض کی انجام دہی اس بات کو عیاں کرتی ہیں کہ کس حد تک دستور میں درج باتوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا اور "جمہوری" "اشتراکی" اور "عوامی جمہوریہ" وغیرہ میں جو اس ملک کی خصوصی نوعیت ہیں، جو حقوق اور سہولتیں درج ہیں ان سے شہریوں نے کس حد تک استفادہ کیا۔

۲۶ر جنوری ۱۹۸۵ء کو ہم اپنے ملک کا ۳۶ واں یوم جمہوریہ منائیں گے۔ اس موقع پر یہ بات نامناسب نہ ہوگی کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کس حد تک ہمارا ملک جمہوری بن سکا اور بلا لحاظ ذات پات، جنس یا مذہب تمام شہریوں کے لئے بھی یہ ایک "جمہوریہ" ثابت ہوا۔

ہمارے دستور میں درج حکومت اور انتظامیہ کے طریق کار پارلیمانی شکل کے ہیں۔ پارلیمنٹ کے لئے بالغوں کی رائے دہندگی کے ذریعہ نمائندے منتخب ہوتے ہیں اور وہ سیاسی پارٹی جس کے منتخب نمائندوں کی تعداد اکثریت میں ہوتی ہے، وزارت قائم کرتی ہے۔ لیکن یہ صرف ایک جمہوری ملک کا بیرونی ڈھانچہ ہے اور پارلیمانی جمہوریت کی بہت سی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ پارلیمانی جمہوریت اور پارلیمانی اشتراکیت میں کافی فرق ہے۔ گرچہ ہمارے دستور میں لفظ "اشتراکیت" شامل ہے اس کے باوجود ہمارے یہاں اشتراکیتی جمہوریت کی جگہ پارلیمانی جمہوریت قائم ہے اور اب ہم اس پارلیمانی جمہوریت کے تصور کے پس منظر چند باتوں کا ذکر کریں گے۔

جمہوریت کے جانچ کے بہت سارے طریقے ہیں۔ کس حد تک شہریوں کو آزادی حاصل ہے اور کس حد تک لوگوں کی شنوائی ہوتی ہے، یہ باتیں اس سلسلہ میں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ ہمارے دستور کے بنیادی حقوق کے باب میں متعدد حقوق کو بنیادی اور غیر منفک قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر ہم متعلقہ باب پر غائر غور کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ خود دستور میں ہی ان حقوق پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں بحث ومباحثہ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ دستور کے تحت ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دستور کے بل بوتے پر ایسے قوانین پاس کر سکتی ہے جس کے تحت حکومت کسی بھی شہری کو، عدالتی کارروائی کئے بغیر زیر حراست رکھ سکتی ہے۔ ایک شہری کو، عدالتی کارروائی کئے بغیر زیر حر

رکھنے کے سلسلے میں اگزیکیوٹیو کو حاصل حقوق اور آمریت کا تصور جمہوریت کے بنیادی تصور کی بنیادی طور پر ضد ہے۔

ہمارے دستور کی بہت سی دفعات میں ایسی بہت ساری باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے جن کے تحت شہریوں کے بنیادی حقوق کو بھی چھین لینے کے لئے ایمرجنسی کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندستان کے شہریوں کو سنہ ۱۹۷۵ء سے سنہ ۱۹۷۷ء تک ایمرجنسی کے عرصے کا بہت ہی تلخ تجربہ حاصل ہوا ہے۔

ناداروں کی جگہ جائیداد کے مالکوں کی طرف دستور کچھ جھکا ہوا ہے۔ دوسرے الفاظ میں امیروں اور غریبوں کے درمیان جدوجہد میں، جو ہمارے سماج کی طرح طبقات میں منقسم سماج میں مسلسل جاری ہے، امیروں کو دستور کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہونا تو ظاہر ہے، اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ ادارہ جاتی انتظامات ایسے ہیں کہ جہاں دستور میں زمین کے مالک کو اور بے زمین کھیت مزدور یعنی زرعی مزدور کو، ایک مل مالک یعنی پیداوار کے ذرائع کے مالک کو اور ایک مل مزدور کو جس کے پاس زندہ رہنے کے لئے اپنی محنت کو فروخت کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا ہے، مساوی حقوق حاصل ہیں وہاں ترازو کا پلڑا تو زمین کے مالک اور مل کے مالک کی طرف لازماً جھک جاتا ہے۔

اگر ارادہ یہ ہو کہ توازن برقرار رہے اور دستور میں درج مساوی حقوق درحقیقت "مساوی" رہیں تو عوامی تنظیموں کو سماج کی سرگرم سیاست اور ملک کی حکومت میں سرگرم طور پر حصہ لینے کی اجازت دی جانی چاہئے۔ لیکن ایسا اس وقت تک موثر طور پر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ دستور میں ان عوامی تنظیموں کے کردار کو تسلیم نہ کیا جائے۔ عوامی تنظیمیں سیاسی پارٹیاں نہیں ہوتیں۔ یہ سب عوام کے مختلف منظم سیکٹروں کی جیسے محنت کشوں کی ٹریڈ یونینیں، زرعی آبادی کی کسان سبھائیں، عورتوں، نوجوانوں اور طلباء وغیرہ کی ایسوسی ایشن تنظیمیں ہیں۔ یہ عوام کی اکثریت کی نمائندگی کر سکتی ہیں، اور اگر انہیں مناسب کردار ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو وہ اس بات کا خیال رکھ سکتی ہیں کہ دستور کے اعلانات کی بے حرمتی نہ ہو اور کوئی اقدام دستور کے خلاف نہ ہو۔ جب توازن کا سوال پیدا ہو تو وہ غریبوں کے مفادات کی حفاظت کر سکتی ہیں تاکہ یہ توازن امیروں کے حق میں نہ جھکے۔

ہمارے دستور میں عوامی تنظیموں کو تسلیم کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن دستور میں درج بنیادی باتوں کو فروغ دینے کے لئے عوامی تنظیموں کی خدمات کو استعمال میں لانے پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ مثال کے طور پر دستور ہند کی آرٹیکل ۳۹ کو لیجئے۔ یہ چوتھے باب میں، ریاستی پالیسی کے "ہدایتی اصول" کے زیر عنوان درج ہیں۔ اس آرٹیکل میں دیگر باتوں کے علاوہ ان باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

"ریاست خاص طور پر اپنی پالیسی کو، ان باتوں کی حصولیابی کیلئے مرکوز کردیگی کہ:

(الف): تمام شہریوں کو، مساوی طور پر، مردوں اور عورتوں کو آمدنی کے خاطر خواہ ذرائع حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

(ب): معاشی نظام کو اس طرح روبہ عمل نہ لایا جائے کہ اس کی وجہ سے دولت اور پیداوار کے ذرائع چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جائیں اور اس طرح عام لوگوں کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے، اور

(ج): عورت اور مرد دونوں کے لئے مساوی کام کے لئے مساوی اجرت ہو۔" اسی طرح اس باب کے آرٹیکل ۴۳ میں یہ باتیں درج ہیں۔

"ریاست مناسب قانون یا معاشی تنظیم کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے اس بات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گی کہ تمام مزدوروں کو، زرعی، صنعتی یا دیگر مزدوروں کو روزگار فراہم ہو، انہیں اچھی اجرت ملے جس سے وہ اپنے اخراجات پورے کر سکیں۔ کام کرنے کے حالات میں بہتری لائی جائے جس سے معیار زندگی بہتر ہو جائے اور سبھوں کو فرصت کے لمحات سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے اور وہ سب سماجی اور ثقافتی

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

یہی وہ دن ہے

قیصر شمیم

یہی وہ دن ہے، جب ہم تیرہ بختوں کے دریچے اور دروازے کھلے تھے
اور پہلی بار اک تازہ ہوا ہر کلبۂ احزاں میں آئی تھی،
جو اپنے ساتھ رنگ و نور و نکہت، اک نئے موسم کے، لائی تھی،
جنہیں پاکر ہوئی تھیں شادماں آنکھیں،
وہ آنکھیں — خوگرِ ہر منظرِ جور و جفا آنکھیں
وہ آنکھیں — حاملِ دردِ دعا آنکھیں
وہ آنکھیں — جو نہ جانے کتنی صدیوں سے بنا کرتی تھیں
منظر نامۂ مستقبلِ زریں (چھپا کر اپنے خوابوں میں)
وہ آنکھیں — جن کو نفرت تھی کہ از مہ تا بہ ماہی عہدِ ماضی کی طرح پڑتا رہے
منحوس سا سایہ دورِ شاہی کا،
انہیں کب یہ گوارا تھا:
رہیں اک دستِ آقا میں ہزاروں گردنیں بے بس رعایا کی،
رہے اک زور آور شخص کے قدموں تلے کمزور ہستی انگنت محکوم لوگوں کی،
ہزاروں خواہشوں پر، فکر پر، بے باک خوابوں پر خطِ تنسیخ جو کھینچے،
نظر جس کی بہر حالت رہے اپنے خزانے پر،
ہوس جس کو فقط ہو ملک گیری کی،
خیال آئے جسے تو اپنی مختاری کی طاقت کا خیال آئے!

وہ آنکھیں، جن پہ ایسے سانحے ماضی میں کتنی بار گزرے تھے،
فقط یہ چاہتی تھیں: امتیازِ حاکم و محکوم مٹ جائے،
جہاں اک ہاتھ کی مٹھی میں کل طاقت سمٹتی تھی،
وہاں مضبوط ہوں اب ہاتھ سب کے، اور طاقت سب کی یکساں ہو،
جہاں کل ایک ہی آواز اپنے فیصلے سب کو سناتی تھی،
وہاں اب سب کی آوازیں ملیں، مل کر کریں ہر فیصلہ صادر
کہ روز و شب کے ہر منظر میں کچھ ترمیم ہو جائے
فروغِ گل، گلوں کے درمیاں، تقسیم ہو جائے
نیا موسم، نئی خوشبو، نئی بادِ صبا آئے!

یہی دن قوتِ جمہور کے آغاز کا دن ہے
دلوں سے تا بہ لب آئی ہوئی آواز کا دن ہے

ہماری جمہوریت

خواب اور حقیقت

فیروز عابد

جمہوریت یہ ہفت حرفی لفظ آج ہندوستان اور بیرون ہندوستان ہر جگہ پسند کیا جا رہا ہے۔ پسندیدگی کی وجہ یقیناً عوامی سطح تک آجاتی ہے یعنی حکومت کا جمہوری طریقہ عوام کے لئے عوام کے ذریعہ اور عوام کا۔ گویا عوام اس طریقہ حکومت میں مکمل طور سے INVOLVE ہیں۔

ہندوستان شاید دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے اور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء سے لے کر آج تک اس کی جمہوریت قائم ہے جبکہ بہت سے ملکوں میں جمہوری نظام نے آخری ہچکی لے لی ہے۔

جمہوریت کا نظام تقاضے کرتا ہے، اچھے نمائندوں کا جو نہایت ہوشیاری، محنت، لگن اور سچائی سے حکومت کی پالیسی بنائیں، ایسی پالیسی جس سے عوام کے ہونٹوں کی مسکراہٹ برقرار رہ سکے۔

اچھے نمائندے سیاسی اداروں میں اپنے شعور کو بیدار اور بالیدہ کرتے ہیں تاکہ وہ جمہوریت کی بقا اور اس کی صحیح مقام اور جائز استعمال کے لئے تگ و دو کر سکیں۔

انسان پیدائشی طور پر آزاد ہے، جمہوریت اس کو مانتی ہے۔ انسان کے کتنے ہی طبقے ہیں۔ ان طبقوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک طبقے کی نگاہ ہمیشہ بلند رہتی ہے اور ایک کی ہمیشہ نیچی۔ جمہوریت برابری کا پیغام دیتی ہے۔ اس طرح سب مل جل کر اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں جو ایوان میں لوگوں کی ہنسی اور لوگوں کے آنسو کی بات کرتا ہے اور ایک جمہوری ملک میں کیا ہونا چاہئے اس کے لئے اپنے مشورے دیتا ہے — اور جب عوام کو حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے تو ان کے اندر وطن سے محبت اور اپنے پڑوسی سے محبت کا جذبہ بھی جاگتا ہے۔ جمہوریت میں حاکم اور محکوم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ حاکم ہی محکوم ہے یعنی عوام کی حکومت عوام کے لئے اور عوام کے ذریعہ —!

ہم نے اپنا نمائندہ چنا اور اسے اپنے دکھ سکھ بتاتے اور اس کی طرف دیکھتے رہے کہ ہماری خواہش کی تکمیل کے لئے وہ کیا قدم اٹھاتا ہے۔ اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم اسے فعال اور سرگرم نہیں پاتے تو ایک مقرر شدہ معیاد کے پورے ہوتے ہی اسے وہیں لے آتے ہیں جہاں وہ تھا۔ جمہوریت فرد کی اہمیت مانتی ہے۔ فرد کو ذات پات اور نسل کے خانے میں تقسیم نہیں کرتی اور اسے وہ سارے حقوق دیتی ہے جو ایک جمہوری ملک میں ملتے ہیں۔

ہندوستانی جمہوریت جو اتنے سالوں تک زندہ ہے اس کی وجہ جہاں عوام کا سیاسی طور سے بیدار رہنا ہے وہاں ان سیاسی اداروں کا مستحکم اور مضبوط ہونا بھی ہے جو جمہوریت کی بقا چاہتے ہیں۔

ایک جمہوری ملک کے لئے درج بالا باتیں بڑی اہم ہیں اور حقیقی ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ہماری جمہوریت حقیقت

ہے یا خواب — جمہوریت کیا ہے اس کا ذکر میں نے مختصراً سے کردیا ہے اور جمہوریت کی حقیقت بھی بیان کردی ہے یعنی میں عرض کرچکا ہوں کہ جمہوریت کے لئے بہت سارے مضبوط و مستحکم پارٹیوں کا ہونا ضروری ہے۔ تو صاحب سیاسی پارٹیاں اب بھی موجود ہیں لیکن اب ان میں کمزوری کے آثار پیدا ہو چلے ہیں۔ سچائی، صفائی اور ایمانداری سے اپنا نمائندہ چننے کا اختیار عوام کے پاس اب بھی ہے لیکن عوام اپنے اس اختیار کا استعمال کس طرح کرے اور کیسے کرے اس لئے کہ سیاسی پارٹیاں جو ایک جمہوری ملک میں جمہوری طریقوں سے وجود میں آئی تھیں اب ان میں بیشتر کا عمل غیر جمہوری ہوگیا ہے۔ اقتدار اور طاقت کے حصول کیلئے جمہوری طریقوں کو خیرباد کہہ کرنا جائز اور غلط طریقے استعمال کئے جانے لگے ہیں۔

جمہوریت میں جہاں ہر ایک کیلئے قانون برابر ہے۔ چھوٹے بڑے، کالے گورے اور نسل و مذہب کی کوئی قید نہیں پھر وہاں تشدد کی بات کیسے پیدا ہوجاتی ہے۔ جب سب کو برابر برابر ملنے کی بات ہے، جہاں انصاف کی بات ہے اور سچ بولنے کی آزادی وہاں پھر حالات ایسے کیوں بگڑتے جاتے ہیں کہ آدمی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اپنا فیصلہ آپ کرنے لگتا ہے۔

جمہوریت میں تو یہ سب نہیں ہونا چاہئے تھا تو پھر ایسا کیوں؟ اس کا سبب کچھ سیاسی پارٹیوں کے کردار کا انحطاط ہے۔ یقینی بات ہے کہ جب سیاسی پارٹی کا کردار مسخ ہوجائے گا تو اس سے جڑے ہوئے ان گنت لوگوں کے کردار میں بھی خرابی پیدا ہوگی اور یہ خرابی ان گنت خرابیوں کو جنم دے گی اور پھر ایک جمہوری ملک انتشار اور اختلاف کے طوفانوں میں گھر جائے گا۔

بہت سارے ملکوں سے ایک طرح جمہوریت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ ہم دیکھ رہے کہ ہماری جمہوریت بھی خواب ہوتی جارہی ہے۔ انتشار، ہنگامے اور افراتفری اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں اس طرح پھیل گئی ہے کہ جمہوریت کا شناخت مشکل ہوگئی ہے۔ ہر طرف حالات بگڑے ہوئے ہمارے ہر شعبۂ زندگی میں مکر و فریب، جھوٹ اور استحصال کو راہ مل گئی ہے، جگہ مل گئی ہے پورا ماحول ہی جیسے بگڑ کر رہ گیا ہے۔ جمہوریت کی مضبوط جڑیں اندر ہی اندر سیاست اور مذہب کی دیمکوں میں گھر چکی ہیں۔

کبھی کبھی سوچنے کی عادت اب روز کا خوف بن گئی ہے۔ کبھی سوچتا تھا کہ آزادی سے پہلے لوگ جد و جہد کے درمیان آزادی کا خواب دیکھتے تھے اور پھر یہ خواب پورا ہوا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا اور پھر ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو اسے ایک جمہوری ملک بنادیا گیا — خواب حقیقت سے ہمکنار ہوگیا۔

سب برابر ہیں۔ ہر مذہب احترام کے قابل ہے اور ہر پیشے کا آدمی معتبر اور باعزت لیکن سب غلط ہوگیا، جھوٹ ہوگیا — ان ساری باتوں کے رنگ کچے نظر آئے۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹنے لگا۔ اونچی ذات اور نیچی ذات کی بات ہونے لگی۔ لوگ زندہ جلائے جانے لگے، مذہب کے نام پر فرقہ پرستی کو ہوا دی جانے لگی۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کا خواب جو سنہ ۱۹۴۷ء اور پھر سنہ ۱۹۵۰ء میں حقیقت میں ڈھل گیا تھا اب پھر خواب لگ رہا ہے۔

آزاد ہندستان میں لوگ ڈر اور خوف کے ساتھ سانس لے رہے ہیں، پتہ نہیں کب کیسا گیس کس طرح سانسوں کے ذریعہ زندگی کو اپاہج بنادے۔

جمہوریت میں ہمیں حقوق اتنے ملے کہ ہم نے فرائض سے اپنے آپ کو سبکدوش کرلیا۔ اپنی زندگی گزارنے کے لئے ہم نے حق کا استعمال کیا لیکن اوروں کی زندگی سکون کے ساتھ کیسے گزرے گی اس کے لئے ہمارے جو فرائض تھے اس سے ہم نے چشم پوشی کرلی۔

ہماری جمہوریت خواب ہوتی جارہی ہے۔ معاشی نابرابری نے اپنے پر پھیلا دیئے ہیں۔ ہماری جمہوریت بیمار ہوتی چلی جارہی ہے۔ قبل اس کے کہ یہ بھی آخری ہچکی کے دور میں داخل ہوجائے۔ ہمیں سچائی اور ایمانداری

(باقی صفحہ ۲۱)

شمیم انور

۳۷ کیلوں پر ٹنگا آدمی!

مجھے تمہاری دعوت منظور نہیں!
کیوں کہ خوش فہمی اور خود فریبی کے جشن منانے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے
زندگی کی ریکھاؤں کے درمیان
جس سمندر میں مجھے قید کیا گیا ہے
وہاں — چاروں طرف پانی ہوتے ہوئے بھی
میں — ۳۷ برسوں سے پیاسا ہوں!
گناہ کی لذت سے نا آشنا،
— عبادت کی سزا کاٹنے والوں کو
صرف ماتم کرنا آتا ہے۔
اپنے غم کے ہر آنسو پر
تمہارے پیار کی ہزار مسکراہٹیں قربان کر سکتا ہوں!

مجھے گورے ہاتھوں نے غلامی کی کھونٹی پر
کلنڈر کی طرح ٹانگا تھا —
کالے ہاتھوں نے آزادی کی صلیب پر —
فرق صرف ہاتھوں کا ہے!
میں — کلنڈر کی طرح جب بھی صلیب پر تھا
میں — کلنڈر کی طرح اب بھی صلیب پر ہوں
میں — ۳۷ کیلوں پر لٹکا ہوا آدمی
جشنِ خوش فہمی و خود فریبی میں شرکت سے انکار کرتا ہوں
مجھے تمہاری دعوت منظور نہیں!!

یوم جمہوریہ
حقائق کی روشنی میں

سیت نندرائے

ہر سال یوم جمہوریہ میں انفرادی طور پر لوگوں کی آزادی اور اسکی حصولیابی کے سلسلہ میں جمہوری اور دستوری کارگزاریوں کے لئے سماجی تبدیلی کے طریقہ کار میں اور ہمارے ملک کی ملی جلی معاشی ترقی کے لئے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے اور اپنی کارکردگی میں بہتری اور تیزی لانے کیلئے برسر اقتدار لوگوں کی طرف سے اعلانات کئے جاتے ہیں۔ لیکن نیلے آسمان کے نیچے پھولوں سے مزین لہراتے ہوئے قومی جھنڈے کے تحت بدلے ہوئے حالات میں جنوری کی ۲۶ویں تاریخ کو ان مقدس عہد اور قسموں کو دہرانے کے لئے صرف تین سو پینسٹھ دنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقدس دن کے لئے ہماری جو بیداری ہے، اس کے دامن کو بھی ہمارے تصورات اپنی آزادی سے اڑکر چھو تک نہیں سکتے۔ آج ہندستان میں دستور کے نفاذ کے ۳۷ سال پورے ہوگئے اور آج بھی اس دن کے لئے ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اس ذخیرہ کا جو ہمارے پاس ہونا چاہئے ایک کسر کے برابر بھی نہیں ہے۔

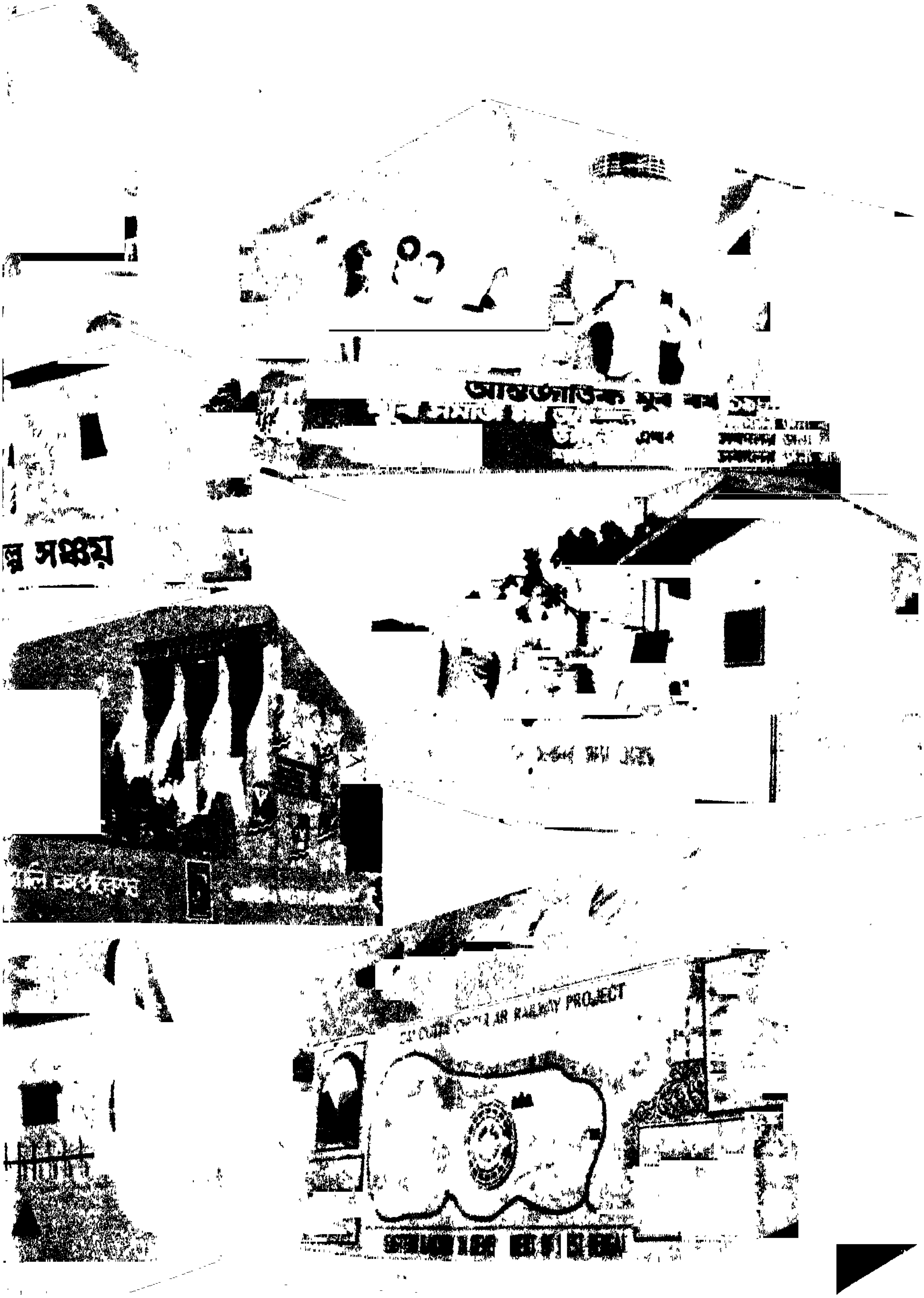
ہمارے ملک میں دستوری عمل کی افادیت کی پیمائش کرنے کے لئے ہر یوم جمہوریہ ایک الگ معنی کے ساتھ آتا ہے۔ اگر ایک پیچیدہ کمپیوٹر ہمارے پاس ہوتا تو اس سے ہمیں ہمارے دستور کی، جو دنیا کا سب سے بڑا دستور ہے، دفعات کی یا ایک حصہ کی کامیابی یا ناکامی کی بابت بہت سی باتیں معلوم ہوتیں۔ آج کے دن عام لوگوں کو ان خصوصی تحقیقات کے نتائج کی علاوہ بہت ساری عام باتوں کے جاننے کا بھی حق حاصل ہے۔ کشمیر اور آندھرا پردیش کی ہیجان خیزی کے بعد، آسام اور پنجاب کی تیرگی کے بعد —— اور ہمارے عزیز وزیر اعظم کے، جنہوں نے ۱۵ سال تک ملک کی سربراہی کی، قتل کے حادثہ کے بعد ۱۹۸۵ء کا یہ یوم جمہوریہ ہندستان پہونچا ہے۔ یہ یوم جمہوریہ، آٹھویں عام انتخابات کے نتائج کے بعد، شان بان کے ساتھ آیا، کیوں کہ ان عام انتخابات میں حکمراں پارٹی کو بڑی اکثریت حاصل ہوئی اور اس کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے مٹھی بھر اقلیت رہ گئی۔ معاشی سیاسی زندگی میں ان نئے تنازعات کے پس پردہ سماجی منظر کو ہمارے دستور کے — اس کے اغراض و مقاصد اور اس کی کمی اور خامیوں کا مطالعہ کرنے اور گزشتہ ۳۶ برسوں کے لئے اس کام کاج کا جائزہ لینے کے بعد سمجھا جاسکتا ہے۔

ہندستان کا دستور ساری دنیا کے بڑے دستوروں میں سے ایک ہے۔ اس میں ۳۹۵ آرٹیکلس یعنی دفعات ہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں کے دستوروں سے اچھے اچھے نکات ہمارے دستور کے لئے اخذ کئے گئے ہیں۔ اسطرح ہمارے ملک میں ایک اچھے دستور کی جھلک ملتی ہے۔ اس بات کی امید کی گئی ہے کہ اس دستور میں اس وسیع اور کشادہ جمہوری نظام کے فروغ کے لئے کوشش کی جائیگی۔ اسی لئے دستور کے اعلیٰ نصب العین کے اظہار کے لئے

بہت اچھے اچھے الفاظ استعمال کئے گئے۔ دستور کی تمہید میں
"الفاظ خود مختار جمہوری ری پبلک" درج ہے اور پھر اس میں
سوشلسٹ سیکولر، الفاظ کا اضافہ کیا گیا۔ اس دستور میں وفاقی
نظام سیاست کے ڈھانچے کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز اس نظام سیاست میں مرکزیت کی
چند خصوصیات بھی درج ہیں۔ بعض افراد کیلئے یہی تنازعات کا مرکزی نقطہ ہے، اور
ایسے تنازعات تو سیدھے سادھے قسم کے پارلیمانی جمہوری ڈھانچہ،
جسے ہندستان نے اپنایا ہے، میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بعض
کے خیال میں وفاقی نظام سیاست ایسا وفاق ہے جہاں
مرکزیت کے رجحانات ہوتے ہیں۔ بعض کے خیال میں اسے امداد باہمی
وفاق کہتے ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بس دلجوئی کی خاطر
اسے مصالحتی وفاق بنا دیا گیا۔ صرف سیاسی ڈھانچہ پر زور
دینا کافی نہیں۔ ایک پارلیمانی جمہوری نظام کی سماجی۔ معاشی
پیچیدگیوں کا مطالعہ، ان تنازعات کے جن سے آج ہم دوچار
ہیں، حقیقی سماجی منظر کی نشاندہی کر سکتا ہے۔

عام طور پر ایک پارلیمانی جمہوریت کثرت کے سماج کی
ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ ایسے سماج میں لوگوں کے خیالات
ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے
سماجی تنازعات رونما ہوتے ہیں۔ ایسے تنازعات کا ہمیشہ
منفی اثر نہیں ہوتا۔ مسلسل تنازعات مقابلہ کرنے والی جماعتوں
میں استحکام کو فروغ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے
تنازعات سماج کے سیاسی۔ معاشی طبقوں کو محرک بنا
دیتے ہیں اور سماج میں زندگی کی چہل پہل کو آزادی کے ساتھ
برقرار رکھتے ہیں۔ رضامندی اور نارضامندی کے درمیان مسلسل
کمی بیشی ایک سریلی لہر پیدا کر دیتی ہے اور اس طرح ایسے
سماجی تنازعات قدرتی تنازعات بن جاتے ہیں جن پر کنٹرول
اور دخل اندازی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسری طرف
ایسے تنازعات سے رونما ہونے والی تازگی کو دبانے کیلئے ان
تمام تنازعات کو دبانے کی کوشش حماقت ہوگی۔ اس کے لئے
گہری سماجی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ اس کی وجہ
سے ایک خاص سیاسی ادارہ کو اس کا مناسب کردار بطور
استشہاد دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے کام کاج میں کوتاہی سے
کثرت کے سماج میں رکاوٹیں رونما ہو سکتی ہیں۔ ہندستان کے
دستور کے نفاذ کے ۳۷ سال ہو گئے اور ان برسوں میں اب بھی
ایسی جھنجلاہٹ منعکس ہوتی ہے۔ ہندستان میں معاشی
اور سماجی زندگی میں تنوع اور اس لحاظ سے ایسوسی ایشن
اور اداروں کی تقسیم کی نوعیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے
کہ یہ سماج کثرت کا سماج ہے اور اس کا اسی نقطۂ نظر سے
مطالعہ کرنا چاہئے۔ دستور کے مختلف حصوں اور دفعات میں
سماج کے متعدد شعبوں کے درمیان معاشی اور سیاسی
اختیارات کی تقسیم میں ایسے تنازعات کے بیج ہوتے ہیں۔
ہمارے دستوری عمل کے حقائق سے بہت ساری مثالیں پیش کی
جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر دستور کے حصہ چہارم کے رہنما اصولوں
اور حصہ سوئم کے بنیادی حقوق کے درمیان ان کی قانونی حیثیت
کی بابت کافی تفریق ہے۔ اس طرح دستور میں درج نئے قسم
کے وفاق کی بابت اعلیٰ خیالات اور مرکز اور ریاستوں کے درمیان
اختیارات کی تقسیم کا بے قاعدہ نظام کے درمیان بھی فرق
موجود ہے۔ اسی طرح دستور میں تنازعات کے چند اور بنیادی
باتوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

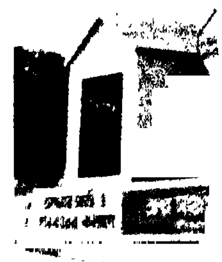
اتنے لمبے عرصے کے تجربات سے یہ بات عیاں ہو
جاتی ہے کہ داخلی ادارے جیسی پارٹیاں اور دباؤ ڈالنے والی
جماعتیں، تنازعات کو حل نہیں کر سکتیں بلکہ ان تنازعات کے
تصفیہ کی کوشش کرنے والوں میں انہیں شمار کیا جا سکتا ہے
ہندستان کے سلسلہ میں بیرونی ادارے جیسے مجلس قانون ساز
کے ممبر، انتظامیہ اور عدلیہ ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف اقسام
کے تنازعات کا تصفیہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تصفیہ کرانے
کی کوششوں میں تناؤ بھی ہوتا ہے اور تنازعہ بھی۔ استحکام کے لئے
ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک نظام کی حیثیت سے پارلیمانی
جمہوریت کو ایک ماہر سماجی انجینئر کی طرح کردار ادا کرنا چاہئے
تاکہ وہ تمام تنازعات کے معاملہ پر ایک منصف کی طرح غور و خوض
کرے نہ کہ ان سے متاثر ہو جائے۔ دستور کے شاندار مطمع نظر


RAILWAY PROJECT


CALCUTTA METROPOLITAN DEVELOPMENT AUTHORITY




CABLES LIMITED
HYDERABAD·CALCUTTA









بر مقاصد کے اعلانیہ میں ۱۹۵۰ء سے ہی جب یہ دستور
فذ کیا گیا،   سے اس میں دور اندیشی کا فقدان
نظر آیا اور جھنجلاہٹ کے بیج اس میں عیاں نظر آنے لگے۔
عد کے برسوں میں نئی ضرورتوں کے مطابق دستور میں کچھ ترمیمات
گئیں تاکہ ان تضادات کو دور کیا جا سکے لیکن سماجی
جتن اور تدبر کے مناسب شعور کے فقدان کی وجہ سے تمام
رمیمیں اور کوششیں بے ثمر ثابت ہوئیں۔ ہندستان کے
دستور میں جائیداد پر حقوق سے متعلقہ دفعات میں نئے سرے
سے روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ دفعات اصلاحات
آراضی کے مسئلہ کو اور بھی زیادہ مساوی طور پر حل کرنے میں ناکام
ہیں کیوں کہ ان کی ضد میں دستور میں اور بھی بہت ساری دفعات
ہیں۔ آج بھی ہمارا دستور پرائیویٹ جائیداد کو ختم کرنے کی
کوشش نہیں کرتا، صرف اس نے اسے ضبط اور دباؤ کے تحت
رکھنے کی کوششیں کی ہیں۔ کس حد تک یہ ضبط ممکن ہو سکے گا
اس کے لئے اور بھی گہرے طور پر معاشی حساب کتاب کرنے
کی ضرورت ہے۔ یہ تجزیہ ہمیشہ اس بات کی مرکوز طور پر
نشاندہی کرتا ہے کہ دستور میں بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ
جو متغیر ہوتی ہیں اور دوسری باتوں کو چھوڑ کر کسی ایک
بات سے وابستہ مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش میں مکمل طور
پر ناکام ہیں۔ کام کرنے کے منظور شدہ حق کے بغیر بنیادی
فرائض کے باب میں اضافہ سے معاملہ طے نہیں ہوتا۔ اس کے
علاوہ ایک گورنر کے فرائض کیا ہیں، اس سلسلہ میں وضاحت
سے ساتھ کچھ نہیں کہا گیا۔ گورنر کو مرکز نامزد کرتا ہے۔ ریاست کا
گورنر مرکز کا ایک ایجنٹ ہوتا ہے جو جمہوری طریقہ سے منتخب
عوامی حکومت کی کارگزاریوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن گورنر
کی کارگزاری غیر واضح ہو جاتی ہے۔ بہت سارے متنازعہ
کام کاج اور اقدامات کو دستوری سرگرمیوں میں تنازعات کے
مفروضہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔
ہندستانی سیاسی نظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ داخلی
ادارے جیسے غالب پارٹی نظام اور مفاد پرست جماعتیں، سماجی

تنازعات کو مجبوراً کرانے والے حکام کے پاس لے جانے میں کوئی
خاص کردار ادا نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ بیرونی ادارے جیسے
قانون ساز، انتظامیہ اور عدلیہ، مناسب وقت میں تیز رفتاری
سے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ ادارے
لسانی، مذہبی، فرقہ وارانہ اور دیگر مسائل کو اس وقت
حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب ان مسائل سے ملک کی
سالمیت کو خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ہمارے دستور میں تو ایسی
باتیں درج نہیں جن سے ان مسائل کو جہاں سے یہ شروع
ہوتے ہیں، وہیں انہیں حل کیا جا سکے۔ ان مسائل کی طرف تو
اس وقت دھیان جاتا ہے جب یہ مسائل برسوں پڑے رہتے
ہیں اور پختہ ہو جاتے ہیں اور بعد انہیں امن وامان کے مسائل
کہہ کر ان سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ شاید آسام اور پنجاب
کے حالیہ مسائل کے حل کرنے میں یہی باتیں سدراہ ثابت ہوتی
ہیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا سیاسی طریقہ کار
فیصلہ کن سطح تک سماجی مسائل کی طرف وقت پر توجہ نہیں دیتا۔
سیاسی حکام بعض وقت اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ انہیں
سماجی مسائل کو حل کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی لیکن حقیقت
اس کے برعکس ہوتی ہے کیوں کہ مذہبی تنازعات، ذات پات کے
تنازعات، علاقائی تنازعات اور لسانی تنازعات میں روز بروز شدت
سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ
ہندستان میں دستوری سطح پر ان مسائل کو پُر عزم اور جلد از جلد
حل کرنے پر ذات پات، مذہب، زبان، علاقہ وغیرہ کی سماجی
سیاست حاوی ہو جاتی ہے۔ متعدد عام انتخابات کا اور انتخابات
کے بعد تشکیل ہونے والی حکومتوں کا اگر ہم جائزہ لیں تو یہ بات
عیاں ہو جائے گی کہ زیادہ تر وزراء، ضابطہ پرست حکام، قانون
ساز اسمبلی کے ممبران اور دیگر بااثر افراد ان باتوں سے کسی
کسی حد تک متاثر ہوتے ہیں۔
وقتاً فوقتاً ادھر ادھر رونما ہونے والے تنازعات
ملک میں جمہوری، اشتراکیتی اور رفاہی ریاست کے اعلیٰ تصور
سے بے اثر اطلاق کو ناکام بنا دیا۔ ان کے علاوہ ہندستان

ے کی مندرجہ ذیل تین اہم سماجی۔معاشی مقاصد کا تعین
رنے میں ابتک ناکام رہا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہندستان اب تک ایک آزاد
ور کھلا سماج نہیں ہے۔ بہت سارے کسبوں میں اب بھی
مارے سماج میں عدل و انصاف کی کمی ہے۔ صرف وہی افراد
نصاف پانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں جو سیاسی اور معاشی
یدانوں میں سربراہوں کے اردگرد رہتے ہیں۔ عام لوگوں کو
سرکاری پالیسیوں پر تنقید کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ جب
ے عوام کو انصاف ـــــ معاشی، سماجی اور سیاسی۔
انے کا یقین نہ ہو اس وقت تک رسمی طور کے علاوہ قانون کے
سامنے مساوات نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہندستان
میں اب ایک اشتراکیتی طریقہ کا سماج قائم نہیں ہوا ہے
اگرچہ دستور کی تمہید میں اشتراکیت کا لفظ درج کیا گیا ہے
تاہم اشتراکیت اب تک قرارداد اور نعرہ کی حد تک محدود ہے۔
اس سلسلہ میں عیاں طور پر یہ کہا نہیں جا سکتا کہ ایک یا دو
دہائیوں کے عرصہ میں ہم اشتراکیتی سماج کی منزل مقصود تک
پہونچ سکیں گے۔ سماجی آثار اس بات کی شہادت دیتے
ہیں کہ اس ملک میں اشتراکیت پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچ سکے
گی۔ دیہی علاقوں میں لاکھوں افراد بیکری، ناقص تغذیہ،
سیلاب، خشک سالی، طوفان اور دیگر آفات ناگہانی کا
شکار ہو کر جاں بحق تسلیم ہوتے ہیں۔ برسر اقتدار سیاسی سربراہ
خود کو سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق میں مساوات سے
آزاد رکھتے ہیں۔ ان میں بہت سارے سربراہوں نے تو اپنے
لئے ایسا طرزِ زندگی کو اپنایا ہے جو امیر قوموں کو زیب دیتا ہے نہ
کہ ان اشتراکیتی قوموں کے، جو ترقی کے ابتدائی دور میں ہیں،
سربراہوں کے طرزِ زندگی کو۔ کبھی کبھی وہ لوگ اپنے حقیقی
ارادوں کو چھپانے کے لئے سادگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تیسری
بات یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنٹرول کے ساتھ مشترکہ
معیشت کے راستہ پر مبنی ایک رفاہی ریاست کا
نصب العین عنقریب مستقبل میں ناقابلِ حصول منزل

بن چکا ہے۔ قیمتوں میں اضافہ، کھانے پینے کی چیزوں اور ادویہ
میں آمیزش اور زرعی اور صنعتی پیداوار میں کمی یہ تمام باتیں
ہندستان میں ایک رفاہی ریاست قائم کرنے کی کوششوں کو
ناکام بنا دیتی ہیں۔

سیاسی اداروں کی کارکردگی کا مطالعہ کرتے
ہوئے ان گنت تنازعات کی تفاصیل کے مطالعہ سے صحیح خواہ
حل تک رہنمائی نہیں ہو سکتی۔ سنہ ۱۹۵۰ء سے پسماندہ لوگوں کی
فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے جن معاشی۔سماجی پالیسیوں
کو روبہ عمل لایا گیا، ان کا تجزیہ کرنے سے سماجی کی ان
مصالحتی طاقتوں کے خلاف فتویٰ صادر کیا جا سکتا ہے۔
اس پژمردہ صورتحال سے نجات پانے کیلئے اس بات کو اہمیت
دی جانی چاہئے کہ وسیع پیمانہ پر ایسے معاشی پروگراموں کو رو
بہ عمل لایا جائے جن سے مناسب طور پر سماجی تبدیلی رونما
ہو۔ پانچویں دہائی کے اوائل میں جس صنعتی پالیسی تجاویز کو
اعلان کیا گیا تھا اس کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ چند ہاتھوں میں
دولت کے جمع ہونے کی اور موجودہ سماجی مدارج کی مزید ترقی
کی روک تھام کی جائے۔ نہرو نے خود سنہ ۱۹۴۹ء میں عوام کیلئے
کم سے کم معاشی فلاح و بہبود کی اس پالیسی کا خاکہ تیار کیا
تھا۔ اس پالیسی میں سنہ ۱۹۵۶ء میں ترمیم لائی گئی اور آج تک
یہ پالیسی اسی صورت میں ہے۔ یہ پالیسی، جو بقول سمولسن
کنٹرول کے ساتھ ملی جلی معیشت ہے، ایک تیسرا راستہ
ہے ـــــ یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان ایک
واسطہ ہے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ پالیسی سماجی انصاف کی
عکاسی کرے گی۔ یہ خیال کیا گیا تھا کہ دو مختلف مکاتبِ خیال
کے مابین پر امن معاشی باہمی بقا کے اصول کو مختلف اقسام
کے جمہوری اداروں تک پھیلا دیا جا سکے گا۔ معاشی جمہوریت
کو نچلی سطح تک پھیلانے سے ہو سکتا ہے کہ ایک سست
رفتار ملی جلی معاشی ترقی کے ذریعہ منظم سیاسی ڈھانچہ میں
عام لوگ شرکت کریں۔ لیکن اس کی وجہ سے ہندستان میں بتدریج
سماجی انقلاب کی منزل تک پہونچنے میں بالکل ناکامی ہوگی۔

زراعت اور اس سے وابستہ زندگی تو ہندستان
کی اکثریت میں سرایت کر چکی ہے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی کی
اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں جدید زرعی اصلاحات کو
مکمل طور پر روبہ عمل لانے میں ناکام رہے اور زرعی پیداوار میں
خاطر خواہ اضافہ کے بغیر معاشی ترقی ممکن نہیں ہوتی۔ اس
صورتحال میں بہتری لائی جا سکتی ہے کہ اگر ہم ابتدائی شعبہ
میں مزید مرکزیت کی روک تھام کرنے کی کوشش کریں اور یہ کام
بنیادی اصلاحات آراضی کے اقدامات کو روبہ عمل لانے سے
ممکن ہو سکتا ہے نیز حاشیائی کسانوں اور زرعی مزدوروں کی
حالت میں بہتری لاکر اور مضافاتی شعبہ میں اقتدار کے ڈھانچے
میں مکمل تبدیلی لاکر صورتحال میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔ یہ
خیال تھا کہ عدم تشدد کے طریقہ کار سے سماجی جمہوریت کے
اس مطمع نظر کو تمام لوگوں کے دلوں میں اجاگر کیا جا سکتا ہے۔
لیکن ایسے زرعی اصلاحات ایکٹس کے پاس کرنے کی راہ میں
جن۔ گن کے سربراہوں کی پیدا کردہ رکاوٹیں اور آپریشن برگہ،
جہاں یہ ایکٹ روبہ عمل لایا جاتا ہے، کے تجربات ہندستان
میں دیہی اصلاحات کے کام میں بہت ہی سخت اور شدید
دشواریوں کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ کسانوں سے عوام کے غریب تر
طبقہ کی ایک حب خواہ سربراہی خواب و خیال بن کر رہ
گئی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسمپرسی کی حالت مصالحتی
سیاست ہے جو طبقاتی تعاون سے گاندھیائی اصول سے کچھ حد
تک وابستہ ہے۔ ہندستان میں حکمراں امراء کے بہت سارے
ممبروں نے مضافاتی علاقوں میں غالب جوتداروں کے حرس
سے مصالحت کرلی۔ اس نظام میں، بالکل نیچے سے عام
ووٹروں کی مشینوں کی حرکت بھی کام نہ کر سکی۔ اس کے علاوہ
مضافاتی ہندستان کے روایتی سماج کا وسیع ڈھانچہ جس
میں ادھر ادھر مذہب، ذات پات، فرقہ وغیرہ سے داغ پڑ جاتے
ہیں، دیہی زندگی میں نئی روح پھونک نہ سکا۔ اس کے نتیجے میں
دیہی زندگی روایتی قدروں میں ڈھکی چھپی رہی۔

"دھنو دھنیا پشپو بھورے امادیر ای بو سندھرا"
یعنی ہمارا ملک جہاں زرعی پیداوار میں اضافہ کے امکانات کافی
روشن ہیں، تیز تر معاشی ترقی کے لئے اپنی فاضل پیداوار مہیا کرانی
کرنے میں ناکام ہوا۔ معاشی افزائش ایک جگہ ٹھہر گئی۔
سماجی زندگی ہر جگہ مذہب، ذات پات اور حکومت کے
تنازعات میں الجھ گئی۔ یہاں تک کہ نو تعمیر کردہ شہری مرکزوں
میں اونچی اور نیچی ذاتوں کے درمیان روایتی فاصلہ کو مستحکم بنانے
کا رجحان پایا جاتا ہے، کیونکہ یہ شہری امراء کے اثرات کے
تحفظ کے لئے اپنا سایہ ڈالتی رہتی ہے۔ اس طرح ہندستان
کی ملی جلی معیشت جس میں پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر ہیں، اور
جہاں پرائیویٹ سیکٹر کو غلبہ حاصل ہے، معاشی سماجی
ترقی کے گرد ان تمام بارشوں کی پیداوار ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال
ہو سکتا ہے کہ یہ طبقاتی مصالحت کے گاندھیائی اصول کی
پیداوار ہے۔ اس اصول کو نہرو نے برقرار رکھا اور ہمارے
عوامی جمہوریہ دستور، جسے برسوں کے نوآبادیاتی تسلط کے بعد
مرتب کیا گیا، کے عمل درآمد کرنے کے ۳۷ سال کے بعد بھی اس
چھوٹی سی افزائش کی اصل وجہ ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ
اس بیماری کو دور کرنے کے لئے ادارہ جاتی اقدامات ہر موقع
کے لئے صحیح ثابت ہوگی، تو یہ سراسر بے وقوفی ہوگی۔ اس
بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ایک وسیع جمہوری طریقہ کار
ہمیشہ انفرادیت اور اجتماعیت کے دونوں سرے کے درمیان،
نیز سرمایہ داری اور کمیونزم کے درمیان لٹکتا رہتا ہے۔ ان دو
فرض کردہ سماجی منزلوں کے درمیان آگے پیچھے کی اس حرکت
سے ہمیں اس راستہ کی، جس کی ہم جستجو کرتے ہیں، تلاش میں
مدد ملے گی۔ دستوری رویہ سے عارضی طور سے کچھ فائدہ پہونچ
سکتا ہے لیکن دستوری دفعات کے تار و پود کے پیچھے عوام کی
زندگی کی جذباتی تبدیلی کے جذبہ کو اچھی طرح بننا چاہئے تاکہ
ہمارے اغراض و مقاصد میں کامیابی حاصل ہو۔
یوم جمہوریہ کے موقع پر سماجی حساب و کتاب
یقیناً ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہماری معاشی ترقی کم

موجودہ دور سماجی تبدیلی کے حسب خواہ دور کو اب اگر نہیں رہ سکتا۔ انتہائی حد تک معاشی فوائد کی طرف لے جانے والی طاقت اور سماجی ڈھانچہ میں تبدیلی لانے کے لئے حسب ضروری طاقت کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ اول الذکر کم و بیش لازمی ہے جبکہ ایک آزاد نظام میں بعد الذکر کم و بیش رضا کارانہ ہے۔ اس پریشان کن صورتحال سے نجات پانے کے لئے ہماری تفتیش کا آج تک نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ بعض افراد ہمارے دستور سازوں کے اس بیان پر عمل کر سکتے ہیں کہ اگر تقسیم کے معاملہ میں کوئی بات غلط ثابت ہو جائے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ ہمارا دستور خراب ہے۔ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آدمی اخلاقی طور پر گر چکا ہے لیکن اس کا حل یہ نہیں کہ ہم صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ اسے بدلنے کے لئے سیاست کے رویہ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ یہ رویہ ایک آرٹ ہوتا ہے اور اس آرٹ کے لئے عصری تاریخ کی جانکاری کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہم اس سے حقائق اور اعداد و شمار کو الگ کر سکیں۔

۳۷ برسوں کے تجربات شاہد ہیں کہ معاشی مسابقت نے سماجی زندگی میں ماضی کی تنظیموں اور اداروں کو ٹکڑے ٹکڑے میں بکھیر کر رکھ دیا۔ یہ طاقت زندگی کے مختلف اسٹیج میں طبقات کی تشکیل کرتی ہے۔ نئے طبقات کی تشکیل اور ان طبقات کے مابین جد و جہد سے وابستہ کسی بھی پالیسی سے ہمیں ترقی کے حسب خواہ منزل کے لئے راستہ نظر آ سکتا ہے۔ بعض وقت یہ نام نہاد امن اور شانتی سے کافی بہتر ہوتا ہے جو سماج کی علالتوں کو چھپا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب معیشت اور سماج کے حقیقی ٹیک بدلتے ہیں تو اس وقت دستور کا بہتر طور پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس یوم جمہوریہ میں حساب و کتاب کے لئے اس تکمیلی نظریہ کی تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے ٭٭

بقیہ: عوامی جمہوریہ

ہندوستان کو صحیح معنوں میں وفاقی ریاست بنانے کیلئے ریاستوں کو زیادہ اختیارات اور مالیات فراہم کرنے کی بجائے اب مرکز کو مرکوز کرنے یعنی مرکزیت کے رجحان پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ کل ہند کانگریس (آئی) کے ایک جنرل سکریٹری نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ دستور میں ایسی ترمیم لائی جائے کہ جس کے تحت مرکز اور ریاستوں میں ایک ہی پارٹی حکومت ہو۔ اس پارٹی کے صدر، جو ہمارے وزیر اعظم ہیں، نے اب تک اس بیان کی تردید نہیں کی۔ اس طرح آج اس نظام کو کافی خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔

آج جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کو دستور کی بنیادی خصوصیات — عوامی جمہوریہ، جمہوریت، سیکولرزم یعنی غیر مذہبیت اور وفاقیت کے تحفظ کے لئے چوکس رہنا چاہئے اور ان خصوصیات کو اور بھی مستحکم بنانے کے لئے جد و جہد کرنی چاہئے۔

ہمیں کسی قسم کی خام خیالی میں مبتلا رہنا نہیں چاہئے کہ ہندوستان کا موجودہ دستور عوام کا دستور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں امیروں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے لیکن جو بھی اچھے نکات اس میں ہیں، انکی حفاظت کی جانی چاہئے۔ موجودہ صورتحال میں عام لوگوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے اور یہ کافی اہمیت کا حامل ہے ٭٭٭

بقیہ: ہماری جمہوریت: خواب اور حقیقت

ساتھ حقوق اور فرائض دونوں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا ہوگا اور وقت آنے پر اس پر عمل کرنا ہوگا۔

خواب جو حقیقت بنا تھا اب پھر خواب بننے کے عمل سے دوچار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کوتاہی، ہماری تنگ نظری اور ہماری "ہمیں" اسے پورا خواب بنا دے اور ہم بھی بے شعور، تہی مغز اور کند ذہن کہلانے لگیں!

جانے کیا سوچ کر ہم ہنسے تھے ابھی
جانے کیا سوچ کر خود بخود رو لئے
— ہوش نعمانی

یومِ جمہوریہ اور ہمارے فرائض

— سعید بریمی

اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کے اعتبار سے ہندستان ایک انتہائی قدیم ملک ہے۔ اس ملک کے طول و عرض کی کہانی ہزارہا سال پرانی ہے وقت کا مورخ لکھتا چلا آرہا ہے۔ ہندستان کی تاریخ ہمارے آبا و اجداد کی شجاعت، بہادری، ایثار، ریاضت، تخیل اور خلوص کارگزاری کی تاریخ ہے اور مختلف عوام و مذاہب کے اتفاق اور محبت سے پروردہ اتحاد کے تصور اور مختلف زبانوں اور تمدن کے تانے بانوں پر اس تاریخ کی بنیاد پڑی ہے۔
لیکن ہندستان کی یہ تاریخ سن عیسوی سے کئی صدی پہلے شروع ہوتی ہے اور اس طویل مدت میں نہ جانے کتنے اتار چڑھاؤ آئے۔ مختلف اوقات میں دراوڑ، آریا، ایرانی، یونانی، شاک، پلو، کشان، ترک، افغان اور مغل جیسی مختلف قومیں ہندستان کی سرزمین پر وارد ہوئیں۔ ہندستان اپنی زرخیزی اور خوشحالی کی بنا پر ہمیشہ سے باہر والوں کی نظروں کا مرکز رہا۔ سالوں اور صدیوں کی گردش کے دوران ہندستان نے کتنے ہی نشیب و فراز دیکھے۔ بیرونی حملہ آوروں میں کچھ ایسے بھی تھے جو یہیں کے ہو گئے اور ہندستانی بن گئے اور یہاں شاہوں اور شہنشاہوں کی حیثیت سے حکومت کی۔ کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے ملک کی دولت لوٹی اور جو کچھ ہاتھ لگا اسے لیکر واپس چلے گئے۔ سنہ ۱۶۰۰ء میں ایسے ہی لٹیروں کی ایک قوم ہندستان آئی جو انگریز تھی۔

انگریز بغرض تجارت ہندستان آئے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ انہوں نے اپنی چالاکی اور مکاری سے پہلے بنگال اور بہار پھر بتدریج سارے ہندستان پر اپنا اقتدار جمایا اور حکومت قائم کی۔ یعنی سنہ ۱۸۵۷ء سے پلاسی کی جنگ کے بعد سے انگریزوں کی عملداری شروع ہوئی جو ۱۹۰ سال تک جاری رہی۔ اس طویل مدت میں ہندستان نے بہت کچھ کھویا اور بہت کچھ پایا۔ غلامی کی زنجیریں جب اذیت کی حدوں سے گزرنے لگیں تو ذہنوں میں نجات کے تصور نے جنم لیا اور اس تصور نے قومی جذبہ کی بیداری کے لئے راہ ہموار کی۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ ہندستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت جڑ پکڑتی گئی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتے کہ برطانوی راج میں ان کا مستقبل تاریک ہے۔ اور پھر جب دور تک پھیلے ہوئے دار و رسن کی بھیڑ میں ہندستانیوں نے جینے کا ہنر سیکھ لیا تو انگریز اور انگریزی سرکار کے خلاف عوامی تحریک کا آغاز ہوا جو بتدریج ایک ٹھوس شکل اختیار کرتی چلی گئی۔ پھر بھارت سبھا، انوشیلن سمیتی، انڈین نیشنل کانگریس، البرٹ بل، کل ہند نیشنل کانفرنس، قومی تنظیم، جارحانہ قوم پرستی، تقسیم بنگال، سودیشی تحریک، جلیانوالہ باغ، خلافت تحریک، انقلابی تحریک، ہوم رول لیگ، عدم تعاون تحریک، سائمن کمیشن یعنی سنہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۲۹ء تک کا زمانہ گزر گیا۔

جنوری ۱۹۳۰ء

سول نافرمانی کی جدوجہد کی تیاری شروع ہوئی، ستانی رہنماؤں نے ایک عہدنامۂ آزادی منظور کیا:

"ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ملکوں کے باسیوں کی طرح ہندستان کے لوگوں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی محنت کے ثمر پائیں اور انہیں بھی تمام ضروریاتِ زندگی میسر ہوں اور ترقی کے پورے پورے مواقع مِل سکیں۔ یہ حق ان سے چھینا نہیں جا سکتا ہے۔ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی حکومت اگر لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کرتی ہے، ان پر جبر و ستم توڑتی ہے، تو لوگوں کو مزید حق حاصل ہے کہ وہ ایسی حکومت کو بدل دیں یا ختم کر دیں۔ ہندستان کے انگریزی راج نے نہ صرف لوگوں کی آزادیاں سلب کر لی ہیں بلکہ اس کی بنیاد عام لوگوں کے استحصال پر قائم ہے، جس پر ہندستان کی معاشی، سیاسی، تہذیبی اور روحانی تباہی کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ہندستان کو برطانیہ سے رابطہ توڑ دینا چاہئے، اور پورن سوراج یا مکمل آزادی حاصل کر لینی چاہیئے۔"

پھر طے پایا کہ ۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کو لوگ ملک کے کونے گوشے میں اکٹھا ہوں اور اس عہد کو دہرائیں۔ اسی دن سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوگی۔ ۲۶ر جنوری کو یوم آزادی کا نام دیا گیا۔ جو دراصل آزادی کے حصول کے آخری دن کا تعین تھا۔

پھر آزادی کی تحریک ایک سمت کے تعین کے ساتھ آگے بڑھی اور مختلف مراحل سے گزر کر ۱۹۴۷ء کے دروازے تک آئی جہاں ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کو برطانوی وزیراعظم کلیمنٹ ایٹلی نے اعلان کیا کہ زیادہ سے زیادہ جون ۱۹۴۸ء تک برطانیہ ہندستان کو اختیارات سونپ دے گا۔

اختیارات کی منتقلی کے انتظامات کی خاطر لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر ہندستان بھیجا گیا۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے اختلاف کی بنا پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک مصالحتی منصوبہ تیار کیا اور اختیارات کی منتقلی کی تاریخ تقریباً ایک سال اور قریب لا دی گئی۔ اور اس طرح ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندستان اور پاکستان دو آزاد مملکتیں قرار دی گئیں۔

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو دہلی میں آدھی رات کے وقت دستور ساز اسمبلی کا سیشن شروع ہوا اور اس اسمبلی نے ہندستان کی مکمل آزادی کا اعلان کیا، اس کے بعد دستور سازی کا کام شروع ہوا اور تقریباً تین سال کی شدید محنت کے بعد ہمارے ملک ہندستان کا دستور مکمل ہوا۔

"کتنی مدت گزری ہم نے اپنی تقدیر بدلنے کا عہد کیا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ جب مکمل طور سے نہ سہی پھر بھی بڑی حد تک ہم اس عہد کو پورا کریں گے۔ آج رات کے ٹھیک بارہ بجے جب دنیا سو رہی ہوگی، ہندستان ایک نئی زندگی اور آزادی کی فضاؤں میں آنکھ کھولے گا۔"

یہ جملے پنڈت جواہر لال نہرو نے کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی میں ہندستانی عوام کو مخاطب کرتے ہوئے ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو کہے تھے۔ وہ آزاد ہندستان کے پہلے وزیراعظم کی حیثیت سے بول رہے تھے۔ جدوجہد ختم ہو چکی تھی۔ ہندستان آزاد ہو چکا تھا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کا اشارہ دراصل ۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کی طرف تھا، جو عہد اس دن کیا گیا تھا اس کی تکمیل ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہوئی اور ہندستان آزاد ہوا۔

یہی وجہ تھی کہ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۹ء میں ہندستان کا دستور مکمل ہو چکنے کے بعد ۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے نئے دستور کا نفاذ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء سے کیا گیا اور ہندستان خود مختار عوامی ری پبلک قرار پایا۔

عام طور پر یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے سلسلے میں غلط فہمی یہ ہے کہ دونوں کو ایک تصور کیا جاتا ہے۔ یوم آزادی کی خوشی دراصل ان کی تھی جن لوگوں نے مادرِ وطن کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا سسکتے ہوئے اور اس کا استحصال ہوتے

دیکھا تھا۔ اور کسی نہ کسی عنوان سے بلاواسطہ یا بالواسطہ آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا۔

یوم جمہوریہ دراصل عوام کا دن ہے کہ جمہوری نظام کے نفاذ کے بعد سے عوام کو سب سے بڑی اکائی مان لیا گیا ہے۔

دستور ہند کی تمہید میں درج ہے :-

"ہم بھارت کے عوام متانت اور سنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو مقتدر، سماج وادی، غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں۔"

یعنی ہندستان کے رہنے والے ہر شہری کو سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر انصاف ملے، ہر ایک کو اپنے خیال کے اظہار کی آزادی ہو، اپنے عقیدہ اور مذہب کو ماننے اور اپنے اپنے ڈھنگ سے عبادت کرنے کی آزادی ہو، حیثیت اور موقع کے اعتبار سے مساوات ملے اور سبھوں کے درمیان بھائی چارگی پھیلے جس سے فرد کی عظمت بڑھے اور قومی اتحاد اور اس کی سالمیت میں استحکام پیدا ہو۔

اور یہ ساری باتیں اس وقت ممکن ہو سکتی ہیں جب ہندستان کا ہر شہری دستور میں وضع کئے گئے بنیادی فرائض کو ملحوظ خاطر رکھے یعنی :

۱۔ ہر شہری ملک کے آئین پر کاربند رہے، اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے۔

۲۔ ان اعلیٰ نصب العین کو عزیز رکھے اور انکی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

۳۔ بھارت کے اقتدار اعلیٰ، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے ان کا تحفظ کرے۔

۴۔ ملک کی حفاظت کرے اور وقت پڑنے پر قومی خدمت انجام دے۔

۵۔ ہر طرح کے تعصب سے ہٹ کر عوام الناس کے [illegible]

[illegible]

۶۔ ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرے اور اسے برقرار رکھے۔

۷۔ قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے اور بہتر بنائے اور جانداروں کے تئے محبت اور شفقت کا جذبہ رکھے۔

۸۔ دانشورانہ رویے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی و اصلاحی شعور کو فروغ دے۔

۹۔ قومی جائیداد کی حفاظت کرے اور تشدد سے گریز کرے۔

۱۰۔ تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے تئے کوشاں رہے تاکہ قوم متواتر ترقی و کامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرم عمل رہے۔

مندرجہ بالا بنیادی فرائض کی روشنی میں یوم جمہوریہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس کی وضاحت کے لئے مزید خامہ فرسائی چنداں ضروری نہیں۔ ہاں تاسف کا اظہار ضروری ہے کہ یہ عظیم و مقدس دن آج ہماری زندگی کا فیشن ہے۔ یوم جمہوریہ ہمیں جن قدروں کی یاد دلاتا ہے ہمارا فعل ان کے برعکس ہے۔

یوم جمہوریہ تو دراصل یوم عہد ہے۔ اس دن ہم یہ عہد کیوں نہیں کرتے کہ اپنے ملک کے آئین کے وقار میں اضافہ کریں گے، ہم یہ عہد کیوں نہیں کرتے کہ اپنے بنیادی فرائض کی لاج رکھیں گے، ہم یہ عہد کیوں نہیں کرتے کہ اپنے ملک ہندستان کو زیادہ مضبوط، زیادہ خوشحال اور زیادہ خوبصورت بنائیں گے، ہم یہ عہد کیوں نہیں کرتے کہ مذہب، رنگ اور نسل کی بنیاد پر انسان اور انسان کے درمیان بھید بھاؤ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیں گے۔ ہم یہ عہد کیوں نہیں کرتے کہ زندگی کی سب سے بڑی خوبصورتی محبت کو اپنے قول و فعل کا ساتھی بنائیں گے۔ آزاد ہندستان کے ایک ایک شہری پر اسلاف کے اس خون کا ایک ایک قطرہ فرض ہے جو حصول آزادی کی خاطر ۱۸۵۷ء سے لیکر غلامی کے آخری ایام تک بہا تھا۔ سنجیدگی کے ساتھ فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ فرض [illegible]

[illegible]

غزل

کلکتہ کی نذر

تیرے خط ہوش میں اے دوست نہ آنے دیں گے
نقش کلکتے کا دل سے نہ مٹانے دیں گے

ٹرام میں چڑھتے اترتے ہوئے معصوم صنم
رہگذر سے مجھے کمرے میں نہ جانے دیں گے

ادھ کھلے شانوں پہ بکھرے یہ معطر گیسو
شب کے آنگن میں کبھی صبح نہ آنے دیں گے

چھوٹے چھوٹے سے قدم اور یہ لچکیلے بدن
دل کے ٹکڑے بھی سڑک سے نہ اٹھانے دیں گے

ساحلِ ہگلی پہ لہراتے گلابی آنچل
ذہنِ شاعر پہ کوئی رنگ نہ چھانے دیں گے

سانولے جسم سیہ آنکھوں کے چلتے جادو
ہم ترے حسن پہ الزام نہ آنے دیں گے

ہوش بنگال کے چبھتے ہوئے چہرے شاید
مجھ کو یو۔پی کی فضاؤں میں نہ جانے دیں گے

[illegible]

سبھاش چندر بوس: قومی یکجہتی کے مینار

از: ——— شری پی۔ آر۔ چودھری

۲۳ر جنوری جشن کا ایک یادگار دن ہے کیوں کہ اس تاریخ کو سبھاش چندر بوس سنہ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنی لیاقت، اپنی ذہانت کی وجہ سے ہی وہ نیتاجی کہلائے گئے یعنی عوام کے لیڈر۔ نیتاجی کا لقب گرچہ آزاد ہند فوج (آئی این اے) کے محبت کرنے والے فوجیوں نے انہیں دیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی انہیں ہندستان میں ایک عظیم لیڈر تصور کر لیا گیا تھا۔ آزاد ہند فوج ہندستان سے باہر دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر بنی تھی اور برطانوی سامراج سے اس نے آخری جنگ لڑی تھی۔ کلکتہ کے مہاجاتی سدن میں ایک تقریب ہوئی تھی اور دنیا کے مشہور و معروف شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے ایک تقریب کے موقع پر سبھاش چندر بوس کو نیتاجی کے نام سے پکارا تھا۔

سبھاش چندر بوس ایک بہترین اور قابل اسکالر ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک عظیم محبِ وطن بھی تھے۔ لندن میں جب سنہ ۱۹۲۱ء میں آئی سی ایس کا امتحان ہوا تھا تو سبھاش چندر بوس نے چوتھی پوزیشن حاصل کی تھی۔ یہ وہی حب الوطنی کا نتیجہ تھا کہ سبھاش چندر بوس نے سول سروس کی نوکری کو خیرباد کہہ دی اور آزادی کی جد وجہد کو اس نوکری پر فوقیت دی۔ انہوں نے خود ہی حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے "سروس میں شامل ہونے کا میرا خاص مقصد یہ تھا کہ غیر ملکی طاقت جو ہم پر مسلط ہے اس کے خلاف کچھ کر سکوں۔ مجھے یقین تھا کہ یہی وقت ہے جب برطانوی حکومت کے خلاف کچھ شروع کیا جا سکتا ہے۔"

شاید انہی خیالات کی وجہ سے ہی انہوں نے اپنا حق حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

سبھاش چندر بوس نے ایک پروقار اور عزت دار نوکری پر قربانی کی زندگی کو ترجیح دی۔ انہوں نے کہا "ایک قربانی دینے والی زندگی شروع کرنے کے لئے سادہ بود و باش، اعلیٰ خیالات کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ ملک کے کاز کے لئے دل جمعی سے کام کرنا ہوگا اور یہ ساری باتیں میرے دل و دماغ میں بیٹھی ہوئی تھیں"۔ ایک دوسرے موقع پر انہوں نے کہا تھا "اگر مجھ سے قربانی کے لئے کوئی مطالبہ کیا گیا تو مستقبل میں اسے میں ضرور پورا کر کے دکھانے کی کوشش کروں گا اور اس سے کسی بھی طرح نہیں گھبراؤں گا"۔

اور شاید یہی قوت تھی اور یہی اندازِ فکر تھا جس کی وجہ سے انہوں نے کانگریس میں ایک رضاکار کی حیثیت سے شامل ہونے کو ترجیح دی۔ دیش بندھو چترنجن داس کی قیادت میں وہ ایک کانگریسی رہنما کار بن گئے۔ اس سے پہلے ہی انہوں نے آئی سی ایس سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ بامِ عروج پر پہونچتے گئے اور ایک مجاہدِ آزادی کی حیثیت سے ان کی شہرت ہونے لگی۔ سنہ ۱۹۳۸ء اور سنہ ۱۹۳۹ء میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب کئے گئے۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سبھاش چندر بوس انسانیت کے حقیقی دوست تھے اور انہیں یقین تھا کہ انسان اور انسان کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ بالکل حقیقت پر

مبنی ہے ۔ ۱۹۲۶ء میں جب بنگال کے سبھی حصوں میں فرقہ وارانہ منافرت جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تو وہ بہت زیادہ دل برداشتہ ہو گئے۔ اس وقت سبھاش چندر بوس منڈالے جیل میں تھے۔

حقیقت یہی ہے کہ سبھاش چندر بوس کو مسلمان بہت عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور مسلمانوں کو ان کی قیادت پر بہت زیادہ بھروسہ تھا۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کی فارورڈ بلاک شاخ کے اس وقت کے اکبر شاہ ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے اس وقت ان کی مدد کی تھی جب ۱۹۴۱ء میں کلکتہ کی رہائش گاہ سے وہ فرار ہوئے تھے۔ جن دوسرے لوگوں نے اس ڈرامائی فرار کے موقع پر سبھاش چندر بوس کی مدد کی تھی ان میں محمد شاہ، بھگت رام اور عابد خان بھی شامل تھے۔ یہ بھی ریکارڈ میں موجود ہے کہ محمد شاہ، اکبر شاہ اور عابد خان گرفتار ہوئے تھے اور برطانوی جیلوں میں ان پر ظلم و ستم کے زبردست پہاڑ توڑے گئے تھے کیوں کہ ان تینوں نے نیتاجی کی بھرپور مدد کی تھی۔

آزادی سے قبل قومی یک جہتی کے سلسلے میں جب سبھی لیڈروں کو ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا تو نیتاجی ہی تھے جنہیں اس سلسلے میں مکمل کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ مختلف مذاہب، ذاتوں اور فرقوں کو جنوب مشرقی ایشیا میں انہوں نے ایک پرچم کے تلے لاکھڑا کیا۔ جنرل موہن سنگھ، میجر جنرل شاہ نواز خان، لکشمی بائی اور بہت سارے دیگر افراد نے برطانوی سامراج کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر مقابلہ کیا، جنگ کی۔ آزاد ہند فوج کے سپریم کمانڈر سبھاش چندر بوس کا یہی نعرہ تھا "دہلی چلو"۔ نیتاجی نے متعدد بریگیڈ تشکیل کئے جیسے گاندھی بریگیڈ، نہرو بریگیڈ اور آزاد بریگیڈ۔ آزاد ہند فوج کے سپاہی نیتاجی کے فلسفے کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

"زندگی اس وقت ادھوری رہ جاتی ہے جب اس میں جدوجہد کی قوت نہیں رہتی اور جان دینے کی تمنا نہیں ہوتی۔"

یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ موجودہ دور میں عدم اتحاد چاروں طرف ہے۔ زبان اور مذہب کی بنیاد پر مخالفت جاری ہے۔ ہندستانی دستور بننے سے قبل ہندی قومی زبان تھی لیکن نیتاجی نے کہا تھا کہ رومن رسم الخط میں ہندستانی کو ہندستان کی قومی زبان بنائی جائے۔ نیتاجی کو جس طرح انگریزی اور بنگلہ پر عبور حاصل تھا اسی طرح ہندی پر بھی عبور حاصل تھا۔ نیتاجی محبت پر بہت زیادہ یقین رکھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ زندگی کی اصل بنیاد محبت ہے۔ محبت ویسی ہی ہے جیسی کہ خوشبو جو چھپائی نہیں جا سکتی۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کی وجہ سے ہم نے شاندار صبح آزادی کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا ÷÷



نیتاجی انسٹی ٹیوٹ فور ایشین اسٹڈیز کے زیر اہتمام نیتاجی کی ۸۸ ویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ جلسے میں گورنر مغربی بنگال شری اوما شنکر دکشت تقریر کرتے ہوئے ـــــــ بائیں جانب وزیر اعلیٰ تعلیم شری شمبھو گھوش بیٹھے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۴ کا)

ضروری ہے کہ مزید تربیتی سہولتیں، کاروبار کرنے کے سلسلہ میں صلاح و مشورہ اور بنکوں اور سرمایہ فراہم کرنے والی دیگر سرکاری ایجنسیوں کے ذریعہ حسب ضروری مالی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ نیز سماج کے غریب اور نچلے متوسط طبقہ کے لوگوں کو خود روزگاری کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنے کی مذکورہ سہولتیں بھی فراہم کی جانی چاہئیں۔ اس کار عظیم میں اور ریاست کی گوناگوں ترقی کے لئے عوام کو بہت ہی ٹھوس اور موثر کردار ادا کرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ مغربی بنگال میں رہنے والے تمام فرقوں کے ممبران بلا جھجک آگے بڑھیں گے اور نئی نسل کے لئے ایک بہتر بنگال کی تعمیر کے کام میں سرگرم تعاون کریں گے۔ مجھے عوام کی نہ صرف سنہرے مستقبل کے خواب دیکھنے کی بلکہ اس خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے بھی جبلی صلاحیت پر عظیم بھروسہ ہے۔ میں ایک بار پھر اس موقعہ پر عوام کو اپنی دلی خواہشات پیش کرتا ہوں ٭٭

ابتدائی مرکز صحت کی تعمیر

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں سوتا۔ہاٹا۔II بلاک کے تحت برگماسپور میں ایک ابتدائی مرکز صحت کی تعمیر کے لئے انتظامی منظوری دے دی ہے۔ اس مرکز صحت میں مریضوں کے علاج کے لئے ۱۰ بستر ہوں گے۔ نیز سال پانی کی سپلائی اور بجلی اور دیگر ضروری سہولتیں فراہم ہوں گی۔ ایک تخمینہ کے مطابق اس مرکز کی تعمیر پر ۴۰۰، ۱۶۲۵ روپے خرچ ہوں گے۔ ریاستی حکومت کا شعبہ تعمیرات عامہ یہ رقم ایگزیکیوٹیو انجینئر، مدناپور ڈویژن، پی۔ ڈبلیو (سی۔ پی) ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر دے گا۔ مذکورہ انجینئر کو اس تعمیراتی کام کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس کام کو چیف انجینئر، تعمیراتی بورڈ کی نظامت کی زیر نگرانی جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا ٭٭

کلکتہ اور مضافات میں یوم جمہوریہ کی تقریبات
مغربی بنگال کے گورنر نے پریڈ کی سلامی لی

کلکتہ اور مضافات میں ۲۶ر جنوری ۱۹۸۵ء کو یوم جمہوریہ کی تقریبات شان و شوکت کے ساتھ منائی گئیں۔ اس دن صبح کے وقت مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر دکشت نے ریڈ روڈ، کلکتہ میں ایک دلکش مارچ پاسٹ کی سلامی لی جس میں دفاعی سروس، نیم فوجی دستہ، پولس، شہری اور رضاکار تنظیموں، اسکولوں کے طلباء و طالبات اور دیگر اداروں نے حصہ لیا۔ کلکتہ میدان میں یوم جمہوریہ کی تقریبات کا آغاز قومی پرچم لہراتے ہوئے دو ایم۔ آئی ہیلی کوپٹروں کی اڑان سے ہوا۔ گورنر نے مارچ پاسٹ کی سلامی لی اور اس کے بعد عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات کی جھانکیاں بھی پریڈ میں پیش کی گئیں۔ یہ پروگرام تقریباً دو گھنٹوں تک جاری رہا۔

مغربی بنگال کے ہر ضلع میں یوم جمہوریہ دھوم دھام سے منایا گیا اور اس دن یعنی ۲۶ر جنوری ۸۵ء کو مغربی بنگال کے تمام سرکاری اور نیم سرکاری دفتروں میں قومی پرچم لہرائے گئے ٭٭

آگ سے متاثر لوگوں کیلئے عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے مزید ۵۰۰۰ روپے بطور خصوصی استحقاقی امداد آگ کے حادثوں سے متاثر ضلع ہوگلی کے لوگوں [illegible] اس عطیہ کی تقسیم ہوگلی کے مجسٹریٹ کے ذمہ سونپی گئی ہے ٭٭

بقیہ : دستورِ ہند اور جمہور

مواقع سے مستفید ہوں گے

یہاں یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان میں سے کسی بھی مقصد کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچایا جا سکا۔ وہ تمام مقاصد دستور کے دفعات میں ہمارے دستور سازوں کے نیک اور متبرک خواہشات کے عکس بن کر رہ گئے۔

ہمارے سماج میں مفاد پرستوں کے مراکز اتنے مضبوط ہیں کہ وہ سب عام لوگوں کی حالت میں بہتری لانے کے لئے اقدامات کو روبہ عمل لانے کی راہ میں موثر طور پر رکاوٹیں پیدا کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات ان مفاد پرستوں کے نمائندوں کی ریاست کی مجلس قانون ساز اور دفتروں میں جگہیں حاصل ہو جاتی ہیں اور اس طرح انہیں سماج میں اپنی حیثیت اور عہدہ کو برقرار رکھنے میں کافی سہولتیں فراہم ہوتی ہیں۔ اگر عوامی تنظیموں کی آوازوں کو زیر غور رکھا جائے، اگر عوامی تنظیموں کی جد و جہد کی ہمت افزائی کی جائے تو ایسی صورتحال پیدا کی جا سکتی ہے جو ہمیں اپنی منزلِ مقصود کی طرف لے جا سکتی ہے۔ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ ہمارا دستور محدود ہے۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہمارے دستور کے اعلانیہ اور مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے، تو یقیناً ہم اپنی منزل کی راہ میں بہت آگے بڑھ جائیں گے ٭٭٭

دق کے مریضوں کیلئے علاج کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے دق امداد ایسوسی ایشن کو ۲۰۰۰۰ روپئے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ اس ایسوسی ایشن کا ۱۲، ڈاکٹر بیریش گوہا اسٹریٹ، کلکتہ ۱۷ میں دق کے مریضوں کے علاج کا ایک ہسپتال ہے۔ اس ہسپتال میں حکومت کے بھیجے ہوئے دق کے مریضوں کے علاج کے لئے ۱۰ مفت بستروں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے مذکورہ عطیہ دیا گیا ٭٭

این۔ آر۔ ایس میڈیکل کالج کلکتہ میں ایک ڈینٹل یونٹ اور ایک ڈنٹل آپریشن تھیٹر کا قیام

حکومتِ مغربی بنگال نے کلکتہ کے این۔ آر۔ ایس میڈیکل کالج اور ہسپتال کی سینٹرل بلڈنگ کی چوتھی منزل پر ڈاکٹر آر۔ احمد ڈنٹل کالج اور ہسپتال کے لئے ایک ڈنٹل یونٹ مع دس انڈور بستر اور ایک ڈنٹل آپریشن تھیٹر قائم کرنے کی انتظامی منظوری دی ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری آلات، فرنیچر اور دیگر چیزوں کی خریداری کے لئے ۶۰۰۰ روپئے بطور غیر مکرر اخراجات دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ حکومت نے نئے اسامیوں کے قیام اور دیگر متعلقہ غیر مکرر اخراجات کے لئے بھی منظوری دی ہے ٭٭٭

تصویریں

سرورق پر :

مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر دکشت ۲۶ جنوری ۱۹۸۵ء کو ریڈ روڈ، کلکتہ میں، صبح کے وقت یوم جمہوریہ کی پیریڈ کی سلامی لیتے ہوئے۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، وزیر تعمیرات عامہ شری جتین چکرورتی اور وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پرو بھاش پھادیکر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

صفحہ ۲ : ۲۶ جنوری ۸۵ء کو ریڈ روڈ، کلکتہ میں یوم جمہوریہ کی پیریڈ۔

صفحہ ۳ : ۲۶ جنوری ۸۵ء کو ریڈ روڈ، کلکتہ میں یوم جمہوریہ کی پیریڈ میں فوجی ساز و سامان اور آلات کی نمائش۔

صفحہ ۴ : ۲۶ جنوری ۱۹۸۵ء کو ریڈ روڈ، کلکتہ، میں یوم جمہوریہ کی پیریڈ میں طلباء و طالبات۔

درمیانی صفحات میں :

۲۶ جنوری ۸۵ء کو ریڈ روڈ کلکتہ میں یوم جمہوریہ کی پیریڈ کے موقعہ پر مغربی بنگال کی ترقیاتی سرگرمیوں کی پیش کردہ جھانکیاں۔

تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے
— ایڈیٹر

تبصرہ

کتاب	:	صدائے نیم شب
شاعر	:	خالد بشیر
ناشر	:	نزہت پبلیکیشنز، سری نگر کشمیر ۲۰۰۴ء
قیمت	:	۲۵ روپے

"صدائے نیم شب" شاعر کا پہلا مجموعۂ کلام ہے جو ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر کتاب میں غزلیں اور نظمیں دونوں شامل ہیں۔ مجموعہ میں ڈاکٹر حامد کاشمیری کا لکھا ایک مقدمہ بھی شامل ہے جس میں کشمیر کے اردو شعراء کی گمنامی کے اسباب کا ذکر بھی ہے اور شاعر کے کلام کے محاسن کا جائزہ بھی۔

خالد بشیر کشمیر کے جواں سال شاعر ہیں بالخصوص غزلیں اچھی کہتے ہیں۔ نظمیں تکنکی اور شعری اعتبار سے کمزور ہیں۔ ان کی غزلوں میں جدت فکر اور غزل کے روایتی اسلوب سے شعوری انحراف قابلِ ذکر ہیں۔ روایتی اسلوب سے انحراف اور جدت طرازی کے شوق میں شاعر کئی ایک مقام پر آوارگیٔ کیف کے شکار نظر آتے ہیں اور ایسی سعی ملا سے شاعر نے جہاں کہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر گریز کیا ہے، شاعری اپنے کمال و فن کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔

وہ رینگتا رہا ہے زمینوں پہ رات بھر
سورج اُگا تو اس کا بدن چور چور تھا

تنہائیوں کی تُند ہوائیں بھی میرے نام
بے خواب کروٹوں کی جلن بھی مرے لئے

جھنڈ کے جھنڈ اداسی کے پرندے اُترے
دل کسی شہر کی ہری جھیل کا منظر سا ہے

کوئی شب بھر سرہانے جاگتا ہے ٭ مرے اندر سمندر سو رہا ہے

خالد بشیر کے کلام میں غزل اور اردو شاعری کی روایتی قدروں کا احترام بھی جا بجا ملتا ہے۔ جدید و قدیم کے امتزاج سے انہوں نے غزل کو ایک رنگ و آہنگ دینے کی کوشش کی ہے ؎

ایک مدت سے تری راہ تکی ہے میں نے ٭ صبح کے بھولے جو شام ہوئی گھر آؤ
یا میری بدقسمتی کا ذکر رہنے دیجئے ٭ یا حریفوں کے مقابل ہم زباں ہو جائیے
معیار اہلِ جفا بھی بدل گیا ہے کیا ٭ کہ ایک وہ بھی ہیں مہرباں سا لگتا ہے

بہت دنوں سے جسے دیکھنے کی خواہش تھی
وہ آفتاب جو نکلا تو سو رہا تھا میں

خالد بشیر عصری حسیت سے بھی پوری طرح متصف ہیں۔ وہ اپنے دور کی سماجی و سیاسی زندگی کے ایک ایک پہلو پر نظر رکھتے ہیں۔ نئی حسیت کی پیکر تراشی میں وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ ہمارے دور کا المیہ نظر آتا ہے ؎

وہ فن شناس جسکی زمانے میں دھوم تھی ٭ اچھا ہوا کہ وقت سے پہلے ہی مر گیا
یا میں تمہارے شہر سے واقف نہیں ابھی ٭ یا یہ ہوا کہ لوگ سراسر بدل گئے
بستی بستی دھول اڑے گی ٭ دیکھنے والا اندھا ہوگا
لنگڑا لنگڑا سوچ رہا ہے ٭ سارا گاؤں کدھر گیا ہے

زیر نظر مجموعہ میں اگرچہ فنی اعتبار سے بعض جگہ خامیاں رہ گئی ہیں جیسے ؎

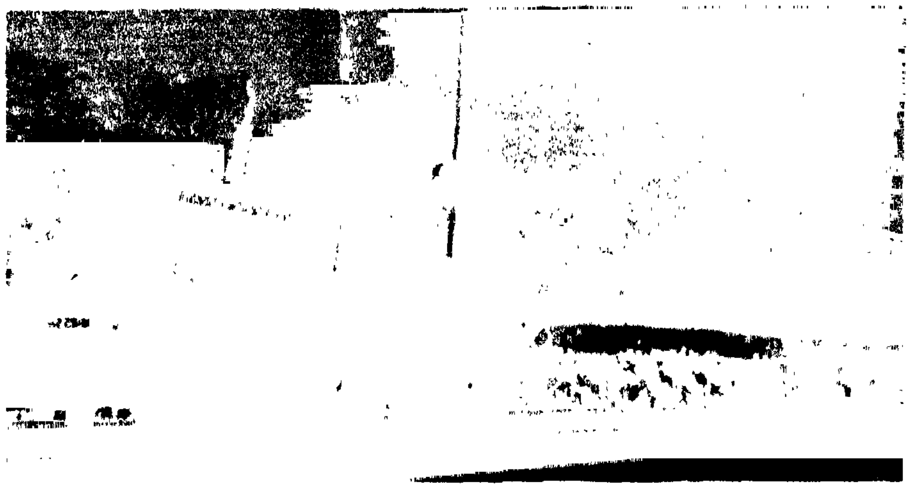
دھوپ چھاؤں کی طرح لوگ یہاں ملتے ہیں ٭ اس شہر کے کسی موسم کا بھروسہ بھی نہیں
تو تصور کے منڈیروں پر چمکتا طائر ٭ آنکھ اوجھل بھی نہیں ہاتھ میں آتا بھی نہیں

اس نے آواز نہ دے دی مجھکو
اور میں بھی رُک گیا ہوں اب تک

تاہم خوبیوں کی بہتات میں ایسی بعض خامیوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے خالد بشیر کا مجموعہ جدید رجحانات کی ایک کامیاب کڑی ہے، انکی عمر اور ان کی شاعری کو دیکھتے ہوئے ان سے بہت کچھ امیدیں رکھی جا سکتی ہیں۔ "صدائے نیم شب" ان قارئین کیلئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا جو صحت مند غیر روایتی شاعری کو پسند کرتے ہیں۔

—— مصطفیٰ اکبر







Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.





پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد [illegible] فروری ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۴

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ قیمت فی کاپی - ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال،
۲۳- آر/این، مکھرجی روڈ —— کلکتہ- ۷۰۰۰۰۱



نیتاجی سبھاش چندر بوس کے ۸۸ ویں جنم دن کے موقع پر، مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر دکشت نیتاجی ریسرچ بیورو میں منعقدہ ایک تقریب میں نیتاجی کی آواز کے ریکارڈ اور کیسیٹ کا افتتاح کرتے ہوئے۔

آج بازار میں پا بجولاں چلو

فیض احمد فیض

چشمِ نم، جانِ شوریدہ کافی نہیں
تہمتِ عشقِ پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پا بجولاں چلو

دست افشاں چلو، مست و رقصاں چلو
خاک بر سر چلو، خوں بداماں چلو
راہ تکتا ہے سب شہرِ جاناں چلو

حاکمِ شہر بھی، مجمعِ عام بھی
تیرِ الزام بھی، سنگِ دشنام بھی
صبحِ ناشاد بھی، روزِ ناکام بھی

ان کے دم ساز اپنے سوا کون ہے؟
شہرِ جاناں میں اب باصفا کون ہے؟
دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے؟
رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو
پھر ہمیں قتل ہو آئیں یارو چلو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ہاتھوں

کلکتہ میں مسلمان لڑکیوں کے ہاسٹل کے سنگِ بنیاد کی نقاب کشائی

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۶ر فروری ۱۹۸۵ء کو دن کے دس بجے کلکتہ کے پارک سرکس کے علاقے میں دلکشا اسٹریٹ پر واقع تعلق شاہ وقف اسٹیٹ میں مسلمان لڑکیوں کیلئے ایک ہاسٹل کے سنگِ بنیاد کی نقاب کشائی کی۔ اس موقعہ پر منعقدہ ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ، مسلمان لڑکیوں کو، جو باہر سے کلکتہ پڑھنے آتی ہیں، رہائش کے لئے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ان کی رہائش کے لئے ایک ہوسٹل کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ انہیں اب کافی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ دیر آید درست آید کے بموجب اب صحیح سمت میں قدم اٹھایا گیا ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مالی دشواریوں کے باوجود ریاستی حکومت ان منصوبوں کو آگے بڑھائے گی اور مارچ ۱۹۸۵ء میں پیش کی جانے والی بجٹ میں عمارت کی تعمیر کے سلسلہ میں اخراجات کی گنجائش رکھی جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک سال میں پوری رقم یعنی ۲۳ لاکھ روپئے کا بندوبست نہ ہو سکے، لیکن روپئے کی کمی کی وجہ سے تعمیر کا کام بند نہیں ہوگا اور وقت مقررہ پر تعمیر کا کام مکمل ہو جائے گا، کیونکہ ایسے کام میں تاخیر سے اخراجات میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ "ہماری حکومت مالی دشواریوں سے دوچار ہے، اس کے باوجود ہم تعلیم کو اعلیٰ ترجیح دیتے ہیں اور اساتذہ پر کافی رقم خرچ کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ مسلمان تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ ہم انہیں تعلیمی پسماندگی سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ اُن کی تعلیمی پسماندگی کے لئے بذات خود وہ نہیں بلکہ حالات ذمہ دار ہیں۔ مسلمان لڑکوں کے ساتھ ساتھ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کو بھی بھرپور فروغ دینا چاہئے۔ اس سے سارا مسلم معاشرہ مستفیض ہو سکے گا۔"

انہوں نے مزید کہا کہ "آج جو کام شروع کیا جا رہا ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کا کام نہیں بلکہ تعلیمی تحریک کا ایک حصہ ہے۔ ہم لسانی اور مذہبی اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں۔ ناانصافی اور پھوٹ ہماری قوم کے لئے بہت نقصان دہ ہیں۔ جنگِ آزادی سے ہم نے یہی سبق سیکھا ہے اور آج بھی ہمیں یہ سبق یاد ہے۔ ہم قومی معاملات کو ہندو یا مسلمان یا سکھ عیسائی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اس ریاست میں فرقہ وارانہ امن اور یکجہتی کی فضا ہے۔ ہم فسادات نہیں ہونے دیتے۔ اقلیتیں اپنے مذہبی اور سماجی فرائض کو انجام دینے میں پوری طرح آزاد ہیں۔ ہم ہرگز ان میں مداخلت نہیں کریں گے۔"

وزیر اعلیٰ کے بعد وزیر ابتدائی تعلیم جناب عبدالبارک صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے مدرسہ تعلیم کو فروغ دیا ہے اور اسے جدید بنایا ہے۔ مدرسہ کے معلموں کو دوسرے اسکولوں کی مساوی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ اس طرح ہم ان معلموں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی کوشش کے ساتھ ہی طلباء

کو زندگی کی دوڑ میں شریک ہونے کے لائق بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مغربی بنگال اسمبلی کے اسپیکر جناب ہاشم عبدالحلیم صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے وقف دفتر کے تمام اخراجات اپنے ذمے لے لئے ہیں۔ اس لئے اب اس کی یہ رقم پس انداز ہو رہی ہے۔ اس لئے وقف بورڈ اس ہاسٹل کے لئے پانچ لاکھ روپئے دے سکا۔ انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ سب اوقاف کی جائیداد کو صحیح مصرف میں لانے کیلئے تحریک چلائیں۔ یوں تو کروڑہا روپئے کی جائداد برباد ہو چکی ہے اور اب جو باقی بچی ہے اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مسلمان طالبات کے ساتھ ساتھ برسر روزگار مسلمان عورتوں کو بھی ہاسٹل کی سہولتیں فراہم کی جانی چاہئیں۔ انہوں نے کہا کہ جس قوم کی عورتیں زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر بھی ترقی نہیں کرتیں وہ قوم بھی کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کی تعمیر ایک مبارک اور احسن قدم ہے۔ اس کی تعمیری افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مولانا آزاد کالج میں صبح کے شفٹ میں مسلمان طالبات کے لئے سیشن چالو کر دیا جائے تاوقتیکہ کسی دوسری جگہ ایسا کالج قائم نہ ہو۔

اس علاقے کے ایم ایل اے جناب محمد نظام الدین صاحب نے اس پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا کہ ان کے علاقے میں مسلمان طالبات کے لئے ایک ہاسٹل تعمیر کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے عوام سے تعاون کی درخواست کی اور کہا کہ ہم نے سنگ بنیاد کے ساتھ ساتھ تعمیراتی کام بھی شروع کر دیا ہے۔

وزیر عدلیہ اور اوقاف و اقلیتی امور، جناب منصور حبیب اللہ، جنہوں نے اس جلسہ کی صدارت کی، نے اپنی تقریر میں مسلمان لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کے قائم ہونے، جو کہ وقف بورڈ کے ماتحت ہوگا، اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔

مغربی بنگال وقف بورڈ کے کمشنر جناب چودھری عبدالرحیم نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنی تقریر میں بتایا کہ یہ ہاسٹل چار منزلہ ہوگا اور اس میں دو سو لڑکیوں کی رہائش کی گنجائش ہوگی۔ انہوں نے متولی جناب قطب الدین احمد کا بھی شکریہ ادا کیا جن کی کوششوں سے ہاسٹل کے لئے یہ زمین حاصل ہو سکی۔

تقریب کی نقابت کے فرائض قاری محمد اسمٰعیل نے انجام دئے۔ جلسہ کے اختتام پر اسسٹنٹ وقف کمشنر نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا ÷÷÷

پرولیا میں ۱۷ نئی ریور لفٹ آبپاشی کی اسکیمیں

ریاستی حکومت نے خشک سالی سے متاثر علاقہ پروگرام کے تحت پرولیا ضلع میں ۱۷ نئی ریور لفٹ آبپاشی اسکیموں کو بروئے کار لانے کی منظوری دی ہے۔ اس کام کی تکمیل کے سلسلے میں ۱۲ر۷۰ لاکھ روپے کے خرچ کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اس مالی سال کے دوران ۲۵ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی جا چکی ہے ÷÷

پہاڑی علاقوں میں زرعی ترقی

ریاستی حکومت نے ۸۴-۸۵ء میں مغربی بنگال کے پہاڑی علاقوں میں زرعی ترقی کی اسکیم کو روبہ عمل لانے اور ضروری اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ایک لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس رقم میں ۹۰۰۰ روپئے رائج اصول کے مطابق کسانوں کے کھیتوں اور سرکاری فارموں میں چھوٹی آبپاشی کی اسکیموں پر خرچ کئے جائیں گے اور باقی دس ہزار روپئے سرکاری فارموں میں ناشپاتی کی شجرکاری کیلئے خرچ کئے جائیں گے ÷÷

دھلی میں

دسویں بین الاقوامی فلم فیسٹول

دھلی میں ۳ر جنوری ۱۹۸۵ء سے ۱۷ر جنوری ۱۹۸۵ء تک دسویں بین الاقوامی فلم فیسٹول منعقد ہوا۔

پہلے دن یعنی ۳ر جنوری کو وگیان بھون، دہلی میں مہمانِ خصوصی دلیپ کمار نے دیپ جلا کر اس فیسٹول کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد بین الاقوامی شہرت یافتہ فرانسوا ترو فو کی کلاسیکی فلم "جولیس اینڈ جیم" کی نمائش سے اس فلمی تہوار کا آغاز ہوا۔

اس فلمی تہوار میں دنیا کے بہت سارے ملکوں نے حصہ لیا اور ۲۰۰ فلمیں نمائش کے لئے پیش کی گئیں۔ ہر روز دنیا کے مختلف ملکوں سے چند فلمیں وگیان بھون، دہلی میں دکھائی گئیں۔ نیز چار پانچ سینما ہالوں میں ورکنگ جرنلسٹ کے صحافیوں اور نمائندوں کے لئے فلموں کی نمائش کا انتظام کیا گیا۔ اس کے علاوہ فلموں کا ایک مقابلہ بھی ہوا جس میں دنیا کے ۲۲ ملکوں نے حصہ لیا اور ۲۳ تصویریں نمائش کے لئے پیش کی گئیں۔ صرف برطانیہ نے دو فلمیں مقابلہ میں پیش کیں۔ گوبند نہلانی کی ایک فلم "پارٹی" ہندوستان کی واحد فیچر فلم تھی جس نے اس مقابلے میں حصہ لیا۔ سامعین کو اس بات کی امید تھی کہ اوت جوفی بونعز کی مختصر عرصہ کی فلم "اجلاس" کو اس مقابلہ میں نمایاں مقام حاصل ہوگا۔

اس نمائش میں دنیا کے چار مشہور فلمی ڈائریکٹروں یعنی (۱) سوہی آئیا مورا، جاپان (۲) ایگزینڈر کوردا، برطانیہ (۳) نکیتا میکالوب، روس اور (۴) لیوچینو وسکونتی، اٹلی کی فلموں کو فلم بینوں نے کافی سراہا۔ ان ڈائریکٹروں نے کل ۴۳ فلمیں پیش کیں۔

اس کے علاوہ لاطینی امریکہ یعنی وینیزویلا، ایل سلواڈر، نکاراگوئے، پیرو، میکسیکو، کیوبا، برازیل اور ارجنٹینا کی بہت ساری اچھی اچھی فلمیں بھی نمائش کے لئے پیش کی گئیں۔

نیز اس نمائش میں ہندوستان کے مشہور و معروف ڈائریکٹروں، جن میں کے عباس، تپن سنہا، شیواجی گنیشن اور لوتھونا کانا گل وغیرہ کی فلمیں دکھائی گئیں۔

اس تقریب کی اطلاعات کے سیکٹر میں ہندوستان کے بہت سارے پرانے اور نئے فلم ڈائریکٹروں کی بہت سی فلموں کی نمائش کی گئی۔ ۱۹۸۴ء میں ہندوستان کی فلموں کو منتخب کرنے کے لئے ہندوستانی پینوراما سیکشن میں ہندوستان کی ۲۱ فلموں کو جگہ ملی۔ ان میں سے دس فلمیں ہندی کی اور پانچ ملیالم کی تھیں۔ مغربی بنگال کی صرف ایک فلم تھی۔ مغربی بنگال کی اس فلم "کونی" (ایک نام) کو ملکی اور غیر ملکی فلم بینوں نے کافی سراہا۔ اس فلم کو حکومت مغربی بنگال کے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور نے پروڈیوس کیا تھا اور شری سروج دے نے اسے ڈائریکٹ کیا تھا۔ نیز اس فلم کے ساتھ ساتھ مانوس پیونک کے زیرِ ہدایت حکومتِ مغربی بنگال کی تیار کردہ مختصر فلم "سندربن" بھی دکھائی گئی۔

اس کے علاوہ مغربی بنگال کے چار ڈائریکٹروں کی فلموں کو بھی اس سیکشن میں جگہ ملی۔ وہ فلمیں یہ ہیں: (۱) گوتم گھوش کی فلم "پار" (ہندی) (۲) بودھو دیب داس گپتا کی "اندھی گلی" (ہندی) اور اردھیندو بھٹاچاریہ کی "نانک راتیم" (کھاسی زبان)

ان کے علاوہ جن ڈائریکٹروں کی فلمیں اس سیکشن میں دکھائی گئیں ان میں اڈور گوپال کرشن، گریش کرناڈ، سید مرزا، گووند نہلانی، مہیش، کیتو مہتا، کے۔ بال چند اور راہول پالے کار کی فلمیں قابلِ ذکر ہیں۔

اشوک ہوٹل نیچے پارکنگ سیکشن میں "کونی" اور "سندر بن" کے علاوہ حکومت مغربی بنگال کی تیار کردہ اور بھی بہت سی فلموں کی نمائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ حکومت مغربی بنگال اور مغربی بنگال فلم ترقیاتی کارپوریشن نے اس ہوٹل کے فلم مارکیٹ میں فلم اسٹال قائم کیا تھا۔

فیسٹیول کے دوران ایک شام کو حکومت مغربی بنگال کے شعبہ اطلاعات وثقافتی امور کے وزیر شری پربھاش پھودیکار نے یہاں ایک عصرانہ دیا تھا جس میں ملکی اور غیر ملکی صحافیوں، فلم سازوں اور فیسٹیول کمیٹی کے اراکین نے شرکت کی۔ اس عصرانہ میں سبھوں سے ملاقات اور بات چیت سے بین الاقوامی سوجھ بوجھ کو کافی فائدہ پہونچا۔

پھر ۲۱ جنوری ۱۹۸۵ء کی شام کے وقت پھولوں سے سجے دھجے، روشنی کی چمک، موسیقی کی جھنکار سے رنگین ماحول میں وگیان بھون میں اس فیسٹیول کا آخری اجلاس منعقد ہوا۔

اس اجلاس کی صدارت فلمی دنیا کے مشہور ایکٹر شری کنور سنگھ بیدی نے کی۔ ان کے ساتھ ساتھ بہت سارے مہمان خصوصی شری وی۔ این۔ گیڈگل، مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات شری شیواجی گنیشن، شری کیش مکھرجی، جیوری کے سربراہ مسٹر جان مورو (فرانس) اور جیوری کے دیگر اراکین اور شری سومیترو چٹرجی اسٹیج پر تشریف لائے۔

سب سے پہلے جیوری کے سربراہ مسٹر جان مورو نے مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد جیوری کے سکریٹری کے۔ جی۔ ورما نے انعامات پانے والوں کے ناموں کا ایک ایک کر کے اعلان کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے مختصر فلم "نوری سنشن" (کناڈا) کو پہلے انعام کے طور پر سنہرا مور ملا۔ اس کے بعد دوسرے بہترین بنگلہ دیش کے ڈائریکٹر سید الاسلام کو ان کی فلم "اگامی" (یعنی مستقبل) کو چاندی کا مور ملا۔ ہنگری کی فلم "پاسنگ جیبشی" کو چاندی کا مور ملا۔ بہترین فلم ایکٹر کا پہلا انعام برازیل کی فلم "میموریز آف پرزن" کے ہیرو کارلوز دے ریزا کو ملا۔ بہترین ایکٹریس کا انعام برطانیہ کی فلم "بوسٹونی نیس" کی دونوں اداکاراؤں کو ملا۔ یعنی ساوی سنری یورٹر اور مینیشیا گرابے کو۔ جاپان کی فلم "آبا سوئیشا" کے ڈائریکٹر سوروتا کا جیا کو بہترین ہدایت کاری کا انعام ملا۔ اس بار جیوری نے دو فلموں کو بہترین فلم قرار دیا۔ ان میں سے ایک فلم روس کی "روتھ لیس رومانس" تھی جس کے ڈائریکٹر ایلڈر ریزانو ہے اور دوسری فلم برطانیہ کی "بوسٹونی نیس" تھی۔

تقسیم اسناد کے بعد ہندستان کے مشہور ڈائریکٹر شری ستیہ جیت رائے کی فلم "گھورے بائیرے" (یعنی اندر اور باہر) دکھائی گئی اور اس کے بعد ۱۹۸۵ء کا فلم فیسٹیول پایہ اختتام تک پہونچا ہے۔ (اجیت ۱۳)

خانماں برباد لوگوں کیلئے عطیات

ریاستی حکومت نے ندیا کے ضلع مجسٹریٹ کو آفات ناگہانی سے متاثر خانماں برباد لوگوں کو گھر بنانے کے عطیات کے طور پر ۶,۵۳۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس عطیہ کی تقسیم ہے سے تبدیلی کی شرح کے مطابق ہوئی ہے۔

باقی صفحہ ۱۴ کا

کو حسب ضرورت غذائی اور دیگر ضروری اجناس سپلائی کرے۔

(۳) ریاستی حکومت کو اس بات کا اختیار دینا چاہئے کہ وہ اپنے طور پر باہر سے اجناس فرید کر ایک اسٹاک قائم کرے تاکہ حسب ضرورت کام آئے اور اس کام کے لئے مرکز ریاستوں کو مالی امداد فراہم کرے۔

(۴) ریاستی حکومت کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ اسے غذائی اجناس اور دیگر ضروری اجناس کی حصولیابی، ذخیرہ، تقسیم اور فروخت پر پورا کنٹرول حاصل ہو۔

(۵) مرکزی حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ ۱۴ ضروری چیزوں کے لئے قومی سطح پر ایک جیسی قیمت مقرر کرے۔ ان چیزوں کے لئے سارے ملک میں عوامی نظام تقسیم کا انتظام کرے اور اس مقصد کے لئے جو اخراجات ہوں انہیں وہ خود برداشت کرے۔

★★

مغربی بنگال میں غذائی اور دیگر ضروری چیزوں کی عوامی تقسیم کا نظام

مرکز کی بے رخی کی ایک مثال

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے بہت ساری باتوں کو ترجیح دی ہے اور مناسب قیمتوں پر لوگوں کو غذائی اجناس اور دیگر ضروری چیزوں کی سپلائی ان میں سے ایک ہے۔

کھلے بازار کی معیشت، جیسی کہ ہماری ہے، میں ضروری چیزوں کی قیمتوں پر کوئی قانونی بندش عائد نہیں ہے۔ غیر سرکاری تجار زیادہ سے زیادہ **نفع** کمانے کے لئے اپنے طور پر قیمتیں مقرر کرتے ہیں۔ وہ سب قیمتیں اتنی اونچی مقرر کرتے ہیں جتنی کہ بازار کی معیشت اجازت دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے کم اور محدود آمدنی والے لوگوں کے لئے ایسی ضروری چیزوں کا خریدنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ اس طرح عام لوگوں کو معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورتحال میں لوگوں کو بچانے کے سلسلہ میں حکومت کے لئے آگے بڑھنا ضروری بن جاتا ہے۔ اگر حکومت کو غذائی اجناس اور دیگر ضروری چیزوں کی قیمتوں پر قانونی طور پر کنٹرول کرنے میں ناکامی ہو تو اسے ایسی تجارت میں مداخلت کرنی چاہیے اور اس کے متوازی ریاست کے زیر ملکیت تجارت کا انتظام کرنا چاہیے۔ اسے کاروبار کہتے ہیں لیکن اس میں کچھ فرق ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ضروری چیزوں کی کم سے کم قیمتیں مقرر کی جائیں اور ایسی چیزوں کو مناسب قیمتوں پر خریدنے کے لئے صارفین کو زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں۔ لیکن یہ تمام کام سرکاری خرچ پر ریاستی حکومت کو، جس کے ذرائع محدود ہیں، کرنا پڑتا ہے، اور چونکہ مغربی بنگال ہندستان کا ایک جزو لاینفک ہے اس لئے مرکزی حکومت کو ایسے اخراجات برداشت کرنے چاہئیں۔ ایسی باتوں کی امید کرنی مناسب ہے، قانونی ہے اور جائز ہے۔

گزشتہ دوسری عالمی جنگ کے دوران انگریزوں کی حکومت کے تحت بنگال میں راشننگ کا نظام رائج کیا گیا، کیوں کہ اس وقت غذائی اجناس کی شدید کمی ہوگئی تھی اور لاکھوں افراد بھکمری کے شکار ہوکر داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ اس وقت کی حکومت بنگال کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے طور پر غذائی اجناس حاصل کرے، غیر ملکوں سے اناج درآمد کرے اور محدود پیمانہ پر سارے صوبے میں راشن کی دکانیں کھولے تاکہ وہاں اناج اور دیگر ضروری چیزیں مناسب قیمت پر فروخت کی جاسکیں۔

مغربی بنگال ہندستان کی ان چند ریاستوں میں سے ایک ہے، جہاں آج بھی راشننگ نظام قائم ہے اور بائیں محاذ حکومت کا یہ عزم مصمم ہے کہ نہ صرف اس نظام کو برقرار رکھا جائے بلکہ اس کی توسیع بھی کی جائے تاکہ اناج اور دیگر ضروری چیزیں عام لوگوں کے لئے ایسی قیمتوں پر جو وہ ادا کرسکتے ہیں، دستیاب ہوں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر مرکز ریاستی حکومت کی مدد

کرتی تو بائیں محاذ حکومت اپنے اس کام کو اور بھی موثر طور پر انجام دے سکتی لیکن بدقسمتی سے غذائی اجناس اور دیگر ضروری چیزوں کی سپلائی کے لئے مرکز پر مغربی بنگال کے انحصار کی، کانگریس (آئی) کے سربراہ اور کلکتہ پریس میں ان کے حامی غلط تشریح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ عام طور پر بائیں محاذ حکومت میں خود اعتماری کی کمی ہے، خاص طور پر غذائی اور زرعی پالیسی کی ناکامی ہے۔ بائیں محاذ حکومت غذائی اور ضروری چیزوں کی عوامی تقسیم کے انتظامیہ کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی سنجیدگی اور شدت کے ساتھ صحیح طور پر کوششیں کر رہی ہے لیکن حکومت کی ان کوششوں کی بابت لوگوں کے دلوں میں غلط فہمی اجاگر کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

اس مضمون میں غذائی اجناس اور دیگر ضروری چیزوں کے لئے مرکزی حکومت سے مغربی بنگال کے جو مطالبات ہیں ان کی تفتیش کرنے اور عوامی نظام تقسیم کے مسائل اور پالیسیوں کی بابت جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں انہیں دور کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

ہندستان کے کل بری علاقے کے صرف ۲ء۷ فیصد علاقہ پر مغربی بنگال پھیلا ہوا ہے اور (سنہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق) یہاں ۸ء۵ کروڑ لوگ آباد ہیں یعنی یہاں کی آبادی ملک کی کل آبادی کا ۸ فیصد ہے۔ لیکن یہاں سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد پناہ گزینوں کی آمد سے آبادی گنجان ہو گئی۔ غذائی اجناس کی پیداوار کے لحاظ سے یہ ریاست کمی کی ریاست ہے کیوں کہ یہاں بہت سارے قطعات آراضی پر چائے اور پٹ سن کی کاشت کی جاتی ہے۔ ان دونوں پیداواروں سے کافی زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کوئلہ کی کانیں بھی ہیں۔ ایسی ناپر کاشتکاری نہیں کی جاتی لیکن کوئلہ سے بھی لوگوں کو کافی فائدہ پہونچتا ہے۔ اس طرح مرکزی حکومت کا یہ اخلاقی قانونی فرض ہے کہ وہ مغربی بنگال کی، اس موسم میں جب غذائی پیداوار میں کمی ہوتی ہے، مدد کرے۔

ایک شخص کو بلا لحاظ عمر یومیہ ۱۶ آونس غذائی اجناس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اوسط کی بنیاد پر مغربی بنگال کے ۸ء۵ کروڑ لوگوں کے لئے ہر سال ۹۶ لاکھ ٹن غذائی اجناس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس ریاست کی حسب معمول موسم میں غذائی اجناس کی سالانہ پیداوار ۹۰ لاکھ ٹن اور سیلاب اور خشک سالی کے دوران ۵۰ لاکھ ٹن ہوتی ہے۔ اس طرح کمی کے سال میں مغربی بنگال میں ۴۶ لاکھ ٹن غذائی اجناس کی پیداوار ہوتی ہے اور اس طرح سے مرکزی ذخائر سے ۵۰ لاکھ ٹن غذائی اجناس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کانگریسی دور حکومت میں مرکزی حکومت کی طرف سے مغربی بنگال کو ۴۸ لاکھ ٹن غذائی اجناس فراہم کی جاتی تھیں، اور اس بات کی کہیں بھی شہادت نہیں ملتی کہ اس ریاست میں غذائی اجناس کی سپلائی کے لئے ریاستی حکومت کے مرکز پر انحصار پر اس وقت کے حزب اختلاف نے تنقید کی ہے۔

جب سے مغربی بنگال میں بائیں محاذ کی پارٹیاں برسر اقتدار آئیں، اس وقت سے کانگریس (آئی) کے سربراہ اور کلکتہ کے چند اخبارات ریاستی حکومت پر الزامات عائد کر رہے ہیں کہ:
(۱) بائیں محاذ کے دور حکومت میں اس ریاست میں غذائی اجناس کی پیداوار کم ہوئی ہے، (۲) غذائی اجناس اور دیگر ضروری چیزوں کی تقسیم کا عوامی نظام انہدام کے دہانے پر کھڑا ہے کیوں کہ راشن کی دکانوں میں غذائی اجناس کی سپلائی میں کافی بے ضابطگی پیدا ہو گئی ہے، (۳) غذائی اجناس کی حصولیابی کے لئے بائیں محاذ حکومت کی پالیسی ناکام ہوئی ہے، (۴) مرکزی حکومت کی سپلائی کردہ غذائی اجناس جعلی راشن کارڈوں کی نذر ہوتی جا رہی ہیں، اور اس طرح کے بہت سارے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔

ضروری چیزوں کی قیمتوں میں حد سے زیادہ اضافہ کی وجہ سے لوگوں کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان کے پیش نظر مذکورہ بالا شکایتیں کافی اہمیت کی حامل ہو گئی ہیں۔ چوں کہ اب متعلقہ اعداد و شمار دستیاب ہیں اور اب یہ ہر محقق کی دسترس میں ہیں، اس لئے ان اعداد و شمار پر احتیاط

ے ساتھ ساتھ غور و خوض کیا جا سکتا ہے اور یہ باتیں معلوم کی جا سکتی ہیں کہ یہ حقائق کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں؟

مغربی بنگال میں غذائی اجناس کی پیداوار کی بابت درج ذیل اعداد و شمار قابلِ غور ہیں:۔

حکومت کے تحت اس ریاست میں غذائی اجناس کی پیداوار سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں، جب یہاں کانگریس (آئی) کی حکومت تھی، ۱۵ لاکھ ٹن زیادہ ہے۔ (۲) سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں شدید سیلاب کے باوجود سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں پیداوار ۶ لاکھ ٹن

میزان ۱

مغربی بنگال میں سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء سے سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء تک اناج کی پیداوار

سال	ریاستی حکومت	آب و ہوا اور موسم	چاول اور گیہوں کی پیداوار میٹرک ٹن میں
سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء	کانگریس	حسبِ معمول	۷۴۵۳۹۰۰
سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء	بائیں محاذ	حسبِ معمول	۸۹۰۰۲۰۰
سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء	″ ″	سیلاب	۸۰۷۰۲۰۰
سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء	″ ″	خشک سالی	۷۰۶۲۱۰۰
سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء	″ ″	حسبِ معمول	۸۲۸۱۰۰۰
سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء	″ ″	خشک سالی	۶۴۷۲۷۰۰
سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء	″ ″	خشک سالی	۵۸۴۳۰۰۰
سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء	″ ″	حسبِ معمول	۹۰۰۰۰۰۰

مذکورہ بالا میزان سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ کم پیداوار کی بابت مخالفین کے عائد کردہ الزامات دو سال کی پیداوار یعنی سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۷۴۵۳۸۰۰ ٹن اور سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۵۸۴۳۰۰۰ ٹن پر مبنی ہیں۔ ان دونوں اعداد و شمار کے درمیان فرق کافی اہمیت کا حامل ہے، لیکن یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں، یعنی اس ریاست میں کانگریس (آئی) حکومت کے آخری سال میں موسم اچھا تھا اور بائیں محاذ حکومت کے چھٹے سال یعنی سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں پوری ریاست شدید خشک سالی سے دوچار تھی۔ اس سال بارش اوسط سے ۴۰ تا ۶۰ فیصد کم ہوئی۔ الزامات کی اشاعت کرتے وقت ان حقائق کا ذکر نہیں کیا گیا۔

میزان کے اعداد و شمار کا غائر تجزیہ کرنے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ (۱) سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ

زیادہ ہوئی اور (۳) باقی ماندہ برسوں میں ایک توازن برقرار رکھا گیا اور پیداوار ۸۲ لاکھ ٹن سے ۹۰ لاکھ ٹن کے درمیان ہوئی۔ یہ تمام اعداد و شمار بائیں محاذ حکومت کی پیداوار کے سلسلہ میں اپنی پالیسی میں کامیابی کے نہ کہ ناکامی کے، جیسا کہ کہا جاتا ہے، مظہر ہیں۔

اب آئیے عوامی نظامِ تقسیم کا کچھ ذکر کریں۔ اس نظام کو عام طور پر راشننگ نظام کہتے ہیں۔ اس نظام کے تحت بہت ساری ایجنسیاں سرگرمِ عمل ہیں۔ ساری ریاست میں غذائی اجناس کی حصولیابی، نقل و حمل، غذائی اجناس کی مخصوص جگہ میں ذخیرہ اندوزی، ان کی تقسیم اور لازمی چیزوں کی کنٹرولڈ قیمتوں پر فروخت کے کام میں یہ ایجنسیاں مشغول ہیں۔ یہ تمام کام مشترکہ طور پر فوڈ کارپوریشن آف انڈیا، جو مرکزی حکومت کا ادارہ ہے، حکومتِ مغربی بنگال کا شعبۂ خوراک و

رسد اور ریاستی حکومت کا ایک ذیلی ادارہ مغربی بنگال لازمی اشیاء سپلائی کارپوریشن انجام دیتے ہیں۔ ایف سی آئی اپنے طور پر ۷۵ ریلوے سائیڈنگس میں چاول، گیہوں، چینی وغیرہ حاصل کرتا ہے اور ۳۰۰ گوداموں میں جمع رکھتا ہے۔ ایسے گودام اس ریاست کے مختلف حصوں میں قائم ہیں، اور وہیں سے یہ راشن کی دکانوں میں غذائی اجناس سپلائی کرتا ہے۔ یہ دکانیں ریاستی حکومت نے کھولی ہیں۔ ریاستی حکومت نے جس نے لازمی چیزوں کی (یعنی ۱۸ چیزوں کی جن میں چاول، گیہوں، چینی اور پکانے کا تیل وغیرہ شامل ہیں) تقسیم کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور اس ریاست کو دو علاقوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی (۱) قانونی راشننگ علاقہ جس میں عظیم تر کلکتہ کا صنعتی علاقہ اور آسنسول اور درگاپور کے صنعتی علاقے شامل ہیں اور (۲) جزوی راشننگ علاقہ جن میں قانونی راشننگ کے علاقوں کو چھوڑ کر ریاست کے دیگر علاقے شامل ہیں۔

قانونی راشننگ کے علاقوں میں ہر راشن کارڈ پر فی ہفتہ فی کس ۱۰۰ گرام چینی اور فی بالغ ۱۵۰۰ گرام چاول اور ۲۰۰۰ گرام گیہوں دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر ہفتہ فی کس ۱۰۰ گرام پکانے کا تیل بھی دیا جاتا ہے۔

جزوی راشننگ کے علاقوں میں یہ تمام چیزیں ہر ہفتہ خاندانی راشن کارڈس پر صارفین کو سپلائی کی جاتی ہیں۔ انتظامیہ کے حکم نامے کے تحت غریب لوگوں کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنا راشن ہفتہ میں دو قسطوں میں خریدیں۔ انہیں فی ہفتہ فی بالغ ۴۰۰ گرام چاول اور ۱۰۰۰ گرام گیہوں سپلائی کیا جاتا ہے۔ ۸ سال سے کم عمر کے بچوں کو بالغوں کا نصف راشن دیا جاتا ہے۔ لیکن ضلع مجسٹریٹس کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ غذائی اجناس کی دستیابی کے پیش نظر راشن کے کوٹے میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں جن لوگوں کے پاس ۴ ایکڑ زرعی زمین ہے انہیں راشن کارڈ میں چاول اور گیہوں سپلائی نہیں کیا جاتا۔ لیکن جزوی راشننگ کے علاقوں میں تمام صارفین کو ہر ہفتہ فی کس ۷۵ گرام چینی اور ہر دو ہفتے پر فی کس ۷۵ گرام پکانے کا تیل دیا جاتا ہے۔

قانونی راشننگ اور جزوی راشننگ کے علاقوں میں چاول، گیہوں، چینی اور پکانے کے تیل کے ساتھ ساتھ دال، موم بتی، ماچس، ہلدی، کالی مرچ، پاؤڈر نمک، لکھنے کی کاپی اور صابن (غسل کرنے اور کپڑا صاف کرنے کا) سپلائی کئے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں صارفین کو بہت ساری دکانوں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے، کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہیں۔

میزان منسلکہ

مغربی بنگال میں راشن کی دکانیں

دکان		تعداد
۱۔ راشن کی دکان	–	۱۹۰۳۹
۲۔ مناسب قیمتوں کی دکان کراسن تیل کے لئے	–	۲۹۱۶۱
۳۔ مناسب قیمتوں کی دکان کوئلہ کیلئے	–	۱۵۲۸۲
۴۔ کوآپریٹیو اسٹور کپڑے اور کاپیوں کیلئے	–	۲۲۸۰
۵۔ سیمنٹ ڈیلر	–	۶۷۴۳۵

راشن کی دکان اور راشن کارڈ رکھنے والوں کی تعداد کا تناسب قانونی راشننگ علاقے میں ۱ : ۳۵۰۰ اور جزوی راشننگ کے علاقوں میں ۱ : ۲۰۰۰ ہے۔ حکومت ہند نے یہ تناسب مقرر کیا تھا۔

بڑے بڑے انتظامات خواہ کیسے بھی ہوں، تقسیم کے نظام کی کامیابی کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے:
(الف) ریاست کی ضرورت کے مطابق مرکز کی طرف سے غذائی اجناس کی فراہمی (ب) مناسب وقت پر اور منظور کردہ تعداد میں ایف سی آئی کے ذریعہ غذائی اجناس کی سپلائی، (ج) ریاست کو اس بات کا اختیار دیا جانا چاہئے کہ وہ اپنے

طور پر خرید کر اناج کا ذخیرہ تیار کرے تاکہ وقتِ ضرورت اس ذخیرہ سے اناج سپلائی کیا جا سکے، (د) صحیح وقت اور قیمت پر ان اشیاء کی خصوصیابی اور (ہ) راشن کی دکانوں کا مناسب اور صحیح طور پر انتظام کرنا۔

مذکورہ بالا نکات الف، ب، ج اور د، جو راشننگ نظام کی کامیابی کے لئے اہم شرائط ہیں، کے سلسلے میں مرکزی حکومت اور اس کے ایجنٹ جیسے ایف سی آئی اور ریلوے وغیرہ کو اختیارِ کلی حاصل ہے، جن کے خلاف ریاستی حکومت کچھ کر نہیں سکتی۔ ریاستی حکومت صرف مرکز سے اپیل اور درخواست کر سکتی ہے۔ صرف نکتہ (ہ) کی بابت ہی حکومتِ مغربی بنگال کو پوری ذمہ داری حاصل ہے اور اس پر ریاستی حکومت کو قابو حاصل ہے۔ اب دستیاب اعداد و شمار کے ذریعہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کس حد تک مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا ہے۔

میزان ۳

مغربی بنگال کو سنہ ۸۲-۸۱ء میں چند ضروری اشیاء کی سالانہ فروخت اور مرکز کی متعین مقدار

اشیاء	ریاست کو ضرورت میٹرک ٹن میں	مرکز کی تعین کردہ مقدار میٹرک ٹن میں
چاول اور گیہوں	۴۸۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰۰۰
چینی	۴۸۰۰۰۰	۲۹۳۵۲۲
پکانے کا تیل	۲۴۶۰۰۰	۱۲۰۰۰۰
کراسن تیل	۸۴۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰
جلانے کا کوکر	۱۲۰۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰
سمنٹ	۱۵۰۰۰۰۰	۴۶۸۰۰۰

میزان ۴

اپریل سنہ ۸۳ء کے دوران اناج کا ضلع وار الاٹمنٹ اور تقسیم

ضلع	مرکز کا مختص کردہ میٹرک ٹن میں	سپلائی کردہ اناج میٹرک ٹن میں
بانکوڑا	۵۲۷۹	۵۳۹
بیربھوم	۲۲۹۴	۵۲۶
مالدہ	۲۰۳۰	۴۷۱
مرشدآباد	۴۱۶۲	۲۹۹۷
ندیا	۵۵۹۴	۳۳۰۶
مغربی دیناجپور	۱۸۰۴	۲۴۰

میزان ۵

جنوری تا اگست سنہ ۱۹۸۲ء چند ضروری اشیاء کی مغربی بنگال کو ضرورت، مرکز کی مختص کردہ اور سپلائی کردہ مقدار

اشیاء	ریاست کی ضرورت میٹرک ٹن میں	مرکز کا مختص کردہ میٹرک ٹن میں	اناج سپلائی کیا گیا میٹرک ٹن میں
چاول	۱۴۰۰۰۰۰	۸۸۰۰۰۰	۶۸۶۴۶۰
گیہوں	۱۱۰۰۰۰۰	۱۰۰۸۰۰۰	۵۱۲۰۹۷
چینی	۳۲۰۰۰۰	۱۹۲۴۶	۱۸۳۰۸۱

میزان ۳ میں درج اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مرکز نے اس ریاست کے لئے جتنی لازمی چیزوں کی سپلائی کی منظوری دی تھی وہ اس ریاست کی ضرورتوں سے کافی کم ہے۔ اسی طرح میزان ۴

میں درج اعداد و شمار گرچہ ایک خاص مہینہ سے وابستہ ہیں تاہم یہ ایک نمایاں خصوصیت کا اظہار کرتے ہیں کہ مرکز نے جتنا کوٹہ الاٹ کیا تھا اسے سپلائی کرنے میں ایف سی آئی بری طرح ناکام رہی۔ اور اسی کی وجہ سے بہت سارے اضلاع کو شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میزان ملندشہر سے تو یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مرکزی حکومت اور ایف سی آئی، دونوں ہی اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے۔ اسی طرح جنوری سے اگست ۱۹۸۲ء کے دوران مغربی بنگال کو جتنا چاول، گیہوں اور چینی سپلائی کیا گیا وہ اس کی مانگ سے پچاس فیصد سے بھی کم ہے۔ اگر ایسے حالات میں راشننگ نظام انہدام کے دہانے پر کھڑا ہو تو اس کے لئے ذمہ داری مرکز پر عائد ہوتی ہے نہ کہ ریاستی حکومت پر۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ایف سی آئی گزشتہ سال اپنے بہت سارے اندرونی مسائل سے دوچار تھا۔ اس سلسلہ میں اخبار ملا "اسٹیٹسمین" یوں رقمطراز ہے "ریاست شدید غذائی بحران سے دوچار ہے اور عوامی نظام تقسیم کو شدید دباؤ کے تحت کام کرنا پڑ رہا ہے۔ نیز فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کے اندر وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی بدعنوانیوں نے، جس کے نتیجے میں اناج کی چوری کا کام جاری ہے، صورت حال کو اور بھی شدید بنا دیا ہے۔" اس کے علاوہ اس کارپوریشن کے چند ملازمین نے جو صنعتی اقدامات کئے ہیں ان کی وجہ سے اور ریلوں اور گاڑیوں کے ذریعہ غذائی اجناس کی بین اضلاع سپلائی میں تاخیر سے اس کارپوریشن کو اپنے کام کاج میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

حصولیابی کے سوال پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں ریاستی حکومت کے اختیارات محدود ہیں۔ گزشتہ سال ایف سی آئی نے ریاستی حکومت کو اس بات کا اختیار دیا تھا کہ حکومت اپنے طور پر چاول اور دھان حاصل کرے لیکن بہت دیر ہو چکی تھی اور ایف سی آئی کی مقرر کردہ قیمتیں کسانوں کو اپنی طرف کھینچ نہ سکیں۔ کسانوں سے پنچایتیں یہ کیسے کہہ سکتیں کہ وہ اپنا دھان چاول اس قیمت پر اس کے ہاتھوں فروخت کرے

جس میں نفع کی گنجائش نفی کے برابر ہو۔ درحقیقت حصولیابی کی پالیسی کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں قیمت کے سلسلہ میں امداد کی گنجائش رکھی جائے اور فصل کی کٹائی کے فوراً بعد ہی حصولیابی کی مہم شروع کر دی جائے۔ گزشتہ سال حصولیابی کے کام کاج میں چاول مل مالکوں کی طرف سے رکاوٹیں پیش کی گئیں کیونکہ وہ نہ صرف اپنے لیوی (ٹیکس) جمع کرانے میں ناکام ہوتے بلکہ انہوں نے قانونی اقدامات کے ذریعہ حصولیابی کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ اس کے نتیجہ میں حصولیابی کا نشانہ مکمل نہیں کیا جا سکا۔ اس سال بھی ریاستی حکومت نے ایف سی آئی سے یہ کہا ہے کہ وہ مناسب قیمت پر یعنی ۱۳۰ روپے یا ۱۴۰ روپے فی کوئنٹل، پر حصولیابی کیلئے فوراً انتظام کرے۔ اس کام کی کامیابی کا انحصار ایف سی آئی کی پہل اور خلوص پر ہے۔

اب ریاست میں غذائی اجناس کے اسٹاک میں اضافہ کرنے کے لئے ریاستی حکومت کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر ان ریاستوں سے جہاں فاضل پیداوار ہوتی ہے اناج خریدے۔ بائیں محاذ حکومت مرکز پر اس بات کا دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ اسے آندھرا پردیش سے تین لاکھ ٹن چاول خریدنے کی اجازت دے لیکن ابھی تک اس کام میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف پرائیوٹ تاجروں کے نام اس بات کے لئے لائسنس جاری کیا جاتا ہے کہ وہ آندھرا پردیش یا کسی اور ریاست سے جتنا چاول چاہیں خرید سکیں اور وہ انہیں بلا روک ٹوک اپنی قیمت پر دوسروں کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں۔

یہ تو صرف گزشتہ سال ہی ایف سی آئی نے برآمدی کوالٹی کے چاول، کچھ مقدار میں پیش کئے۔ چاول کے اس اسٹاک کو پنجاب، ہریانہ اور مدھیہ پردیش سے لانا تھا۔ یہ اسٹاک کارپوریشن کے گودام میں پڑا رہا کیوں کہ اسے برآمد نہیں کیا جا سکا اور نہ ہی اسے اتنی زیادہ قیمت پر یعنی ۴ر۷۰ تا ۵ر۰۰ روپے فی کیلوگرام، ہندستان کے کسی حصے میں فروخت کیا جا سکا۔ صارفین کی اکثریت جس کے لئے یہ راشننگ نظام نافذ کیا گیا ہے، ۴ر۷۰ تا ۵ر۰۰

روپئے فی کیلو گرام کی قیمت کا چاول خرید نہیں سکتی۔

نقلی نام کے راشن کارڈ اور راشن کی دکانوں کے چند ڈیلروں کی بدعنوانی سے بائیں محاذ حکومت آشنا ہے اور اس لئے ان دونوں کی روک تھام کرنے کے لئے ریاستی حکومت مندرجہ ذیل اقدامات کو بروئے کار لا رہی ہے :

پہلا یہ کہ ۱۹۸۳ء میں بائیں محاذ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جزوی راشننگ کے علاقوں میں خاندانی راشن کارڈ کی جگہ انفرادی راشن کارڈس جاری کئے جائیں۔ پنچایت اور میونسپل حکام کے ذریعہ مناسب طور پر شناخت کرنے کے بعد راشن کارڈس جاری کئے جائیں گے۔ ایسے اقدامات سے راشن کی دکانوں کے چند بدعنوان ڈیلروں کے مفادات پر اثر پڑا اور ان لوگوں نے ہائی کورٹ میں حکومت کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور اس کی وجہ سے اس کام کی رفتار کچھ سست ہو گئی۔ لیکن جنوری ۱۹۸۴ء تک ۷ء۴ کروڑ میں سے ۲ء۳ کروڑ انفرادی راشن کارڈس جاری کئے گئے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ کام ۱۹۸۴ء کے آخر تک مکمل ہو جائے گا۔

دوسرا یہ کہ انفرادی راشن کارڈ کے مناسب استعمال کے تحفظ کے لئے بائیں محاذ حکومت نے پنچایت، میونسپل اور ضلع پریشد سطحوں تک مشاورتی کمیٹیاں قائم کی ہیں جو انفرادی راشن کارڈس کے جاری کرنے کے کام مکمل ہو جانے کے بعد اپنا کام شروع کر دیں گی۔ تیسرا یہ کہ لازمی اشیاء ایکٹ اور خصوصی دفعات ایکٹ (۱۹۸۱) میں بہت سارے عام قوانین ہیں اور بہت سارے کنٹرول آرڈرس نافذ بھی کئے گئے ہیں، ان قوانین اور آرڈرس کے تحت معاشی جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف ریاستی حکومت کی انفورسمنٹ شاخ بہت سخت اقدامات کر رہی ہے۔ ایسے کیسوں کے سلسلہ میں عدالتی کارروائی کرنے کے لئے اضلاع میں ۴ خصوصی عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ ریاستی حکومت کے شعبہ خوراک و رسد کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ضلع کلکٹوریٹ کے پاس کردہ ضبطی آرڈر کے خلاف اپیل پر غور و خوض کرے۔ نیز مناسب قیمتوں کی دکان کے مالکوں کے خلاف بھی عدالتی کارروائی کے ساتھ ساتھ شعبہ جاتی اقدامات بھی کئے گئے جن کی تفاصیل درج ذیل ہیں :

میزان ۔۶

ای۔سی ایکٹ اور خصوصی دفعات ایکٹ کے تحت کیسوں کی تفاصیل

سال	رجسٹرڈ کیسوں کی تعداد	گرفتار کئے جانے والوں کی تعداد	ضبط کردہ چیزوں کی مالیت
۱۹۸۲ء ۔	۶۴۹۰ ۔	۷۴۹۲ ۔	۲٫۰۱ کروڑ روپئے
۱۹۸۳ء ۔	۴۷۵۸ ۔	۴۲۹۶ ۔	۱٫۸۹ " "
۱۹۸۴ء ۔	۴۲۶ ۔	۴۷۹ ۔	۴۵ر " "

اب اگر ہم بائیں محاذ کے خلاف عائد الزامات کا مذکورہ اعداد و شمار سے مقابلہ کریں تو یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ حقیقت کیا ہے؟ ان اعداد و شمار نے کہانی کی بنیاد کو اکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ٹھوس صورت حال، اس کے ساتھ ساتھ اعداد و شمار کا معقول جائزہ سیاسی جھوٹ کا پول کھول کر رکھ دیتے ہیں، اگرچہ معصوم، لاعلم اور مصیبت زدہ لوگوں کو ایسی باتیں الجھا سکتی ہیں۔ سیاسی پارٹیوں اور پریس دونوں کا یہ عوامی فرض ہے کہ وہ ان مسائل کی عکاسی کریں جن سے عوام دوچار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں معقول طور پر ان مسائل کے ماخذ کا بھی جائزہ لینا چاہئے۔

آخر میں مغربی بنگال سے مرکز کی بے رخی کے خلاف بائیں محاذ حکومت کا عزم مصمم یہ ہے :

(۱) اس نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ عوام کے لئے ایسی قیمتوں پر جو وہ ادا کر سکتے ہیں، لازمی چیزوں کی عوامی تقسیم کی پالیسی کو برقرار رکھا جائے۔

(۲) چونکہ اس ریاست کی غذائی پیداوار یہاں کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی اس لئے مرکزی حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ ریاست

(بقیہ صفحہ نمبر پر)



دہلی میں منعقدہ فلم فیسٹیول کے موقعہ پر وزیر اطلاعات و ثقافتی امور سری پروبھاس پھودیکار کی طرف سے دیئے گئے عصرانہ
میں وزیر موصوف شری رشی کیش مکھرجی اور شریمتی شوبھا سین اور دیگر فلم آرٹسٹوں سے محو گفتگو۔



اس فلم فیسٹیول کے موقعہ پر اشوک ہوٹل کے مارکیٹنگ سیکشن میں حکومت مغربی بنگال کا فلم اسٹال۔



فلم فیسٹیول کے موقعہ پر فلمی مقابلہ میں "ریڈ بیس ورمانس" کے ڈائریکٹر الیکزینڈر ریزنو (سوویت روس) اور برطانیہ کی فلم "توسانینس"
کی ایکٹریس وینیسا ریڈگراوے انعامات حاصل کرتے ہوئے۔ (تصویر بشکریہ اجنت داس)

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.

Vol. 32 No. 4

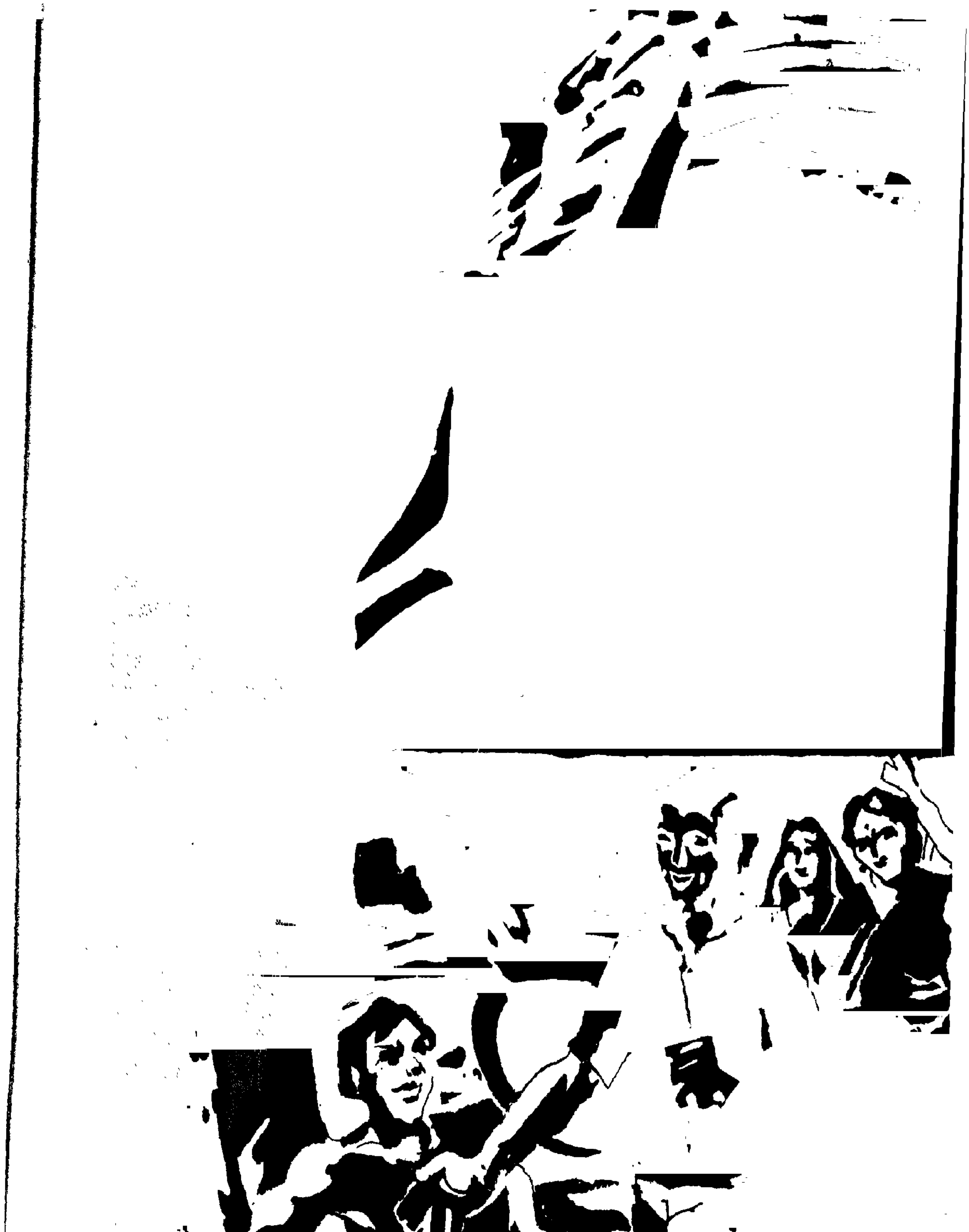
15 Feb-1985
PRICE-12 Paise



شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال، کلکتہ کے پارک سرکس کے علاقہ میں دلکشا اسٹریٹ میں واقع تعلق شاہ وقف
اسٹیٹ میں مسلمان لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کے سنگ بنیاد کی نقاب کشائی کرتے ہوئے۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ کے پاس بائیں طرف
جناب محمد نظام الدین ایم ایل اے کھڑے ہیں۔



[illegible]



پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دبیندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

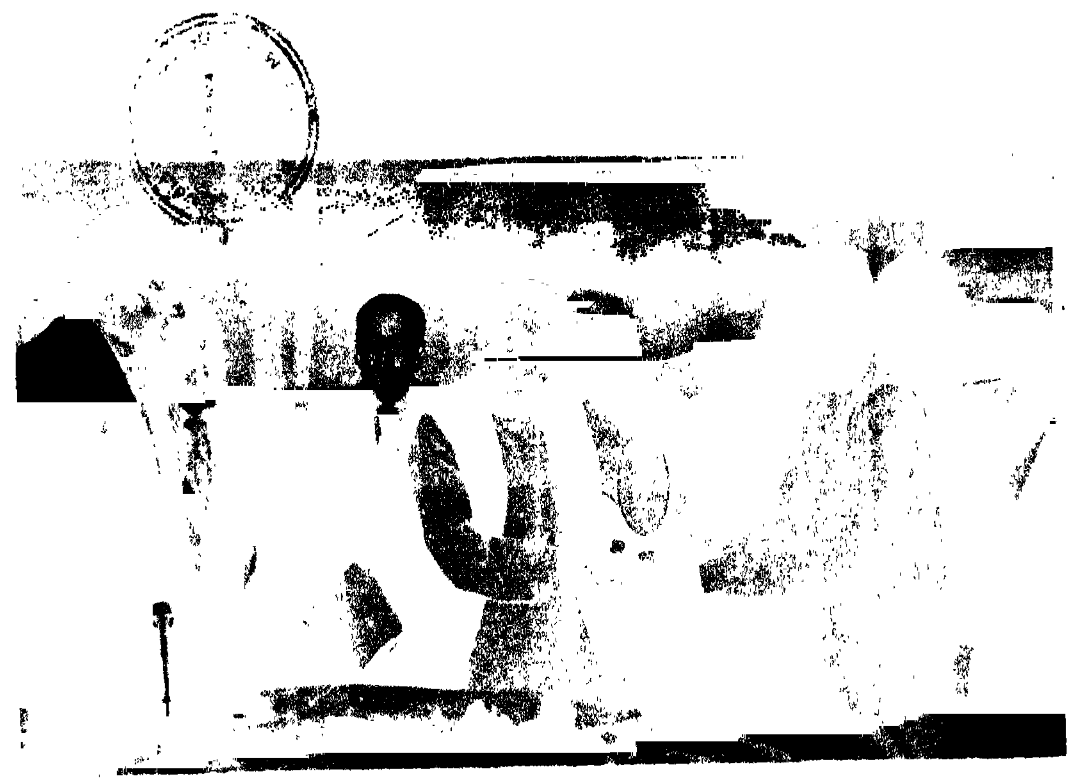
جلد نمبر ۳۲ - یکم مارچ ۱۹۸۵ء - شمارہ نمبر ۵

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے ★ قیمت فی کاپی : بارہ ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۳۴، آر۔ این۔ مکھرجی روڈ، کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱



۱۸ فروری ۱۹۸۵ء کو رائٹرس بلڈنگس کے روٹنڈا میں منعقدہ ایک تقریب میں ریاستی حکومت کے وزیر صحت عامہ اور خاندانی رفاہ شری رام نرائن گوسوامی، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو ایک "یادگار" تحفہ پیش کرتے ہوئے :

تصویر از : اجیت داس

مغربی بنگال میں تعلیم اور اس کے مسائل

از: کانتی بسواس : وزیر ابتدائی اور ثانوی تعلیم، حکومت مغربی بنگال

اس ریاست میں بائیں محاذ حکومت کے دور میں منجملہ
سیکٹروں کی تعلیم کے ہر سیکٹر میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ اس حقیقت
ے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی بنگال میں اس میدان میں تاریخ ساز
انے ملک کے تمام تعلیمیافتہ لوگوں، اساتذہ اور تعلیم سے وابستہ
دن کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی
نتے ہیں کہ مفکروں کا ایک طبقہ تعلیم کے موضوع کے مختلف شعبوں میں
ائی گئی چند تبدیلیوں پر شدید اعتراض کرتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو
عالمگیر سطح پر سبھوں نے تسلیم کیا ہے کہ مغربی بنگال میں کم از کم
نری سے قبل کے کورس تک تعلیم حاصل کرنے کے امکانات کافی وسیع
ردئے گئے ہیں اور ایسی باتوں کی کہیں اور مثال نہیں ملتی اور اسی لئے
لبار کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ تعلیم کے
سلسلے میں اپنے خیالات کو عملی شکل میں ڈھالنے کے لئے ریاستی حکومت
ے بہت سارے دوررس فیصلے کئے اور مذکورہ اقدامات ان فیصلوں
ے نتائج ہیں۔

تعلیم کے میدان میں ترقی کے ساتھ پالیسی سازوں کے
سامنے بہت سارے اہم سوالات آکھڑے ہوتے ہیں جنکی طرف جلد
ز جلد توجہ دینے اور انہیں حل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ ایسے
سوالات لامحدود وقت تک انتظار نہیں کر سکتے۔ زیرِ نظر مضمون کا
مقصد یہ ہے کہ ان نکات کو اجاگر کیا جائے اور ان پر غور و
خوض کیا جائے۔

ہمیں دو سو برسوں تک نوآبادیاتی نظام کے تحت رہنا پڑا۔
اس لمبے عرصے تک اس بات کی کوششیں کی گئیں کہ تعلیم کے روایتی
نظام کی جگہ مغربی نظام رائج کیا جائے۔ لیکن اس وقت کے حکمرانوں
کے سامراجی رویّے کی وجہ سے تعلیم کو بہت ہی تنگ اور خودغرضی
مقصد کے لئے بروئے کار لایا گیا۔ تعلیم کے لئے بہت ہی کم رقم مختص
کی گئی۔ تعلیم کے سلسلے میں حد سے زیادہ غفلت برتی گئی۔ اس لئے
آزادی کے وقت ہمارے ملک کے صرف ۱۲ فیصد لوگ کچھ لکھ پڑھ
سکتے تھے۔

گرچہ آزادی کی تحریک کے دوران تمام سیاسی تنظیموں
مع نیشنل کانگریس اور گاندھی جی جیسے قومی سربراہوں نے تعلیم
کی طرف کچھ توجہ دی تھی اور اسی وقت آزاد ہندستان میں تعلیم کیلئے
چند اہم اعلانات بھی کئے گئے تھے لیکن آزادی کے بعد کے دنوں میں تعلیم
کی پالیسی اور اقدامات بہت زیادہ مایوس کن ثابت ہوئے۔ نوآبادیاتی
تعلیم کی وراثت کو ختم کرنے کا کام اب بھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ آزادی
کے ۳۷ سال بعد بھی صرف ۳۶ فیصد لوگ لکھنا اور پڑھنا جانتے
ہیں۔ اب تک تعلیم بازار کی ایک شئے ہے، جو قیمتوں کے مطابق،
مختلف معیار کی فراہم کی جاتی ہے۔ مرکزی حکومت اور منصوبہ بندی
کمیشن نے تعلیم کے لئے اب تک منصوبہ بند اخراجات اور بجٹ میں
بہت ہی کم رقوم مختص کی ہیں۔ ان کے خیال میں تعلیم تو سماجی خدمت
کا ایک موضوع ہے نہ کہ ایک پیداواری سیکٹر۔

آزادی کے ۳۰ سال بعد مغربی بنگال میں بائیں محاذ
حکومت برسرِ اقتدار آئی۔ گرچہ تعلیم کے سلسلے میں اس کے خیالات

اور روپے بہت ہی بلند اور روشن ہیں تاہم اسے تعلیم کی راہ میں دو شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ موجودہ ترمیم شدہ دستور میں تعلیم مشترکہ فہرست کا موضوع ہے اور اس مد کے تحت ریاستی حکومت کے پاس بہت ہی محدود وسائل ہیں۔

تعلیم کے میدان میں حسب خواہ کامیابی حاصل کرنے کیلئے ریاستی حکومت تمام ممکنہ اقدامات کو روبہ عمل لانے کو تیار ہے۔ شروع شروع میں بائیں محاذ حکومت نے تعلیم کے مد پر ریاستی بجٹ کے کل اخراجات کی ۱۴ فیصد رقم مختص کی، اس کے بعد ہر سال اس فیصد میں اضافہ ہوتا گیا۔ گزشتہ چار برسوں سے تعلیم کی مد پر ریاستی ریونیو بجٹ کے ۲۳ فیصد سے زیادہ رقم مختص کی جارہی ہے۔ ہر ریاست بہت سارے نئے اور پرانے مسائل سے دوچار ہے۔ اسی طرح مغربی بنگال بھی باہر کے ملک سے پناہ گزینوں کی آمد، دیگر ریاستوں سے یہاں آنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، اس ریاست میں تعلیم یافتہ حسرہ بے روزگاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد، زرعی زمین پر غیر معمولی دباؤ (مغربی بنگال کا علاقہ ہندستان کے کل علاقے کا صرف تین فیصد ہے، لیکن یہاں کی آبادی کل ہندستان کی آبادی کا پانچ فیصد ہے) اور اسی طرح کے دیگر مسائل سے مغربی بنگال دوچار ہے۔ اب اس ریاست کے منصوبہ مرتب کرنے والوں کے سامنے یہ عظیم سوال آکھڑا ہوا ہے کہ کیا ریاستی حکومت کیلئے تعلیم کی مساوی اہمیت کے شعبے جیسے توانائی، آب پاشی، زراعت، نقل و حمل، صحت عامہ، چھوٹی اور دیہی صنعت وغیرہ، کے سائز کو چھوٹا کرکے صرف تعلیم کے مد پر بجٹ میں سب سے زیادہ رقوم مختص کرنا ممکن ہوسکے گا؟

بائیں محاذ حکومت نے سات برسوں کے مختصر عرصے میں ۱۰۰۰۰ سے زیادہ پرائمری اسکول اور ۲۰۰۰ ثانوی اسکول قائم کئے، لیکن اس کے باوجود آج بہت سارے طلبا کو اسکولوں میں خاص طور پر ثانوی اسکولوں میں داخلہ کے لئے شدید مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

طلبا کی تعداد پرائمری اسکولوں میں ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۵۹ لاکھ سے بڑھ کر ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۷۷ لاکھ، سکنڈری اسکولوں میں ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۸ لاکھ سے بڑھ کر ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۳۲ لاکھ اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱ر۴۵ لاکھ سے بڑھ کر ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۳ر۱۲ لاکھ ہوگئی۔ طلبا کی تعداد میں یکایک اضا[فہ] ہوا اور اب ان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے اور اب وہ سب اع[لی] تعلیم کے زینے پر کھڑے ہیں اس لئے اس صورتحال کا مقابلہ کر[نے] کے لئے اور بھی زیادہ سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکول اور ڈگری اور پیشہ ورانہ کالج کھولنے کی ضرورت ہے نیز مختلف موضوعات آرٹس کورس بھی رائج کئے گئے ہیں اور بہت سارے نئے موضوعات کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے آزادی کے بعد تیس برسوں میں جتنی رقوم خرچ کی گئی تھیں، موجودہ بائیں محاذ حکو[مت] نے گزشتہ سات برسوں میں اس سے کہیں زیادہ رقوم خرچ کیں لیکن اس کے باوجود آج بھی بہت سارے اسکول ایسے ہیں ج[و] کھلی جگہوں میں کلاسیں لی جاتی ہیں اور جہاں ایک ہی کمرہ میں ۱۰ سے زیادہ طلبا کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسی صورتحال کب تک قائم رہے گی؟ بہت سارے اسکولوں کیلئے کھیلنے کے میدان، لائبر[یری] تجربہ گاہ، کھیل کود کا کمرہ وغیرہ تو سامان عیش بن چکے ہیں۔

اس بات کے پیش نظر کہ پرائمری اسکولوں میں د[اخل] بچے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہیں اور بہت سارے بچوں کو جو اب تک ابتدائی تعلیم سے محروم ہیں، پرائمری اسکولوں میں لا[نے] کے بہت سارے ہمت افزا پروگراموں کو جیسے دن کا کھانا، اسکول کا لباس، بچوں کی صحت کی دیکھ بھال وغیرہ اور بھی مربو[ط] طریقے سے جاری رکھنا چاہئے۔ کیا ان مطالبات کو مالی اور دیگر طریقوں سے پورا کرنا ریاستی حکومت کی خام خیالی نہیں ہے؟

پرائمری اور سکنڈری اسکولوں کے شعبۂ یا تنظیمات کے انسپکٹروں کے ذریعہ تعلیمی نگرانی کا کام، میں یہاں یہ اعتر[اف] کرتا ہوں، تاریخ کا موضوع بن چکا ہے۔ ایک سب انسپکٹر [کے] تحت پرائمری اسکولوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور ا[نہیں] اپنے دفتر کے روزمرہ کے کام کاج کرنے کے بعد پرائمری اسکولوں کا معائنہ کرنے کیلئے بہت ہی کم وقت ملتا ہے۔ اس طرح تمام بچوں کو پرائمری درجہ تک تعلیم دینے کے لئے حکومت کی تمنا مکمل جز[وی] طور پر پوری ہوئی ہیں۔ ثانوی اسکولوں کی دیکھ بھال اور نگرانی

اور معائنہ کرنے کے سلسلے میں بھی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اسکے علاوہ بہت سارے اسکولوں کے انتظامیہ کی دیکھ بھال کا کام بھی کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر عدالتوں سے حکم امتناعی جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سرکل سطح سے ضلع سطح تک انسپکٹروں کی تنخواہوں کی شرحوں کی طرف بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ان تمام کام کاج کے لئے فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن فنڈ کیسے فراہم کئے جائیں ؟

دیگر ریاستوں کی تعلیمی ترقی سے حاصل کردہ تجربات کی روشنی میں اور تعلیم سے متعلقہ تمام صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس ریاست میں انگریزی کو کلاس VI سے کلاس XII تک لازمی موضوع بنانے، کلاس IV تک پرائمری تعلیم کو ایک یونٹ تسلیم کرکے روایتی سالانہ امتحان کے نظام کو ختم کرنے اور ۴ سال کی مسلسل تعلیم کے بعد بچوں کو کلاس V میں داخلہ کیلئے تیار کرنے کے سلسلے میں چند اقدامات کئے گئے ہیں۔ حسب خواہ نتائج کے لئے اور بھی بہت ساری سہولتیں فراہم کرنی چاہئیں اور ہزاروں ٹیچروں کی تربیت کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔ ان باتوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں لیکن انکی مالی تائید حسب خواہ نہیں کی جا سکی۔

مدھیامک (ثانوی) امتحان اور ہائر سکنڈری امتحان میں ہر سال علی الترتیب ۳ لاکھ اور ۲ لاکھ سے زیادہ طلبا شریک ہوتے ہیں۔ گزشتہ سات برسوں میں ان دونوں امتحانات میں بیٹھنے والے طلبا کی تعداد دوگنی ہوگئی۔ ان دونوں امتحانات کا علی الترتیب مغربی بنگال ثانوی تعلیم بورڈ اور مغربی بنگال اعلیٰ تر ثانوی تعلیم کا کونسل انتظام کرتے ہیں۔ امتحان دینے والے طلبا کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے لیکن اس کے ساتھ اتنی تیزی سے ان دونوں تنظیموں کے انتظامی ڈھانچہ میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس لئے اب اس بات پر غور کیا جا رہا ہے کہ کیا انہیں دو حصوں میں منقسم کر دیا جائے اور انہیں مخصوص علاقہ کی ذمہ داری سونپ دی جائے تاکہ اس صورتحال کا مقابلہ کیا جا سکے۔

ابتدائی تعلیم کا انتظامیہ بھی بہت سارے مسائل سے دوچار ہے۔ ہر ضلع میں حکومت کے نامزد ضلع اسکول بورڈ کو مضافاتی علاقوں میں ابتدائی تعلیم کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ ابتدائی تعلیم ایکٹ کے تحت اس ریاست میں ابتدائی تعلیم کی دیکھ بھال، کنٹرول اور نال میل کے لئے ایک ریاستی بورڈ قائم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ پرائمری اسکولوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان اسکولوں میں زیر تعلیم طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ان ضلع بورڈوں کو اور بھی مستحکم بنایا جائے اور ریاستی بورڈ قائم کیا جائے۔ مرکز کے ناموافق رویہ کی وجہ سے مغربی بنگال اسمبلی میں منظور کردہ ایک بل ایک سال سے زیادہ عرصہ سے صدر کی منظوری حاصل کرنے کے لئے پڑا ہوا ہے۔ اسکی وجہ سے ابھی تک ریاستی بورڈ کی تشکیل اور ضلع بورڈوں کے انتخاب کا کام مکمل نہ ہو سکا۔ ریاستی بورڈ کی تشکیل کے بغیر اتنے سارے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں انتظام اور دیکھ بھال کرنے کا کام امر محال بن جائے گا۔

تعلیم کو سماجی ترقی کا آلہ کہا جاتا ہے۔ اگر اس نظریہ کو ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں ثقافت، روایت اور سماجی حالت میں تنوع ہے، اور جہاں دنیا کے غیر تعلیمیافتہ لوگوں کے ۵۰ فیصد لوگ آباد ہیں، عملی جامہ پہنایا جائے، تو مرکزی حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ دستور میں ریاستی فہرست میں تعلیم کو پھر سے درج کر دے اور تعلیم کے سلسلہ میں وہ اپنے روایتی رویے میں تبدیلی لائے ـــــ اس کے بغیر ساتھ ہی اس بات کے پیش نظر مرکزی حکومت اور منصوبہ بندی کمیشن نے جو حقیر رقم تعلیم کے لئے مختص کی ہے، اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم تعلیم سے وابستہ بڑھتے ہوئے مسائل کا مقابلہ کر سکیں گے ٭٭٭

> مقام فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
> جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے
> ـــــ فیضؔ

عوام کی فلاح و بہبود کیلئے
ریاستی حکومت کے شعبۂ عدلیہ کی طرف سے
کئے گئے اقدامات

قانونی امداد : ریاستی حکومت نے ضلع سطح سے بلاک سطح تک عوام کے غریب طبقوں کو قانونی خدمات مفت فراہم کرنے کیلئے ایک نئی اسکیم یعنی مغربی بنگال ریاستی قانونی امداد و مشورہ اسکیم سنہ ۱۹۸۰ء اپنائی ہے۔ اس اسکیم کے رائج کرنے سے قبل "غریب لوگوں کو قانونی امداد، قوانین سنہ ۱۹۴۷ء" کے تحت غریبوں کو قانونی امداد فراہم کی جاتی تھی۔ مغربی بنگال ریاستی قانونی امداد و مشورہ اسکیم سنہ ۱۹۸۰ء کو پہلی بار کلکتہ، مغربی دیناجپور، جلپائی گوڑی، مالدہ اور بیربھوم میں رائج کیا گیا لیکن کلکتہ ہائی کورٹ کی چند احکام امتناعی کی وجہ سے اس اسکیم کو دیگر ضلعوں میں لاگو کرنے کی راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں۔ اس اسکیم میں چند مناسب ترمیمات لاکر ان دشواریوں کو دور کر دیا گیا ہے اور اب اس اسکیم کو اس ریاست کے سارے اضلاع میں نافذ کر دیا گیا ہے۔

ابتدائی اسکیم میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اس ریاست کے حقیقی باشندوں کو، جن کی سالانہ آمدنی دو ہزار چار سو روپئے سے زیادہ نہیں ہے قانونی امداد فراہم کی جائے، لیکن عملی تجربہ سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ مہنگائی کے موجودہ دنوں میں مذکورہ اسکیم کو مؤثر طور پر روبہ عمل لانے کے لئے آمدنی کی مذکورہ حد نا کافی ہے۔ اس اسکیم کے تحت زیادہ سے زیادہ غریب لوگوں کو لانے کے لئے سالانہ آمدنی کی انتہائی حد بڑھا کر کارپوریشن یا میونسپل علاقوں میں رہنے والوں کے لئے سالانہ ۰۰۰ روپئے فی کس اور دیہی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لئے سالانہ ۵۰۰۰ روپئے فی کس کر دیا گیا ہے۔

مضافات میں لوگوں کے درمیان اس اسکیم کو مقبول عام بنانے کیلئے اضلاع میں ریاستی قانونی امداد و مشورہ بورڈ یا متعلقہ ضلع قانونی امداد کمیٹی کی ایما پر قانونی امداد کیمپ قائم کرنے کیلئے اس اسکیم میں ایک کلاز شامل کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس طرح کے قانونی امداد کیمپس مختلف ضلعوں میں منعقد کئے جا رہے ہیں اور ایسے کیمپوں کو کافی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

اس اسکیم کے تحت فراہم کردہ سہولتوں اور امداد سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے ریاستی قانونی امداد و مشورہ بورڈ کی طرف سے بھرپور کوششیں کی جا رہی ہیں۔

تعمیرات : سنہ ۱۹۴۷ء کے قبل شعبۂ عدلیہ کے لئے منصوبہ بند بجٹ کے ذریعہ مالی رقوم فراہم کرنے کی کوئی اسکیم نہ تھی۔ عدالتوں کی عمارتوں، رہائشی مکانات اور رجسٹریشن دفتروں کی عمارتوں وغیرہ کی تعمیر سے متعلقہ کام کاج کو شعبۂ مالیات کی رضامندی کے ساتھ شعبۂ تعمیرات عامہ پایۂ تکمیل تک پہونچاتا تھا۔ سنہ ۱۹۶۹-۷۰ء میں عدلیہ کے انتظامیہ سے الگ ہونے سے قبل تک فوجداری عدالتی کے سلسلہ میں مذکورہ تعمیراتی کام سے وابستہ اخراجات ہوم (جے۔ اے) ڈیپارٹمنٹ کی بجٹ سے پورے کئے جاتے تھے۔

اضلاع میں مختلف ججوں کے تحت دیوانی اور فوجداری عدالتوں کو شدید رہائشی مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا اور یہ صورت حال اور بھی شدید بن گئی جب عدلیہ کو اکزیکیوٹیو سے الگ کر دیا گیا اور اسکی وجہ سے عدالتی حکام، وکلاء اور مقدمہ لڑنے والوں کو عدالتی کام کاج میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جگہ کی کمی کی وجہ سے جب ضروری تعداد میں عدالتیں (دیوانی اور فوجداری) قائم کی نہ جا سکیں اور اس طرح عدالتوں کے زیر غور کیسوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

عدلیہ کے افسروں کو جب انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے، تو نئی جگہ میں انہیں رہائش کے لئے مکان یا کمرہ کی

ہاشں میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں کرایہ کے
ے کے لئے اکثر مقامی لوگوں اور وکیلوں کی مدد لینی پڑتی ہے۔ یہ اچھی
ت نہیں ہے کہ ایسے کام کو جاری رکھنے کی اجازت دی جائے، ہو سکتا
ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے آزادانہ عدالتی کام کاج کی ادائیگی میں
شواریاں پیدا ہو جائیں۔

ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے عدالتوں کی عمارتوں
، رہائشی کوارٹرس کی تعمیر، عمارتوں اور قطعاتِ آراضی کی حصولیابی
ور موجودہ عمارتوں کی مرمت اور ان میں تبدیلی وغیرہ کے سلسلے میں
سکیموں کو روبہ عمل لایا گیا اور اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ
نجسالہ منصوبہ کے عرصہ میں ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۹ء کے دوران منصوبہ
بندی کے ذریعہ اخراجات کے سلسلہ میں گنجائش رکھی جائے۔

چھٹے منصوبہ کے عرصہ میں عمارتوں کی تعمیر کے سلسلہ
بہت ساری اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا اور ان میں چند اسکیمیں
اب مکمل ہو چکی ہیں۔ لیکن اب بھی مختلف عدالتوں اور سب رجسٹری
فتروں میں جگہوں کی کمی شدید مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ گرچہ مذکورہ بالا
سکیموں کی تکمیل سے عدالتوں اور دفاتر کے لئے مکانات فراہم ہوں
ے۔ تاہم عدالتوں اور دفاتر کے لئے مزید عمارتوں کی تعمیر کے لئے اور بھی
سکیموں کو روبہ عمل لانا چاہئے۔

عدلیہ کے حکام کی رہائش کے لئے جتنے مکانات تعمیر
کئے گئے ہیں وہ ضرورت سے کافی کم ہیں۔ ہائی کورٹ ججس (کام
کرنے کی حالت) ایکٹ، ۱۹۵۴ء کی دفعات کے تحت ریاستی حکومت
پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہائی کورٹ کے ججوں کیلئے سرکاری طور پر
ہائش سہولتیں فراہم کرے۔ اس مقصد کے لئے سالٹ لیک،
کلکتہ میں تقریباً ۹ لاکھ روپئے خرچ کر کے مکانات کے لئے قطعاتِ
آراضی حاصل کئے گئے ہیں۔ یہاں رہائشی کوارٹرس تعمیر کئے جائیں
ے۔ اس تعمیر کے کام پر کافی اخراجات ہوں گے۔

ہر سال قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں اور اس کی وجہ سے
میزانی اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس دشواری کو دور
کرنے کے لئے اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جاری اسکیموں کو
میزانی اخراجات کے لئے رقوم فراہم کر کے موثر طور پر پایۂ تکمیل تک

پہونچایا جائے اور کم خرچ اسکیموں کو جلد از جلد مکمل کیا جائے۔
اسی طرح اب تک ۱۱۵ کم خرچ اسکیموں کو مکمل کر لیا گیا ہے۔ نیز
عدالتوں اور دفتروں کے لئے مکانات کی تعمیر کے لئے ۱۲۱ اسکیموں اور
رہائشی کوارٹرس کی تعمیر کے لئے ۱۵ اسکیمیں قریب الاختتام ہیں۔ ریاست
کے منصوبہ بند اخراجات میں مجموعی طور پر کمی کی وجہ سے اس شعبہ کا،
ہائی کورٹ کے ججوں کے لئے کوارٹرس، بارکپور، درگاپور، اسلی گوڑی اور
ہلدیہ میں عدالتوں کے لئے عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع نہیں کیا جا
سکا۔ زیر غور کیسوں کے تصفیہ کے لئے اور بھی عدالتوں کی اور ان
عدالتوں کیلئے اور بھی مکانات تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔

مغربی بنگال کے وقف بورڈ کیلئے عطیات : کچھ عرصہ قبل وقف
کمشنر، مغربی بنگال نے ریاستی حکومت کو اس بات سے مطلع کیا
تھا کہ یہ بورڈ بہت ہی شدید مالی دشواریوں سے دوچار ہے۔ انہوں
نے حکومت سے درخواست کی کہ حکومت اس بورڈ کو ایک لاکھ
روپئے بطور قرض دے تاکہ یہ بورڈ اپنی مالی دشواریوں پر قابو پا سکے۔
وقف کمشنر کی رپورٹ پر غور کرنے کے بعد ریاستی حکومت نے اسے ایک
لاکھ روپئے بطور قرض دینے کی منظوری دے دی۔ یہ منظوری ۱۹۷۹ء
کو دی گئی اور قرض پچاس ماہانہ قسطوں میں ادا کرنا ہوگا۔

مغربی بنگال کے وقف کمشنر کے دفتر کے انتظامی اخراجات
پورے کرنے کے بعد وقف فنڈ میں فاضل رقم کا بچت نہیں ہوتی جس
سے وقف جائیداد کو بہتر حالت میں رکھنے کے لئے اخراجات کئے
جائیں۔ اس لئے ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یکم اپریل ۱۹۸۱ء
سے وقف بورڈ کے اسٹاف اور افسروں کی تنخواہوں اور انتظامیہ کے
دیگر اخراجات کے لئے جتنی رقوم کی ضرورت ہوگی ریاستی حکومت
اسے پورا کرے گی۔

اس کے نتیجہ میں مغربی بنگال کے وقف بورڈ کے لئے
یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اقلیتی فرقہ کی سماجی رفاہ کے کام میں اور وقف
جائیداد کی بہتری کے لئے دستیاب وقف فنڈ کو بروئے کار لائے۔ ایک
تجویز یہ بھی پیش کی گئی کہ مسلمان لڑکیوں کے لئے وقف بورڈ، حکومت
مغربی بنگال کے تعاون کے ساتھ ایک ہاسٹل تعمیر کرے۔ عمارت کے لئے

نکو منظوری دی جا چکی ہے اور تعمیراتی کام شروع بھی کر دیا گیا ہے۔ س سلسلہ میں ویلکٹ اسٹریٹ، پارک سرکس کلکتہ میں واقع تعلق شاہ وقف اسٹیٹ میں اس ہوسٹل کے سنگ بنیاد کی، وزیر اعلیٰ شری یوتی باسو نے ۳ فروری ۸۵ء کو نقاب کشائی کی اور اب وہاں مارت کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

رجسٹریشن : رجسٹری کرانے والے لوگوں کے مطالبات و پورا کرنے کیلئے کئی ایک سب رجسٹری آفس قائم کئے گئے ہیں اور س طرح کے اور بھی چند دفاتر بہت ہی جلد قائم کئے جائیں گے۔

سب رجسٹراروں کی نئی بھرتی کے قوانین میں بھی تبدیلی لائی گئی ہے۔ اب کم از کم تین سال کا تجربہ رکھنے والے وکیلوں کو، جو پریکٹس رتے ہیں، سب رجسٹرارز کے عہدہ پر فائز کیا جا سکتا ہے۔

رجسٹرڈ دستاویزات کی کاپی کرنے کے کام میں آسانی کے لئے اب کلکتہ، ہوڑہ اور ان کے آس پاس کے علاقوں میں واقع رجسٹری دفاتر میں زیروکس مشینوں سے کاپیاں کی جاتی ہیں۔

رجسٹر کرانے والے لوگوں کو ان کے رجسٹرڈ کردہ دستاویزات کی جلد از جلد سپلائی کے لئے اس ریاست کے چند اضلاع میں ایک نیا نظام بنام "فائیلنگ سسٹم" رائج کیا گیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس اسکیم کو بتدریج ساری ریاست میں رائج کر دیا جائیگا۔

اسٹامپ ڈیوٹیز کی ادائیگی سے لیت و لعل کرنے کی روک تھام کیلئے انڈین رجسٹریشن ایکٹ میں حسب ضروری ترمیم لانے کیلئے اقدامات کئے گئے ہیں۔

رجسٹریشن آفس میں فاضل محرروں کو باضابطہ طور پر برسر روزگار بنانے کیلئے اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔ ۱۹۷۸ء سے ان دفتروں میں حسب ضروری تعداد میں تیار کردہ نئی آسامیوں میں ان محرروں کو مقرر کر دیا گیا۔ انہیں لوئر ڈویژن کلرک کے مساوی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔

متفرقات : ماتحت عدالتوں میں کیسوں کا نیا انبار جمع ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتحال کو دور کرنے کے لئے ساتویں مالیاتی کمیشن کی سفارش پر حکومت ہند کی دی گئی مالی امداد کے ذریعہ اب تک ۲۹ نئی عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔

لازمی اشیاء (خصوصی گنجائش) ایکٹ ۱۹۸۱ء کے تحت بہت سارے کیسوں کے سلسلے میں جلد از جلد عدالتی کارروائی کرنے کیلئے ۲۴ مزید عدالتیں قائم کرنے اور اتنی ہی تعداد میں ججوں کی تقرری کی منظوری دی گئی ہے۔

ہائی کورٹ کے اوریجنل سائڈ میں کیسوں کی تعداد میں کمی کرنے کے پیش نظر سیٹی سول کورٹ، کلکتہ کے مالیاتی حلقہ عمل کو ۵۰ ہزار روپئے سے بڑھا کر ایک لاکھ روپئے کر دیا گیا ہے۔ اس کورٹ کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ گارجینس اینڈ وارڈس ایکٹ ۱۹۸۰، انڈین لوناسی ایکٹ ۱۹۱۲ء اور انڈین ڈائیورس ایکٹ ۱۸۶۹ء وغیرہ کیسوں پر عدالتی غور و خوض کر سکتی ہے۔

کام کاج میں بہتری لانے کے لئے جلپائی گوڑی، دارجلنگ اور مغربی دیناجپور ــــ مالدہ کی مشترکہ عدالتوں کو الگ کر دیا گیا ہے یعنی اب ہر ایک جگہ چار عدالتیں قائم کی گئیں ہیں۔ اس اقدام سے ان اضلاع کے لوگوں کو عدالتی چارہ جوئی کرنے کے کام میں کافی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں ٹائپسٹ / کاپی کی نقل کرنے والے اور کلکتہ کے ہائی کورٹ میں مسودہ سیکشن کے رائٹرس اور فاضل ٹائپسٹوں کو ٹھیکہ پر مقرر کیا گیا تھا اور کام کے حساب سے انہیں اجرت دی جاتی تھی۔ لیکن اب ان ملازمین کو انکی مرضی کے مطابق باضابطہ طور پر ملازمت پر مامور کر دیا گیا۔

خشک علاقوں میں کاشتکاری کی اسکیموں کے لئے عطیہ

اس مالی سال کے دوران ریاستی حکومت نے خشک سالی سے متاثرہ علاقہ پروگرام کے تحت پرولیا ضلع میں خشک علاقوں میں کاشتکاری کی اسکیموں کو بروئے کار لانے کے سلسلہ میں ۱۲۷۰۰۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ یہ رقم پرولیا کے خشک سالی سے متاثرہ علاقہ پروگرام کے پروجیکٹ افسر کے ذمہ سونپی گئی ہے۔ اس اسکیم پر عمل درآمد کے سلسلے میں اہم اسبابات کی اجازت دی گئی ہے کہ پرولیا کے پرنسپل اگریکلچرل افسر کو یہ فنڈ سونپیں۔

جزیرہ ایسٹر کے آثارِ قدیمہ

از ——— ماریو آکالٹشیر

یونیسکو نے چلی کے دو ماہرین کو جن میں سے ایک تاریخ انسانی کا عالم اور دوسرا یادگاروں کی بحالی کا ماہر ہے، اپنے اپنے ہنر کی اعلیٰ تربیت کے لئے نیوزی لینڈ اور بلجیم بھیجا ہے۔ یہ لوگ چلی واپس آکر ماہرین کی ایک جماعت کے ساتھ کام کریں گے جو دنیا کی انتہائی حیران کن تہذیبوں میں سے ایک تہذیب یعنی بحرالکاہل کے جزیرہ ایسٹر کی تہذیب کا مطالعہ کر رہی ہے۔

روایت یہ ہے کہ ایسٹر کا پہلا بادشاہ جب طویل اور مشکل سفر کے بعد جس جگہ اترا اس نے اس کا نام "ٹی پی ٹو اوٹے ہینوا" یعنی دنیا کی ناف رکھا۔ اس طرح آج سے کوئی پندرہ سو برس پہلے ایک پُراسرار تہذیب کا آغاز ہوا جس کے صرف کچھ حصے کے بارے میں ہمیں واقفیت ہے۔

جزیرہ کی دریافت آبادکاروں نے غالباً اتفاقیہ کر لی تھی جو پولینیشیا کے کسی حصے سے آئے تھے اور انہوں نے اسے ہوٹو ماٹوا کا نام دیا۔ تقریباً ۱۲ ہزار افراد اس جزیرے میں رہتے تھے۔ وہ یہاں سادہ اوزاروں سے پتھر پر کئی شکلوں میں کام کرتے رہے۔

جزیرہ ایسٹر کے ان قدیم باشندوں کی زندگی پولینیشیا کے دیگر باشندوں خصوصاً ان کے آباء و اجداد کی عبادت کے طریقوں سے ملتی جلتی تھی۔

جزیرہ ایسٹر چلی کے ساحل سے تقریباً ۳۲۰۰ کلومیٹر دور ہے اور دنیا کے انتہائی الگ تھلگ علاقوں میں سے ایک ہے۔ اس کی شکل تکونی ہے۔ تقریباً ۲۴ کلومیٹر طویل اور ۱۲ کلومیٹر عریض۔ اس کی ہر چوٹی میں بجھے ہوئے آتش فشاں پہاڑ ہیں جو اب سرگرم نہیں ہیں۔ جزیرے میں لاتعداد غار بھی موجود ہیں جو زمین کے اندر بھول بھلیاں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ جزیرہ چلی کے پاس تھا۔ یہاں کی سرکار وہاں دوہرے مقصد کے لئے آثارِ قدیمہ کے ایک پروگرام پر عمل کر رہی ہے۔ پہلا مقصد گزشتہ پندرہ سو برس کے واقعات پر روشنی ڈالنا اور دنیا کی تاریخ انسانی سے متعلق سب سے بڑی پہیلیوں میں سے ایک کو حل کرنا ہے کہ انتہائی علیحدگی کی حالت میں اس جزیرے کی ثقافت کیسے ترقی کر سکتی تھی اور دوسرا مقصد یہاں کے کھنڈرات کو بحال کرنا، محفوظ کرنا اور ان کی نمائش کرنا ہے جن کے معدوم ہو جانے کا خطرہ ہے۔ کیوں کہ انکی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔

آثارِ قدیمہ کی تحقیق اور بحالی کا زیادہ تر کام بڑے کھلے آہو یعنی مندروں میں ہو رہا ہے۔ ان مندروں سے وہاں کی غارت گری، تعمیرِ نو اور تبدیلیوں کی طویل تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

یہ مندر آباء و اجداد کی عبادت اور ان کی تجہیز و تدفین کی رسومات کے کاموں میں استعمال ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر عبادت گاہیں سمندر کے کنارے واقع ہیں اور ان کی پشت سمندر کی جانب ہے۔ یورپ کے جو پہلے جہاز یہاں پہنچے انہوں نے ایسے علاقے بھی دیکھے جہاں جانا منع تھا۔

کچھ مندروں میں پتھر کا نہایت باریک کام کیا گیا ہے۔ اور کئی مندروں میں علم فلکیات کی اشکال ہیں جنہیں سورج کی ایسے مقامات پر موجودگی سے جوڑا گیا ہے جب رات اور دن برابر ہوتے ہیں یا سورج خطِ استوا کے شمال اور جنوب میں سب سے زیادہ دوری پر ہوتا ہے۔

جزیرے میں عمارتوں، رہائش گاہوں اور مقبروں کے تقریباً تین سو کھنڈرات ہیں۔ ان سے آبادی کی، قبائل کے لحاظ سے تقسیم کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ان مندروں سے قد سے اونچائی بڑھ جائی" یعنی ایسے مجسمے موجود ہیں جو آتش فشاں پتھروں میں سے تراشے گئے ہیں۔ یہ مجسمے نامور اور قابل تعظیم بزرگوں کے ہیں۔ یہ مجسمے اس خیال سے کھڑے کیے گئے تھے کہ ان سے جادو کی طاقت حاصل ہوگی جو جزیرے کے باشندوں کو محفوظ رکھنے اور انکی مدد کے لئے کام آئے گی۔ اس قسم کے آٹھ سو سے زیادہ مجسمے ہیں۔ ان میں سے کچھ ۱۰ میٹر سے بھی زیادہ لمبے اور ۸۲ ٹن وزنی ہیں۔ ان کے سروں پر سرخ پتھر کی عظیم متوازن پگڑیاں یا سرپوشی ہیں۔ ان میں سے کئی مجسمے اب بھی یہاں کے آتش فشاں پہاڑ کے دہانے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ جہاں پر انہیں تراشا گیا تھا۔ حالانکہ صدیوں سے اس دہانے سے پتھر نکالا جا رہا ہے۔ اس امر کی شہادت بھی موجود ہے کہ مجسمہ سازی کا کام اچانک ترک کر دیا گیا کیوں کہ پتھر تراشنے کے ہزاروں اوزار ایکدم وہاں چھوڑ دیے گئے۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ایسٹر کی ترقی عروج پر تھی اور اس واقعے کا سبب داخلی تنازعے اور جھگڑے تھے جن کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ اس کے بعد اس تہذیب کا زوال شروع ہو گیا۔ عدم استحکام اور قبائل کی متواتر باہمی جنگ و جدل کا دور شروع ہوا۔ غالباً یہ دور سترہویں صدی کے وسط کا ہے اور لڑائی جھگڑے کا سبب جزیرے میں آبادی کا حد سے بڑھ جانا تھا۔ یہاں تک کہ ان قبائلیوں نے ایک دوسرے کو ختم کرنا شروع کر دیا اور آدم خوری ایک عام چیز ہو گئی۔

خوف و ہراس اور قتل و غارت کے اس دور کا ذکر بھی جزیرے کی زبانی داستانوں میں ہوتا ہے۔ ان جنگوں میں "موائی" یعنی عظیم مجسموں کو زمیں بوس کر کے انہیں سمندر، بارش اور ہواؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا اور اب بھی وہ ان کی مار کو برداشت کر رہے ہیں۔ چوں کہ آتش فشاں پہاڑوں کا پتھر بہت مسام دار ہوتا ہے اور پانی اس میں آسانی سے گھس جاتا ہے لہذا موائی مجسموں کا تحفظ جزیرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

مجسموں کو محفوظ کرنے کے مشکل اور مہنگے کام کے لئے بین الاقوامی تعاون کی ضرورت ہے۔ ۱۹۶۶ء سے یونیسکو نے اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کی رقوم کی مدد سے جزیرے میں پتھر کے کام کے تحفظ کے لئے ماہرین کے ذریعہ تکنیکی امداد دی ہے۔ جزیرے میں پتھر کی مورتیوں کی بھاری تعداد کی، جنہیں پانی اور ہوا کے کٹاؤ کے مقابلہ میں کم نقصان پہنچتا ہے، نہایت احتیاط سے فہرست بندی اور تصویر کشی کی جا رہی ہے۔

جزیرے میں پتھروں پر جو تھوڑی بہت مصوری کی گئی ہے اسے بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ پتھر پر رنگوں کی پکڑ کمزور ہو رہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ جن پتھروں پر مصوری کی گئی ہے وہ بجائے خود منہدم ہو رہے ہیں۔

ان تصویروں کا تعلق بالعموم پرندہ نما انسان کی پرستش کرنے والے فرقے سے ہے۔ ان سے ظاہر ہے کہ جزیرے کے جنگی سردار ایک سمندری پرندے "مانوتارا" کا جو نقل مکانی کر کے ہر بہار کے موسم میں نزدیکی چھوٹے جزیروں پر آیا کرتا تھا پہلا انڈا حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہتے تھے۔ انڈے کی ملکیت سے پرندہ نما انسان اور اس کے گروہ کو سال کے دوران اختیارات کا استعمال کرنے کا وقار حاصل ہوتا تھا۔ اس فرقے کا تعلق سب سے بڑے دیوتا میک میک سے ہے۔ یہ فرقہ پناہ گاہوں کی تباہی کے وقت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ جبکہ بادشاہ خدا کی طاقت قبائلی سرداروں کے ہاتھ آ گئی۔

ایسٹر کا جزیرہ آج ایک کھلا عجائب گھر ہے، جہاں

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

غالب ہمہ جہت

ڈاکٹر زرینہ عقیل

یہ تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اردو ادب میں غالب ہی وہ منفرد ہستی ہے جس کے کلام کی تازگی و بوقلمونی اپنے قارئین کو ہر مطالعہ کے بعد دوبارہ مطالعہ کی دعوت دیتی ہے کیوں کہ ہر مطالعہ کچھ نئے پہلو روشن کرتا اور مزید غور و فکر کے گوشوں کی جانب مائل کرتا ہے۔ نئے معنی اور فنی خوبیاں اجاگر ہونے سے ایک تازہ مسرت و انبساط کی کیفیت ہوتی ہے جو غالب کے کمالِ فن کی غماز ہے۔ اسی کمال میں کلام کی پہلو داری اور جلوۂ صد رنگ کی آئینہ داری ایک نمایاں خوبی ہے جو دنیائے ادب میں غالب کی حیاتِ جاودانی کی ضامن ہے۔ غالب کے انتقال سے اس وقت تک اس پر صدہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی کیوں کہ اردو ادب میں "غالبیات" ایک مستقل تحقیقی شعبہ بن چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فکر کے اعتبار اور معیار سے غالب اردو زبان کا ایک بے مثل دانشور (GENIUS) ہے اور اس کے شعور سے فکرِ انسانی کے وہ گوشے نمودار ہوئے ہیں جو وقت کی زد سے بھی محفوظ ہیں۔ بقول اقبال ؎

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

غالب کی فکر اور اس کا شاعرانہ اندازِ بیان آفاقی ہے۔ بعض صورتوں میں غالب کا کلام فکرِ انسانی کی انتہا کو چھو لیتا ہے' وہ اکثر ہمارا ذہن اور ہماری زبان بن جاتا ہے۔ ہم اس کا ایک موزوں شعر پڑھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں جیسے کہ وہ شعر اسی موقع کے لئے تخلیق ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ہمارے مخصوص واردات اور جذبات کو ہم سے پہلے محسوس کر لیا تھا اور ان کو سمیٹ کر نہایت خوش اسلوبی سے اپنی شاعری میں بیان کیا۔ یہ اس کی فطرت نگاری ہے جس کی مثال دشوار ہے۔ اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ انسان تفریح کی وقت کی تنگی کا شکار ہوا تو غالب کی شاعری اس کے آڑے آئے گی۔ اس کے ایک موزوں شعر سے وہ حظ حاصل ہوگا جو فی الوقت چند گھنٹوں کی سماعی اور بصری شغل سے نصیب ہوتا ہے۔ دراصل غالب کی شاعری عہدِ اسلامی کی نو سو سالہ ذہنی کاوش کا وہ نقطۂ عروج ہے جس سے قدامت کی شان اور جدیدیت کی آن نمایاں ہوتی ہے۔ کلامِ غالب سے مفہوم کے نئے نئے پہلو نکلتے ہیں جو انسانی فطرت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

غالب کے خطوط بھی "نثرِ اوّل" کا درجہ رکھتے ہیں۔ یوں کہنے کو تو وہ خط ہیں مگر ان میں نثرِ جدید کی ہر صنف کا نمونہ ملتا ہے۔ اگر فورٹ ولیم کالج کی کاوشوں سے اردو نثر کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے تو خطوطِ غالب اردو نثر کا وہ مستند نمونہ ہیں جس سے زمانہ مابعد اردو تحریر کا منہاج متعین ہوتا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی کاوشیں دنیائے اردو میں تحریک نہ بن سکیں لیکن خطوطِ غالب نے اردو طرزِ تحریر کی تحریک کو جنم دیا اور اس کا فیض ہنوز جاری ہے۔ مرزا غالب اپنے خطوط میں آزاد رو جدت پسند اور حد درجہ بے تکلف ہیں۔ آج تک اس ضمن میں ان پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ نثرِ غالب کا اعجاز نہیں تو کیا ہے؟ اردو ادب کی تاریخ میں ہمیں غالب کے علاوہ کوئی ایسی جامع شخصیت نہیں ملتی جو نظم و نثر دونوں میں اجتہادی شان رکھتی ہو۔ اجتہاد مرزا کی طبیعت کا اقتضا تھا جو رفتہ رفتہ تخلیقات کی جان اور شہرت کی امان بنتا گیا۔ مرزا غالب نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا وہ بڑا نازک زمانہ تھا۔ کسی کی خاندانی شوکت یا شرافت کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ بادشاہت نام کی رہ گئی تھی اور

اہلِ کمال ناقدری کے ہاتھوں زبوں حال ہو رہے تھے۔ معیارِ اخلاق گر رہا تھا اور شہر کے عزت دار گلیوں گلیوں خوار و زبوں پھر رہے تھے ایسے حالات میں اگر کوئی شخص اس احساس کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا تھا کہ اس کی ہستی مغتنمِ روزگار ہے اور اس کو عام لوگوں میں اس لئے امتیاز حاصل ہے کہ اس کے باپ دادا جاہ و ثروت کے مالک رہے ہیں۔ تو وہ صرف غالب جیسے دل و دماغ کے آدمی کا کام تھا۔ غالب سپاہی نہیں شاعر تھے لیکن انہیں ناز تھا کہ ان کے آباء کا پیشہ سپہ گری تھا۔ امارت اور شان و شوکت کی زندگی تو اوائلِ عمر ہی میں رخصت ہو گئی تھی لیکن اب بھی وہ خود کو امیر زادے ہی سمجھتے تھے۔ مجبور و بے اقتدار بادشاہ نے نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام یار جنگ وغیرہ کے جو خطابات دئے تھے وہ ان کے احساسِ برتری کو قائم رکھنے کیلئے کافی تھے۔ اس ملک میں فارسی کا رواج کم ہو رہا تھا لیکن وہ لیلائے فارسی کی زلفِ گرہ گیر ہی میں الجھے رہے:-

"نظم و نثرِ فارسی کا عاشق و مائل ہوں، ہندستان میں رہتا ہوں مگر تیغِ اصفہانی کا گھائل ہوں، جہاں تک زور چل سکا فارسی میں بہت کچھ لکھا"

وہ اپنے ایک خط میں یوں مزید لکھتے ہیں:

"علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں مبدا فیاض کا مجھ پر احسانِ عظیم ہے، ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں"!

حسب و نسب پر فخریہ اشعار بھی مرزا غالب کے دیوان میں ملتے ہیں۔ خطوط میں بھی موقع نکال کر اپنے آبائی [illegible] عزت و وقار خاندان کا فرد ہونے کا ذکر کرتے ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ غالب اپنے گرد و پیش کے حالات اور زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات سے یکسر بے خبر رہے ہوں۔ وہ ہر بات کو محسوس کرتے تھے۔ انکی چشمِ حقیقت آشنا حال میں مستقبل کے جلووں کو دیکھتی رہتی تھی۔ ساتھ ہی ماضی سے وہ اپنا رشتہ توڑنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ذہنی نشو و نما ایک خاص انداز کی ہوئی۔

غالب کی وسعتِ بیان کے لئے اگرچہ تنگنائے غزل کافی نہیں تھی تاہم غزل ہی میں انہوں نے وہ جولانیاں دکھائی ہیں کہ ان کا مجموعۂ غزلیات ایک سدا بہار گلدستہ بن گیا۔ فارسی کو تو چھوڑئے اردو کے مجموعہ ہی میں [illegible] ایسی گلکاریاں موجود ہیں جو فارسی کے نقشہائے رنگا رنگ سے چشمک زنی کرتی ہیں۔ انہوں نے قصداً روایت کی پابندی کی ہے اور نہ اجتہاد کی نیت سے روایت شکنی کو اپنا شعار بنایا ہے۔ غیب سے جو مضامین خیال میں آئے انہیں شعر کے قالب میں ڈھالا۔ انکی انفرادیت پسند طبیعت نے "طرزِ بیدل" میں ریختہ کی طرح اندازی کی تو اردو کے محاورہ گر اور قلعۂ معلیٰ کے اہلِ زبان ناک بھوں چڑھانے لگے اور چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ دہلی میں یہ مہمل گو کہاں سے آ گیا۔ انتہا یہ کہ ایک مشاعرے میں غالب کے منہ پر ایک شاعر نے یہ شعر پھینک مارا:-

کلام میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

جس کے جواب میں غالب کو کہنا پڑا:-

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا ؛ نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی
مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل ؛ سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش ؛ گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

پھر ایک ایسا دور آیا کہ غالب رنگِ بیدل سے اکتا گئے اور آسان زبان میں غزلیں کہنے لگے لیکن اس پر ان کا کوئی موافق نہ ہوا لہذا غالب کی شخصیت کی تعمیر اور ان کی شاعرانہ حیثیت کی تشکیل میں ان کے احساسِ برتری کو زیادہ دخل معلوم ہوتا ہے۔ یہ احساسِ برتری ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک ہمہ صفت اور جدت طراز شاعر بن گئے۔

بعض ناقدین نے لکھا ہے کہ مرزا غالب [illegible] موقع پرست [illegible] زمانہ ساز آدمی تھے۔ متملق اور جاہ پرست [illegible] محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات ان کی اردو فارسی [illegible] نظر کہی جاتی [illegible] لیکن خود غالب [illegible] گستری کے [illegible] جگہ وہ اپنے [illegible] لکھتے ہیں:
"[illegible] وہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندستانی فارسی [illegible] لکھنے والوں کی مجھ کو راس نہیں آتی کہ بالکل

بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کر دیا۔ میرے قصیدے دیکھو، تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے شعر کم تر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ ان کی مدح کتنی ہے۔ مرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو، وہ جو تقریظ دیوانِ حافظ کے بموجب جان جان بہادر نے لکھی ہے اس کو دیکھو فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی مطالب ہیں؎

غالب کی رگوں میں ایک سپاہی کا خون تھا جس کا خاصہ غیرت و شجاعت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قدرت نے انہیں باریک بینی کا وصف اور علم و حکمت کا جوہر بھی ودیعت کیا تھا۔ ان کا دل رقیق اور احساس حد درجہ شدید تھا۔ مروّت و محبت، دل سوزی و دل نوازی، شگفتگی و خاطر داری سے انہوں نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ شرم و حیا اور عزت و ناموس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت تھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غالب کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ حق بات کہنے سے وہ ڈرتے نہیں تھے۔ ظاہر ہے ایسا شخص نہ مصلحت اندیش ہو سکتا ہے نہ خوشامد کا خوگر۔

یوں تو غالب کی جملہ تخلیقات قابلِ قدر ہیں لیکن سب سے زیادہ ان کا اردو دیوان مقبول ہے۔ اردو کا یہ واحد دیوان ہے جس کے اعلیٰ و ادنیٰ ایڈیشن سینکڑوں کی تعداد میں نکلے۔ دیوانِ غالب کی جو شرحیں لکھی گئیں ان کی تعداد بھی خاصی ہے لیکن کیا بات ہے کہ غالب کے اس مجموعۂ نیرنگ سے سیری نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب کی شاعری محسوس کرنے کی چیز ہے۔ یہ ایک ایسا پھول ہے جسے چھونے کی نہیں سونگھنے کی ضرورت ہے۔ غالب کی شاعری ہماری تہذیب کی تاریخ بھی ہے اور مرثیہ بھی۔ اس میں علم و حکمت کے رموز بھی ہیں اور فلسفہ و تصوف کے نکات بھی۔ یہ زندگی کی بہار جاوداں اور حیاتِ مستعار کے عبرت ناک مناظر کا ایک عجیب و غریب مرقع بھی ہے۔ وطن دوستی، انسان پرستی، امروز کی شکست خوردگی و صبحِ فردا کی پُر امید رمق ان کی شاعری میں دکھائی دیتی ہے۔

ماضی اور حال کے دوراہے پر غالب نے جو شمع جلائی تھی اس کی روشنی فکرِ اقبال میں جھلکتی ہے۔ یہ روشنی پھیلی اور پھیلتی جائے گی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ غالب کے انتقال کو ایک صدی گزر گئی لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے غالب ہمارے زمانے کا ایک فرد ہے جو یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ ایسا اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ غالب کی شاعری زندہ شاعری ہے۔ غالب ناکامیوں اور آسودگیوں سے دوچار رہے لیکن صبر و تحمل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ کبھی تلخ مزاجی بھی دکھاتے تو وہ ایک وقتی بات ہوتی۔ کدورت و کینہ کو وہ بدترین چیز سمجھتے تھے۔ اگر ان سے معمولی سی بھی فروگذاشت سرزد ہو جاتی تو وہ کافی دنوں تک پشیمان رہتے۔ ان کی زندگی مشکلات و مصائب سے دوچار تھی۔ حالات کی نامساعدت اور ناقدریٔ زمانہ کی عمر بھر انہیں شکایت رہی۔ اس پر طرّہ یہ کہ وقفے وقفے سے حادثات پیش آتے رہے لیکن وہ ظرافت و بذلہ سنجی کے پھول بھی کھلاتے رہے۔ اولاد نہ ہونے کا غم تھا۔ سالی کے بیٹے کو گود لے لیا تھا۔ عین جوانی میں دو بچوں کو چھوڑ کر وہ بھی چل بسا۔ پھر پنشن کا قضیہ الگ جی کا جنجال بنا ہوا تھا۔ پنشن کی فریاد لے کر کلکتہ گئے تو وہاں ایک ادبی معرکہ عجیب صورت میں رونما ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ہلاکت سے محفوظ رہے تو ابتلائے اسیری کا واقعہ پیش آیا۔ تنگی و ترشی کی زندگی میں قاطع برہان کا جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ثقلِ سماعت اور ضعفِ بصارت نے بھی مجبور کر دیا۔ چار سال کی عمر سے ۷۲ سال کی عمر تک کے تمام واقعات انہیں یاد تھے۔ زمانے میں کئی انقلاب آئے اور غالب بھی مختلف نشیب و فراز سے گزرے۔ ان حادثات کا غالب پر کیا اثر ہوا؎

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل ؎ انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے ؎ آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

لیکن غالب کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی شاعری انکی شخصیت کی طرح اٹل ہے۔ ان کی شاعری میں زندگی کا سوز و گداز بھی ہے اور احساس کی تلخی بھی۔ ان کے لہجے میں سختی بھی ہے اور محبت کی چاشنی بھی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ مختلف تجربات سے گزرے تھے۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ "غالب پرستی" سے ہٹ کر اب ہمیں "غالب شناسی" کے دور کا آغاز کرنا چاہیئے۔

(بشکریہ: نیا دور، لکھنؤ)

رام کرشنا مشن سیوا پرستھان کو عطیہ

حالیہ مالی سال میں ریاستی حکومت نے رام کرشنا مشن سیوا پرستھان، کلکتہ-۲۶، کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں ۶۵۵۰۰۰ روپے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ اس رقم کی شمولیت سے متعلقہ مقصد کی حصولی کے سلسلے کی کل رقم ۸۰۰۰۰۰ روپئے ہو جاتی ہے۔

ہومیوپیتھک ہسپتالوں کو عطیہ

ریاستی حکومت نے ریاست کے ۵ ہومیوپیتھک اداروں کو ان کے ۲۵۰ ہسپتالی بستروں سے متعلق فرائض کی بہتر ادائیگی کے سلسلے میں ۴۰۰۰۱۱ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ وہ ادارے درج ذیل ہیں:

(۱) کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال
(۲) ڈی۔ این ڈے ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال
(۳) مدنا پور ہومیوپیتھک میڈیکل کالج
(۴) مہیش بھٹاچاریہ میڈیکل کالج، ہوڑہ اور
(۵) پی۔ سی۔ میموریل میڈیکل کالج اور ہسپتال

کشتی ڈوبنے پر ہلاک شدگان کو راحت

ریاستی حکومت کے شعبۂ امداد و رفاہِ عامہ کی شاخ نے بردوان کے ضلع مجسٹریٹ کے نام ۱۲ ہزار روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ یہ عطیہ ان چھ اشخاص کے قانونی وارثوں کو جو ۱۹۸۴ء کے ناگہانی سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں، بشرح فی خاندان دو ہزار روپئے بطور بے استحقاقی امداد دیئے جائیں گے۔

مرکزی اخبارات ایکٹ (۱۹۵۶ء) کی دفعہ ۸ کے تحت تفاصیل درج ذیل ہیں:

(۱) رسالہ کا نام	"مغربی بنگال"
(۲) زبان	اردو
(۳) اشاعت کا عرصہ	پندرہ روزہ
(۴) جائے اشاعت	شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
(۵) ناشر	دھریندرا ناتھ دت، ہندوستانی، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
(۶) مدیر	دھریندرا ناتھ دت، ہندوستانی، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
(۷) طابع	تپن ٹھاکر، جی۔ آر۔ ٹی پرنٹرس، ۴۳/۵۱ اے شیام پوکھر اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۴

میں دھریندرا ناتھ دت، اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا بیان میرے علم اور یقین کے لحاظ سے صحیح ہے۔

یکم مارچ ۱۹۸۵ء

دھریندرا ناتھ دت
مدیر "مغربی بنگال"

بقیہ: جزیرہ ایسٹر

یادگاروں، مجسموں، پتھر پر بنی مورتیوں اور قدیم باشندوں کی رہائش گاہوں کی بنیادوں پر مشتمل ایک ہزار سے زائد قدیم کے مکانات موجود ہیں۔ ان کے تحفظ کا انحصار زیادہ تر اس امر پر مبنی ہے کہ عہدِ حاضر کے انسان کو ان سے کتنی دلچسپی ہے اور وہ ان کے لئے کیا مدد دیتا ہے۔



ایسوسی ایشن آف انڈین انجینیرنگ انڈسٹری کی ۹۰ ویں سالگرہ کے موقع پر کلکتہ میں منعقدہ تقریب میں ہندستان کے صدر شری گیانی ذیل سنگھ
افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ——— تصویر میں میز کے پاس دائیں سے بائیں مغربی بنگال کے گورنر شری اوماشنکر دکشت، مرکزی وزیر شری بریندرا پاٹل اور
مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو دیکھے جا سکتے ہیں۔

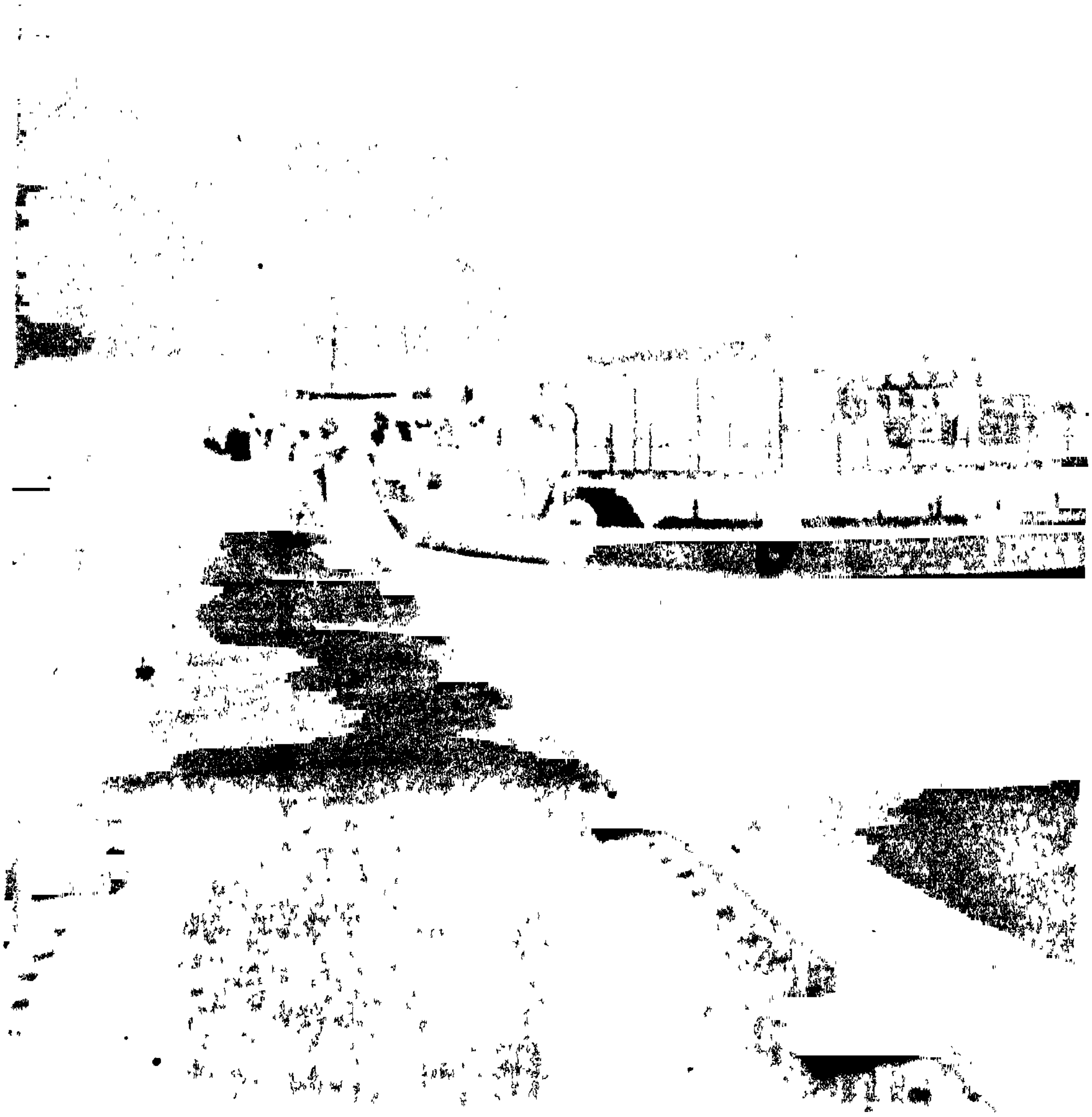


گریٹ ایسٹرن ہوٹل کلکتہ میں ۱۳-۱۴ فروری ۱۹۸۵ء کو مشرقی اور شمال مشرقی ریاستوں میں ساتویں پنجسالہ منصوبہ اور ماہی گیری کوآپریٹیو
کے منعقدہ "ورکشاپ" میں مغربی بنگال کے وزیر صنعت وحرفت شری نرمل باسو تقریر کرتے ہوئے
تصویریں از: اجیت داس

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 32 No. 5

PRICE-12 Paise

1ST March 1985



کاچو بیریہ اور لاٹ ۸ میں ریاستی حکومت کے شعبہ نقل وحمل کے اِن لینڈ واٹر ٹرانسپورٹ آتھوریٹی
کی تعمیر کردہ پختہ جیٹی (بندرگاہ) کا وزیر نقل وحمل شری رابن مکھرجی افتتاح کرتے ہوئے ۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor · Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.


(6)

پندرہ روزہ مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ | ۱۵ مارچ ۱۹۸۵ء | شمارہ نمبر ۶

شرح خریداری

سالانہ: تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت: بارہ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر این مکھرجی روڈ ـــ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر دکشت، ۱۱ مارچ ۱۹۸۵ء کو اسمبلی کے بجٹ اجلاس کے افتتاح کے موقع پر ریاستی اسمبلی میں۔

قومی تناؤ کے درمیان ریاست مغربی بنگال امن کا نخلستان رہی

شدید مالی دشواریوں کے باوجود ریاستی حکومت نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا

ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں گورنر شری اوماشنکر دکشت کا افتتاحی خطبہ

مغربی بنگال کے گورنر شری اوماشنکر دکشت نے ۱۱ر مارچ ۱۹۸۵ء کو ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے اس ریاست کی گوناگوں ترقی کا ذکر کیا اور ان دشواریوں کا بھی ذکر کیا جن سے یہ ریاست دوچار ہے۔ گورنر کے افتتاحی خطبے کا متن درج ذیل ہے۔

اس نئے سال میں آپ لوگوں کا یہ پہلا اجلاس ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے لئے اس ایوان کو خطاب کرنے کا پہلا موقع ہے۔ میں موجودہ مالی سال میں اپنی حکومت کی اہم سرگرمیوں اور کامرانیوں کا مختصر جائزہ اور آئندہ سال کے کچھ اسکیموں اور تجاویز کا خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ موجودہ اجلاس میں ۱۹۸۵-۸۶ء کے لئے بجٹ کا تخمینہ پیش کیا جائے گا۔

میری وزارت کی کاؤنسل میں شعبۂ جنگلات اور سیاحت کے وزیر شری پوربل مترا، ہم لوگوں سے اچانک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ میں شری سومناتھ لاہری، شری سدھین کمار، شری گنگادھر پرامانک اور شری تنزنگ کی اموات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہوں۔ آنجہانی سب مشہور عوامی سربراہ اور اس ریاست کے سابق وزرا بھی تھے۔ ہم سب شری جوشنا کمار گپتا اور شری تریوجن مال، اس اسمبلی کے حالیہ ممبران اور شری جواہر لال بنرجی، شری سرت چند داس، شری بسنت کمار داس، شری اسا مانجا دسے، شری رادھیکا دھیبار، شری اودے چند مہاتات اور شریمتی اینما سور، تمام سابق ایم ایل اے کی اموات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔ اس ایوان کے سابق آنجہانی ممبروں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے میرے دل میں ہماری سابق وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے سفاکانہ قتل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور میں اس المناک حادثہ پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہوں۔ اس ایوان کی گذشتہ نشست کے بعد سے مغربی بنگال نے شریمتی اندو بالا دیوی، شری کیشب چندر بندر بادھیہ، ڈاکٹر اسر ترش بھٹا چاریہ، شری دیوکی جودھری، شری ارابند گھوش، شری مہیندرا گپتا، نواب کے۔ بی۔ ایم۔ فاروقی، شری رادھا کانت نندی، شری سوجیت ناتھ، شری چیمنوٹے لاہری، شری اسیت برن مکھوپادھیہ، شری نیارن پنڈت، شری کلیان راؤ، شری سنتوش کمار گھوش، ڈاکٹر رینش چندر سرکار اور شری پولن بہاری سین کو بھی ہمیشہ کے لئے کھو دیا۔ ان مرحوم لوگوں کو دلی خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

یہ سال جو ختم ہو رہا ہے قوم کے لئے بہت ہی کٹھن

سال ثابت ہوا ہے، کیوں کہ سال بھر افرا تفری کا عالم جاری و ساری رہا۔ مجھے اس بات سے کافی مسرت حاصل ہوئی ہے کہ مغربی بنگال کے لوگوں کی بیداری اور بلوغ کی سطح کافی اونچی ہو گئی ہے اس لئے یہ ریاست سال بھر قومی تناؤ کے درمیان امن کا نخلستان بنی رہی، اور امن و امان کے مسئلہ سے آزاد رہی۔ فصل کی کٹائی پر بین پارٹی جھڑپ کے واقعات میں کافی کمی ہوئی۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو شریمتی اندرا گاندھی کے المناک قتل کے بعد اس ریاست کے مختلف علاقوں میں اکّا دکّا تشدد کے واقعات رونما ہوئے۔ میری حکومت سماج دشمن عناصر کے خلاف سخت سے سخت اقدامات کرنے کے سلسلے میں اپنے عزم مصمم کا اظہار کر چکی ہے۔ خواہ یہ عناصر کسی بھی بھیس میں یا کسی بھی بہانہ سے اپنی حرکتوں کو جاری رکھنے کی کوششیں کیوں نہ کریں۔ تشدد کو ختم کرنے اور امن بحال کرنے کے لئے جلد از جلد اقدامات کئے گئے۔ بہت ہی سخت اقدامات کی وجہ سے صورتحال پر بہت ہی جلد قابو پالیا گیا۔ ان واقعات کے علاوہ ان ریاست میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رہی۔ شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب اور سماج کے دیگر کمزور طبقوں کے لوگوں کے خلاف منظم ظلم کے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ میری حکومت اس بات پر بھی اپنی دلی تشفی کا اظہار کرتی ہے کہ حالیہ لوک سبھا انتخابات ملک کے دیگر علاقوں کے برخلاف اس ریاست میں کم و بیش پُر امن طور پر ہوئے۔

عزت مآب ممبران اس امر سے واقف ہوں گے کہ گزشتہ سال کے جون مہینہ کے شروع میں اس ریاست میں کافی تیز بارش ہوئی جس کے نتیجہ میں اس ریاست کے بہت سارے علاقے زیر آب ہو گئے اور سیلاب سے بھی بُری طرح متاثر ہوئے۔ ان سیلابوں سے کلکتہ کے لوگوں اور دیگر متاثرہ اضلاع کو کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جان و مال کا کافی نقصان ہوا اور کھڑی فصلیں برباد ہو گئیں۔ اوس فصل کے لئے کاشتکاری کے علاقہ میں کافی کمی ہوئی تاہم ہم اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ سالِ رواں میں زرعی پیداوار سب سے زیادہ ہوگی اور یہ گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ دے گی۔ اس کامیابی کے پیشِ نظر آئندہ سال میں زرعی پیداوار کے لئے بہت ہی اچھا نشانہ مقرر کیا گیا ہے اور دال اور تیل کے بیج کی پیداوار پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اس مقصد کی برآوری کے کیلئے چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کے درمیان کاشتکاری کیلئے بیج، کھاد اور دیگر ضروری چیزوں کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بڑی تیزی سے تقسیم کی جا رہی ہیں۔

ہمارے ملک میں، زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے اصلاحات آراضی کے ساتھ ساتھ آبپاشی کے یقینی ذرائع کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ موجودہ مالی سال کے آخر تک مَیور اکشی ریزروائر پروجیکٹ پایۂ تکمیل تک پہونچ جائے گا۔ تیستا پروجیکٹ اور درمیانی درجہ کی آبپاشی کے پروجیکٹوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ ان پروجیکٹوں کے مکمل ہو جانے پر اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ مزید ۲۵ ہزار ہیکٹارس قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ سالِ رواں کے آخر میں مزید ۵۷ ہزار ہیکٹارس قطعاتِ آراضی کو کاٹ چھانٹ سے محفوظ بنا لیا گیا ہے کیوں کہ پانی نکاس، قطع و بُرید اور بند کی تعمیر کی اسکیموں کو مکمل کر لیا گیا۔ چھوٹی آبپاشی کے تحت سال رواں میں مزید ۵۷ ہزار ہیکٹارس سے زیادہ قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہو رہی ہیں۔

جیسا کہ عزت مآب ممبران واقف ہیں کہ مضافاتی علاقوں کی ترقی کے لئے میری حکومت کی حکمت عملی کا اصلاحات آراضی ایک جزو لاینفک ہے۔ گزشتہ سال کے آخر تک تقریباً ۳ لاکھ ہیکٹارس قطعات آراضی جن پر حکومت کو حقِ ملکیت حاصل ہو چکی ہے، ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ غریب کسانوں، جن میں سے نصف سے زیادہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے کسان ہیں، کے درمیان تقسیم کئے گئے۔ برگہ داروں کے نام ریکارڈس میں درج کرنے کا کام جاری ہے اور اب تک ۱۳ لاکھ ہیکٹارس سے زیادہ قطعات آراضی کو درج ریکارڈ کیا گیا۔ زرعی مزدوری، دستکاروں اور ماہی گیروں کی رہائش کے لئے قطعات آراضی کی حصولیابی کے

لئے ایکٹ کے تحت تقریباً دو لاکھ افراد کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے اور اس طرح انہیں رہائش کے لئے قطعاتِ آراضی فراہم کئے گئے۔ سالِ رواں میں مزید تین لاکھ برگر داروں اور پٹہ داروں کو ادارہ جاتی مالیات کی اسکیم کے تحت لایا گیا۔

سالِ رواں میں تکمیلی مضافاتی ترقیاتی پروگرام کو کافی وسیع بنا دیا گیا ہے۔ اس کے لئے جو نشانہ مقرر کیا گیا تھا اسے پورا کر لیا گیا ہے۔ قومی مضافاتی روزگار پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے تیز رفتاری سے ترقیاتی کام جاری ہے۔ ان اقدامات کی وجہ سے پائیدار اثاثے تیار کئے گئے اور ان مہینوں میں جب کھیتی باڑی کا کام نہیں ہوتا مزید روزگار فراہم کئے گئے۔

۱۹۷۸ء سے اس ریاست میں جمہوری طریقہ سے منتخب پنچایتی اداروں کے ساتھ جن تجربات کی پہل کی گئی تھی ان کا دیہی علاقوں میں کافی گہرا اثر پڑا۔ میری حکومت کی یہ تجویز اس راہ میں ایک اور سنگ بنیاد بن چکی ہے کہ آئندہ مالی سال میں ضلع منصوبہ بندی کمیٹیاں قائم کر کے معاشی ترقی کے کام کو لامرکوز بنا دیا جائے۔

مرکزی ذرائع سے اناج، چینی وغیرہ کی سپلائی میں بے ضابطگی کے باوجود سال بھر اس ریاست میں عوامی نظام تقسیم کو برقرار رکھا گیا۔ مقامی اداروں اور انسٹی ٹیوشنوں کے نمائندوں کو عوامی نظام تقسیم کے کام کاج کی دیکھ بھال کرنے کے کام سے وابستہ کر دیا گیا۔ جیسا کہ عزت مآب ممبران واقف ہیں کہ میری حکومت اس سلسلہ میں مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ مرکزی حکومت کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ۱۲ سے ۱۴ اہم چیزوں، خام اشیاء اور مصارف کی ضروری چیزوں یعنی اناج کے علاوہ دال، کھانے کا تیل، کراسن، سمنٹ، کھاد، عام کپڑا، ماچس، نمک اور چینی کی سارے ملک میں یکساں اور مناسب قیمتوں پر سپلائی کرے۔ میری حکومت اس سمت اپنی کوشش جاری رکھے گی۔

میری حکومت ہندوستانی ڈیری کارپوریشن اور قومی ڈیری ترقیات بورڈ کے تعاون کے ساتھ دودھ کی پیداوار اور تقسیم کے کام میں مزید بہتری لانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ڈیری پلانٹس سے ہر روز پانچ لاکھ لیٹر سے زیادہ دودھ سپلائی کیا جاتا ہے۔ چھ کوآپریٹیو ملک پروڈیوسرس یونین قائم کئے گئے ہیں اور ان کے تحت بہت ساری پرائمری کوآپریٹیو سوسائٹیاں ہیں۔ آپریشن فلڈ پروگرام کے تحت دودھ دینے والی تیرہ لاکھ گائے اور بھینسوں کو مویشیوں کی پرورش و پرداخت کے مختلف پروگراموں کے تحت لایا گیا ہے۔

اسی طرح مچھلی کی سپلائی میں بہتری لانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ سالِ رواں میں اچھی کوالیٹی کی ۳۷.۰ کروڑ سے زیادہ چارہ مچھلیاں پیدا کی گئیں۔ اندرون ملک ماہی گیری و ماہی پروری پروجیکٹ کے تحت مچھلیوں کی ترقیاتی ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ مزید ۴۰۰۰ ہکٹارس میں مچھلیوں کی پرورش کی جائے گی۔ سمندر کے ساحلی علاقوں میں ماہی گیری کے لئے مزید ۱۶۰۰ نئی کشتیوں کو بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے ممبران کی گوناگوں ترقیاتی کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ سالِ رواں میں کتابوں اور امتحان فیس کے لئے جو عطیات دئے گئے ہیں ان سے ان طبقوں کے ۴ لاکھ طلباء مستفید ہوں گے۔ امدادی شرح میں ہاسٹلوں میں رہائش اور دیگر اخراجات کے سلسلے میں دئے گئے بھتوں سے ۱۲۰۰۰ طلباء مستفید ہوں گے۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب فرقے کے لوگوں کو مختلف تجارت اور ہنر میں تربیت دینے کے لئے ۶۶ تربیتی مراکز چالو کئے گئے ہیں۔ خصوصی جزوی منصوبوں کے تحت بہت ساری روزگار پیدا کرنے والی اسکیموں کے ذریعہ سالِ رواں میں شیڈولڈ کاسٹ کے ۲ لاکھ سے زیادہ افراد کو مالی امداد فراہم کی گئی۔ اسی ریاستی شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب ترقیاتی و مالی امداد کارپوریشن کے ذریعہ تقریباً ۶۳ ہزار شیڈولڈ کاسٹ اور ۸ ہزار شیڈولڈ ٹرائب خاندانوں کو امداد فراہم کی گئی۔

عزت مآب ممبران اس امر سے واقف ہیں کہ چھٹی دہائی کے درمیانی عرصہ سے ۱۹۷۰ء تک اس ریاست کی صنعتی پیداوار کم ہو کر تقریباً نصف ہو چکی تھی، لیکن اب اس کے مقابلے میں گزشتہ چند برسوں میں اس ریاست میں صنعتی پیداوار میں کافی بہتری ہوئی ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہے کیوں کہ مغربی بنگال کو مشرقی ریاستوں کے بے روزگار اور نیم روزگار مزدوروں کا جو صنعتی کام کاج کی تلاش میں مغربی بنگال میں آتے ہیں، بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مرکزی حکومت کی کوئلہ، خام لوہا اور اسٹیل کے لئے مساوی کرایہ اور کوئلہ کے لئے حد سے زیادہ کرایہ کی پالیسی اس ریاست میں صنعتی افزائش کی راہ میں اہم رکاوٹ ثابت ہوئی ہے۔ مرکز نے اصولاً اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ وہ ان پالیسیوں میں آہستہ آہستہ تبدیلی لائے گا، تاہم اب تک اس تاریخی غلطی کی اصلاح کے لئے کوئی ٹھوس منصوبہ بند اقدام نہیں کیا گیا۔ مزید برآں ان خصوصی مسائل کی، جن سے مشرقی ریاستیں دوچار ہیں کہ اہمیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، اور صنعتی لائسنس جاری کرنے کے سلسلے میں مرکزی حکومت کی پالیسی کو معیاری قرار دیا جا رہا ہے۔ اس طرح عوامی مالیاتی ادارے میں صنعتوں کو فروغ دینے کے سلسلہ میں ہماری ریاست کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ مغربی بنگال میں مجوزہ ہلدیہ پیٹرو کیمیکل صنعتوں اور دیگر نئی صنعتوں میں اشتراکت کرنے کے لئے مرکز نے جو کچھ کہا تھا اب ان باتوں پر از سر نو غور و خوض کرنے کیلئے مرکز نے فیصلہ کیا ہے۔ اس بات سے اس ریاست کے لاکھوں نوجوانوں کے لئے اچھی ملازمت کے امکانات معدوم ہو گئے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود میری حکومت صنعتی افزائش کی فضا کو برقرار رکھنے اور اسے فروغ دینے کا تہیہ کر چکی ہے۔ سال رواں میں ۲۴۳ پروجیکٹوں کو، جن کے سرمایہ کے لئے ۵۷ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی، صنعتی منظوری دی گئی ہے۔ ۱۵۰ کروڑ سے زیادہ روپئے کے سرمایہ کے ۷۵ پروجیکٹوں کو گزشتہ سال کے دسمبر کے آخر تک ریاست کی بڑھاوا اسکیم کے تحت رجسٹرڈ کیا گیا۔ میری حکومت نے ایک۔ ورکنگ ایجنسی قائم کی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک صنعت کے قیام کے لئے حسب ضروری اقدامات ایک مقررہ مدت میں کئے جائیں اور اس طرح صنعت کا قیام عمل میں آئے۔ مغربی بنگال ترقیات کارپوریشن اور مغربی بنگال مالیات کارپوریشن دونوں ہی نے نئی صنعتی سرگرمیوں کو تکنیکی مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ مالی امداد فراہم کرنے کے سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھی ہیں۔ ضلع ۲۴ پرگنہ کے فالتا میں ریاستی حکومت کی ایما پر مرکزی حکومت نے ایک برآمدی پروسیسنگ علاقہ قائم کیا ہے۔ اس علاقہ کے قیام کے سلسلے میں صنعتی حلقہ سے کافی تعاون حاصل ہوا ہے۔ اسی طرح بدھان نگر کے ارد گرد الکٹرونکس صنعت کی رفتار ترقی کو تیز تر کرنے کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔

بند اور بیمار صنعتی یونٹوں کی دیکھ بھال کا کام جاری ہے۔ میری حکومت نے اب تک اہم ایسی صنعتی یونٹوں کی از سر نو تعمیر کے کام میں شرکت کی ہے۔ ان صنعتی یونٹوں میں ۳۰ ہزار سے زیادہ افراد برسر روزگار ہیں۔ مرکزی حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد کئی ایک صنعتی یونٹوں کو، جن کی ذمہ داریاں حکومت نے سنبھالی ہیں، قومیا لیا جائے گا۔ لیکن ان کوششوں کو سد راہ کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ بیمار صنعتی یونٹوں کی ذمہ داری سنبھالنے سے قبل ان صنعتوں نے جو قرض لئے تھے ان کے سلسلہ میں مرکزی حکومت نے اپنی پالیسی بدل دی ہے۔

میری حکومت نے دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی توسیع کے لئے اپنی سرگرمیوں کو اور بھی تیز تر کر دیا ہے کیوں کہ یہ صنعتیں روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے کے سلسلہ میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ سال رواں میں تقریباً ۱۱۰۰۰ نئی یونٹیں قائم کی گئیں ہیں اور ان کے لئے ادارہ جاتی مالیات کی سپلائی کے سلسلہ میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ مزید ۳۵ ہزار روزگار کے نئے مواقع فراہم ہوں گے۔ سال رواں میں ۲ر جنوری تک دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی

صنعت کی ۲۷۵ یونٹوں کے قیام کے لئے چھوٹی صنعت ترقیات ایجنسی کی طرف سے منظوری دے دی گئی ہے۔ ان یونٹوں کے قیام کے سلسلے میں ۴۵ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی۔ تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کے لئے خود روزگار اسکیم کے ذریعہ ۲۵ ہزار افراد مستفید ہوں گے۔ روزگار پیدا کرنے کی ایک نئی اسکیم مرتب کی جارہی ہے۔ اس اسکیم کے تحت بے روزگار کو میری حکومت کی طرف سے سرمایہ کے طور پر کچھ رقم فراہم کی جائے گی۔ اور اس بات کی بنا پر پیداواری صنعتی اور کاروباری یونٹوں کو بنک کے قرض فراہم کئے جائیں گے۔ ہتھ کرگھے بنکروں کو، جن کے پاس اپنے کرگھے نہیں ہیں، امداد فراہم کرنے کے پیشِ نظر ان کے لئے نئے ورک شیڈ کے قیام اور بہتر قسم کے کرگھے اور دیگر ضروری مشینوں کی فراہمی کے سلسلے میں ایک نئی اسکیم رائج کی گئی۔ ریشم سازی کا کام نئے اضلاع جیسے ۲۴ پرگنہ، ندیا اور کوچ بہار میں بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

شہتوت کی کاشت کے تحت مزید ۱۵۰۰ ایکڑ قطعاتِ اراضی کو لایا گیا ہے۔

سالِ رواں میں بجلی کی پیداوار اور تقسیم کے سلسلہ میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے۔ ریاستی بجلی بورڈ نے کولا گھاٹ میں ۲۱۰ میگاواٹ یونٹ کی مشین کو چالو کر دیا گیا ہے۔ آئندہ مالی سال میں اسی طرح کی ایک اور یونٹ چالو کر دی جائے گی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ کلکتہ الکٹرک سپلائی کارپوریشن اس مالی سال میں ۶۰ میگاواٹ کی چوتھی یونٹ کو چالو کر دے گا۔ ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ آئندہ چند مہینوں میں فراخا تھرمل پاور اسٹیشن اور جوکھا ہائیڈل پروجیکٹ سے بجلی سپلائی کی جائے گی۔ یہاں بھی بجلی کی تقسیم کے سلسلے میں تنصیبات کا کام جاری ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ درگاپور پروجیکٹس لمیٹڈ ۱۱۰ میگاواٹ والی اپنی چھٹی یونٹ کو بہت جلد چالو کر دے گا۔ میری حکومت نے کولا گھاٹ کے دوسرے دور کی تکمیل کے سلسلے میں ابتدائی کام کاج مکمل کر لئے ہیں۔ اس پروجیکٹ کے ۲۱۰ میگاواٹ کی تین اور یونٹیں چالو کر دی جائینگی۔

ٹیوب ویلوں کو بجلی سے چلانے کے لئے سالِ رواں میں بہت وسیع پروگرام کو اپنایا گیا ہے۔ آئندہ سال اور بھی مرکوز طور پر کوششیں کی جائیں گی۔ مضافاتی ترقیاتی پروگرام کے تحت سالِ رواں میں ۱۵۰۰ موضع میں بجلی سپلائی کی گئی۔ آئندہ سال اس پروگرام کے تحت مزید ۲۱۰۰ موضعے میں بجلی سپلائی کی جائے گی۔

عزت مآب ممبران اس امر سے واقف ہیں کہ دارجلنگ اور کرسیونگ میونسپلٹیوں کے لئے مئی ۱۹۸۴ء میں عام انتخابات ہوئے، اس کے بعد جولائی ۸۴ء میں ہوڑہ میونسپل کارپوریشن کے لئے بھی انتخابات ہوئے۔ اب ان تمام میونسپلٹیوں اور کارپوریشن نے اپنے جمہوری فرائض کی انجام دہی کا کام شروع کر دیا۔ انتخابی فہرستوں کی نظرِ ثانی کے کام کے مکمل ہونے کے بعد میری حکومت بہت ہی جلد کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے لئے عام انتخابات کرائے گی۔

کلکتہ کے ارد گرد کے شہری علاقوں کی بہتری اور ترقی کے لئے کلکتہ شہری ترقیات اتھورٹی نے اپنے بہتیرے پروگراموں کو روبہ عمل لانے کا کام جاری رکھا ہے بستی کی بہتری پروگرام پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ آئندہ سال کلکتہ سے پانی کے نکاس کے لئے ایک اسکیم کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ آئندہ سال کلکتہ کے میونسپل علاقوں میں پانی کی سپلائی، سڑکوں کی بہتری اور تعمیر، پانی کے نکاس، بستیوں کی بہتری وغیرہ کے سلسلہ میں ۲۰۰۰ نئی اسکیموں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔

سالِ رواں میں مجموعی طور پر ۲۵۰ کیلومیٹر لمبی سڑکیں اور کئی ایک اہم پل کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا۔ اسی طرح کے دیگر کام جاری ہیں۔ اور ان میں چند کام کو مرکزی سڑک فنڈ کی مدد سے مکمل کیا جارہا ہے۔

موجودہ سال میں کلکتہ ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے ۵۳۰ نئی بسوں کا اضافہ کیا ہے۔ شہر میں نئے بس روٹ کھولے گئے ہیں۔ کلکتہ ٹرامویز نے بہت ساری نئی ٹرام گاڑیاں حاصل کیں اور بہت سی پرانی گاڑیوں کی مرمت اور نو تعمیر کی۔

پرائیویٹ بسوں، منی بسوں، ٹیکسیوں اور دیگر پرائیویٹ گاڑیوں کی تعداد میں سالِ رواں میں کافی اضافہ ہوا۔ اب کلکتہ کی ۱۴۶ روٹوں میں ۲۴۰۰ پرائیویٹ بسیں آمد و رفت کر رہی ہیں۔ حالانکہ گزشتہ سال ایسی بسوں کی تعداد ۱۹۰۰ تھی۔ سالِ رواں میں ۷۱ روٹوں پر ۹۰۰ منی بسوں آمد و رفت کر رہی ہیں جبکہ گزشتہ سال منی بسوں کی تعداد ۷۰۰ تھی۔

ایک تجویز ہے کہ سالِ رواں میں ۱۳۰۰ پرائمری اسکول قائم کئے جائیں۔ اب موجودہ پرائمری اسکولوں کو بہتر اور مستحکم بنانے کے کام پر زور دیا جائے گا۔ ۳۷ غیر سرکاری کالجوں میں بہت سارے نئے موضوعات کی تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا ہے۔ کلکتہ کے بدھان نگر میں ایک نیا سرکاری کالج قائم کیا گیا ہے۔ بالغوں کی تعلیم کے میدان میں بھی تشفی بخش ترقی ہوئی۔

صحت عامہ اور خاندانی رفاہ پروگراموں کے درمیان بہتر تال میل کو برقرار رکھنے کیلئے تمام اضلاع میں کثیر المقاصد صحت کارکنندگان اسکیم کو رائج کیا گیا ہے۔ سالِ رواں میں دو مضافاتی اسپتالوں، دو پرائمری مرکز صحت اور تحتی مراکز صحت کے قیام کے لئے انتظامی منظوری دی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ سالِ رواں میں ۱۵۰۰ تحتی مراکز کام کرنا شروع کر دیں گے۔ ۲۵ ہزار دیہاتوں میں پینے کے پانی کا ایک بھی منبع نہیں تھا۔ اب ان میں سے ۶۰ فیصد دیہاتوں میں پینے کے پانی کی سپلائی کا انتظام کیا گیا ہے۔

تکمیلی بچہ ترقیاتی خدمات اسکیم ایک اور اہم پروگرام ہے جسے ریاستی حکومت ایسے بچوں کی، جو غریب خاندانوں سے وابستہ ہیں اور جنہیں مقوی غذا فراہم نہیں ہوتی، دیکھ بھال کے لئے براہِ راست بروئے عمل لا رہی ہے۔ اس اسکیم کی رفتارِ ترقی تشفی بخش ہے۔ آئندہ سال اسی طرح کے مزید ۲۸ پروجیکٹس منظور کئے جائیں گے۔ ان پروجیکٹوں میں بچہ زچہ کی دیکھ بھال کے ۲۰ پروجیکٹس شامل ہیں۔ کام کرنے والی عورتوں کی رہائش کے چار ہاسٹل قائم کئے گئے ہیں۔ اس ریاست کے مختلف علاقوں میں اسی طرح کے تین اور ہاسٹل زیرِ تعمیر ہیں۔ تقریباً ۷۵۰۰ نادار اور غریب بیوہ کو ماہانہ پنشن دیا جا رہا ہے۔

ہماری ریاست میں سابق مشرقی پاکستان سے آئے والے لاکھوں پناہ گزینوں کی بحالی کا کام اب بھی نامکمل ہے، اس کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال کو ان عارضی پناہ گزینوں کا بوجھ برداشت کرنا پڑا جو پڑوس کی ریاست آسام سے بھاگ کر آنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے اب تک اس معاملہ میں ہم مرکزی حکومت کی منظوری حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ میری حکومت نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سابق مشرقی پاکستان سے آنے والے پناہ گزینوں کی بحالی کے لئے ۷۵۰ کروڑ روپئے فراہم کئے جائیں لیکن اب تک یہ تجویز مرکز کے زیرِ غور ہے۔

یہ بات تشفی بخش ہے کہ میری حکومت، کی اپنے تحت فیچر فلموں کی تیاری کی ہمت افزائی کرنے کی کوششیں ثمر آور ثابت ہوئیں۔ گزشتہ دو برسوں سے میری حکومت کی تیار کردہ فلموں نے مرکزی حکومت کا "سنہرا کنول" کا پہلا انعام حاصل کیا۔ رنگین فلم تجربہ گاہ کے قیام کا کام جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ کام آئندہ سال مکمل ہو جائے گا۔

انتظامیہ میں صلاحیت کو فروغ دینے کے لئے سالِ رواں میں کئی ایک اقدامات کئے گئے۔ انتظامی اصلاحات کمیٹی کی ۴۶ سفارشات پر غور و خوض کیا جا چکا ہے اور ان میں سے کئی ایک سفارشات کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس کمیٹی کی سفارشات کے مطابق ضلع ۲۴ پرگنہ کو جنوری ۱۹۸۶ء سے دو الگ ضلعوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اب ایک تجویز کے مطابق کئی ایک نئے سب ڈویژن بھی قائم کئے جائیں گے۔

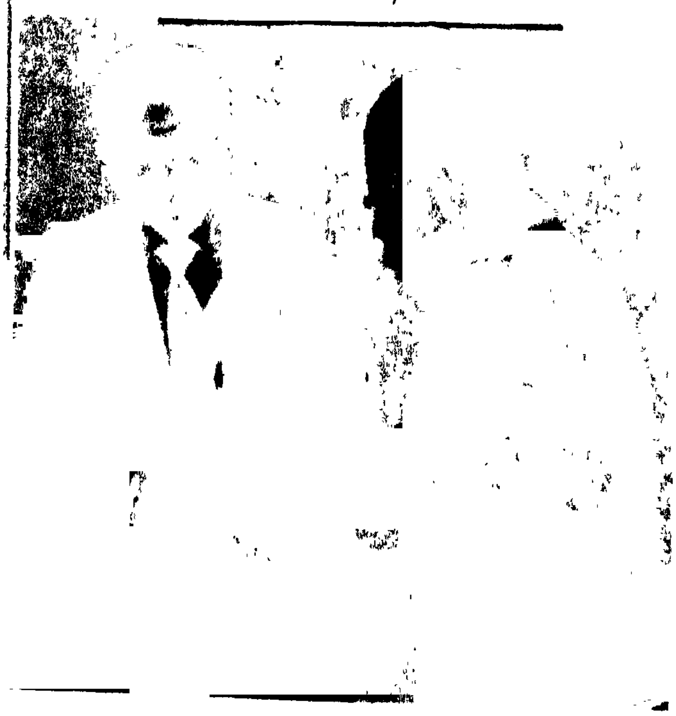
میں ان شدید مالی مشکلات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کے تحت سالِ رواں میں میری حکومت نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ان مشکلات کے لئے کسی طرح سے میری حکومت ذمہ دار نہیں ہے اور یہ دشواریاں ان وجوہ سے، جو ہمارے بس کے باہر ہیں، رونما ہوئی ہیں۔ ہمارے دستور میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ہر پانچ سال پر ایک مالیاتی کمیشن قائم کیا جائے جو

ز اور ریاستوں کے مالی حالات کا جائزہ لے گا اور ایسی
سفارشات پیش کرے گا جن کے تحت ریاستی حکومتیں اپنے
انتظامی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھا سکیں۔ آٹھواں مالیاتی
کمیشن اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا کہ وہ ۸۵-۱۹۸۴ء سے
۹۰-۱۹۸۹ء تک یعنی پانچ سال کے عرصہ کے لئے ایسی
سفارشات پیش کرے۔ لیکن مرکزی حکومت نے ۸۵-۸۴ء کیلئے
کمیشن کی سفارشات کو روبہ عمل نہ لایا۔ اس فیصلہ کے معنی یہ ہوئے
کہ تمام ریاستوں کو ۱۵۰۰ کروڑ روپئے کے وسائل سے محروم
رہنا پڑا۔ اس سلسلہ میں مغربی بنگال کو ۳۰۰ کروڑ روپئے کی
کمی برداشت کرنی پڑی، کیوں کہ سفارشات میں ہماری ریاست
کے سلسلے میں ۸۵-۸۴ء کے لئے ایک اچھی خاصی رقم مختص
کی گئی تھی۔ اتنے بڑے وسائل، جو اس ریاست کی بجٹ کے تحت
۱۵ فیصد اخراجات کے برابر ہیں، کے نہ دینے سے ریاست کو
بہت ہی شدید مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ
میری حکومت کی بار بار کوششوں کے باوجود منصوبہ بندی کمیشن
نے ریاستی حکومت کے سالانہ منصوبہ کو اب تک اپنی منظوری
نہیں دی۔ اس کے نتیجے میں مغربی بنگال واحد ریاست ہے
جسے سال رواں میں حسب معمول منصوبہ کے بغیر کام کرنا پڑا۔
اس کی وجہ سے ریاست کی مالی حالت پر شدید دباؤ پڑا ہے۔ میں
یہ محسوس کرتا ہوں کہ میری حکومت کے لئے یہ بات باعث فخر ہے
کہ اس نے تمام دشوار کن صورتحال کا کامیابی کے ساتھ
مقابلہ کیا۔

اختتام میں عزت مآب ممبروں کے غور و خوض کیلئے
دو تین باتوں کا ذکر کروں گا۔ ہمارے دستور میں ایک پارلیمانی جمہوریت
کا ذکر ہے، جس میں تقریر، تحریر اور ایسوسی ایشن کی آزادی
کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے دستور کا یہ بنیادی نقطہ ہے کہ
مرکز اور ریاستوں میں مختلف پارٹیوں کی حکومتیں قائم کی جا سکتی
ہیں، اور باہمی اعتماد اور سوجھ بوجھ کی فضا میں قوم کیلئے مجموعی طور
پر انتظامیہ کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ حالیہ برسوں
میں چند ایسی باتیں رونما ہوئیں جن کی وجہ سے یہ شک پیدا ہو گیا کہ
کیا ہماری جمہوری سیاست کے تمام افراد مساوی طور پر بیدار ہیں۔
یہ تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایسے جذبات کو اجاگر کریں جنھوں نے
ہمارے دستور سازوں کو محرک بنا دیا تھا، اور مرکز۔ ریاست
تعلقات کی از سر نو تعمیر کے ذریعہ ان جذبات کو برقرار رکھیں۔
ان باتوں کے پیش نظر میری حکومت نے جسٹس سرکاریہ کے
چیرمین شپ کے تحت مرکزی حکومت کے قائم کردہ، مرکز۔ ریاست
تعلقات پر کمیشن سے بامعنی گفت و شنید کی۔

عزت مآب ممبروں کو بلاشبہ حالیہ سیشن کے
دوران ان امور اور دیگر متعلقہ امور پر بحث و مباحثہ کرنے کا موقع
ملے گا۔

میں دعا گو ہوں کہ آپ کامیابی سے ہمکنار ہوں۔



حال ہی میں دہلی میں منعقدہ فلم تہوار میں بہترین نمائش کیلئے مغربی بنگال کو مرکزی حکومت کے شعبۂ تعلیم نے شیلڈ دیا۔ تصویر میں مغربی بنگال کے وزیر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، شری بیودبھاش بھٹاچاریہ شیلڈ لیتے ہوئے۔

یہاں سے شہر کو دیکھو

فیض احمد فیض

یہاں سے شہر کو دیکھو تو حلقہ در حلقہ
کھنچی ہے جیل کی صورت ہر ایک سمت فصیل
ہر ایک راہ گزر گردشِ اسیراں ہے
نہ سنگِ میل، نہ منزل نہ مخلصی کی سبیل

جو کوئی تیز چلے رہ تو پوچھتا ہے خیال
کہ ٹوکنے کوئی للکار کیوں نہیں آئی
جو کوئی ہاتھ ہلائے تو وہم کو ہے سوال
کوئی جھنک کوئی جھنکار کیوں نہیں آئی

یہاں سے شہر کو دیکھو تو ساری خلقت میں
نہ کوئی صاحبِ تمکیں نہ کوئی والیِ ہوش
ہر ایک مردِ جواں مجرمِ رسن بہ گلو
ہر اک حسینۂ رعنا، کنیزِ حلقہ بگوش

جو سائے دور چراغوں کے گرد لرزاں ہیں
نہ جانے محفلِ غم ہے کہ بزمِ جام و سبو
جو رنگ ہر در و دیوار پر پریشاں ہیں
یہاں سے کچھ نہیں کھلتا یہ پھول ہیں کہ لہو

قومی یکجہتی اور نظیر اکبرآبادی

نثار اعظمی

مختلف قوموں کے باہمی میل ملاپ کے نتیجے میں اردو زبان کا جنم ہندستان میں ہوا اور اس کا یہ خاصہ رہا ہے کہ تعمیر و تشکیل کے ابتدائی دور سے ہی مختلف زبانوں کے الفاظ اس میں اس طرح شامل ہوگئے جیسے وہ کسی اور زبان سے تعلق نہ رکھتے ہوں بلکہ خالص اردو زبان کے لفظ ہوں چنانچہ باہمی میل ملاپ اور اتفاق و اتحاد کی بنیاد پر ہی اردو کی نشوونما ہوئی اور حقیقت تو یہ ہے کہ لسانی یک جہتی اس کا جوہر اصلی ہے۔ یہ اپنی پیدائش سے لے کر آج تک ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگوں کی محبوب زبان بن کر زندہ ہے اور اس میں ہمارے ملک کے مشترکہ کلچر کی روح سمائی ہوئی ہے۔ یہ ہر علاقہ کے لوگوں میں اپنی ہر دلعزیزی کا سکہ جمائے ہوئے ہے اور پورے ملک کے مزاج و ماحول کی عکاسی اس کا اولین فرض رہا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان کا دامن حب الوطنی کے جذبات سے معمور اور باہمی اتفاق و اتحاد کے نظریات سے ہمیشہ مالامال رہا ہے۔ اس کے شاعروں نے حب الوطنی اور قومی ایکتا کے ایسے ترانے گائے جنہیں سن کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ہمارے آباء و اجداد شروع سے ایک دوسرے فرقے کے مذہبی و تہذیبی تہواروں میں شریک و سہیم رہے اور دیگر مذاہب کے تئیں احترام و رواداری کا کیا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن رہا ہے۔

اردو شاعری میں نظیر اکبرآبادی کا نام محتاج تعارف نہیں۔ وہ اردو کے ایک ایسے شاعر ہیں جن کو صحیح معنوں میں ہندستان کا عوامی اور جمہوری شاعر کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اپنے وطن سے ٹوٹ کر محبت کی۔ وطن کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو انہوں نے لائق اعتنا سمجھا۔ یہاں کے رسم و رواج، مذہبی عقائد و رسومات، تہذیبی تقریبات، یہاں کے موسم، کوہ و دریا، صحرا، چمن کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیا اور اسی کی بدولت انہوں نے عوام و خواص کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ معاشرت، سماج اور ماحول کی سچی عکاسی اور ترجمانی کر کے دلوں میں انسانیت کے احترام کا جذبہ بیدار کیا اور اخوت و بھائی چارے کی فضا ہموار کی۔

نظیر اکبرآبادی سے پہلے شاعری کا انداز بالکل جداگانہ تھا۔ شاعر اور شاعری کا تعلق شاہی دربار سے تھا اور شعراء اپنے بادشاہوں اور امراء کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھ کر انہیں خوش کرتے یا غزل گوئی کے ذریعہ رومان پرور خیالات اور حسن و عشق کے معاملات اور واردات قلب بیان کر کے ان کے کیف و سرور میں اضافہ کرتے یا اگر نظم نگاری کے میدان میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھاتے تو مثنویوں میں خواب و خیال کی پریوں اور شہزادیوں کے حسن و عشق کی داستان سرائی کرتے اور یہ سب کچھ ایسی زبان میں ہوتا جو اردو زبان کم اور عربی فارسی سے بوجھل ایسی زبان ہوتی جس سے خواص اور کسی حد تک تعلیم یافتہ طبقہ ہی لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ عوام سے شاعری کا ربط قائم نہیں ہوا تھا اور نہ ہی عوامی زندگی کی جھلک شاعری میں پائی جاتی تھی۔ شاعری اور ادب محض تفنن طبع کا ذریعہ تھے۔ ان کا رشتہ سماج اور زندگی سے نہ تھا اور نہ عوام اور ان کے مسائل سے شاعر کو کوئی دلچسپی تھی۔ شعراء اور تعلیم یافتہ طبقہ عام فہم زبان میں شاعری کو سوقیانہ اور مبتذل خیال کرتے تھے گویا شاعری اور ادب عوام اور عوامی زندگی کے لئے شجر ممنوعہ تھے۔ نظیر اکبرآبادی نے روش زمانہ کے برخلاف ایسے طرز شاعری کی داغ بیل ڈالی جسے انہوں نے

خود ہی ایجاد کیا اور خود ہی اسے پروان چڑھایا اور زمانے کے سامنے ایک ایسی مثال قائم کی جسے وقت اور ماحول نے تو پسند نہیں کیا لیکن انہوں نے جس مقصد کے تحت ایسی واقعی اور فطری شاعری کی اسے عوام الناس کے ہر طبقہ میں مقبولیت اور شہرت حاصل ہوتی اور نظیر کی شاعری کی چار جانب دھوم مچ گئی جیسا کہ مجنوں گورکھپوری نے نظیر اور ان کی بے مثل شاعری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :

" نظیر ہندستان کے شاعر تھے اور ہندستان کی جمہوری زندگی کو انہوں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور اسالیب اور لہجہ کو عوام سے ہم سطح رکھا۔ یہاں تک کہ ان کی شاعری کو عامیانہ اور بازاری سمجھا جانے لگا لیکن ان کا نفس اور ان کا ضمیر سماج کا ضمیر تھا جس کو ایسے اعتراضات کی پروا نہیں تھی۔ انہوں نے کہیں کھلے الفاظ میں نہیں کہا ہے مگر ان کا انداز بتاتا ہے کہ وہ شاعری کو جمہوری زندگی کا آئینہ سمجھتے تھے۔ شاعر کو کوئی حق نہیں کہ وہ خلق اللہ کی زندگی سے بیگانگی برتے اور اپنے کو ان سے علاحدہ اور برگزیدہ سمجھے اور حقیقت یہ ہے کہ جو شاعر اپنے کو ایک مخصوص اور برگزیدہ حلقہ یا طبقہ کی چیز سمجھتا ہے اور عوام کی زندگی کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا وہ معاشرت اور سماج کا مجرم ہے "

نظیر اکبر آبادی کی یہی خصوصیات پیشروؤں اور مابعد کے بیشتر شاعروں سے انہیں ممتاز کرتی ہیں گو یا کہ عوامی شاعری کے سبب ان کی قدر و منزلت کو بہت بعد میں پہچانا اور سراہا گیا لیکن ادب کے ناقدین جو فرسودہ روایتوں سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکے تھے نظیر کو عامیانہ اور سوقیانہ شاعر سمجھ کر انہیں نظر انداز کرتے رہے اور پھر دورِ جدید کا ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں جدید شاعری کا باوا آدم تسلیم کیا گیا اور بیسویں صدی میں تو صحیح معنوں میں ان کی قدر و قیمت کا تعین ہوا اور ان کی شاعری کو موجودہ دور میں نئی معنویت حاصل ہوئی اور انہیں نہایت دور اندیش حقیقی اور فطری شاعر کی حیثیت سے مقبولیت اور مزید شہرت ملی۔

نظیر اکبر آبادی کا فن انکی فطری، اخلاقی اور فلسفیانہ نظموں میں معراجِ کمال کو پہونچا ہوا نظر آتا ہے۔ انہوں نے جو بھی نظمیں کہی ہیں انہیں اتحاد و یک جہتی، اخوت و بھائی چارے کی عمدہ مثالیں کہی جا سکتی ہیں۔ کائنات میں نہ صرف انسانوں سے محبت نظیر کا ایمان ہے بلکہ وہ حیوانوں اور چرند پرند، کوہ و صحرا اور شجر و حجر سے بھی بڑی انسیت و محبت رکھتے ہیں۔ انسانی ہمدردی اور رواداری کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں جو مذہبی بے تعصبی کا انداز پایا جاتا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ ایک مقام پر " روحِ نظیر " میں جناب مخمور اکبر آبادی نے اس نکتے کی طرف کھل کر اشارہ کیا ہے :

" نظیر کے اخلاق کا سب سے زیادہ تابناک جوہر ان کی بے تعصبی ہے۔ اگر وہ کسی جگہ اسلامی معاشرت کے کسی صیغہ پر روشنی ڈالتے ہیں تو دوسری جگہ فوراً ہی ہندو سوسائٹی کے ہم رتبہ و ہم رنگ شعبہ کا تذکرہ اسی حیثیت سے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ مثلاً ایک مصرعہ میں مسجد کا ذکر ہے تو دوسرے میں مندر کا ذکر لازمی ہے۔ اسی طرح نظیر کے یہاں درویشوں اور صوفیوں کی حالت رقم ہونے کے بعد ہندو جوگی اور تیاگی کا بیان ناگزیر ضروریاتِ اخلاقی میں سے ہے۔ نظیر نے اپنی شاعری میں ہندو مسلم جذبات کا ایسا نازک توازن قائم رکھا ہے جس پر مذہبی تفریق کا بڑے سے بڑا حامی اور بدبین سے بدبین متعصب بھی اعتراض نہیں کر سکتا "

اگر نظیر کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو یقیناً مذکورہ امور کی از خود تصدیق ہو جائے گی۔ نظیر جو ایک درویش صفت انسان تھے ان کے نزدیک بنیادی طور پر اخلاقیات اور جملہ مذاہب کی تعلیمات باہم گر منافی نہیں ہیں بلکہ کسی بھی مذہب کا پیرو ان کی نظر میں واقعی مکمل انسان ہے جس سے محبت و ہمدردی فرد

ہے۔ نظیرؔ کی ایسی انسان دوستی اور وسیع النظری کی مثالیں کم
اعروں میں ملیں گی۔ یہ صفات خاص طور پر صوفیوں سنتوں اور
یشیوں کا ہی طرۂ امتیاز ہیں۔ وہ سماج کے مختلف فرقوں اور
روہوں کے ثقافتی اجتماعات کو بڑے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور
ہمی میل ملاپ، اتحاد و ایکتا کے ایسے مواقع کے منظر نامے ان کی
اعری کا جزو لاینفک ہیں۔ مثال کے طور پر چند بند نظم "ہولی اور
یوالی" سے ملاحظہ ہوں :

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے رنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی محفل میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مئے کی پیالی ہو
بد مست بڑی متوالی ہو، ہر آن بجاتی تالی ہو
مئے نوشی ہو بے ہوشی ہو، بھڑوے کے منہ پر گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ایک دوسری نظم میں ہولی کا منظر دیکھئے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حُسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
ل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

ہر جا گہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

نظیرؔ اکبرآبادی کی ایک اور دوسری نظم میں دیوالی کے
ماز ملاحظہ ہوں۔

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزہ خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا دن ہے بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے کھیلوں بتاشوں کے گرم ہے بازار
ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھی کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

حسینوں کے نازک ہاتھوں میں بندھی رنگ برنگی "راکھی"
دیکھ کر نظیرؔ کے دل میں دیکھئے کیا ارمان ہیں

سجی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہر اک گلرو پھرے ہے "راکھی" باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باھمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

نظیرؔ اکبرآبادی کی نظموں میں "بنجارہ نامہ" اور "ہنس نامہ" اخلاقی تعلیم کی شاہکار تمثیلیں ہیں جن میں دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بڑے موثر اور دلکش انداز میں کھینچا گیا ہے اور انسان کی زندگی کو ایک سفر قرار دیا گیا ہے۔

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

"ہنس نامہ" کا ایک بند ملاحظہ ہو

دنیا کی جو الفت ہے، تو اس کی ہے یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیوں کر ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا ہیں تو کیجئے کیا چاہ

سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں ہنس کے اکیلا ہی سدھارا

"برسات کی بہاریں" میں ہندستان کے موسم برسات کا منظر دیکھئے۔

ہیں اس ہوا میں کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر اکبر آبادی نے جہاں بلدیو جی کا میلہ "جنم کنہیا جی"، "معجزہ حضرت علی"، "حضرت شیخ سلیم چشتی" پر نظمیں لکھی ہیں وہیں "نانک شاہ گرو" کی شان میں بھی ایک بلند پایہ نظم کہی ہے۔ دو بند ملاحظہ ہوں۔

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود مراد، امید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم ان سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
وہ ان پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انہوں کے بھرتے ہیں
آنند عنایت کرتے ہیں سب من کی چنتا ہرتے ہیں
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

بلا شبہ نظیر اکبر آبادی کا کلام ہندستان کے ہر مذہب اور ہر فرقہ کے لوگوں کے لئے امن و شانتی اور محبت و الفت کا ایک پیغام ہے۔ یہ پیغام ان کی تمام نظموں میں رچا بسا ہوا ہے۔ وہ ہندو مسلم سکھ عیسائی غرض سبھی مذہب کے ماننے والوں کا احترام کرتے ہیں اور انہیں اتحاد و یک جہتی اور میل محبت کے ساتھ زندگی کو ہنسی کھیل کر گزار دینے کی تعلیم دیتے تھے۔

نظیر اکبر آبادی کی بیشتر شاہکار نظمیں اب بھی بزرگوں، نوجوانوں اور بچوں کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان کی متعدد اور مشہور نظموں کے بند اب بھی ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ خوشامد، کلجگ، موسم زمستان، آدمی، کورہ برتن، ریچھ کا بچہ، چاندنی رات، بلدیو جی کا میلہ بھی مقبول اور ہر دلعزیز نظمیں ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کے سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی نظموں میں ہندستان کی دھرتی، اس کے کوہ و دریا، گلشن و صحرا، اس کے موسموں کی گوناگوں کیفیات کی موثر اور پرکشش مرقع کشی ملتی ہے۔ ان کے کلام میں تشبیہات و استعارات خالص ہندستانی عناصر سے ماخوذ ہیں۔ وہ ایران و عرب کے دریاؤں اور حسن و عشق کی داستانوں کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ان کے یہاں ہیر رانجھا اور گنگا جمنا کا ہی تذکرہ ملے گا۔ یہاں کے مخصوص چرند و پرند اور جانوروں کے نام ہی ان کے اشعار میں جگہ پائیں گے غالباً اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انہیں اپنے وطن سے گہری محبت ہے کہ وہ اس کے ذرے ذرے سے مانوس ہیں، اس کے جملہ مظاہر و مناظر سے انہیں لگاؤ اور خارجی دنیا کے حسن حقیقی کے وہ زمزمہ خواں ہیں۔ اپنے وطن کے شریف، معصوم اور سیدھے سادے انسانوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان سے ہمدردی و موانست رکھتے ہیں۔ اپنے وطن کے کورے برتن کی سوندھی خوشبو انہیں مشک و عنبر سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔

(بشکریہ: "نیا دور" لکھنؤ) ●

زندگی وعدہ کرکے بھول گئی
اور ہم انتظار کرتے رہے ——— اعزاز افضل



دین ھاٹا، مرشدآباد میں زیرتعمیر دیہی بازار



طوفان گنج ضلع کوچ بہار کے ایک گاؤں کے علاقہ میں زیر تعمیر زمین دوز نکاس۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 32 No.6

15 March 1985

PRICE-12 Paise



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء کو رائٹرس بلڈنگس کے روٹنڈا میں سالٹ لیک اسٹیڈیم کے سلسلے میں لاٹری کا ٹکٹ خریدتے ہوئے



سالٹ لیک کلکتہ میں سیاحوں کا ہاسٹل،

مغربی بنگال

یکم اپریل ۱۹۸۵ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر اعلیٰ : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم اپریل ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر

شرحِ خریداری

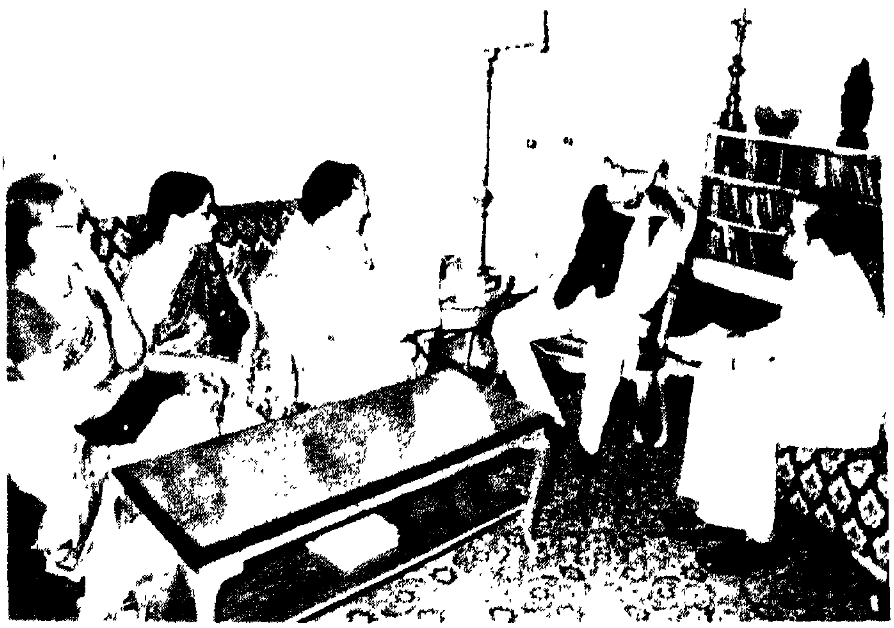
سالانہ : تین روپئے : اس شمارے کی قیمت : ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال

۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ — کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



حال ہی میں راج بھون، کلکتہ میں گورنر مغربی بنگال شری اوما شنکر دکشت نابینا آں کی رفاہی سوسائٹی کی صدر مسز ممتی گپتا باسو اور اس سوسائٹی کے تین اراکین سے محو گفتگو۔

مغربی بنگال کے نئے بجٹ میں ۲۹٫۹۲ کروڑ روپئے کی بچت

سینما ٹکٹ، موٹر گاڑی، اسکوٹر، موٹر سائیکل وغیرہ میں ٹیکس کی شرح میں کمی

تاجروں اور صنعت کاروں کو متعدد سہولتیں۔ عوام کیلئے راحت بخش بجٹ

ریاستی حکومت کے وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا نے ۲۰ مارچ ۱۹۸۵ء کو ریاستی اسمبلی میں ۸۶-۱۹۸۵ء کا بجٹ پیش کیا جس میں ۹۲ ر ۲۹ کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ بچت دکھائی گئی ہے۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ سال رواں میں وسائل میں اضافہ کے شاندار ریکارڈ کے پیش نظر حکومت کو امید ہے کہ ریاستی ٹیکس کی وصولی سے آئندہ سال ۱۰۷۲ کروڑ روپے حاصل ہوں گے۔ غیر ٹیکس حاصل سے ۱۷۱ کروڑ روپئے ملیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ کل آمدنی ۱۸ ر ۱۴۴۳ کروڑ روپئے ہوگی اور کل اخراجات ۱۹ ر ۱۴۶۴۳ روپئے خرچ ہوں گے اور گزشتہ سال کا منفی بقایا ۴۱ ر ۳ کروڑ روپئے ہے۔ اس طرح کل کمی ۴۲ ر ۳۶ کروڑ روپئے کی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ مزید ٹیکس سے ۴۱ء۴۲ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے نیز ۲۵ کروڑ روپئے موثر انتظامی اقدامات سے بذریعہ ٹیکس موصول ہوں گے۔ اس طرح سال کے آخر میں ۹۲ ر ۲۹ کروڑ روپئے کی بچت ہوگی۔ وزیر مالیات کی بجٹ تقریر کا متن اختصار کیساتھ درج ذیل ہے:

گزشتہ چند مہینوں سے ہمیں زبردست مالی دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہ بات باعث تشفی ہے کہ اس ریاست میں معاشی کارگزاریاں بہت سارے شعبوں میں کافی اچھی ہوئی ہیں۔ ابتدائی تخمینہ کے مطابق ۸۵-۱۹۸۴ء میں مغربی بنگال میں فی کس آمدنی میں اضافہ قومی اوسط سے زیادہ ہونے کی امید ہے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں زرعی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سال رواں میں زرعی پیداوار میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ اس کامیابی پر اس پس منظر میں غور کرنا چاہئے کہ گزشتہ سال سیلاب کی وجہ سے بہت سارے علاقوں میں وسیع پیمانے پر امن دھان کی کاشت کو کافی نقصان پہونچا۔ اصلاحات آراضی کے لئے گئے موثر اقدامات سے اور انتظامی ڈھانچہ کی لامرکزیت، جس کے تحت پنچایتوں کو اختیارات دئے گئے ہیں، سے کاشتکاری کو کافی فائدہ پہونچا، اس کے ساتھ ساتھ حالیہ برسوں میں آبپاشی کی سہولتوں میں مسلسل اضافہ سے زرعی رفتار ترقی اور بھی تیز ہوگئی۔ اگر مشرقی ریاستوں میں بجلی اور آبپاشی کی سہولتوں میں مزید اضافہ کرنے کے سلسلہ میں فنڈ دستیاب ہوتے اور اس سلسلہ میں مرکزی منصوبہ بندی حکام کی اور بھی زیادہ ہمدردانہ پالیسی سے ہماری زرعی پیداوار جس میں قومی اوسط سے کافی اضافہ ہوا ہے ـــــ اور بھی زیادہ ہوتی۔

کاش میں یہی باتیں صنعتی پالیسی کے سلسلہ میں بھی کہہ سکتا۔ چھوٹی صنعت کے شعبہ میں خاص طور پر الکٹرونکس اور ہینڈلوم کپڑوں کی صنعت میں ترقی کی رفتار قومی اضافہ کی اوسط شرح کی رفتار سے زیادہ ہوئی ہے یا اس کے مساوی ہوئی ہے۔ لیکن منظم صنعتی سیکٹر میں اب بھی مسائل موجود ہیں جیسا کہ میں نے گزشتہ سال بجٹ پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ مغربی بنگال میں صنعتی افزائش میں بحران کی ابتدا حالیہ دور میں نہیں ہوئی ہے

خاطر خواہ رقم کی بچت ہوتی جسے ہم منصوبہ کے لئے خرچ کر سکتے۔

مرکزی حکومت کے سی مالی فیصلہ نے قومی معیشت کیلئے شدید پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ دستور میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان مالیات کی تقسیم اور توازن کے سلسلہ میں ایک خاکہ موجود ہے لیکن اب بہت ساری ریاستوں کا یہ نظریہ ہے کہ موجودہ خاکہ ریاستوں کے مفادات کے خلاف ہے۔ مرکزی حکومت نے سنہ ۱۹۸۳ء میں مرکز۔ریاست تعلقات پر جو کمیشن قائم کیا ہے، انکی ایک وجہ یہی ہے کہ ان خصوصی امور پر غور و خوض کیا جائے جبکہ کمیشن ان مسائل پر غور و خوض کر رہا ہے۔ مرکزی حکومت نے ایک فیصلہ کیا جس کی رو دستور کے تحت ریاستی حکومتوں کو مالیاتی وسائل کی فراہمی کے کام کو اپنے طور پر روک دیا۔ کمیشن کی سفارشات کو روبہ عمل نہ لانے کے لئے جو وجوہ پیش کی گئیں وہ تشفی بخش نہیں ہیں۔ اسی طرح کمیشن نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ سنہ ۸۴-۸۹ء کے عرصہ میں ہر سال مرکزی آبکاری کے تحت حاصل کردہ رقوم کی ۵ فیصد رقم کمی کی ال ریاستوں مع مغربی بنگال کو دی جائے۔ آبکاری کی اس ۵ فیصد رقم کو مختلف ریاستوں میں تقسیم کرنے کا تناسب بھی ایک جیسا نہیں ہے لیکن ان پانچ برسوں میں ہر سال کے لئے یہ تناسب مختلف ہوتا ہے۔ مغربی بنگال کو سنہ ۸۴-۸۵ء میں اس رقم کا ۱۹ فیصد ملے گا لیکن بعد کے چار برسوں میں یہ تناسب آہستہ آہستہ گھٹتا جائے گا۔

اب مرکز میں ایک نئی حکومت برسر اقتدار آئی ہے۔ میں اس حکومت سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان باتوں پر غور کرے۔

مرکز کی مالیاتی غیر یقینی سے اس ریاست کے سالانہ منصوبہ پر اثر پڑا ہے، ہم لوگ منصوبہ بندی کمیشن کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکے کہ وہ سنہ ۸۴-۸۵ء کے لئے ہمارے منصوبہ کے سائز کو آخری شکل دے۔ اس کے علاوہ برسوں سے مغربی بنگال کو فی کس کی بنیاد پر مرکزی منصوبہ امداد بھی سب سے کم دی جاتی ہے۔ چونکہ ہمارے منصوبہ کو آخری شکل نہیں دی گئی ہے اس لئے اس سال ہمیں مرکز سے حسب معمول منصوبہ امداد شاید ہی ملے۔ ہم لوگوں نے منصوبہ بندی کمیشن سے سنہ ۸۴-۸۵ء کیلئے ۸۴۷ کروڑ روپئے کے مصارف کے منصوبہ کے لئے درخواست دی تھی۔ لیکن اب تک منصوبہ بندی کمیشن نے اس سالانہ منصوبہ کو آخری شکل نہیں دی۔ اس کے ساتھ ہی ساتویں پنجسالہ منصوبہ اور سنہ ۸۵-۸۶ء کے لئے ریاست کے سالانہ منصوبہ کو ابھی تک آخری شکل نہیں دی گئی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ساتواں منصوبہ آئندہ چند مہینوں میں مرتب کر لیا جائے گا لیکن منصوبہ بندی کمیشن کے اصرار پر سنہ ۸۵-۸۶ء کیلئے سالانہ منصوبہ گفت و شنید کو عارضی طور پر ملتوی رکھا گیا ہے۔ ایسے حالات میں سنہ ۸۵-۸۶ء کے لئے ہماری بجٹ تجویز میں ہمارے سالانہ منصوبہ میں اخراجات کا تخمینہ ۵۷۰ کروڑ روپیہ رکھا گیا ہے اور منصوبہ بندی کمیشن سے بات چیت مکمل کرنے کے بعد اس موضوع پر نظر ثانی کی جائے گی۔

ریاستی حکومت کو کافی مالیاتی دباؤ کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ نیز ریاستی حکومت مرکزی شرحوں پر اپنے ملازمین کو مہنگائی بھتہ دینے میں جو رقوم خرچ کرتی ہے انہیں مرکزی حکومت پورا کرنے میں ہچکچاتی ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے ہم مرکزی حکومت کی مہنگائی بھتہ کی قسط وار اضافہ اور ادائیگی کے سلسلے میں تقلید کرنے میں ناکام رہے۔ بہرحال جب بھی ہمارے ذرائع نے اجازت دی کہ ہم ایک دو قسط دیتے رہے۔ ہمارا یہ ارادہ ہے کہ سنہ ۸۵-۸۶ء میں ایسی قسطوں کی ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس بات کا انحصار ہماری وسائل کی دستیابی پر ہے۔

عزت مآب ممبروں کو اس بات سے خوشی حاصل ہوگی کہ ہم لوگوں نے ہر ضلع کے لئے منصوبہ بندی کمیشن قائم کر کے معاشی منصوبہ کی لامرکزیت کے راستہ میں اہم قدم اٹھائے ہیں۔ یہ کمیٹیاں اپنے اپنے ضلع کے لئے منصوبہ اور پروگرام مرتب کریں گی اور انکی فراہم کردہ ترجیحات کی روشنی میں ریاست کا سالانہ منصوبہ اور پنج سالہ منصوبے مرتب کئے جائیں گے۔ یہ بہت ہی اہم اقدام ہے جس کے سلسلے میں مغربی بنگال نے پہل کی اور مجھے یقین ہے کہ سارے ملک میں لامرکزی معاشی ترقی کی راہ میں یہ ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔

سنہ ۸۵-۸۶ء کے لئے مالیاتی تجاویز کا ذکر کرنے سے قبل میں مختصر طور پر سنہ ۸۴-۸۵ء کیلئے نظر ثانی کردہ تخمینوں کا ذکر کروں گا۔

ٹیکس کی حصولیابی کیلئے کئے گئے اقدامات کی وجہ سے ہمیں مختلف ریاستی ٹیکسوں کے تحت ۷۶ر۹ کروڑ روپے حاصل ہوں گے۔ نیز مرکزی ٹیکس سے ہمیں ۶۵ر۱۰۲ کروڑ روپے ملیں گے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سال رواں میں مرکزی چنگی کے تحت ہمارے حصص کے طور پر ہمیں ۸۷ر۳۶۹ کروڑ روپئے ملیں گے۔ نظرثانی تخمینہ کے مطابق، ریاستی حکومت کو غیر ٹیکس محاصل کے تحت ۱۵ر۶۲ کروڑ روپئے ملیں گے۔ اس طرح مختلف ٹیکسوں اور ذرائع سے ریاستی حکومت کو ۸۵-۱۹۸۴ء میں کل ۷۷ر۳۷۸۴ کروڑ روپئے موصول ہوں گے، حالانکہ بجٹ میں ۸۴ر۳۰۱۱ کروڑ روپئے کا تخمینہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح ریونیو اکاؤنٹ میں ہمارے اخراجات کا نظرثانی کردہ تخمینہ ۶۹ر۲۲۶۸ کروڑ روپیہ ہے، حالانکہ بجٹ میں ۵۶ر۲۰۰۹ کروڑ روپئے کا تخمینہ کیا گیا تھا۔ اس طرح کی تبدیلی سرمایہ اکاؤنٹ میں بھی ہوئی ہے۔ اس طرح کل اخراجات کا تخمینہ ۰۵ر۴۱۵ کروڑ روپئے ہوتا ہے۔ اس میں اگر ہم ابتدائی منفی رو کرڈ باقی یعنی ۸۳ر۱۰۶ کروڑ روپئے کو شامل کر دیں اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ کمیشن کی سفارشات کے مطابق جو رقم ہمیں ملنی چاہئے وہ فراہم نہیں ہوگی، سال کے آخر میں ۲۹ر۲۶۰ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ گزشتہ ۲۸ر جنوری تک ہر ریاستی حکومت کے اوور ڈرافٹ کی رقوم کی ادائیگی کے لئے مرکزی حکومت اقدامات کرے گی اور اس طرح ۸۵-۱۹۸۴ء کے آخر میں ۴۱ر۳۱ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔

۸۶-۱۹۸۵ء کے لئے ریاستی حکومت کی معاشی حالت کے روشن امکانات ہیں۔ صرف آٹھویں مالیاتی کمیشن کی سفارشات کے مطابق اس ریاست کو ۱۶۰ کروڑ روپئے فراہم کئے جائیں گے۔ نیز سال رواں میں وسائل اکٹھا کرنے کے سلسلے میں ہمیں کافی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ آئندہ سال ریاستی ٹیکسوں کے تحت ۱۰۷۲ کروڑ روپئے اور غیر ٹیکس محاصل کے تحت ۱۷۱ کروڑ روپئے موصول ہوں گے۔ دیگر محاصل سمیت کل ۱۸ر۲۶۴۴ کروڑ روپئے موصول ہوں گے اور اس عرصہ میں ایک تخمینہ کے مطابق ۱۹ر۲۶۴۴ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے۔ اس میں ۴۱ر۳۱ کروڑ روپئے کے منفی رو کرڈ باقی کو شامل کرنے پر سال کے آخر میں ۴۲ر۳۹ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔

اب آپ لوگوں کی اجازت سے میں ۸۶-۱۹۸۵ء میں مزید وسائل اکٹھا کرنے کے لئے چند تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ گزشتہ ہفتہ مرکز کے دو بجٹوں کے نتائج سے قیمتوں میں اور اسباب کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کے بوجھ تلے عوام آ گئے۔ میں لوگوں پر مزید بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا، اس لئے میری تجویزیں ضروری اور معتدل ہیں۔

میں ٹیکس کی شرحوں میں چند تبدیلیوں کے لئے تجاویز پیش کرتا ہوں۔ کلکتہ اور سلی گوڑی میں مغربی بنگال سے باہر دوسری ریاستوں میں بھیجنے کے لئے چائے کی فروخت کے مراکز ہیں۔ ایسی چائے پر دو فیصد ٹیکس ادا کیا جاتا ہے۔ میری تجویز ہے کہ یکم اپریل سے ان شرحوں میں اضافہ کیا جائے اور کلکتہ کے لئے تین فیصد اور سلی گوڑی نیلام مراکز کیلئے ۲ فیصد شرح ٹیکس مقرر کی جائے۔ اس اقدام سے ہر سال ۳ کروڑ روپئے کے محاصل حاصل ہوں گے۔

میری تجویز ہے کہ موٹر گاڑی، موٹر اسکوٹر، موپڈس، موٹر سائیکل وغیرہ پر سیلس ٹیکس کی شرح ۱۱ فیصد سے کم کرکے ۸ فیصد کر دیا جائے۔ میرے خیال میں اس کمی سے ہماری ریاست میں ایسی گاڑیوں کی فروخت میں کافی اضافہ ہوگا۔ اور ایک تخمینہ کے مطابق اس مد پر مزید ۴ کروڑ روپئے سالانہ بطور محاصل حاصل ہوں گے۔ اسی طرح میری تجویز ہے کہ سوتی موزہ، بنیان وغیرہ ریشمی نائلون وغیرہ کے موزہ بنیان وغیرہ پر ۴ فیصد کے حساب سے سیلس ٹیکس عاید کیا جائے اور اونی موزہ بنیان پر موجودہ ۸ فیصد سیلس ٹیکس شرح جاری رہے۔ صرف سوتی موزہ ٹیکس سے آزاد رہیں گے۔ اس طرح میری تجویز یہ ہے کہ یہاں تیار کردہ شراب، افیون، گانجہ پر محاصل کی شرحوں میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔

ریاستی حکومت کے جاری کردہ رجسٹریشن اور لائسنس کے لئے فیس میں گزشتہ پندرہ بیس سال میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ اسی دوران قیمتوں کی شرح میں کافی اضافہ ہوا۔ ایسے لائسنس اور رجسٹریشن کے لئے حکومت کے جو انتظامی اخراجات ہوتے ہیں انہیں کچھ حد تک پورا کرنے کے لئے میری تجویز ہے کہ فیس کی شرح میں کچھ اضافہ کیا جائے۔ اس طریقہ کار سے سالانہ مزید ایک کروڑ روپئے وصول ہوں گے۔



کلکتہ میں چین کے قلاباز

حکومتِ مغربی بنگال کے محکمۂ اطلاعات و ثقافتی امور اور ہندوستانی کاؤنسل برائے ثقافتی تعلقات کے زیرِ اہتمام گذشتہ ۱۳ اور ۱۴ مارچ کی شام کو رابندرا سدن، کلکتہ میں، چین سے آئے والے ۱۶ ارکان پر مشتمل جیالسی ایکروبیٹکس ٹیم نے حیرت انگیز کھیل اور کرتب دکھاکر ناظرین کا دل موہ لیا۔ لگن، محنت اور ڈسپلن سے انسانی جسم کو کس قدر لچکدار بنایا جاسکتا ہے اور قلابازی، کسرت اور کرتب کو کس قدر جاذب اور دلکش بنایا جاسکتا ہے۔ یہ بات ان قلابازوں کے مختلف پروگراموں سے بالکل عیاں ہوجاتی ہے۔ ایک پہیہ کے سائیکل پر توازن کو برقرار رکھتے ہوئے بیڈمنٹن کھیل، جادوئی قلابازی وغیرہ سے ناظرین بہت کافی محظوظ ہوئے۔

چین میں سنہ ۱۹۶۱ء میں قلابازی کی اس ٹیم کی تشکیل کی گئی۔ اس وقت سے ہی اس ٹیم نے قلابازی اور کرتب سے متعلق چین کے قومی وقار کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اسے دور دیشوں تک پہنچا کر بین الاقوامی شہرت حاصل کر لیا۔ ہند چین ثقافتی تبادلہ پروگرام کے تحت چین کی یہ ٹیم ہندوستان آئی اور یہاں مدراس، حیدرآباد، کلکتہ اور دیگر شہروں میں [illegible] کے ۳۰ مارچ ۱۹۸۵ء کو پروگرام کے ختم ہونے کے بعد ہندوستانی کاؤنسل برائے ثقافتی تعلقات کی طرف سے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے وزیر کانتی بسواس نے اس ٹیم کو پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ ریاستی حکومت کی طرف سے وزیر محکمۂ اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ اور رابندرا سدن کی جانب سے شری حیمو مکرجی نے ٹیم کو گل دستے پیش کئے گئے۔



• اطلاعات و ثقافتی امور کے منسٹری بدھادیب بھٹاچاریہ اور ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے وزیر شری کانتی بسواس، رابندرا سدن کلکتہ میں چین کے قلابازوں کے ساتھ







تزئین: سرینش سکھو پادھیائے

تصویر: رتن داس گپتا

اب میں تفریحی ٹیکس کی بابت کچھ عرض کروں گا۔ سینما مغربی بنگال کی ایک اہم صنعت ہے۔ اس صنعت میں بہت سارے افراد برسرِ روزگار ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال میں فلم صنعت گزشتہ دہائی سے شدید بحران سے دوچار ہے۔ ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے بہت سارے اقدامات کئے تھے۔ اس بات کی عام شکایت ہے کہ سینما گھروں کو بہتر حالت میں نہیں رکھا جاتا اور اور نئے سینما گھر تعمیر بھی نہیں کئے جاتے نیز سینماؤں میں ٹکٹوں کی فروخت سے جو رقوم وصول کی جاتی ہیں ان کا ۶۵ تا ستر فیصد حصہ ریاستی حکومت بطور ٹیکس لے لیتی ہے۔ اس لئے سینما صنعت کی ہمت افزائی کرنے کے لئے میری یہ تجویز ہے کہ سینما پر عائد موجودہ تمام تفریحی اور دیگر ٹیکس کو ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ ٹکٹ کی قیمت کے برابر ٹیکس عائد کیا جائے۔ اسی طرح میری یہ تجویز ہے کہ کھلی جگہ میں جاترا اور ناٹک پر فی شو ۲۰۰ روپیہ کا ٹیکس عاید کیا جائے اور تفریحی پروگرام معہ اسپورٹس تھیٹر وغیرہ کے لئے دس روپیہ تک کے ٹکٹ کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے لیکن اس سے زیادہ قیمتوں کے ٹکٹ پر ۲۰ فیصد ٹیکس عائد کیا جائے اور ریس کورس کے میدان میں داخلہ فیس پر ۲۵ تا ۶۰ فیصد ٹیکس عائد کیا جائے۔

میری تجویز یہ ہے کہ دیگر بہت ساری چیزوں پر ٹیکس کی شرحوں میں کمی کی جائے مثال کے طور پر ٹیکس کی شرح ناریل کی رسی پر ۱۱ سے کم کر کے ۸ فیصد، برف اور آئس کریم پر ۱۵ سے کم کر کے ۸ فیصد، دودھ پاؤڈر پر ۱۱ سے کم کر کے ۸ فیصد کر دی جائے۔ وی ڈیو کیسٹ ریکارڈس پر ٹیکس کی شرح از سرِ نو طور پر ۲۵۰ روپئے سالانہ مقرر کی گئی ہے۔

ٹیکس کے ڈھانچہ کو ہموار بنانے کے لئے میں نے جن اقدامات کا ذکر کیا ہے ان سے ۸۶-۱۹۸۵ء میں مزید ۴۲ر۴۱ کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔ کاروباری ٹیکس کی حصولیابی کے سلسلے میں ہمیں جو کامیابی حاصل ہوئی اس کے پیشِ نظر ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ موثر انتظامی اقدامات سے ہم مزید ۲۵ کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل کر سکیں گے۔

اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں اس ریاستی حکومت کی بجٹ کمی کو پورا کر دیا جائے گا اور سال کے آخر میں ۹۲ر۲۹ کروڑ روپئے کی بچت ہوگی۔

۸۶-۱۹۸۵ء کے لئے گرانٹس کے لئے مطالبات پر غور و خوض کے طریقہ کار میں اپریل کے دوسرے نصف تک لے جائیں گے۔ اس بات کے پیشِ نظر کہ ریاستی حکومت یکم اپریل سے اپنی سرگرمی جاری رکھ سکے، میری یہ تجویز ہے کہ آئندہ مالی سال کے پہلے دو مہینوں کے لئے اخراجات کے گرانٹ کے طور پر اس ایوان کی رضامندی حاصل کر لی۔

ڈی وائی ایف کے زیرِ اہتمام

اردو سیمینار اور اردو مشاعرہ

۱۱ر مارچ ۱۹۸۵ء کی شام کو اسٹیٹ یوتھ سنٹر مولا لی میں ڈی، وائی، ایف کے چوتھے یومِ تاسیس کے موقع پر "ہندستان میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی اور نوجوانوں کے فرائض" کے عنوان سے ایک سیمینار اور مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا۔ سیمینار کا آغاز انقلابی نغموں سے ہوا۔ سیمینار میں حصہ لینے والوں میں محمد امین اور جناب ساگر لکھنوی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے جناب محمد امین نے لوگوں کو بتایا کہ ہندستان میں فرقہ پرست اور علیحدگی پسند طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں۔ اس موقع پر اس قومی سیمینار کا اہتمام کر کے ڈی وائی ایف نے ایک قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔

فیڈریشن کے سکریٹری محمد سلیم نے سیمینار کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے نوجوانوں سے آگے بڑھنے کی اپیل کی۔ سیمینار کی نقابت کے فرائض روبن دیب انجام دے رہے تھے۔ سیمینار کے بعد مشاعرہ ہوا جس میں اردو کے خوش فکر اور ترقی پسند شاعروں نے اپنے کلام سنائے۔ ٭٭٭

لطف آ جائے اگر جامہ تلاشی لیجئے
ہاتھ میں دستہ گل جیب میں پتھر نکلے

اعزاز افضل

مغربی بنگال میں آزمائشی رہائی

سنہ ۱۹۵۶ء سے سنہ ۱۹۸۰ء تک

از: ٹی۔ ایس۔ مکھرجی، اعلیٰ نگراں افسر، مغربی بنگال

اب اس بات کو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ سزا کا مقصد مجرموں کی اصلاح ہے۔ سماجی دفاع کے تصورات میں اس مقصد کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ سماجی دفاع کے معنی یہ ہیں کہ جہاں ضروری ہو سزا دے کر اور جہاں ممکن ہو اصلاح کر کے ایک صحت مند نظام کو برقرار رکھا جائے۔ تمام اصلاحی اقدامات جیسے آزمائشی رہائی، دیکھ بھال اور قید وغیرہ، سماجی دفاع کے تمام اصولوں کے تحت کئے جاتے ہیں۔ ساری دنیا میں جرم کے قابل سزا کی جگہ مجرم کو راہ پر لانے والی سزا کو اہمیت دی جا رہی ہے۔

جرم کی روک تھام کے سلسلہ میں کی جانے والی تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ حالات کے دباؤ کے تحت بہت سارے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایسے دباؤ پر مجرموں کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ جب ایک شخص ایسے گھر میں پیدا ہوتا ہے جہاں افراتفری کا دور دورہ ہوتا ہے، جہاں اسے پیار نہیں ملتا، جہاں ہر وقت لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے، تو ایسے ماحول میں اس کے ذہن میں بہت سی باتیں اجاگر ہوتی ہیں اور سماجاتی ہیں اور ایسی باتیں سماج کی قدروں کے مطابق نہیں ہوتیں۔ ایسے شخص کو اکثر ضروریات زندگی سے محروم رہنا پڑتا ہے، اور اسے مناسب طور پر تعلیم نہیں دی جاتی اور اس طرح وہ سماجی قدروں سے روشناس نہیں ہوتا ہے اور نہ انہیں وہ قبول کرتا ہے۔ اس لئے جرم کا ارتکاب کرنا اس کے لئے غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ اب بہت سارے ملکوں میں یہ تسلیم شدہ پالیسی ہے کہ اس بات کی کوششیں کی جانی چاہئیں کہ ایک عام سماج میں مجرموں کو قید خانہ میں ڈالنے کی جگہ انکی اصلاح کی جائے اور انہیں بحال کیا جائے۔ مختلف افراد مختلف مقاصد کے تحت جرم کرتے ہیں۔ اس لئے جدید ماہرین اجرام انفرادی طور پر مجرموں کی سماجی، نفسیاتی اور خاندانی پس منظر کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ متعین کیا جا سکے کہ کون سا طریقہ کار مجرموں کو راہِ راست پر لانے کے لئے بہتر ہوگا۔

بعض کیسوں میں جب ایک مجرم آوارہ گردی کا شکار بن جاتا ہے اور بری باتوں کو وہ اپناتا ہے تو ایسی حالت میں یہ ضروری بن جاتا ہے کہ اسے ایک اصلاحی ادارہ میں یا قید خانہ میں ڈال دیا جائے تاکہ اس کی عادت کی نوعیت میں تبدیلی لائی جا سکے۔ بعض کیسوں میں تو عادی مجرم ہوتے ہیں اور قید اور اصلاحی حراست سے ہی یہ سدھر سکتے ہیں لیکن اکثریت میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن سے پہلی بار جرم سرزد ہوا، جنہوں نے چھوٹے چھوٹے جرم کئے اور اگر کھلی فضا میں آزمائشی رہائی کے تحت ان مجرموں کی اصلاح کے لئے اور انکی بحالی کے لئے کوششیں کی جائیں تو ان اقدامات سے سماج کو کافی فائدہ پہونچے گا۔

مغربی بنگال میں آزمائشی رہائی:

ریاستی ایکٹ، مغربی بنگال مجرموں کو آزمائشی رہائی ایکٹ سنہ ۱۹۵۴ء اور مغربی بنگال مجرموں کے (آزمائشی رہائی) قوانین سنہ ۱۹۵۶ء کے تحت مغربی بنگال میں آزمائشی رہائی کا نظام رائج کیا گیا۔ یہ ایکٹ ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء سے نافذ کیا گیا اور مغربی بنگال کے مندرجہ ذیل علاقے اس کے تحت لائے گئے۔

کلکتہ، ہوڑہ، ہگلی اور ۲۴ پرگنہ (صرف پولس مجسٹریٹوں کی عدالت کے دائرہ عمل میں)

بعد میں ہندوستان کی پارلیامنٹ نے ۱۹۵۸ء میں مجرموں کی آزمائشی رہائی ایکٹ پاس کیا۔ اس ایکٹ کو مذکورہ بالا علاقوں میں نافذ کر دیا گیا اس کے ساتھ ساتھ تین اور اضلاع

یعنی مدناپور، ندیا اور بردوان کو بھی ۲ رمئی ۱۹۶۰ء سے اس ایکٹ کے تحت لایا گیا۔ ریاستی ایکٹ منسوخ نہیں کیا گیا لیکن اب اسے روبہ عمل نہیں لایا جاتا۔ مرکزی ایکٹ میں چند اہم باتیں درج کی گئیں۔ اس قانون کے تحت عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان مجرموں کو، جنہیں موت یا عمر قید کی سزا دی گئی ہے، چھوڑ کر تمام مجرموں کو بلا لحاظ عمر، آزمائشی طور پر رہا کر سکتی ہیں۔ صرف ۲۱ سال سے کم عمر کے مجرموں کو، جنہیں قید کی سزا دی گئی ہے، کی بابت چند پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں اور ایسے معاملوں میں اس ایکٹ کی دفعہ ۶ کے تحت نگرانی افسر کی رپورٹ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

آزمائشی رہائی کے کام کاج کی رفتار ترقی:

آئیے اب قید کی جگہ آزمائشی رہائی کی رفتار ترقی کا جائزہ لیں۔

گزشتہ برسوں میں یعنی ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک ۱۱۷۵ مجرموں کو نگران افسروں کے زیر نگرانی رہنے کے لئے عارضی طور پر رہا کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں ان میں سے ۴۶۶ افراد کو راہ راست پر لایا گیا اور وہ حسب معمول زندگی گزارنے لگے اور قانون کو ماننے والے شہری بن گئے۔ صرف ۷۷ افراد ایسے نکلے جو پھر جرم کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر ۱۰۰ کامیاب کیسوں میں سول کیسوں میں ناکامی ہوتی ہے۔

دوسرے پانچ برسوں میں یعنی ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء تک، مغربی بنگال کے سات اضلاع میں ۲۶۶۶ مجرموں کو آزمائشی طور پر رہا کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے ۲۴۷۲ مجرم راہ راست پر آ گئے لیکن ۱۸۵ مجرموں پر اصلاحی اقدامات کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس طرح اس عرصہ میں کامیابی اور ناکامی کا تناسب ۱۰۰ : ۷ تھا۔

تیسرے پانچ برسوں میں یعنی ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک ۲۷۵۴ مجرموں کو آزمائشی رہائی کے تحت چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے ۲۶۱۵ مجرموں نے نئے سرے سے زندگی گزارنی شروع کی، لیکن ۱۰۶ مجرموں میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اس طرح اس عرصہ میں کامیاب اور ناکام کیسوں کا تناسب ۱۰۰ : ۴٫۵ رہا۔ اس عرصہ میں ایکٹ کو ۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء سے اضلاع بانکوڑا، بیربھوم اور مرشد آباد میں بھی نافذ کر دیا گیا۔

گزشتہ دہائی میں یعنی ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۰ء تک اس ایکٹ کو ۴ نومبر ۱۹۷۲ء سے اضلاع پرولیا اور مالدہ میں، ۵ دسمبر ۱۹۷۲ء سے ضلع مغربی دیناج پور میں اور ۹ جنوری ۱۹۷۵ء سے اضلاع کوچ بہار، جلپائی گوڑی اور دارجلنگ میں نافذ کر دیا گیا ہے اور اس طرح مغربی بنگال کے ہر ضلع میں اس ایکٹ کو نافذ کر دیا گیا۔ اس دہائی کے عرصہ میں ۳۸۳۱ مجرموں کو آزمائشی رہائی کے تحت چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے ۳۸۰۲ مجرم صحیح راستہ پر گامزن ہو گئے لیکن ۸۸ مجرموں نے اپنی روش زندگی میں تبدیلی نہیں لائی۔ اس طرح کامیابی اور ناکامی کا تناسب ۱۰۰ : ۲٫۵ رہا۔

پروبیشن یعنی نگران افسروں کی کارگذاری

شروع شروع میں نگران افسروں کے کردار کی بابت اکثر غلط فہمی پیدا ہو جاتی۔ عام طور پر لوگ اور انتظامیہ کے افسران نگران افسروں کو زیر تربیت افسر سمجھتے۔ قدرتی طور پر ان افسروں کو اس وقت بہت ہی شدید صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان لوگوں کو مجسٹریٹوں، پولس افسروں، وکیلوں اور عام طور پر لوگوں کو اپنے کام کاج کی بابت تفاصیل سے آگاہ کرنا پڑتا۔

ایک نگران افسر کو ہر موقع پر لوگوں کے پاس جانا پڑتا ہے۔ پہلے اس افسر کو ایک مجرم کی بابت ابتدائی تفتیش کرنی پڑتی، اس کے بعد اسے مجرم کے محلے میں جانا پڑتا تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس ایکٹ کے تحت مجرم کو آزمائشی رہائی پر چھوڑنا مناسب ہوگا کہ نہیں۔ آزمائشی رہائی کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ مجرم کی جائے رہائش ہو اور وہ یا اس کے ضامن باضابطہ طور پر کام کاج کرتے ہوں۔ نگران افسر بعض کیسوں میں رضاکار سماجی کارکنندگان کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ ایک مجرم کے

ضامن بن جائیں۔ جب اس مجرم کی جائے رہائش نہیں ہوتی اور نہ وہ باضابطہ طور پر کوئی کام کاج نہیں کیا کرتا۔ رہائی کے بعد مجرم کو نگراں افسر نہ صرف اس کے عہد نامے کی شرائط کی تفاصیل سے آگاہ کرتا ہے بلکہ اسے اس کے گھر تک پہونچانے میں اسکی مدد بھی کرتا ہے۔ نگراں افسر کے پاس اس کام کے لئے کوئی فنڈ نہیں ہوتا ہے اور جب مجرم بہت ہی غریب ہوتا ہے اور گھر پہونچنے کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہوتے تو ایسی حالت میں نگراں افسروں کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں نگراں افسر ضلع حکام سے رجوع کرتا ہے کہ امدادی فنڈ سے مجرموں کو مالی امداد فراہم کی جائے۔ رہائی کے بعد مجرم کو جب اس کے گھر بھیج دیا جاتا ہے، تو اس وقت نگراں افسر اپنے ذاتی اثر اور ترغیب کے ذریعہ مجرم کی زندگی کو حسب معمول راستہ پر گامزن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں خاندانی بدنظمی ہوتی ہے وہاں نگراں افسر خاندان کے لوگوں سے ملاقات کرتا ہے اور دوستانہ طریقے سے الجھنوں کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نگراں افسر سرکاری اور غیر سرکاری ایجنسیوں سے مجرموں کی بحالی کے لئے جہاں ضرورت ہوتی تو، روزگار حاصل کرنے، اسکول، ہسپتال میں داخلہ کے لئے، یا امداد حاصل کرنے کے کام میں مدد کرتا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ایک پولس کانسٹبل کو ایک جرم کے ارتکاب کے لئے سزا دی گئی، لیکن بعد میں اسے آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا گیا۔ نگراں افسر نے اس کانسٹبل کی اصلاح کیلئے کوششیں کیں اور پھر اسے اس کے کام پر دوبارہ بحال کرا دیا۔ ہوڑہ کے نگراں افسر نے ڈسٹرکٹ اور سیشن جج، ہوڑہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے ایک کلرک کو، جسے سزا دی گئی تھی اور جسے آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا گیا تھا، پھر سے کام پر واپس لے لے۔ اس طرح کلکتہ کے نگراں افسر نے ایک کارنامہ انجام دیا اور وہ یہ کہ اس نے ایک قیدی کو، جسے آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا گیا تھا، اس کارخانہ میں جہاں وہ پہلے کام کرتا تھا، برسر روزگار بنا دیا، حالانکہ اس قیدی کے خلاف اسی مالک نے مقدمہ دائر کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں نگراں افسروں کو ان کے حسب معمول کام کے علاوہ اور بھی بہت ساری انتظامی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ کلکٹرس اکثر ان افسروں کو کلکٹوریٹ کے مختلف شعبوں کی ذمہ داری سونپ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں کبھی کبھی اسسٹنٹ ریٹرننگ افسر، اسسٹنٹ الکٹورل رجسٹریشن افسر، سنسس آفیسر وغیرہ کی حیثیت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ ہوڑہ کے نگراں افسر کو ایک مجسٹریٹ کے اختیارات دئے گئے ہیں تاکہ وہ امن وامان کی صورتحال کا اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ضلع انتظامیہ میں ان افسروں نے اپنی اہمیت عیاں کر دی اور ان کی خدمات کا مقصد یہ ہے کہ زیر نگرانی آزمائشی رہائی پانے والوں کی بحالی کے لئے ضلع حکام سے تعاون اور مدد حاصل کی جائے۔

آزمائشی رہائی کے نتائج: مذکورہ بالا تفاصیل سے آزمائشی رہائی کی اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔ لیکن احتیاطاً یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ کس حد تک نگراں افسر کے دیکھ بھال کے پروگرام اور دیگر اقدامات کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں، ان کا تخمینہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے کہ جب ہم اقرار نامہ کی مدت کے ختم ہو جانے کے بعد اسی طرح کے ایک پروگرام کو برقرار رکھ سکتے ہیں لیکن مغربی بنگال مجرموں کی آزمائشی رہائی کے قوانین سنہ ۱۹۶۰ء میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے، اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مذکورہ قانون میں ترمیم لانے کی ضرورت ہے۔

سماجی مسئلہ: آزمائشی رہائی تو ایک سماجی مسئلہ ہے اور سماج ہی اسے حل کر سکتا ہے۔ سماجی تنظیمیں جیسی پنچایت کو اس پروگرام سے وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ میں یہاں اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ بردوان میں ایک مجرم کو راہِ راست پر لانے کے لئے مقامی پنچایت نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اختصار کے ساتھ واقعہ یوں ہے کہ ۱۸ سال کا نوجوان بدن کو تعزیرات ہند کی

دفعہ ۳۷۹ کے تحت سزا دی گئی۔ بعد میں اسے آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا گیا۔ گرفتار ہونے سے قبل بیڑی کے کارخانے میں وہ بیڑی بنانے کا کام کر رہا تھا۔ لیکن آزمائشی رہائی کے بعد جب وہ اپنے گاؤں واپس گیا تو اس کے مالک نے اسے کام پر واپس لینے سے انکار کر دیا۔ مدن ایک غریب کا لڑکا ہے اس کے والد ایک پنساری کی دکان میں کام کرتے ہیں۔ یہ خاندان پانچ افراد پر مشتمل ہے۔ ان کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ اور نہیں ہے۔ نگراں افسر نے اس معاملہ میں مداخلت کی۔ انہوں نے پہلے بیڑی کارخانہ کے مالک سے درخواست کی کہ وہ مدن کو کام پر رکھ لیں لیکن مالک نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس افسر نے گرام پنچایت کے پردھان سے اس سلسلہ میں بات چیت کی۔ پردھان نے پنچایت کے ممبروں کی ایک میٹنگ منعقد کی۔ اس میٹنگ میں نگراں افسر نے اس مسئلہ کی وضاحت کی۔ اس کے بعد پنچایت کے تمام ممبروں نے ایک ساتھ مل کر بیڑی کارخانہ کے مالک سے ملاقات کی اور اس کے بعد مالک نے مدن کو پھر سے کام پر مامور کر دیا۔ پردھان پارٹی کے جلسے میں شرکت کرنے کیلئے ضلع ہیڈ کوارٹرس میں آیا کرتے۔ جب وہ یہاں آتے تو نگراں افسر سے ضرور ملتے اور انہیں اس مجرم کی راہِ راست پر ترقی کی بابت ان سے بات چیت کرتے۔ اس طرح نگراں افسر اپنے پروگرام کے لئے ایک اجتماعی ایجنسی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اقرارنامہ کی معیاد پوری ہوجانے کے بعد پنچایت نے ایک قرارداد کو اپنایا اور آزمائشی رہائی پر چھوڑے جانے والے مجرم کو مالی امداد فراہم کرنے کے لئے سفارش کی تاکہ یہ اپنے طور پر بیڑی بنانے کا کام شروع کر سکے۔ نگراں افسر نے اس سفارش کی تائید کی اور اسے کلائیڈ مارٹن فنڈ کمیٹی کے پاس داخل کر دیا۔ اس کمیٹی نے ۴۰۰ روپئے کی منظوری دی۔ پنچایت نے اس آزمائشی رہائی پر آزاد شخص کے لئے سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا جھونپڑا بنا دیا جہاں اس نے اپنی دکان کھولی۔ اسی دکان میں وہ بیڑی بناتا ہے اور فروخت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن بھی اس دکان میں اس کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اس طرح یہ کیس کامیاب رہا اور اجتماعی طور پر لوگ اس مجرم کو راہِ راست پر لے آئے اور نئے سرے سے زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا۔

غزل

فاروق شفق

کھڑکیوں پر ملگجے سائے سے لہرانے لگے
شام آئی پھر گھروں میں لوگ گھبرانے لگے

شہر کا منظر ہمارے گھر کے پس منظر میں ہے
اب ادھر بھی اجنبی چہرے نظر آنے لگے

دھوپ کی قاشیں ہرے مخمل پہ ضو دینے لگیں
سائے کمروں سے نکل کر صحن میں آنے لگے

جگنوؤں سے سج گئیں راہیں کسی کی یاد میں
دن کی چوکھٹ پر مسافر شام کے آنے لگے

بوندیاں برسیں ہوا کے بادباں بھی کھل گئے
نیلے پیلے پیرہن سڑکوں پہ لہرانے لگے

سوچتے ہیں کاٹ دیں آنگن کے پیڑوں کو شفق
گھر کی باتیں یہ گلی کوچے میں پہونچانے لگے

بشکریہ پاسبان۔



وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پربھاش چندر پھادیکار، ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء کو گریٹ ایسٹرن ہوٹل، کلکتہ میں مصری فلم وفد کے ممبران کے ساتھ۔



رائٹرس بلڈنگس کلکتہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو، بنگال نیشنل چیمبر آف کامرس کے صدر شری جے این لبواس
اس چیمبر کے سالانہ جلسہ کی بابت دستاویزات وغیرہ پیش کرتے ہوئے

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
1st APRIL 1985

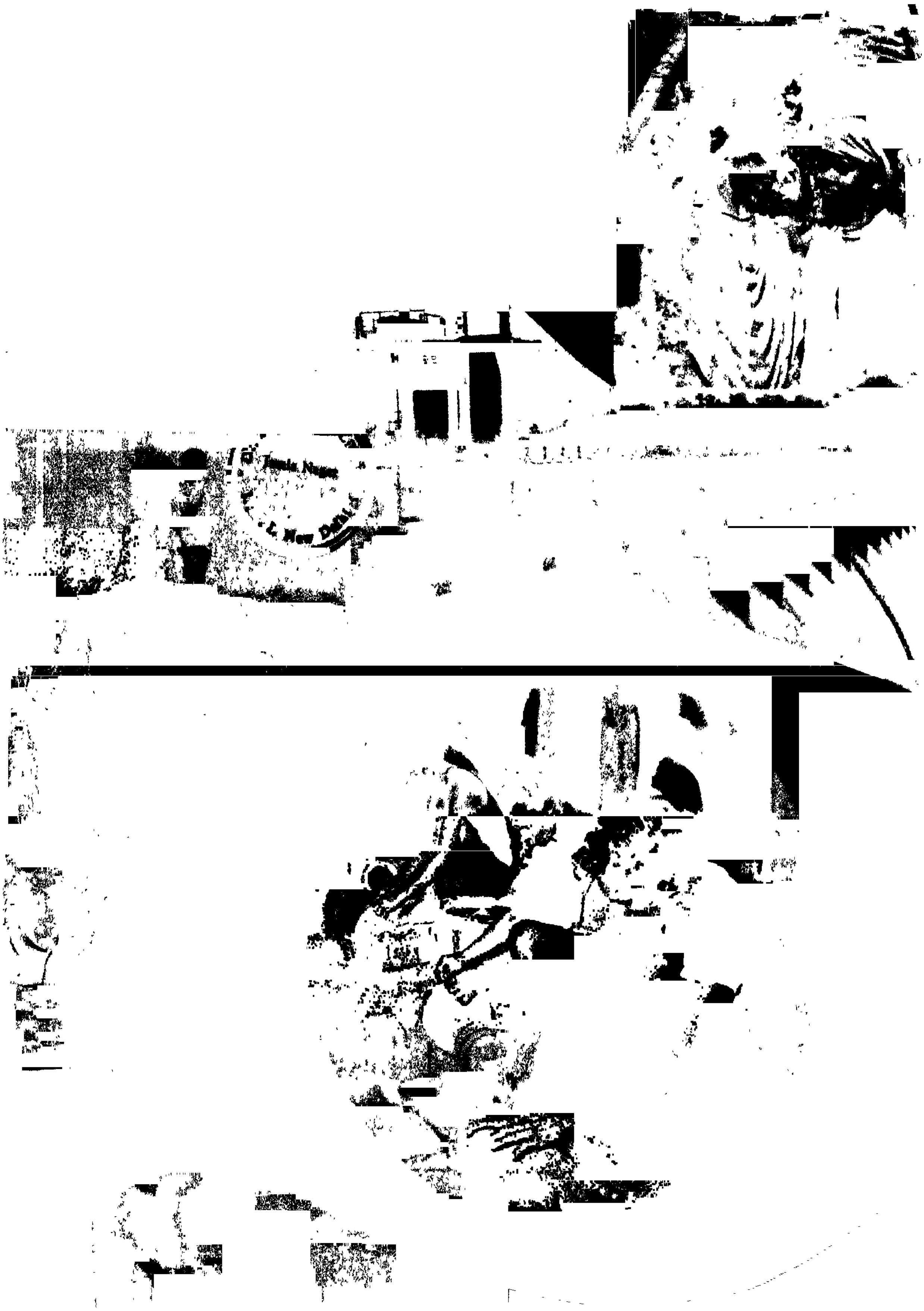
Postal Regd. No. WB/CC- 52
Vol. 32 No. 7 PRICE-12 Paise



حال ہی میں انسانی قوت کی بابت قومی ٹیکنیکی انفارمیشن سسٹم کے زیر اہتمام منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ شری
جیوتی باسو تقریر کرتے ہوئے



نابیناؤں کی رفاہ شاخ کے قیام کے موقع پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو چندہ دیتے ہوئے



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر : پرتبن بھٹاچاریہ
مدیر اعلیٰ : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ را پریل ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۸

شرحِ خریداری

سالانہ تین روپے : اس شمارہ کی قیمت : ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر ڈکشت، ماربل ہال، راج بھون، کلکتہ میں ۱۶ را پریل ۱۹۸۵ء کو ہندستانی ریڈ کراس سوسائٹی، مغربی بنگال شاخ کے منظم کردہ "ریڈ کراس مہینہ" کا افتتاح کرنے کے بعد عطیہ قبول کرتے ہوئے

ٹھکانہ ہو کہیں میرا

تخلیق: پوشکن
ترجمہ: ظ۔ انصاری

کبھی سڑکوں کے شور و شر میں، ہنگاموں میں آوارہ
کبھی میں اندر عبادت گاہ کے مجمع کا نظارہ
کبھی جا بیٹھتا ہوں سر پھرے ان نوجوانوں میں
مگر میں اپنی ہی دھن میں ہوں گم اپنے گمانوں میں

میں کہتا ہوں: ماہ و سال بہہ جاتے ہیں پانی سے
بچھڑ کر دوستوں سے کس قدر لاچار بیٹھے ہیں
گزرنا ہے ہمیں بھی اس کمانِ جاودانی سے
"بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں"

یہ برگد دیکھتی ہیں جس کو مجھ ناشاد کی آنکھیں
تنِ تنہا، درختوں کے کٹم کا مورثِ اعلیٰ
یہ میرے عہدِ رفتہ کا تماشا دیکھنے والا
اسی برگد نے دیکھی ہیں مرے اجداد کی آنکھیں

کبھی جو پھول سے بچے کو لے لوں، گود پھیلائے
خیال آتا ہے، کہہ دوں: لے مبارک تجھ کو یہ کیاری
یہ جلوہ اب ترے حصے کا ہے، ہم بھر چکے باری
چمن میں میرے مرجھانے، ترے کھلنے کے دن آئے۔

کبھی میں سوچتا ہوں موت برحق ہے مقدر ہے
سحر سے شام ہوتی ہے، گزر جاتا ہے یوں دن بھر
اسی اک فکر میں ڈوبا ہوا رہتا ہوں میں اکثر
ذرا دیکھیں تو کس دن، کون سا لمحہ مقدر ہے!

نجانے کس جگہ میرا اجل کا سامنا ہوگا
کہیں میدان میں، بحروں میں یا گھمسان کے رن میں؟
بھلا کیا جانیے، نزدیک ہی وادی کے دامن میں
اجل کو سرد خاکستر کا دامن تھامنا ہوگا؟

غبارِ راہ کو کیا ہے، ٹھکانا ہو کہیں میرا
ہوا جب جسم بے جان کوئی مٹی ہو، کوئی نگری
مگر اک آرزو تھی مجھ کو پیاری ہے مری نگری۔
جب آنکھیں بند ہو جائیں، سرہانا ہو یہاں میرا،

سرہانے زندگی کچھ گل کھلائے رنگ بھر جائے
زمیں بے مہر فطرت سبز کر دے، ڈال دے بیلیں
جوانوں کے پرے گھوما کریں بچے یہاں کھیلیں
ہمیشہ مسکرائے حسن اور مٹی سنور جائے

مغربی بنگال میں اسکولی تعلیم

آزادی کے بعد سے بہت سارے تعلیمی کمیشن نے بہت ہی گراں قدر سفارشات پیش کیں اور ملک میں عوامی اور سائنسی تعلیم رائج کرنے کے لئے کثیر رقوم خرچ کی گئیں لیکن تعلیم کے میدان میں آج بھی بہت سارے شدید مسائل کو حل کرنا ہے۔ ان تمام مسائل کو دور کرنے کے لئے انتظامیہ اور منصوبہ بندی کمیشن کے ذریعہ موثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

دستور ہند کے ساتویں شیڈول میں تعلیم مشترکہ فہرست میں ہے اور اس کی وجہ سے ریاستی حکومت کو شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ ریاستی حکومتوں، خاص طور پر مغربی بنگال کے لئے، جو شدید مالیاتی دباؤ سے دوچار ہے، ان تمام مسائل کو حل کرنا ممکن نہیں۔

ان دشواریوں کے باوجود، مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے اس ریاست میں ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہی تعلیم کے میدان میں بہت سارے اہم اقدامات کئے۔ تعلیم کے لئے رواں مالی سال میں ریاستی حکومت فی کس ۸۵ روپئے خرچ کرے گی جبکہ مرکزی حکومت صرف ۵ روپے خرچ کرے گی۔

بائیں محاذ حکومت نے تعلیم کے انتظامیہ کی لامرکزیت اور تعلیم کی توسیع کو کافی اہمیت دی۔ اس کی وجہ سے مغربی بنگال کے اندر اور باہر کے علاقوں کے لوگوں میں کافی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ درج ذیل مضمون کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو اس ریاست میں تعلیمی ترقی کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرایا جائے

کانتی بسواس

وزیر تعلیم (پرائمری اور ثانوی)

حکومت مغربی بنگال۔

قبل از ابتدائی تعلیم

۳ تا ۶ سال کے بچوں کی تعلیم کے لئے اس ریاست میں تسلیم شدہ قبل از ابتدائی یا قبل از بنیادی اداروں کی تعداد ۱۹۶ ہے، جہاں ۵۱۹ معلمین ہیں اور طلباء کی کل تعداد ۱۱۲۰۰ ہے

ابتدائی (پرائمری) تعلیم

ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت نے تعلیم کو کافی اہمیت دی ہے اور ریاست میں ابتدائی تعلیم کی توسیع اور فروغ کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ہیں۔ درج ذیل میزان میں متعلقہ اعداد و شمار درج ہیں:

میزان ۱

سال	پرائمری اسکولوں کی تعداد	۶-۱۱ سال کے زیر تعلیم بچوں کی تعداد (لاکھوں میں)	ایسے زیر تعلیم بچوں کی تعداد، اس عمر گروپ کے بچوں کی کل آبادی کا فیصد۔

۴۷-۴۸ء ★	۱۳۹۵۰	۱۰٫۴۴	—
۷۷-۷۸ء	۴۲۸۸۱	۵۹٫۹۳	۸۴٫۳۴
۷۸-۷۹ء	۴۳۸۴۹	۶۱٫۰۳	۸۴٫۹۰
۷۹-۸۰ء	۴۵۶۴۵	۶۲٫۹۹	۸۵٫۳۰
۸۰-۸۱ء	۴۶۲۴۸	۶۵٫۹۵	۸۸٫۵۸
۸۱-۸۲ء	۴۷۶۲۷	۶۷٫۹۹	۸۹٫۱۲
۸۲-۸۳ء	۴۸۸۹۱	۷۰٫۱۳	۸۹٫۹۱
۸۳-۸۴ء	۵۰۰۹۸	۷۳٫۷۵	۹۲٫۴۸
۸۴-۸۵ء	۵۱۸۰۰	۷۷٫۰۴	۹۴٫۳۱

(انشانہ)

★ (ان میں دو اضلاع یعنی کوچ بہار اور پرولیا کے اعداد و شمار شامل نہیں ہیں۔ ان دونوں اضلاع کو بعد میں مغربی بنگال میں شامل کر دیا گیا)۔

اب نشانہ یہ ہے کہ آئندہ پانچ برسوں میں ۹۵ لاکھ بچوں کو پرائمری اسکولوں میں تعلیم کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ ایک تخمینہ کے مطابق اس طرح ۶ تا ۱۱ سال کے تمام بچوں کو ابتدائی تعلیم کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ ان میں سے کچھ بچے عمر کے لحاظ سے ۱۱ سال زیادہ اور کچھ چھ سال سے کم کی عمر کے ہیں۔

پرائمری اسکولوں کی کمی کو پورا کرنے کیلئے مزید اسکول قائم کرنے کی منظوری دی گئی ہے۔ ان اسکولوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

میزان ۲

نئے اسکول

سال۔ پرائمری اسکولوں کی تعداد جن کے کھولنے کے لئے منظوری دی گئی ہے۔

سال	مضافاتی	شہری	کل
۷۷-۷۸ء	۸۰۰	۲۰۰	۱۰۰۰
۷۸-۷۹ء	۱۰۰۰	۲۰۰	۱۲۰۰
۷۹-۸۰ء	۱۰۰۰	۲۰۰	۱۲۰۰

۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کو

دیہی علاقے	[illegible]	۵۴ر۱۰	[illegible]
شہری علاقے	[illegible]	۱۶ر۰۳	۲۲۵ر۲
کل	۴۸۸۹۱	۷۰ر۱۳	۳۵۴ر۷

پہلے اس ریاست میں پرائمری اسکولوں میں طلباء کی تعداد کافی کم تھی اور اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ ایسے اسکول بچوں کی جائے رہائش سے کافی دوری پر واقع ہوتے تھے لیکن موجودہ بائیں محاذ حکومت نے اس دشواری کو بہت حد تک دور کر دیا ہے۔ شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی کے اس سلسلہ میں ایک جائزہ کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۷۶ء میں ۳۰۰ سے زیادہ کی آبادی کے صرف ۴ر۲ فیصد گاؤں میں ایک کیلو میٹر کے دائرہ میں کوئی پرائمری اسکول نہ تھا۔ جو تھے کل ہند تعلیمی جائزہ کے مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۷۸ء میں ایسے گاؤں کی تعداد صرف ۶ فیصد تھا۔ اسی طرح ۳۰ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ایسے گاؤں کی جہاں آبادی ۲۰۰ سے زیادہ تھا اور جہاں ایک کیلو میٹر کے احاطہ میں کوئی پرائمری اسکول نہ تھا، تعداد ۲۲۰۴ اور ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو ۹۵۰ تھی اور ایک تخمینہ کے مطابق ۳۱ [illegible] ۱۹۸[illegible]ء کو ایسے گاؤں کی تعداد صرف ۴۰۰ تھی۔

ابتدائی تعلیمی نظام میں مساوات

دیہی آبادی کے غریب لوگوں، دیہی لڑکیوں، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور دیگر پسماندہ طبقے کے لوگ، سماجی و معاشی دشواریوں کی وجہ سے ابتدائی تعلیم سے حسب خواہ حد تک مستفید نہ ہو سکے۔ شعبۂ ترقیات اور منصوبہ بندی نے دیہی علاقوں میں لوگوں کی آمدنی کی بابت ۱۹۷۶ء میں ایک جائزہ لیا تھا جو درج ذیل ہے

میزان [illegible]

سالانہ گھریلو آمدنی (روپے میں)	۱۰۰۰ روپے سے کم	۱۰۰۰ سے ۲۵۰۰ روپے تک	۲۵۰۰ سے ۵۰۰۰ روپے تک	۵۰۰۰ روپے سے زیادہ

[illegible]	۱۰۰۰	۲۰۰	۱۲۰۰
[illegible]	۱۰۰۰	۲۰۰	۱۲۰۰
[illegible]	نفی	نفی	نفی
[illegible]	۱۰۸۴	۲۱۶	۱۳۰۰
[illegible]	۱۵۰۰	[illegible]	۱۸۰۰
([illegible])			

اعدالنہ [illegible] کی وجہ [illegible] اسکول کھولے [illegible] کو [illegible] کر لیا گیا۔

شہری [illegible] دوئی

[illegible] علاقوں میں پرائمری [illegible] فراہم کردہ [illegible] میں کافی فرق ہے اور بائیں محاذ حکومت نے اس فرق کو دور کرنے کے لئے اقدامات کئے۔

۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۳ء [illegible] ریاست میں دیہی اور شہری علاقوں میں پرا[illegible] [illegible] میں زیر تعلیم [illegible] میزان ۳

۳۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کو

	پرائمری اسکولوں کی تعداد	ان میں زیر ۶-۱۱ سال کے بچوں کی تعداد (لاکھ میں)	فی اسکول زیر تعلیم بچوں کی تعداد
دیہی علاقے	۳۶۲۲۲	۴۳ر۷۶	۱۲۰ر۸
شہری علاقے	۶۴۳۷	۱۴ر۰۳	۲۱۸ر۰
کل	۴۲۶۵۹	۵۷ر۷۹	۲۳۸ر۸۰

۶-۱۱ سال کی عمر کے کل بچوں میں پرائمری اسکول میں زیر تعلیم بچوں کا تناسب۔	۲۹٫۳۶ فیصد	۵۱٫۲۱ فیصد	۷۱٫۹۱ فیصد	۸۰٫۲۷ فیصد

خاص طور پر دیہی علاقوں میں سماجی بندشوں کی وجہ سے روایتی طور پر تعلیم کے میدان میں لڑکیاں لڑکوں سے کافی پیچھے رہ گئیں۔ سنہ ۱۹۹۲-۹۳ء کے آخر تک ۶-۱۱ سال کی زیر تعلیم لڑکیوں کا تناسب اسی عمر گروپ کی لڑکیوں کا ۸۷٫۵۰ فیصد تھا۔ اسکے مقابلہ میں اسی عمر گروپ کے لڑکوں کا تناسب ۱۰۵٫۶۰ فیصد تھا۔ ہر سال اس مقصد کے تحت کہ پرائمری اسکولوں میں لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہو بڑھاوا کی بہت ساری اسکیموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے اور اس طرح اب ہر سال پرائمری اسکولوں میں لڑ[illegible] میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

میزان ۵

سنہ ۱۹۷۸ء سے سنہ ۸۴ء تک پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم لڑکیوں کی تعداد اور تناسب

	۳۰ ستمبر سنہ ۷۸ء (چوتھا تعلیمی جائزہ)	سنہ ۷۹-۸۰ء	سنہ ۸۰-۸۱ء
(۱) ۶-۱۱ سال کی عمر کی لڑکیوں میں زیر تعلیم لڑکیوں کا تناسب۔	۵۷٫۹۷ فی صد	۶۸٫۰۰ فی صد	۷۱٫۶۰ فی صد
(۲) اس سال میں ۶-۱۱ سال کے بچوں کا اسکولوں میں مزید اندراج۔	—	۲۳۶ ہزار	۱۹۶ ہزار
(۳) اس سال میں ۶-۱۱ سال کی لڑکیوں کا اسکولوں میں مزید اندراج	—	۱۳۹ ہزار	۱۲۴ ہزار
(۴) مزید اندراج میں لڑکیوں کا تناسب	—	۵۸٫۹ فی صد	۶۳٫۳ فیصد

	سنہ ۸۱-۸۲ء	سنہ ۸۲-۸۳ء	سنہ ۸۳-۸۴ء تخمیناً
(۱)	۷۳٫۰۰ فی صد	۷۵٫۵۰ فی صد	۸۷٫۵۰ فی صد
(۲)	۲۰۴ ہزار	۲۱۴ ہزار	۳۶۲ ہزار
(۳)	۱۱۳ ہزار	۱۵۷ ہزار	۱۹۱ ہزار
(۴)	۵۵٫۲ فیصد	۴۷٫۴ فی صد	۵۲٫۸ فیصد

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گزشتہ چھ برسوں میں طلباء کی کل تعداد میں طالبات کا تناسب ۵۷٫۹۷ فیصد سے بڑھکر ۸۷٫۵ فیصد ہو گیا۔

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگ اس میدان میں کافی پیچھے رہ گئے۔ بہر حال شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی فلاح و بہبود کے لئے مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں اور اس سلسلہ میں بہت ساری اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا۔ ان اقدامات سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان قبائلیوں کے ۶-۱۱ سال کی عمر کے زیر تعلیم بچوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا اور اضافہ کا سلسلہ جاری ہے۔

میزان ۶

پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم ۶-۱۱ سال کی عمر کے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب بچوں کی تعداد

	۳۰ ستمبر ۱۹۷۸ء کو	سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء	سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء
(۱) زیر تعلیم شیڈولڈ کاسٹ بچوں کی تعداد (ہزار میں)	۱۰۷۴	۱۱۳۶	۱۱۶۸
(۲) زیر تعلیم شیڈولڈ ٹرائب بچوں کی تعداد (ہزار میں)	۲۳۲	۲۶۰	۲۶۶

	سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء	سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء	سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء
(۱)	۱۱۷۰	۱۱۷۵	۱۱۹۰
(۲)	۲۶۸	۲۷۰	۲۷۵

کل ہند اعداد و شمار کے مقابلہ میں یہ اعداد و شمار کافی اچھے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر غور عرصہ میں بائیں محاذ حکومت تعلیم کے فروغ کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ۔۔۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۱۱ کا)

لئے ۹۱ جماعتوں کو بنکوں کی طرف سے ۱۰ ر۴۹ لاکھ روپئے فراہم کئے گئے۔ اس رقم سے مشین سے چلنے والی ۵۳ کشتیاں، ۳۸ دیسی کشتیاں اور ۹۱ جالیں خریدی گئیں۔ نیز ان سے ۵۸۶ شیڈولڈ کاسٹ اور ۱۶ غیر شیڈولڈ کاسٹ خاندان مستفید ہوں گے۔

سمندری ماہی گیری صنعت کا انحصار چند معاون صنعتوں جیسے برف، جلاون اور پانی کی سپلائی، مچھلیوں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے گودام گھر وغیرہ جیسی سہولتوں پر ہے۔ اس صنعت کی ترقی کے لئے پلاٹ فارم، جے ٹی اور ماہی گیری بندرگاہوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی سہولتیں آہستہ آہستہ فراہم کی جاری ہیں۔ گزشتہ تین برسوں میں ماہی گیروں کی رہنمائی کے لئے پانی میں روشنی کے مینار کا انتظام کیا گیا۔ سمندر کے ساحلی علاقوں میں واقع ماہی گیروں کے دیہاتوں میں بہت سارے ٹیوب ویل بنائے گئے۔ سڑکیں اور اجتماعی ہال تعمیر کئے گئے۔ چوں کہ سمندر کے ساحلی علاقوں میں مچھلی پکڑنا جان جوکھم کا کام ہوتا ہے اس لئے مرکز کے زیر اہتمام جماعتی بیمہ کا انتظام کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت ۵۰ ہزار ماہی گیروں کو لایا گیا۔

بائیں محاذ حکومت کے شعبہ ماہی پروری نے ماہی گیری کے لئے جو اقدامات کئے ان سے بہت سارے فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ دیہی معیشت کی ترقی میں، خود روزگار کے مواقع کی فراہمی، آمدنی، سستی قیمت پر پروٹین خوراک کی تیاری اور ماحول کے عدم توازن کا مقابلہ کرنے میں ان اقدامات سے کافی سہولتیں فراہم ہوئی ہیں۔ اس پیداوار کی سرگرمیوں میں عوامی شرکت سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ آج دیہی بنگال میں ماہی گیری ایک نفع بخش پیشہ بن چکی ہے ۔۔۔

پہاڑی علاقہ کی ترقی کی بابت نمائش

ریاستی حکومت نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں پہاڑی علاقوں کی ترقیاتی سرگرمیوں کو اجاگر کرنے کیلئے بلاک اور سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹرس میں نمائش منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ دارجلنگ کے ضلع انفارمیشن دفتر کو اس پروگرام کے انتظام کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ اخراجات کے لئے حسب ضروری فنڈ لے فراہم کر دیا گیا ہے۔

ہاسٹل بلڈنگ کی تعمیر کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے شیڈولڈ کاسٹ طلبا کی سہولت کیلئے مدناپور ضلع کے پانگلا جیتا میں واقع وشنو داس پوروہیلوک بھارتی ودیالایا سے منسلک ہاسٹل کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۴۰ ہزار روپے بطور عطیہ۔ امداد دینے کی منظوری دی ہے۔ اخراجات کا تخمینہ ۵۲۸۰۰ روپئے کا ہے۔

مغربی بنگال میں
ماہی پروری و ماہی گیری

مچھلی مغربی بنگال کے لوگوں کی اہم خوراک میں شامل ہے۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے برسراقتدار آنے کے بعد سے ہی ریاستی حکومت کا شعبہ ماہی گیری و ماہی پروری اس ریاست میں مچھلیوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے اور ماہی گیری اور ماہی پروری کے کام میں مشغول لوگوں کی معاشی حالت میں بہتری لانے کی کوششیں کر رہا ہے۔ فی الحال اس ریاست میں سالانہ ۵ر۷ لاکھ ٹن مچھلیوں کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس کی جگہ یہاں کی سالانہ پیداوار ۷ر۳ لاکھ ٹن ہے۔ اس کمی کو دیگر ریاستوں سے مچھلیاں درآمد کر کے کچھ حد تک پورا کیا جاتا ہے۔

سنہ ۱۹۷۷ء سے اس ریاست میں ماہی پروری اور ماہی گیری اور مچھلیوں کی سپلائی سے وابستہ مسئلے کی طرف ریاستی حکومت خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ گزشتہ سات سال میں ان باتوں کو اعلیٰ ترین جگہ دی گئی کہ اس نظامت کی شاخ کو وسیع بنایا جائے، چارہ مچھلی کی پیداوار کی ٹکنالوجی سے ماہی پروروں کو روشناس کرایا جائے اور مچھلیوں کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔ خود روزگاری کو فروغ دینے کے لئے ماہی پروری کی بابت ایک بیداری پیدا کرنے کے سلسلے میں ماہی پروروں، تعلیم یافتہ بے روزگاروں اور ماہی گیروں کو تربیت دینے کی ایک اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اندرون ریاست تالابوں، جھیلوں وغیرہ میں ادارہ جاتی مالیات کے ذریعہ ماہی پروری کو ریاستی حکومت کی طرف سے مالی امداد بھی فراہم کی جاتی ہے۔ چھٹا منصوبہ سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء سے شروع ہوا۔ اس منصوبہ میں ماہی پروری کے لئے ۲۸ کروڑ روپئے کے اخراجات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس منصوبے کے تحت ماہی پروری کا مقصد یہ ہے کہ بتدریج ماہی پروری کے جدید طریقۂ کار کو روبہ عمل لایا جائے اور وسیع پیمانہ پر مناسب تالابوں اور جھیلوں میں ماہی پروری کی جائے۔ نیز سمندر کے ساحلی علاقوں میں جدید مشینوں کے ذریعہ ماہی گیری کی جائے اور اس طرح مچھلیوں کی سپلائی میں اضافہ کیا جائے۔

اچھی چارہ مچھلیوں کی پیداوار:

کامیاب ماہی پروری کیلئے اچھی کوالیٹی کی چارہ مچھلیوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت اچھی چارہ مچھلیوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ایک پروگرام کو روبہ عمل لا رہی ہے۔ اس اسکیم کے تحت چھوٹے چھوٹے تالابوں، چھوٹے بند اور جھیلوں میں ماہی پروری کی جدید تکنک سے عوام کو روشناس کرایا جا رہا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر میں اس کام کے لئے نبارڈ قرض پروجیکٹ سے بھی مالی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔

اس ریاست نے سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء، سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء اور سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں علی الترتیب ۱۳۰ کروڑ، ۳۲۰ کروڑ اور ۴۰۰ کروڑ چارہ مچھلیاں پیدا کیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سارے ملک میں چارہ مچھلیوں کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، مغربی بنگال اس کا ۷۵ فیصد سے زیادہ پیدا کرتا ہے۔

توسیعی خدمات:

ماہی پروری کے جدید طریقہ سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لئے حکومت کی توسیعی مشنری پرچار کے کام میں مصروف عمل ہو چکی ہے۔ توسیعی خدمات کے تحت ماہی گیری اور ماہی پروری کی بابت پمفلٹس، دو ورقی رسالے کی اشاعت کیا گیا۔ اخباروں، فلموں، نمائشوں اور میلوں کے ذریعہ سماعی۔ بصری نشر و اشاعت کے لئے بھی اقدامات کئے گئے۔ نیز دیہی سطحوں پر اس موضوع پر سمینار منعقد کئے جاتے ہیں۔ ایسے سمینار و

میں ترقی پسند ماہی گیر ماہی گیری سے وابستہ [illegible] اور توسیعی ورکس میں شرکت کرتے ہیں۔

عملی مظاہرہ

[illegible] عملی مظاہرہ بھی [illegible] ایک رخ [illegible] تالابوں [illegible] ماہی [illegible] سے [illegible] جاتا

تربیت

ماہی [illegible] کئے گئے۔ ماہی پروری [illegible] تعلیم یافتہ بے روزگار [illegible] ریاست [illegible] ضلع میں ڈی ایف ڈی اے کے [illegible] ماہی پروری میں تربیت دیجاتی ہے نیز ماہی پروری [illegible] سلسلے میں دیہاتوں کے غریب اور نادار لوگوں کے لئے [illegible] پنچایت سطح پر تربیت دینے کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہی پروری تنظیم

اس ریاست میں ماہی پروری کے کام میں اجتماعی شرکت کے لئے ایک تنظیم قائم کی گئی ہے۔ اور سارے ہندوستان میں اپنی نوعیت کی یہ واحد تنظیم ہے۔ اس تنظیم کی طرف سے دور افتادہ گاؤں میں ان تالابوں میں جنہیں معرض [illegible] نہیں لایا جاتا ہے۔ چارہ مچھلیاں چھوڑی گئیں جس سے گاؤں والے معاشی طور پر کافی مستفید ہوئے اس طرح ماہی پروری کے لئے دیہی باشندوں نے چھوٹی چھوٹی جماعتیں قائم کیں۔ نیز ماہی گیروں نے امدادِ باہمی کو آپریٹیو سوسائٹیاں قائم کیں [illegible] اسکیم کے تحت انہیں مالیاتی اور دیگر سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ماہی گیروں کی ایسی سوسائٹیوں کی تعداد ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۶۷۱ تھی جو بڑھ کر ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۲۶۳۳ ہوگئی۔

اندرونِ ملک ماہی پروری پروجیکٹوں کیلئے عالمی بنک کی امداد

اس ریاست میں مچھلیوں کی مانگ اور سپلائی میں جو فرق [illegible] کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں چھوٹے بڑے بہت [illegible] لیکن پانی کے ان ذرائع کو روبہ کار نہیں لایا [illegible] استعمال میں لایا جاتا۔ اندرون ملک ماہی [illegible] سے امداد فراہم کی جاتی ہے [illegible] کے دوران [illegible] ۲۰۰ ہیکٹرس پر مشتمل تالابوں کو [illegible] بنایا جائے گا۔

اس مقصد کی حصولیابی کے لئے اس ریاست کے ۱۳ اضلاع میں ماہی پرور ترقیاتی ایجنسیاں قائم کی گئی ہیں۔ یہ ایجنسیاں ماہی پروری کی تربیت کا اور انہیں امداد فراہم کرنے کا انتظام کریں گی۔ اس کے ساتھ بازاروں میں مچھلیوں کی سپلائی کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں انہیں مالیاتی اداروں سے بھی قرض فراہم کئے جائیں گے۔ ایک چارہ مچھلی ترقیاتی کارپوریشن قائم کیا گیا ہے۔ یہ کارپوریشن اس ریاست کے مختلف علاقوں میں تیار کردہ تالابوں میں ۱۸ کروڑ چارہ مچھلیاں کا انتظام کرے گا۔ اس پروگرام کے تحت ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۱۳۰۰۰ ہیکٹرس سے زیادہ آبی علاقوں کو بہتر بنایا گیا۔

بیل اور بواد

بڑے بڑے آبی ذخائر کی دیکھ بھال کا کام ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ویسے بہت سے آبی ذخائر کی ملکیت کے سلسلے میں تنازعات رونما ہوجاتے ہیں۔ نیز ان ذخائر کی ترقی اور بہتری کے لئے کافی رقوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایف ایف ڈی اے پروگرام کے تحت مچھلیوں کے بہت سارے وسائل و ذرائع بروئے کار لائے گئے۔ اس پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ پانی کے ذخائر میں بہتری لاکر مچھلیوں کی پیداوار میں اضافہ کیاجائے

اور ماہی گیروں کی، جو سماج کے کمزور طبقے کے رابطہ [illegible]
معاشی ۔ سماجی حالت میں بہتری لائی جائے۔ [illegible]
آبی وسائل سے غفلت برتی گئی۔

قبائیلیوں کی معاشی بحالی

مومن پور ضلع [illegible] کے ۳۳ قبائلی خاندان، کو ؟
ضلع جلپائی گوڑی کے ۲۱ قبائلی خاندان، کو ؟ ضلع [illegible]
کے خاندان اور مغربی دیناجپور سے ۳ قبائلی [illegible] کو اس
کے تحت بحال کر دیا گیا۔ ان قبائلی خاندانوں میں ہر ایک
کو رہنے کے لئے جھونپڑیاں دی گئیں۔ ایک ایکڑ [illegible]
[illegible] علاقہ دیا گیا اور پہلے سال ضرورت و اخراجات
[illegible] سہولتیں بھی فراہم کی گئیں۔

نیز بہت سارے علاقے [illegible]
مالدہ، ۲۴ پرگنہ، بردوان، [illegible] اور [illegible]
اور بھی کئی خاندانوں کی آبادکاری کے [illegible] کی جا رہی
ہیں۔ نیز اس خصوصی اسکیم کے [illegible] کے
تحت قبائیلیوں کو امداد فراہم کی جاتی ہے۔ [illegible] کی معاشی
بہتری کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔

جھورا ماہی گاہ

ضلع دارجلنگ کے [illegible] ترقی کیلئے
۱۹۸۱-۸۲ء سے خصوصی تکمیلی پروجیکٹ [illegible] لایا جا رہا
ہے۔ شعبہ ماہی پروری نے میرک جھیل میں [illegible] ماہی گاہ قائم
کی ہے۔ یہ جھیل سطح سمندر سے [illegible] ہے۔ جھورا
پانی ماہی گاہ کے انتظام کے سلسلے میں [illegible]
دینے کے کام شروع کر دیا گیا۔ یہاں [illegible]
لئے منافع طور پر [illegible] لوگوں کو [illegible] امداد فراہم کی جاتی ہے۔

اندرون ریاست [illegible] اسکیمیں

ماہی [illegible] روزگار [illegible]

[illegible] کرنے کے [illegible] شعبہ ماہی [illegible] بہت ساری
[illegible] غریب مچھلی [illegible]
[illegible] مچھلی سے بچانے
[illegible] پانی کے
[illegible] میں چھوٹی چھوٹی بیچ [illegible] کے لئے
[illegible] ضروری [illegible]
سمندر کے ساحلی علاقوں میں [illegible]

[illegible]
[illegible] یہ لوگ [illegible]
[illegible] اس لئے ان [illegible] میں
سمندر کے ساحلی علاقوں میں [illegible]
[illegible]
کوششیں سے چلنے والی [illegible]
کی جا رہی ہے [illegible]
[illegible] میں [illegible]

[illegible] ۱۹۸۲ [illegible]
[illegible] میں ۲۷۰ [illegible] طبقہ [illegible]
[illegible] ساحلی علاقوں میں [illegible]
سے چلنے والے ۵ کشتیاں [illegible] ۲۲۰
[illegible] ۱۱۱۱
[illegible] ریاستی حکومت
[illegible] گھاٹیں
[illegible] ۱۹۸۳ [illegible] ماہی
گیروں [illegible] ۱۹۸ [illegible] کاسٹ
اور [illegible] کے
لئے ۲ ۹ [illegible] مشن
سے چلنے [illegible] ۱۹۹ [illegible]
جال کا فی [illegible]
[illegible] ساحلی علاقوں [illegible] کے

(باقی صفحہ [illegible] پر)

مغربی بنگال میں
رسل و رسائل کی بہتری

مغربی بنگال اور خاص طور پر اس کے اہم شہر کلکتہ میں لوگوں کی آمدورفت کے سلسلہ میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہاں کے لوگ برسوں سے ایسی دشواریوں سے دوچار ہیں۔ حکومتِ مغربی بنگال نے یہ عزم مصمم کر لیا ہے کہ نقل وحمل کے نظام میں موجودہ خامیوں کو دور کرنے کے لئے اپنے محدود وسائل کے باوجود جہاں تک ممکن ہو سکے آمدورفت کرنے والوں کی ان دشواریوں کو دور کیا جائے۔ گزشتہ سات برسوں میں موجودہ ریاستی حکومت نے نقل وحمل کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے بہت سارے اقدامات کئے۔ گرچہ بڑھتی ہوئی آبادی اور دیگر متعلقہ مسائل نقل وحمل کے نظام پر کافی دباؤ ڈال رہے ہیں تاہم موجودہ حکومت کی پُرعزم کوششوں کی وجہ سے اس صورت حال میں کافی بہتری ہوئی ہے۔ بلاشبہ ریاستی حکومت کے مستقبل کے جو پروجیکٹس ہیں، انہیں روبہ عمل لا کر حسب خواہ نشانہ کو پورا کیا جا سکے گا۔ دورافتادہ گاؤں میں رہنے والے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اہم لوگ کلکتہ کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں میں نقل وحمل کے نظام میں بہتری لانے کی کوشش کر رہے ہیں، کیوں کہ دورافتادہ دیہاتوں سے لوگ ملازمت اور دیگر ضروری کام کاج کے لئے کلکتہ اور دیگر صنعتی شہروں میں آنا جانا کرتے ہیں۔

کلکتہ ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے تحت ۶۷ روٹوں پر روزانہ ۶۶۰ بسیں آمدورفت کرتی ہیں، ان میں سے ۵۲۰ بسیں نئی ہیں، جنہیں کلکتہ کے شہری نقل وحمل پروجیکٹ کے تحت موجودہ حکومت نے حاصل کئے ہیں۔ لمبے فاصلے کے ۵۶ روٹوں پر روزانہ ۱۵۰ بسیں آمدورفت کرتی ہیں اور ان روٹوں کے لئے سی ایس ٹی سی نے بسوں کی تعداد کو بڑھا کر ۲۹۵ کر دیا ہے۔ شہری علاقوں میں نئی بس روٹوں کے لئے تجویز کو روبہ عمل لاتے ہوئے تین نئے بس روٹ کھولے گئے ہیں۔ نیز کلکتہ سے رائے دگھی تک آمدورفت کے لئے ایک نیا بس سروس چالو کیا گیا ہے۔

دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان نقل وحمل کے لئے شمالی بنگال ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن اور درگاپور ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان دونوں کارپوریشنوں کی چالو بسوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا اور مزید اضافہ کی بات زیرغور ہے۔ شمالی بنگال میں آمدورفت کیلئے بذریعہ ریل کافی سہولتیں فراہم نہیں ہیں۔ اس لئے ان علاقوں میں ریاستی حکومت کے زیر انتظام بسوں کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا گیا اور اس طرح آنے جانے والے لوگوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ درگاپور ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے اپنے علاقہ کے لوگوں کی عرصہ کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا یعنی اس نے بس روٹ یعنی درگاپور تا کرشنا نگر، درگاپور تا بیلڈ یگھاٹ، اور درگاپور تا بانکوڑا براہ بلیہ ٹور کھولے۔ حکومت بھوٹان کی درخواست پر کلکتہ تا پھونشولنگ تک ایک نئے بس روٹ کو منظوری دے دی گئی ہے اور اب اس روٹ پر بسیں آمدورفت کرنے لگی ہیں۔

کلکتہ اور اضلاع میں مسافروں کو لے کر آمدورفت کرنے کے سلسلے میں پرائیویٹ بسیں کافی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ موجودہ ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اضلاع میں مسافروں کو لے کر آمدورفت کرنے والی پرائیویٹ بسوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور اس مقصد کے تحت اضلاع میں مختلف روٹوں کے لئے پرائیویٹ بسوں اور منی بسوں کے لئے مزید پرمٹ جاری کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اضلاع پرولیا، بانکوڑا، بردوان اور کوچ بہار میں علی الترتیب ۲۲۴، ۲۱۲، ۱۳۴ اور

۴۲ پرمٹ جاری کئے گئے۔ سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء کے مقابلے میں آج پرائیویٹ بس روٹوں پر پرائیویٹ بسوں اور منی بسوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ کلکتہ کے علاقہ میں جہاں یکم اپریل سنہ ۱۹۸۱ء کو ۱۱۰ روٹوں میں صرف ۱۶۹۵ بسیں تھیں، یکم اپریل سنہ ۱۹۸۳ء میں ۱۴۶ روٹوں میں روزانہ ۲۱۴۷ بسیں آمدورفت کرتی ہیں۔ اس عرصہ میں منی بس روٹوں اور منی بسوں کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ اس سے قبل کلکتہ میں منی بس روٹوں اور منی بسوں کی تعداد علی الترتیب ۳۹ اور ۵۰۵ تھی جو بڑھکر آج علی الترتیب ۱۷ اور ۴۱۹ ہوگئی۔ اس عرصہ میں ٹیکسیوں کی تعداد بھی بڑھکر دگنی ہوگئی۔ یکم اپریل سنہ ۱۹۸۱ء کو ٹیکسیوں کی تعداد ۵۲۹۰ تھی جو بڑھکر یکم اپریل سنہ ۱۹۸۳ء کو ۱۰۱۰۵ ہوگئی اس کے علاوہ موجودہ حکومت نے کلکتہ کے شہری علاقوں میں آمدورفت کرنے کے لئے آٹو۔رکشا کو رائج کیا۔ یہ ٹیکسی کا سستہ بادل ہے۔ اب تک ۷۴۸ آٹو۔رکشا پرمٹ جاری کئے گئے ہیں اور آج تقریباً ۴۰۰ آٹو رکشا شہر اور شہر کے اردگرد علاقوں میں آمدورفت کر رہے ہیں۔

کلکتہ ٹرامویز کمپنی کی انتظامیہ کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد موجودہ ریاستی حکومت اس کی سروس میں بہت سارے طریقے سے بہتری لانے کے لئے کوششیں کر رہی ہے۔ نئی ٹرام گاڑیاں حاصل کر کے پرانی گاڑیوں کی مرمت کر کے موجودہ حکومت نے ٹرام گاڑیوں سے آمدورفت کرنے کی سہولتوں میں کافی اضافہ کیا۔ مانک تلہ سے الٹاڈانگہ تک ٹرام لائن کی توسیع کا کام جاری ہے۔ نیز ڈائمنڈ ہاربر روڈ پر بہالا سے جوکا تک ٹرام لائن کی توسیع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

اندرون ملک ندیوں اور دریاؤں میں نقل وحمل کے نظام میں بہتری لانے کے لئے موجودہ ریاستی حکومت نے بہت سارے اقدامات کئے۔ ہگلی ندی کے آرپار ہوڑہ سے آرمینین گھاٹ تک، ہوڑہ سے چاندپال گھاٹ اور ہوڑہ سے باگ بازار براہ سووا بازار تک فیری سروس کے تین اسٹیمر آمدورفت کرتے ہیں اور اس طرح ان سے کافی لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

۳۱ اگست سنہ ۱۹۸۲ء کو ایک نئی جے ٹی کا افتتاح کیا گیا۔ اس جے ٹی کے کھل جانے سے ایک اور فیری سروس چالو ہو گیا۔ اس سے ہزاروں مسافر، خاص طور پر دفتروں میں کام کرنے والے مستفید ہو رہے ہیں۔ فی الحال آٹھ لانچ (اسٹیمروں) آمدورفت کر رہے ہیں۔ عنقریب مستقبل میں چار اور لانچ چالو کر دئے جائیں گے نیز ہگلی ریور ٹرانسپورٹ کوآپریٹیو سوسائٹی کے چار لانچ بھی مسافروں کو لے کر آمدورفت کر رہے ہیں۔

سووا بازار اور باگ بازار میں پختہ جیٹیوں کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا اور انہیں استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ اسی طرح کوٹی گھاٹ (بارانگر) میں پختہ جے ٹی کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔ اسی طرح کی ایک جے ٹی، گارڈن ریچ میں بھی بنائی جائے گی۔ اس کے علاوہ سندربن کے علاقوں رائے دیگھی، حسن آباد، کیننگ، بسنتی، سنجیلیا، گوسابا اور نیزات میں بھی جے ٹیاں تعمیر کی گئیں۔

وزارت جہازرانی اور نقل وحمل کی کارکن جماعت نے چند خصوصی کام کے لئے ایک جامع اسکیم منصوبہ بندی کمیشن کے پاس داخل کی ہے تاکہ کمیشن اس پر غور کرے اور اسے ساتویں پنج سالہ منصوبہ میں شامل کر لے۔ اڑیسہ ساحلی نہر اور ہجلی نہر کی ازسر نو کھدائی کی جائے اور ان دونوں کو بہتر بنایا جائے۔ کرشنا پور نہر کو بھی بہتر بنایا جائے تاکہ یہاں کشتیاں اور اسٹیمر آسانی سے آمدورفت کر سکیں۔ کلکتہ کے چاروں طرف مجوزہ نہر کی کھدائی سے وابستہ مسائل پر غور کیا جائے۔ یہ تمام باتیں اسی اسکیم میں درج ہیں۔ نیز کلکتہ سے ہلدیہ تک بہت ہی تیز دریائی سروس، مختلف جگہوں پر دریائے ہگلی کو آرپار کرنے کے لئے بہتر مزید سرکاری اسٹیمر، لو بج، چندن نگر سے بج بج مسافروں کے لئے تیز دریائی سروس اور ایسے اسٹیمروں اور لانچ میں کام کرنے والوں کے لئے اعلیٰ تربیت کی سہولتوں کی فراہمی بھی اس اسکیم میں شامل ہے۔

ہوم (ٹرانسپورٹ) ڈیپارٹمنٹ کے تحت بہالا میں ملاتنگ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اس ریاست کے نوجوانوں، مردوں

اور عورتوں کو ہوائی جہاز چلانے کی تربیت دیتا ہے۔ سنہ ۸۲-۸۳ء میں اس انسٹی ٹیوٹ سے ۱۰۷ افراد کو تربیت دی گئی۔

سی یو ٹی پی کی نگرانی کے تحت الٹا ڈانگہ بس ٹرمینس تعمیر کیا گیا۔ ۶ جولائی سنہ ۱۹۸۲ء کو اس ٹرمینس نے باقاعدہ افتتاح کیا گیا۔ کلکتہ ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کا ارادہ یہ ہے کہ اس ٹرمینس سے لمبے فاصلے کی چند بس سروسیں چالو کی جائیں۔ یہ بس ٹرمینس بہت ہی جدید طرز پر تعمیر کیا گیا ہے اور دیگر ریاستوں سے لوگ یہاں اسے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ نیز ایک اسکیم کے تحت دمدم روڈ اور بی ٹی روڈ کو کچھ اور چوڑا کر دیا جائے گا۔ یہاں بس اسٹاپ پر مسافروں کے لئے شیلٹر تعمیر کئے جائیں گے

بلگھوریہ کے موجودہ ورکشاپ کے نزدیک ایک یونٹ اسمبلی کارخانہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کارخانہ کا مقصد یہ ہے کہ بسوں کو اچھی حالت میں رکھا جائے اور جلد از جلد مرمت کرکے بسوں کو روٹ میں آمدورفت کرنے کے قابل بنا دیا جائے۔

حکومت نے اس تجویز کو منظور کر لیا کہ بی بی ڈی باغ، بینٹا سینڈ، ایڈن گارڈنس اور ہوڑہ اسٹیشن میں منی بس اسٹینڈ میں مسافروں کے لئے شیڈ تعمیر کئے جائیں۔ نیز کلکتہ میں تمام بس اسٹاپ سگنلوں کو بھی پھر سے پینٹ کرکے تیار کیا جائے۔

پرولیا میں ندیوں سے پانی اٹھا کر آبپاشی کی ۱۷ اسکیمیں

ریاستی حکومت نے پرولیا ضلع میں خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں کے پروگرام کے تحت ندیوں سے پانی اٹھا کر آبپاشی کرنے کی ۱۷ اسکیموں کے لئے سنہ ۸۴-۸۵ء کے دوران ۱۲٫۲۵ لاکھ روپئے کے اخراجات کے لئے منظوری دی ہے۔

کوچ بہار کی ترقی کیلئے رقم کی فراہمی

ریاستی حکومت نے شمالی بنگال ترقیاتی پروگرام میں درج اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے کوچ بہار ضلع پریشد کو ۵٫۷۱ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

برگداروں کے ناموں کا رجسٹریشن

ضلع		رجسٹرڈ برگہ داروں کی تعداد
۲۴ پرگنہ	—	۱۶۲۰۶۲
ہوڑہ	—	۳۷۶۹۴
ندیا	—	۵۱۵۰۲
مرشدآباد	—	۶۸۴۸۴
بردوان	—	۱۰۲۴۶۷
بیربھوم	—	۹۳۱۹۹
بانکوڑا	—	۹۵۴۴۵
مدناپور	—	۲۹۰۸۰۰
ہگلی	—	۸۹۲۷۷
پرولیا	—	۶۳
مالدہ	—	۷۳۶۵۴
مغربی دیناجپور	—	۹۴۴۷۴
کوچ بہار	—	۷۰۲۵۳
جلپائی گوڑی	—	۵۴۷۴۷
دارجلنگ	—	۱۲۰۱۵



مغربی بنگال کے گورنر شری اوماشنکر دکشت ۵ اپریل ۱۹۸۵ء کو مرچنٹ نیوی فلیگ ڈے کے موقع پر پہلا فلیگ خریدتے ہوئے۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

Postal Regd. No. WB/CC- 52 Vol. 32 No. 8,
PRICE-12 Paise



گریٹ ایسٹرن ہوٹل کلکتہ میں منعقدہ ۸ راپریل ۱۹۸۵ء کو "دیہی ترقی کیلئے بجلی" پر سیمینار میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ۔ (نیچے) اس سیمینار کے سامعین





پندروزہ مغربی بنگال کلکتہ

یوم مئی نمبر

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری

سالانہ : ۳ روپئے ★ اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۳۰ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ :

بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم مئی سنہ ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۹



حال ہی میں گریٹ ایسٹرن ہوٹل کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو میڈم گوٹنس کو البم بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے

لینن

طبقوں میں بٹی دنیا صدیوں سے پریشاں تھی
غمناکیاں رہتی تھیں آباد خرابوں سے

عیش ایک کا لاکھوں کی غربت سے پنپتا تھا
منسوب تھی یہ حالت قدرت کے حسابوں سے

اخلاق پریشاں تھا، تہذیب ہراساں تھی
بدکار "معظموں" سے، بدنسل "جنابوں" سے

عیار سیاست نے ڈھانپا تھا جرائم کو
اربابِ کلیسا کی حکمت کے نقابوں سے

انساں کے مقدر کو آزاد کیا تو نے
مذہب کے فریبوں سے، شاہی کے عذابوں سے

ساحر لدھیانوی

مزدور ہیں ہم مزدور ہیں ہم، مجبور تھے ہم مجبور ہیں ہم
انسانیت کے سینے میں رِستا ہوا اِک ناسور ہیں ہم
ہم سے بازار کی رونق ہے، ہم سے چہروں کی لالی ہے
جلتا ہے ہمارے دل کا دیا دنیا کی سیما اجیالی ہے
دولت کی سیوا کرتے ہیں ٹھکرائے ہوئے ہم دولت کے
مزدور ہیں ہم مزدور ہیں ہم سوتیلے بیٹے قسمت کے
سونے کو چٹائی تک بھی نہیں ہم ذلت کے اتنے ہیٹے ہیں
یہ سیجوں پر سونے والے شاید بھگوان کے بیٹے ہیں
ہم ہیں نہیں کوئی تبدیلی جاڑے کی پالی راتوں میں
بیساکھ کے تپتے موسم میں ساون کی بھری برساتوں میں
کپڑے کی ضرورت ہی کیا ہے مزدوروں کو حیوانوں کو
کیا بحث ہے سردی گرمی سے لوہے کے بنے انسانوں کو
کھانا مٹی کے برتن میں سوئے تو بچھونے کو ترسے
اک عمر ترستے ہی گزری بچپن میں کھلونے کو ترسے
وہ بھوکوں کے ان داتا ہیں حق ان کا ہے بیداد کریں
ہم کس دروازے پر جائیں کس سے جا کر فریاد کریں

بازارِ تمدن بھی ان کا، دنیائے سیاست بھی انکی
مذہب کا ادارہ بھی ان کا، عادل کی عدالت بھی ان کی
پابند ہمیں کرنے کے لئے سو راہ نکالی جاتی ہیں
قانون بنائے جاتے ہیں، زنجیریں ڈھالی جاتی ہیں
پھر بھی آغاز کی شوخی میں انجام دکھائی دیتا ہے
ہم چپ ہیں لیکن فطرت کا انصاف دکھائی دیتا ہے

اٹھ بیٹھے انگڑائی لیکر جو غفلت کا متوالا ہے
آکاش کے تیور کہتے ہیں طوفان پھر آنے والا ہے
احساسِ خودی مظلوموں کا اب چونک کے کروٹ لیتا ہے
جو وقت کہ آنے والا ہے دل اسکی آہٹ لیتا ہے
طوفان کی لہریں جاگ اٹھیں سو کر اپنے گہوارے سے
کچھ تنکے شوخی کرتے ہیں سیلاب کے سرکش دھارے سے
منظر کی کدورت دھو دیگی، دھرتی کی پیاس بجھائے گی
موسم کے اشارے کہتے ہیں یہ بدلی کچھ برسائے گی
یہ ابر جو گھِر کر آتا ہے گر آج نہیں کل برسے گا
سب کھیت ہرے ہو جائیں گے جب ٹوٹ کے بادل برسے گا

علامہ جمیل مظہری

یوم مئی

از :- ——— محمد اعظم

محنت سے یہ مانا چور ہیں ہم
آرام سے کوسوں دور ہیں ہم
پر لڑنے پر مجبور ہیں ہم
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم
ہم کیا ہیں کبھی دکھلا دیں گے
ہم نظمِ کہن کو ڈھا دیں گے
ہم ارض و سما کو ہلا دیں گے
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

[اسرار الحق مجاز]

اور یہ حقیقت ہے کہ جب مزدور سب ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تو انہوں نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ روس کی زار شاہی حکومت کو مزدوروں نے اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ امریکہ کے سرمایہ داروں کو کام کرنے کے اوقات میں کمی کرنے پر مزدوروں نے مجبور کر دیا۔

آج سے دو تین سو سال قبل ساری دنیا میں جاگیردارانہ نظام رائج تھا۔ پھر انیسویں صدی کے شروع میں رو بہ انحطاط جاگیردارانہ نظام نے سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دیا۔ دونوں نظام ایک جیسے ہیں اور دونوں کا اہم مقصد یہی ہے کہ نادار اور غریب کاشتکاروں اور مزدوروں کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریاں بھر دی جائیں لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے آغاز سے ایک نیا صنعتی دور کا بھی آغاز ہوا، اور یہ محنت کشوں کے لئے ایک تحفہ ثابت ہوا کیوں کہ اس دور نے محنت کشوں میں ایک نئے تصور کو، استحکام اور اتحاد کے تصور کو اجاگر کیا۔ اس تصور نے محنت کشوں میں بیداری پیدا کر دی اور یہی بیداری محنت کشوں کو غربت اور استحصال سے نجات دلانے کی ایک زبردست تحریک بن گئی جس نے استحصال کرنے والے طبقوں اور ان کے نظام کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا۔ یہ تحریک اتنی تیزی سے پھیلنے لگی کہ اس نے جغرافیائی سرحدوں کو پار کر لیا اور ساری دنیا کے محنت کش لوگ اپنی کوششوں کے ذریعہ اپنی قسمت کو، اپنی زندگی کو بدلنے کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔

آج ساری دنیا میں محنت کش لوگ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ یوم مئی مناتے ہیں۔ اس خاص دن میں عام جلسہ جلوس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس دن تمام مزدور استحصال سے پاک ایک ایسے سماج کو قائم کرنے کے عزم کی تجدید کرتے ہیں جہاں صرف امن و امان ہو سکون ہو۔

یوم مئی کو محنت کشوں کے بین الاقوامی استحکام کا دن کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا ایک سو سال قبل امریکہ میں ہوئی۔ ایک پُرعزم جد و جہد اور دلدوز سانحہ سے اس دن کا آغاز ہوا۔ یوم مئی، دن میں کام کرنے کے مقررہ اوقات کے لئے جد و جہد سے وابستہ ہے، اور یہ جد و جہد ممالک متحدہ امریکہ میں، صنعتی انقلاب کے دور میں کارخانوں کے نظام کے آغاز سے شروع ہوئی۔ ۱۹ ویں صدی کے شروع میں امریکہ

(یعنی ممالک متحدہ امریکہ) میں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کام کرنے کے دن ہوتے تھے اور کہیں کہیں تو ۱۸ گھنٹوں تک کام کرایا جاتا۔ اگر مزدور ان کام کرنے کے اوقات میں کمی کرنے کا مطالبہ کرتے تو ان پر سرمایہ داروں کے ساتھ ساتھ وہاں کی حکومت اور پولیس ٹوٹ پڑتی، اور بے لیس اور بے کس مزدور کر بھی کیا سکتے۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں فیلاڈلفیا کے جوتے چلانے والوں نے ہڑتال کی تو اسے جبر و تشدد سے توڑ دیا گیا اور ہڑتال کرنے والوں کے سربراہوں کے خلاف سازشی مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ اسی طرح انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں امریکہ کے مزدوروں نے کام کرنے کے اوقات میں کمی کرنے کی تنظیمیں قائم کیں اور دیگر باتوں کے ساتھ کام کرنے کے دس گھنٹے کے دن کا مطالبہ کیا۔ فلاڈلفیا کے میکانکس یونین نے، جسے دنیا کا پہلا ٹریڈ یونین کہا جاتا ہے، دس گھنٹہ کام کرنے کے دن کے لئے سنہ ۱۸۲۷ء میں فیلاڈلفیا میں معماری کے کام کرنے والے مزدوروں اور سنہ ۱۸۳۴ء میں نیویارک میں روٹی بنانے والے مزدوروں کی ہڑتال کرائی۔ پھر آہستہ آہستہ یہ مطالبہ تحریک میں بدل گیا اور سنہ ۱۸۳۷ء میں امریکہ کے صدر نے ایک فرمان جاری کیا جس کے تحت سرکاری ملازمین کے لئے دس گھنٹے کے کام کا دن مقرر کیا، آہستہ آہستہ اس کے بعد کی دو دہائیوں میں بہت ساری صنعتوں میں دس گھنٹے کام کے دن مقرر کر دیے گئے لیکن اس کے بعد ہی سے آٹھ گھنٹہ کام کے دن کا مطالبہ شروع ہو گیا اور سنہ ۱۸۵۷ء میں معاشی بحران سے قبل ہی کئی ایک منظم صنعتوں میں آٹھ گھنٹہ کام کا دن مقرر کر دیا گیا۔ لیکن یہ تحریک صرف امریکہ تک محدود نہ رہی بلکہ جہاں کہیں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مزدوروں کا استحصال کیا جانے لگا وہاں یہ تحریک شروع ہو گئی۔ امریکہ سے کافی دور آسٹریلیا میں آٹھ گھنٹے کام کے دن کیلئے تعمیراتی کاموں میں مشغول مزدوروں نے مطالبہ کیا اور سنہ ۱۸۵۶ء میں وہ اس مطالبہ کو تسلیم کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔

آٹھ گھنٹے کام کرنے کی تحریک اور جد و جہد

امریکہ میں سنہ ۱۸۸۴ء میں اس جد و جہد کی شروعات ہوئی، لیکن اس سے تقریباً اٹھارہ سال قبل یعنی ۲۰ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کو بالٹی مور میں ٹریڈ یونینوں کا ایک جلسہ ہوا۔ اس میں تقریباً ساٹھ ستر ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں اتفاق رائے سے نیشنل لیبر یونین کی تشکیل ہوئی اور مزدوروں کے نوجوان سربراہ سر ولیم۔ ایم۔ سلوس اس تنظیم کے سربراہ منتخب ہوئے۔

سنہ ۱۸۶۶ء میں اس یونین نے اپنی ایک نشست میں یہ قرارداد منظور کی:

"دور حاضر کی سب سے اہم اور اولین ضرورت یہ ہے کہ اس ملک کے مزدوروں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے ایک قانون پاس کیا جائے جس کے تحت امریکہ کی تمام ریاستوں میں حسب معمول کام کرنے کے دن ۸ گھنٹوں پر مشتمل ہوں۔ ہمارا یہ عزم مصمم ہے کہ اس مقصد کی حصولیابی کے لئے ہم اپنی تمام تر توانائی کو صرف کر دیں گے۔"

اس نشست میں آٹھ گھنٹے کام کے دن کو قانونی طور پر نافذ کرنے کے لئے سیاست کا بھی سہارا لیا گیا۔ ممبروں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے علاقوں سے عام انتخابات میں صرف ان امیدواروں کی تائید کی جائے جو صنعتی مزدور طبقہ کے مفادات کی نمائندگی کریں گے۔

نظم

درد کو روح کا آزار بنانے والو!
یہ شرارہ ہے جو شعلے میں بدل سکتا ہے
اور بھڑکتی ہوئی تلوار میں ڈھل سکتا ہے

سردار جعفری

○

اسی سال یعنی ستمبر ۱۸۶۶ء میں فرسٹ انٹرنیشنل کی جنیوا کانفرنس نے بھی اس قسم کا مطالبہ ریکارڈ میں درج کیا تھا۔ مطالبہ یہ تھا:

"کام کرنے کے دن کے اوقات کو قانونی طور پر محدود بنانا ایک لازمی اور ابتدائی شرط ہے کیوں کہ اس کے بغیر محنت کش طبقہ کی نجات اور ترقی کے سلسلے میں کیے گئے تمام اقدامات بے ثمر ہوں گے ۔۔۔۔ یہ کانگریس کام کرنے کے دن کی قانونی حد آٹھ گھنٹے مقرر کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔"

اس کے بعد ۱۸۸۰ء میں شکاگو میں امریکی مزدوروں کی ایک تنظیم قائم کی گئی جو ممالک اقوام متحدہ امریکہ اور کناڈا کے منظم ٹریڈ اور لیبر یونینوں کا ایک وفاق تھی ۔ اسے عام طور پر امریکن فیڈریشن آف لیبر کہتے ہیں۔ اس تنظیم نے ۷ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو اپنے چوتھے اجلاس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی ۔

"ممالک متحدہ امریکہ اور کناڈا کے منظم ٹریڈ اور لیبر یونینوں کا وفاق اپنے اس فیصلے اور عزم کا اظہار کرتا ہے کہ یکم مئی ۱۸۸۶ء سے قانونی طور پر کام کرنے کا دن آٹھ گھنٹوں پر مشتمل ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ ہم مزدوروں کی تنظیموں کو اس بات کی ہدایت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ عمل میں ایسے قوانین مرتب کریں جو مذکورہ قوانین کی تصدیق کریں۔

اس سے قبل جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے صنعتی انقلاب کی وجہ سے امریکہ میں صنعتی سرگرمیاں بڑی تیز ہو گئیں اور اس کے ساتھ ساتھ مل مالکوں اور سرمایہ داروں نے غریب اور نادار مزدوروں کا ہر ممکن طریقہ سے استحصال کرنا شروع کر دیا۔ سرمایہ داروں کے استحصال کے خلاف بطور احتجاج جب امریکہ میں لاکھوں لاکھ ریل روڈ اور اسٹیل مزدوروں نے ۱۸۷۷ء میں عام ہڑتال کی تو اسے توڑنے کے لئے امریکی حکومت اور صنعتی کارپوریشن نے فوجی سپاہیوں کو بلایا، سپاہیوں نے اپنے ہتھیاروں کا سہارا لے کر نہتے مظاہرین پر حملے کر دئے اور انکی ہڑتال کو درہم برہم کر دیا۔ لیکن اس ہڑتال کا امریکہ کے مزدوروں کی تحریک پر کافی اچھا اثر پڑا کیوں کہ امریکی مزدوروں کو سماج میں ایک طبقاتی درجہ کا علم ہو گیا۔ قومی سطح پر امریکی محنت کشوں کا پہلا اور بہت ہی عظیم مظاہرہ تھا، لیکن دوسری طرف امریکی مل مالکوں نے بھی مزدوروں کی تنظیم توڑنے کے لئے قتل و غارت گری پر اتر آئے۔ ان لوگوں نے پنسلوانیہ کی کانوں کے دس بہادر مزدوروں کو، جنہوں نے ہڑتال کی تھی، ۱۸۷۵ء میں پھانسی پر لٹکا دیا۔

لیکن اس کے باوجود کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ ۱۸۷۳ء کے معاشی بحران کی وجہ سے امریکہ میں بے روزگاری میں کافی اضافہ ہو گیا۔ اس موقع پر مزدوروں کے فیڈریشن نے آٹھ گھنٹے کے دن کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ اس فیڈریشن نے امریکہ کے نائٹس آف لیبر کے ساتھ مل کر آٹھ گھنٹے کے دن کی تحریک کو سارے ملک میں پھیلا دیا۔ پھر اس فیڈریشن نے ۱۸۸۵ء میں اپنی ایک نشست میں یہ فیصلہ کیا کہ آٹھ گھنٹے کام کرنے کے دن کے مطالبہ میں یکم مئی کو ۱۸۸۶ء کو تمام مزدوروں نے ہڑتال کر دینا، اس فیصلہ کے بعد امریکہ کے بہت سارے یونین اس جد و جہد میں شرکت کرنے کے لئے اقدامات کرنے شروع کر دئے، اور اپنے ممبروں کی تعداد میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جوں جوں ہڑتال کا دن قریب آتا گیا نائٹس آف لیبر کے سربراہوں نے مزدوروں کا

رباعی

پرویز شاہدی

ہر پتے میں اک دھار لئے چٹکیں گے
ہر سانس میں تلوار لئے چٹکیں گے
دہکے ہوئے فولاد کے ہیں ہم غنچے
چٹکیں گے تو جھنکار لئے چٹکیں گے

ساتھ دینا چھوڑ دیا اور اس ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے چوری چھپے مل مالکوں اور حکومت سے بات چیت شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے ماتحت یونینوں کو یہ مشورہ دینا شروع کر دیا کہ وہ ہڑتال نہ کریں لیکن ان کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ اس وقت مزدور طبقہ بیدار ہو چکا تھا اور جگہ جگہ آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے لیگ قائم ہو چکے تھے نئی تنظیمیں عالم وجود میں آگئیں۔ امریکہ کا محنت کش طبقہ ایک نئی صبح کے ظہور کا انتظار کرنے لگا۔

شکاگو ہڑتال اور ہے مارکیٹ

یکم مئی ۱۸۸۶ء کی صبح کو آفتاب آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی ہڑتال بھی شروع ہوئی۔ پانچ لاکھ سے زیادہ مزدوروں نے اس ہڑتال میں شرکت کی۔ اس دن بقول شاعر

دست مظلوم میں ہتھکڑی کی کڑی
ایسی چمکی کہ تیغ قضا بن گئی

شکاگو شہر ہڑتال کا مرکز تھا۔ یہاں وسیع پیمانہ پر ہڑتال ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ نیویارک، بالٹی مور، واشنگٹن، ملواکی، سنسناٹی، سینٹ لوئس، پٹس برگ، ڈیٹرائٹ اور دیگر شہروں اور صنعتی مراکز میں تمام مزدور کام بند کر کے باہر نکل آئے۔ اس ہڑتال میں بے ہنر اور غیر منظم مزدوروں نے بھی شرکت کی۔

شکاگو میں یکم مئی ۱۸۸۶ء کی ہڑتال بہت ہی جارحانہ نوعیت کی تھی، کیوں کہ اس میں شکاگو کے بائیں بازو کے جنگجویانہ مزدور جماعتوں نے بڑی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ یہاں اس ہڑتال کی تیاری بہت پہلے سے کی جا رہی تھی۔ یہاں اس دوران بہت سارے آٹھ گھنٹہ ایسوسی ایشن قائم ہو چکے تھے۔

جیسا کہ قبل ذکر کیا گیا ہے پہلی مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو شہر میں منظم مزدور لیبر یونین کی پکار پر تمام مزدوروں نے کام بند کر دیا اور ہڑتال شروع کر دی۔ یہ طبقاتی استحکام کا بہت ہی موثر مظاہرہ تھا۔ اس طرح کی مزدور تحریک اس سے قبل اور کہیں نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت کا مطالبہ "آٹھ گھنٹہ کام کرنے کا دن" بہت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ آٹھ گھنٹہ کام کرنے کی تحریک یکم مئی ۱۸۸۶ء کو ہڑتال کی شکل میں ظاہر ہوئی اور امریکہ کے محنت کش طبقہ کی تاریخ میں اس نے ایک شاندار باب کا اضافہ کیا۔

اس دوران مزدوروں کے دشمن یعنی مل مالکان اور سرمایہ دار خاموش بیٹھے نہیں رہے۔ وہ سب محنت کش طبقہ کی طاقت اور اتحاد سے گھبرا اٹھے۔ ان لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ریاستی حکومت محنت کش طبقہ کو دبانے کے لئے انکی مدد کو آگے نہ بڑھی تو پھر صورت حال پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ بہرحال یکم مئی کو وہاں کی حکومت کی پولس اور فوج نے مل مالکوں کا ساتھ دیا اور ہڑتال کرنے والے مزدوروں پر ظلم کا پہاڑ توڑ دیا۔ مزدوروں کو مارا پیٹا اور بہت سارے مزدوروں کو ہلاک کر دیا لیکن انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ نڈر اور بہادر مزدوروں نے ہڑتال کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر ۳ مئی ۱۸۸۶ء کو میک کورمک ریپر ورکس کے ہڑتال کرنے والے مزدوروں پر پولس نے جارحانہ حملہ کیا اور اس حملہ سے چھ مزدور ہلاک ہو گئے اور بہت سارے مزدور زخمی ہو گئے۔ اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ۴ مئی کو شکاگو میں 'ہے مارکیٹ' میں مزدوروں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسہ پرامن تھا اور ختم ہونے کے قریب تھا کہ پولس نے مزدوروں پر حملہ کر دیا۔ پولس کے کرایہ کے ایجنٹ نے اس جلسہ پر ایک بم پھینکا جس سے بہت سارے مزدور زخمی ہو گئے اور ایک پولس سرجنٹ مارا گیا۔ اس کے بعد مزدوروں اور پولس والوں کے مابین باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں سات پولس والے اور چار مزدور مارے گئے۔ اس خونریزی کے بعد حکومت نے مزدوروں کے تمام سربراہوں کو گرفتار کر لیا اور ان میں سے چار سربراہوں کو جھوٹے مقدمے کے تحت پھانسی پر چڑھا دیا۔ مزدوروں کو مسلسل جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کی وجہ سے دنیا کی محنت کش عوام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور اس کے بعد سے امریکہ کے تقریباً تمام ریاستوں میں کام کے لئے آٹھ گھنٹے کا دن مقرر کر دیا گیا۔ پھر ۱۸۸۸ء میں امریکہ کے لیبر فیڈریشن نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۸۹۰ء سے سارے امریکہ میں 'یوم مئی' منایا جائے۔ اس کے بعد پیرس میں ۱۸۸۹ء میں منعقدہ دوسری کمیونسٹ انٹرنیشنل کانفرنس ہوا جس میں انجمنوں نے شرکت کی

تھی (مارکس اس وقت زندہ نہیں تھے) یہ فیصلہ کیا گیا کہ یوم مئی کو ساری دنیا کے محنت کش طبقہ کے بین الاقوامی یوم استحکام کے طور پر منایا جائے۔ اس کے بعد سے یوم مئی مزدوروں کے یوم تعطیل کی طرح منایا جا رہا ہے اور اس دن دنیا کے سارے مزدور اس عہد کا اعادہ کرتے ہیں کہ وہ سب ساری دنیا میں استحصال سے پاک سماج کے قیام اور امن کے لئے جدوجہد کو جاری رکھیں گے۔

اینگلس نے ۱۸۹۰ء کو کمیونسٹ منشور کے دیباچہ میں بین الاقوامی یوم مئی کی اہمیت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ انہوں نے لکھا ہے "جیسے میں ان سطروں کو لکھ رہا ہوں یورپ اور امریکہ کا پرولتاریت پہلی بار اپنی طاقتوں کا جائزہ لے رہی ہے۔ پہلی بار یہ پرولتاریت ایک جھنڈے تلے ایک فوج بن گئی ہے اور وہ ایک ہی مقصد کے لئے جدوجہد کر رہی ہے یعنی کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن جسے قانونی طور پر نافذ کر دیا گیا ہے۔ یہ منظر جو آج ہم سب دیکھ رہے ہیں تمام ملکوں کے سرمایہ داروں اور زمین داروں کو یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیں گے کہ آج تمام ملکوں کی پرولتاریت ایک ہو گئی ہے۔ کاش مارکس زندہ ہوتے تو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔"

پھر ۱۸۹۳ء میں زیورچ میں منعقدہ انٹرنیشنل کی کانفرنس میں جسمیں اینگلس نے بھی شرکت کی تھی، پہلی مئی کی تجویز میں مندرجہ ذیل باتوں کا اضافہ کیا گیا:

"یکم مئی کو کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے مظاہرے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سماجی تبدیلیوں کے ذریعہ طبقاتی تفریق کو مٹا دینے کے لئے محنت کش عوام کے عزم مصمم کا مظاہرہ ہے۔ یہ مظاہرہ لوگوں کو ایک ایسے راستے پر گامزن کرتا ہے جو تمام لوگوں کو بھائی چارگی اور بین الاقوامی امن کی طرف لے جاتا ہے۔"

روس کے مزدوروں اور انقلابیوں کے سامنے ان کے رہنما لینن نے یوم مئی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ۱۸۹۶ء میں لینن نے قید خانے میں محنت کش طبقہ کی آزادی اور نجات کے لئے "یوم مئی" پمفلٹ لکھا۔ اس پمفلٹ کو پوشیدہ طور پر قید خانے سے باہر لایا گیا اور اسٹنسل سے اس کی دو ہزار کاپیاں تیار کی گئیں اور انہیں چالیس کارخانے کے مزدوروں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ لیکن روس میں سنہ ۱۹۰۵ء میں مزدوروں کا پہلا انقلاب ناکام ہوا۔ اس کے بعد سے زارشاہی حکومت نے مزدوروں پر ظلم کا پہاڑ توڑنا شروع کر دیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء کی یکم مئی کو جب روس کے مزدور لاکھوں کی تعداد میں اپنا کام کاج بند کر کے سڑکوں پر نکل آئے تو اب زارشاہی مزدوروں کے اس انقلابی رجحان کو روک نہ سکی۔ پھر سنہ ۱۹۱۷ء میں روس میں اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے بعد سنہ ۱۹۱۸ء سے بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ یوم مئی منانے کا رواج ہو گیا۔

اس کے بعد یوم مئی اب دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یوم مئی شاندار اور اچھے مستقبل اور سماجی ترقی اور بہتر زندگی کے لئے محنت کش لوگوں کی مسلسل اور شدید جدوجہد کی شاندار فتح کی نشاندہی کرتا ہے۔ یوم مئی نے تاریکی دور کو ختم دیا۔ مستقل امن اور تمام نوع انسان کو خوشگوار اور سنہرے مستقبل کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے ہر ملک کے محنت کش طبقہ کے لوگ یوم مئی کے موقع پر بین الاقوامی استحکام اور بھائی چارگی کے جذبہ کے ساتھ ساری دنیا کے لوگوں کو سلام کرتے ہیں۔

یوم مئی انقلاب کی آج ایک صدی پوری ہو گی۔ بقول اجمل اجملی ؎

ایک سو سال کہانی میں کوئی چیز نہیں
ایک سو سال حقیقت میں بہت ہوتے ہیں
ندیاں تہذیب کی جڑ مٹی میں آ رجاتی ہیں
قسمتیں قوموں کی بنتی ہیں بگڑ جاتی ہیں
ظلم کے ہاتھوں دبا ہوا سیلاب عظیم
ایک ہی لمحے میں اس طرح بکھر جاتا ہے
ظلم کی ناؤ خود اس دھارے میں بہہ جاتی ہے
ایک سو سال کہانی میں کوئی چیز نہیں

یومِ مئی

بنگلہ: سبھاش مکھوپادھیائے

اردو: فیروز عابد

محبوب! آج گلوں سے کھیلنے کا دن نہیں
تباہی کے آمنے سامنے کھڑے ہیں ہم
آنکھوں میں اب نہیں نیلگوں مے کا خواب
تپتے سورج کا ہے جھلستا ہوا جسمِ خاکی

دھن چھنی ہے سنو سائرن کا اعلان
ہتھوڑا اور ہنسوا گاتے ہیں ترانے
لمحہ بہ لمحہ موت کے باوجود ــــ بے شمار زندگیاں
زندگی کو چاہتی ہے پیار کرنا

معراجِ عشق کی بیعت دو احتجاج سے
عہدِ قتل ہے ناخن کے دندانوں پر
بندھن ٹوٹے گا خدکش نغموں سے
روشن زمانہ ہے چھدا آخر یہ (کھرا)

صدیوں سے ستائے ہوئے غریبوں کی سسکیاں
ہر سانس کو کرجاتی ہیں شرمسار
اور نہیں! موت کے ڈر سے بزدل بیٹھے رہنا
پہنو پہنو! اب جہاد کا لباس

محبوب! آج گلوں سے کھیلنے کا دن نہیں
تباہی کا پیغام اب آن پہونچا ہے
پہچان لیں گی جوان روحیں
دگر آلام میں راہ ہونا قابلِ شناخت

●●

ع[1]: نوچ کھسوٹ (ناخن سے نوچنا اور دانتوں سے کاٹنا)

اردو شاعری
میں محنت کش طبقہ کی نمائندگی

مصطفیٰ اکبر

اردو شاعری کو یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے ہر دور میں حالات کا ساتھ دیا۔ زمانے کے بدلتے ہوئے تیور کو پہچانا، وقت کے سرد و گرم کو محسوس کیا اور زندگی کے تلخ حقائق کو اپنے دامن میں شامل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری میں زندگی کی وہ تمام علامتیں ملتی ہیں جو ایک زندہ شاعری کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ یہ الزام کہ اردو کی کلاسیکی شاعری تعیش پسندی اور روایت پرستی پر ختم ہے، اپنی جگہ درست ہے باوجودیکہ اگر ہم تحقیق کی تھوڑی بہت دقت کو گوارہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اس دور میں بھی جہاں شاعری قصیدہ خوانی، جھوٹی تعریف، مصنوعی بیانات اور ذہنی عیاشی و تفریح کا وسیلہ بنی رہی وہاں کچھ شاعر ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے زندگی کی سچائیوں کی ترجمانی کو شاعری کا مقصد سمجھا۔ اس زمرے میں میر، غالب اور نظیر کی شاعری کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

نظیر اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو براہ راست عوام سے منسوب کیا، انکی عوام دوستی کسی تحریک کی مرہون منت نہ تھی بلکہ روایت سے ہٹ کر ایک الگ راہ تلاش کرنے کی منفرد کوشش تھی جس کا آغاز عوام اور ان کی زندگی سے متعلق چیزوں سے ہوتا ہے۔ اور اختتام بھی اسی کے ارد گرد۔ محنت مزدوری کرنے والے غریب عوام کی زندگی کا درد سب سے پہلے ہم نظیر کے یہاں محسوس کرتے ہیں ؎

جب روٹیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار
مفلس کو دیویں ایک تو انگر کو چار چار
گر اور مانگے وہ تو اسے جھڑکیں بار بار
مفلس کا آہ، بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اس جگہ پہ چباتی ہے مفلسی

(مفلسی)

مزدوروں کی بے بس زندگی کا منظر دیکھئے ؎

مفلس نے گرچہ مر کر کی نوکری کسی کی
کیسی ہی محنتیں کیں لیکن طلب نہ پائی
جیدھر کو ہاتھ ڈالا پائی نہ پھوٹی کوڑی
کی عاشقی تو سر پر ہے اک سڑی سکھڑاپا
سو وہ بھی اس سے لے لی، دلبر ملا تو ایسا

(افلاس کا نقشہ)

اردو شاعری کی تاریخ میں نظیر کے بعد سوائے حالی اور اقبال کے کوئی شاعر ایسا نہیں تھا جسے ہم عوام کا نمائندہ کہہ سکیں۔ حالی قوم کی زبوں حالی پر آنسو بہانے اور اردو شاعری کے نئے اصول مرتب کرنے میں مصروف رہے۔ اقبال نے زندگی کے ہمہ جہت پہلوؤں کو اپنی شاعری میں سمویا۔ فلسفہ، سیاست، مذہب، اخلاقیات سب کچھ ان کا موضوع سخن بنا۔ ان کی شاعری میں اشتراکیتی نظریے بھی آئے۔ ابھی جب روس میں اشتراکیتی انقلاب رونما نہیں ہوا تھا ہندوستانیوں میں اشتراکیت

کا تصور بھی نہیں ابھرا تھا کہ انھوں نے سنہ ۱۹۲۱ء میں اپنی نظم "خضر راہ" میں محنت کشوں کو براہ راست شاعری کا موضوع بنایا۔ نظم میں حضرت خضر کے ذریعہ محنت کشوں کو بیدار کرنے اور پیغام عمل دینے کی کوشش کی گئی ہے؎

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

پتہ نہیں چلتا کہ مزدور انقلاب کا ہندستانیوں نے کیا اثر لیا تھا مگر اتنا ضرور ہے کہ انقلاب روس کے بعد ہندستانی تہذیب میں تبدیلیوں کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ سنہ ۱۹-۱۹۱۸ء میں ہندستان میں مزدوروں اور کسانوں کی جدوجہد نے جامع شکل اختیار کر لی تھی۔ بنگال آسام ریل مزدوروں کی ہڑتال، کشور گنج میں عوامی شورش، پنجاب میں کسانوں کی بغاوت، مالابار کی موپلا بغاوت نے ہندستانیوں کے اندر ایک انقلابی تحریک پیدا کر دی تھی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا ٹریڈ یونین کی تشکیل ہو چکی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں کسان سبھا کی بنیاد پڑی۔ عوامی بیداری کی لہر میں برٹش راج کی بنیاد ہلنے لگی۔ موجودہ صورت حال کے پیش نظر سماجی نظام کی از سر نو تشکیل پر زور دیا جانے لگا۔ ایسے بے چین حالات میں اردو شاعری بھی قومی تحریک کے ساتھ ساتھ سماج کے کمزور اور غریب محنت کش طبقہ کی آزادی اور نجات کے لیے میدان میں کود پڑی۔ انقلاب روس سے قبل اور بعد اقبال اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کے ایک حصے میں محنت کش طبقہ کی نمائندگی کی اور اس کی خوشحالی کا خواب دیکھا جس کے آگے تمام پرانی تہذیبیں بیکار ہو گئیں جو انسان کے لیے باعث ذلت تھیں۔ اردو شاعری میں نئے اقدار کی پہلی آواز گونجتی ہے؎

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

ایک نظم "لینن خدا کے حضور میں" میں اقبال لینن کی زبان میں فریاد کرتا ہے؎

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات۔
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

مزدوروں اور کسانوں کا عرصۂ حیات تنگ دیکھ کر اقبال جیسے متانت طبع شاعر بھی تلملا اٹھتا ہے۔ فریاد نعرۂ انقلاب کی شکل اختیار کرنے لگتی ہے؎

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اقبال کی ہم آہنگی سے اردو کے وہ شعرا بھی چونکے جنھوں نے رومانیت اور حسن پرستی کو شاعری کا اہم جزو سمجھ رکھا تھا۔ اب رومان انقلاب کے سانچے میں ڈھلنے لگا تھا۔ جوش جیسے عشق پیشہ اور حسن پرست شاعر بھی حسن و محبت کے ساتھ محنت کو شریک سخن کیا؎

حسن ہو مجبور کنکر توڑنے کے واسطے
دستِ نازک اور پتھر توڑنے کے واسطے
فکر سے جھک جائے گردن، تف لے لیل و نہار
جس پہ ہونا چاہیے پھولوں کا اک ہلکا سا ہار
آسماں جانِ طرب کو وقت رنجوریاں کیے
صنفِ نازک بھوک سے تنگ آ کے مزدوری کرے

محبوب کے حسن سحرکار آنکھوں سے اب مٹنے لگا تھا۔ اس کی جگہ اب محنت کشوں کی زندگی کی کربناکیاں ابھرنے لگی تھیں۔ نظم "کسان" میں اس کا عکس دیکھئے؎

جس کا سسہ خاک تک میں بنتا ہے اک چادر یہیں
جس کا لوہا مان کر سونا اگلتی ہے زمیں
ہل پہ دہقان کے چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں
اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں
سوچتا جاتا ہے کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا
بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا منھ اترا ہوا
سیم و زر، نان و نمک، آب و غذا کچھ بھی نہیں
ایک دل اور یہ ہجوم سوگواری ہائے ہائے
یہ ستم اے سنگ دل، سرمایہ داری ہائے ہائے

غزل کے وہ شعرا بھی محنت کش و غریب عوام کی بربادی کا تماشہ خاموشی سے نہ دیکھ سکے، جن کا تعلق ہمیشہ غزل اور اس کی روایت سے رہا۔ اس زمرے میں جگر اور حسرت دو نام ہمارے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ جگر قحط بنگال پر آنسو بہاتے ہوئے کہتے ہیں ؎

افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سر راہ
بے گور و کفن خاک بسر دیکھ رہا ہوں
انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں
رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیر تاباں
ہونے کو ہے اس شب کی سحر دیکھ رہا ہوں

حسرت نے سیاسی ذہنیت رکھنے کے باوجود غزل کی روایت کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیا مگر انہیں بھی مزدوروں کی زبوں حالی دیکھ کر ان کی نجات کا گیت الاپنا پڑا ؎

نہ سرمایہ داروں کی نخوت رہے گی
نہ حکام کا جور بے جا رہے گا
زمانہ وہ جلد آنے والا ہے جس میں
کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے گا

اردو شاعری ابھی نئی کروٹ لے رہی تھی کہ ۱۹۳۶ء میں ہندستان میں سجاد ظہیر کی زیر قیادت ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اردو شعرا و ادبا کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے انجمن ترقی پسند مصنفین کی تشکیل کی گئی۔ ایک خط مستقیم پر چلنے کے لئے مینی فیسٹو تیار ہوا جس میں دوسرے مقاصد کے ساتھ اس مقصد پر زور دیا گیا کہ ادب اور دوسرے فنون کو قدامت پرستوں کے اجارے سے نکال کر انہیں عام لوگوں کے دکھ سکھ اور جد و جہد کا ترجمان بنایا جائے، انہیں حقائق کا آئینہ دار بنایا جائے جس سے ہم مستقبل روشن کر سکیں۔ ایک طرف یہ تحریک آزادی کی جد و جہد میں اتحاد قائم کرنے اور ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے عوام کو یکجا کرنے میں معروف تھا تو دوسری طرف اس نظریے کو بھی عام کرنے میں کوشاں تھا کہ انسانی سماج میں مزدور، کسان اور غریب کو بھی وہی حیثیت حاصل ہو جو دوسرے لوگوں کو حاصل ہے۔ اس نظریے کی تبلیغ کے لئے ادبا و شعرا کو وسیلہ بنایا گیا۔ شعرا کی ایک بڑی ٹیم اس نظریے کی اشاعت کے لئے کاربند عمل ہو گئی۔ نتیجتاً اردو ادب میں محنت کشوں اور غریب طبقہ کے حق میں انقلابی گیتوں کا انبار جمع ہو گیا۔ یہاں طوالت کے ڈر سے منتخب نظموں کے اقتباسات نذر مطالعہ ہیں ؎

ہم سے بازار کی رونق ہے ہم سے چہروں کی لالی ہے
جلتا ہے ہمارے دل کا دیا، دنیا کی سبھا اجیالی ہے
دولت کی سیوا کرتے ہیں، ٹھکرائے ہوئے ہم دولت کے
مزدور ہیں ہم مزدور ہیں ہم سوتیلے بیٹے قسمت کے
پابند ہمیں کرنے کے لئے شرطیں ہیں نکالی جاتی ہیں
قانون بنائے جاتے ہیں، زنجیریں ڈھالی جاتی ہیں
پھر بھی آغاز کی شوخی میں انجام دکھائی دیتا ہے
ہم چپ ہیں لیکن فطرت کا انصاف دہائی دیتا ہے
—— جمیل مظہری

قیمت مزدور کر دوں گا جہاں پر آشکار
زندگی کو لاکھ تشکیل قضا دینی پڑے
خاک سے ہندوستاں کے وہ اٹھا دوں گا شہید
جس کے مدفن کو زمین کربلا دینی پڑے
—— احسان دانش

بڑھ رہے ہیں دیکھو وہ مزدور دَراتے ہوئے
اِک جنوں انگیز لے میں جانے کیا گاتے ہوئے
ختم ہو جائے گا سرمایہ داری کا نظام
رنگ لانے کو ہے مزدوروں کا جوشِ انتقام
—— مجاز لکھنوی

جنھیں خاک پہ جس رات اتر آئی تھیں
بجلیاں وحشتِ یزداں کی جہاں چھائی تھیں
ہاں وہیں دیکھ دلِ زار نے یہ بھی دیکھا
خونِ دہقاں میں الماس کے سینے تھے رواں
ہر طرف عدل کی جلتی ہوئی میت کا دھواں
—— مخدوم محی الدین

اٹھو ہند کے باغبانو اٹھو ﴿ اٹھو انقلابی جوانو اٹھو
کسانو اٹھو کامگارو اٹھو ﴿ نئی زندگی کے شرارو اٹھو
اٹھو کھل گیا پرچمِ انقلاب ﴿ نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب
غلامی کی زنجیر کو توڑ دو
زمانے کی رفتار کو موڑ دو
—— سردار جعفری

ہم محنت کش جگ والوں سے جب اپنا حصہ مانگیں گے
اک کھیت نہیں، اک دیش نہیں، ہم ساری دنیا مانگیں گے
یاں ساگر ساگر موتی ہیں، یاں پربت پربت ہیرے ہیں
یہ سارا مال ہمارا ہے، ہم سارا خزانہ مانگیں گے
—— فیض احمد فیض

گھونے والے مقصر کی توصیف کیا
تیشۂ مزدور کی باتیں کریں
یا
دیکھو دور افق کے ضو سے جھانک رہا ہے سرخ سویرا
جاگو اے مزدور کسانو
اٹھو اے مظلوم انسانو
—— ساحر لدھیانوی

گونج اٹھی عوام کی للکار ، اب چھپنے نہ پائے گی تلوار
ساتھیو بڑھ کے اک کڑا کا وار ، سخت جان سامراج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے
—— جاں نثار اختر

نہ رہا تیشۂ فرہاد تو دل تنگ نہ ہو
ہمتِ بازوئے مزدور ابھی باقی ہے
زلفِ آشفتۂ گیتی کا بھی سنور جائے گی
ہم نفس! عشق کی آشفتہ سری باقی ہے
—— روش صدیقی

عشق کی آشفتہ سری کے طفیل طوقِ غلامی ٹوٹا، عوامی طاقت کی جیت ہوئی اور آمریت کا سر نیچا ہوا۔ بقول شاعر ؎
دورِ افلاس میں مزدور کے ماتھے کی شکن
موجِ شمشیر رواں ہے مجھے معلوم نہ تھا —— جاں نثار اختر

اب ہمارے سامنے ایک نیا ہندوستان، نئی زندگی، نئی امنگیں تھیں۔ آزاد آنکھوں میں نیا نیا خواب تھا۔ یعنی ؎
دکھ کے بندھن کٹ جائیں گے سکھ کا سندیسہ آئے گا
مٹی اب سونا اگلے گی، بادل امرت برسائے گا
محنت پر ہے جس کا بھروسہ، محنت کا پھل پائے گا
اپنے ہی کس بل کا کمند روقت کا بہتا دھارا ہے
یہ دھرتی، یہ جیون ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے
—— مسعود اختر جمال

تاریک افق کے ماتھے سے صدیوں کی سیاہی چھوٹ گئی
ظلمات کا سینہ چاک ہوا، لو سانس بھی شب کی ٹوٹ گئی
لو صبح کی پو بھی پھوٹ گئی
—— جاں نثار اختر

لیکن صبح کی پو میں افق کی سیاہی تو چھوٹ گئی مگر محنت کش عوام کے ماتھے پر لگے برسوں کی سیاہی نہ دھل سکی۔ یہ خواب کہ آزادی کے بعد ملک میں روس کی طرح اشتراکیتی نظام قائم ہوگا، سرمایہ داری کا خاتمہ اور مزدوروں کا راج ہوگا، یکسر ٹوٹ گیا۔ نیا قانون بنا، نئے اصول مرتب ہوئے مگر محنت کش عوام کو سوائے محنت اور تذلیل کے اور کچھ نہیں ملا ؎

لہلہاتے ہوئے کھیتوں پہ جوانی کا سماں
اور دہقان کے چھپر میں نہ بتی نہ دھواں

——— ساحر

ہم ہندستانیوں کو ایک بار پھر سوچنا پڑا کہ ہم نے کیا کھو کر کیا پایا ؎

فضائیں سوچ رہی ہیں کہ ابنِ آدم نے
خرد گنوا کے جنوں آزما کے کیا پایا
وہی شکستِ تمنا وہی غمِ ایام
نگارِ زیست نے سب کچھ لُٹا کے کیا پایا

لہٰذا ہندستانیوں کو اقتصادی آزادی کے لئے ایک اور جنگ کی ضرورت محسوس ہونے لگی ۔ یہاں بھی اردو کے ترقی پسند شاعروں نے عوام کا ساتھ دیا ؎

یہ جنگ ہے جنگِ آزادی
آزادی کے پرچم کے تلے
ہم ہند کے رہنے والوں کی محکوموں کی مجبوروں کی
آزادی کے متوالوں کی دہقانوں کی مزدوروں کی
یہ جنگ ہی کیا وہ امن ہی کیا دشمن جس میں تاراج نہ ہو
وہ آزادی آزادی کیا مزدور کا جس میں راج نہ ہو
یہ جنگ ہے جنگِ آزادی
آزادی کے پرچم کے تلے

——— مخدوم محی الدین

ہم پہ کیا گزری ہے لوہے کے دلوں سے پوچھئے
اپنی فولادی مشینوں سے، اسلوں سے پوچھئے
قیمتِ گوہر نہ پتھر کے دلوں سے پوچھئے
ماہروں سے پوچھئے کیوں عاقلوں سے پوچھئے
جاہلوں کی بات ہے ہم جاہلوں سے پوچھئے
آپ دانا ہیں تو نادانی کا بوسہ دیجئے

——— پرویز شاہدی

فاقہ کشوں کے خون میں ہے جوشِ انتقام
سرمایہ کے فریبِ جہاں پروری کی خیر
طبقاتِ متبذل میں ہے تنظیم کی نمود
شہنشہوں کے ضابطۂ خود سری کی خیر

——— ساحر لدھیانوی

عوامی شاعروں کے ذہن میں رہ رہ کر سوال اٹھتا ہے ؎

سرمایہ کے سمٹے ہوئے ہونٹوں کا تبسم
مزدور کے چہرے کی شکن ہے کہ نہیں ہے
پیشانی افلاس سے جو پھوٹ رہی ہے
اٹھتے ہوئے سورج کی کرن ہے کہ نہیں ہے

——— سردار جعفری

آزاد ہندستان میں اردو شعراء کے انقلابی رجحانات اور اشتراکیتی ادب پارے کو دیکھ کر حکومت اور حکومت کے خوشہ چینوں کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں نہ عوام اشتراکیتی نظریہ سے متاثر ہو کر کسی انقلاب پر اتر آئے لہٰذا اس سے پہلے کہ ان آوازوں کو زنداں کی چار دیواری میں قید کر دیا جاتے ۔ ان کے خلاف کوئی محاذ کھڑا ہونا چاہئے لہٰذا مخالفین کی ٹولی تیار ہوئی ۔ ترقی پسند ادب و نظریے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ۔ اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے ۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے جا بجا ترقی پسند مخالف کانفرنسوں کا اہتمام کیا جانے لگا ۔ ایسی صورت حال میں ترقی پسندوں کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنی تحریک کی بقا کے متعلق سنجیدگی سے سوچیں اور ان غلط فہمیوں کو دور کریں جو ان کے خلاف پھیلائی گئی تھیں ۔

بہرحال ترقی پسند تحریک پر لگائے گئے الزامات کی تردید اور تحریک کی پالیسی کی وضاحت کے لئے مارچ ۱۹۵۳ء میں چھٹی کل ہند کانفرنس کا حیدرآباد میں انعقاد ہوا جس میں سب سے پہلے نوجوان ترقی پسند شعراء میں خونیں انقلاب کے رجحان کے منفی پہلو پر تنقید کی گئی اور اس بات کی وضاحت کی گئی کہ ——— "ہندستانی ادب کا مستقبل مزدور طبقے کی رہنمائی میں لڑتی ہوئی جنتا کے مستقبل سے الگ نہیں ہے جو آج ایک آزاد زندگی، مکمل آزاد اور خود مختار جمہوریت اور سوشلزم کے لئے جدوجہد کر رہی ہے" ——— نیا منشور مرتب ہوا جس میں زور دیا گیا کہ ہمارے ادب کو فنی و فکری اعتبار سے خوبصورت ہونا چاہئے، قومی اور عوام پسند ہونا چاہئے ۔ منشور کے ذریعہ تمام ادباء و شعراء سے اپیل کی گئی کہ وہ عوام کی خدمات کے لئے متحد ہو جائیں اور انکی خوشحالی

اور پھر بیمار زندگی کی تعمیر میں اپنی جنی کاوشوں کے ذریعہ ان کی مدد کریں۔

ترقی پسند تحریک کی پالیسی کی وضاحت کے بعد ترقی پسند شعراء کے رجحانات میں بڑی تبدیلی آئی۔ اب نعرۂ انقلاب فنی پارے میں ڈھلنے لگا۔ قدیم شاعری کی قابلِ قدر روایات کو ادب میں شامل کیا جانے لگا۔ زبان و بیان پر خاص دھیان دئے جانے لگا۔ نتیجتہً ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۴ء کے دوران اردو ادب میں شاعری کا قابلِ قدر سرمایہ جمع ہو گیا جو یقیناً اردو ادب میں اضافی حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر سردار جعفری کی نظم "نیا شہر" کا اقتباس پیش کیا جا سکتا ہے جو فنی اور تکنیکی اعتبار سے قابلِ تحسین ہے ؎

وہ اک جلوس سا اک موڑ پر نظر آیا
کوئی عظیم جنازہ گزرنے والا ہے

چلو قریب سے دیکھیں یہ بدنصیب ہے کون
کلرک ہیں جو ابھی دفتروں سے نکلے ہیں
تمام ایک سی شکلیں ہیں ہندسوں کی طرح
کسان ہیں جو ابھی کھیتیوں سے پلٹے ہیں
نکل کے آتے ہیں مزدور کارخانوں سے
اور ان کی پشت پہ افسردہ گھوڑیوں کی قطار
سروں پہ اڑتے دھوئیں کے سیاہ رنگ علم
برہنہ بچوں کے رونے کی دردناک صدا

یا

دہقان سنوارتا ہے مٹی
چن چن کے بکھیرتا ہے دانے
اور سر چڑھا جا رہا ہے جی میں
پھر آئے گا جنگ آزمانے

اختر الایمان

ترقی پسندوں کی ان خوشگوار تبدیلیوں سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ غزل جیسی فراموش کردہ صنفِ سخن پر پھر سے طبع آزمائی کی جانے لگی۔ اس دوران غزل کو ایک نئی معنویت دی گئی۔ موضوع کے اعتبار سے غزل کو ایک نئی ہیئت، ایک نئی زندگی ملی۔ غزل جیسی نازک صنف میں محنت کشوں اور مظلوموں کے سنگین مسائل راہ پانے لگے۔ نئے موضوعات کی شمولیت اور فن کے احترام کی وجہ سے اب اردو غزل میں وہ تنوع، توازن اور توانائی پیدا ہوگئی جس کی راہ کبھی غالب اور اقبال نے دکھائی تھی۔ آج کی جدید غزل ترقی پسندی کے اس نئے تجربے کی دین ہے۔ ترقی پسند شعراء کی غزلوں کے منتخب اشعار یہاں نمونے کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں ملاحظہ ہوں ؎

صبح کے اجالے پر رات کا گماں کیوں ہے!
جل رہی ہے کیا دنیا، چرخ پر دھواں کیوں ہے
خنجروں کی سازش پر اب تک یہ خاموشی!
روح کیوں ہے یخ بستہ، نغمہ بے زباں کیوں ہے

بھوکوں کی نگاہوں میں ہے بجلی
یہ برق ابھی گری نہیں ہے

سردار جعفری

فن جو نادار تک نہیں پہونچا ÷ ابھی معیار تک نہیں پہونچا

مفلسِ شہر کے تن پر لباس باقی ہے
امیرِ شہر کے ارماں ابھی کہاں نکلے

ساحر لدھیانوی

جانے اب گردشِ ایام پہ کیا بیتے گی
آج دیوانوں کی ابرو پہ شکن ہے صیاد
کوئی طوفان ہی اٹھے، کوئی سیلاب ہی آئے
کسی صورت سے دن پھر جائیں قسمت کے سفینے کے

خلیل الرحمٰن اعظمی

بہ تاج کے سائے میں زر و سیم کے خرمن
کیوں آتشِ کشکولِ گدا سے ہیں ڈرتے
ان پڑھ آندھی گھس پڑتی ہے توڑ کے پھاٹک محلوں کے
"اندر آنا منع ہے" لکھ کر لٹکانے سے حاصل کیا!!

پرویز شاہدی

ہم آج اپنے لہو میں تبھی نہا، تم اپنے خنجر کا رنگ دھو لو
ہمیں نیا حوصلہ ملے گا، تمہیں نئی زندگی ملے گی

باقی صفحہ نمبر پر

یوم مئی

صفدر علی خان خموش

چراغِ فکر و نظر کی ضیاء ہے یوم مئی
نیا شعور، نیا حوصلہ ہے یوم مئی
وہ جن کے عزم و عمل کی صدا ہے یوم مئی
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

افق سے تا بہ افق جن کے خون کی خوشبو
بکھر گئی تو ملا زندگی کو جوشِ نمو
وہ جن کی سرخیٔ پرچم کا ذکر ہے ہر سو
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

ہلا سکی نہ قدم جن کے گردشِ ایام
جنہیں ڈرا نہ سکی تیرگی کی اندھیری شام
صدِ انقلاب چھپائے ہوئے ہیں جنکے نام
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

وہی جو دے گئے حالات کو نیا اک باب
جب ان کا ذکر ہوا تو ملے ہوئے شاداب
جو کامگاروں کے دل میں کھلا گئے ہیں گلاب
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

جو رنجِ جبر کیلئے کر گئے سینے در باز
جو مٹ کے کر گئے انسانیت کو سرافراز
سکھا گئے جو زمانے کو زیست کے انداز
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

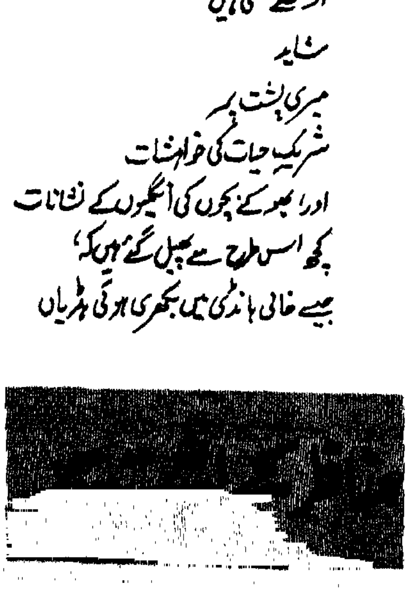
خود آگہی کا سبق دے گئے جو پستی کو
جھکا گئے جو زمانے کی زر پرستی کو
جو نور دے گئے محنت کشوں کی بستی کو
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

ہر ایک شعبۂ ہستی میں زندگی آئے
جو تیرہ ذہن ہیں ان تک بھی روشنی آئے
جو چاہتے تھے کہ گھر گھر اک خوشی آئے
یکم مئی کی ہے تاریخ ان جیالوں کی

* * * * * * * *

ایم۔ کے۔ آمر

میں بھی
دورِ جدید میں پرچم بلند کر سکتا ہوں
لیکن، میرے سامنے جو مناظر ہیں،
ان کے پس منظر میں
جب میری، آنکھیں
بادِ نسیم کی طرح
ٹہلتی ہوئی صبح کی پہلی کرن کے ساتھ
غوطہ زن ہوتی ہیں
تو یکایک شام کی طرح سسکتی ہوئی، سمٹتی ہوئی
بوڑھی شب کی مانند
اونگھنے لگتی ہیں
شاید
میری پشت پر
شریکِ حیات کی خواہشات
اور بھوکے بچوں کی انگلیوں کے نشانات
کچھ اس طرح سے پھیل گئے ہیں کہ،
جیسے خالی ہانڈی میں بکھری ہوئی ہڈیاں



مغربی بنگال میں دیہی اطلاعات کو کافی اہمیت دی گئی

مغربی بنگال میں اردو کیلئے تین سیل قائم کئے گئے ہیں

پروبھاش پھودیکار وزیر اطلاعات و ثقافتی امور

شری پروبھاش پھودیکار، وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور نے گزشتہ ۱۰ اپریل کو ریاستی اسمبلی میں سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء کے مالی سال کیلئے اپنے شعبے کے لئے ۶۱۲۵۸۰۰۰ روپئے کے اخراجات کا تخمینہ پیش کیا جسے اسمبلی نے منظور کر لیا۔ اپنے شعبے کا بجٹ پیش کرتے ہوئے انہوں نے بجٹ تقریر کی جس کا متن درج ذیل ہے:

اطلاعات و تعلقات عامہ

بائیں محاذ کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے ہی میرے شعبے کے تحت مضافاتی اطلاعات پر کافی زور دیا گیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دیہی سطح تک لوگوں کو حکومت کی کارگذاریوں اور کوششوں سے باخبر رکھا جائے۔ چھٹے منصوبہ کے عرصے میں بلاک سطح پر کارکن کے ۲۰ نئے عہدے قائم کئے گئے۔ ایک تجویز یہ ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں ہر بلاک میں اسی طرح کے ایک کارکن کو برسر روزگار کردیا جائے۔ چھٹے منصوبہ کے تحت ہر ضلع اور ہر سب ڈویژن میں ایک مرکز اطلاعات کھولنے کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک تجویز یہ ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں ہلدیہ، کلیانی، بولپور [illegible] میں ایک ایک مرکز اطلاعات کھولا جائے۔ دریں اثنا ہلدیہ میں ایک نئے سب ڈویژن آفس کھولنے کے پروگرام کا کام کافی آگے بڑھ چکا ہے۔

دیہی علاقوں میں اطلاعات کی فراہمی کے سلسلے میں ثقافت عامہ کے بہت سارے واسطوں کو بروئے کار لایا جارہا ہے۔ [illegible] اس شعبے کے تحت ۱۰۴ سماعی بصری یونٹیں کام کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دہلی کے مرکز اطلاعات میں دو ایسی یونٹیں ہیں۔ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں ان یونٹوں کو انکی پرانی مشینوں کو بدل کر نئی مشینیں سپلائی کی جائیں گی اور گشتی یونٹوں کی جگہ مخصوص جگہوں پر یونٹیں قائم کی جائیں گی۔

دیہی ریڈیو پروگرام کے تحت اب تک ۳۵۹۴ ریڈیو سٹ سپلائی کئے گئے — اسی طرح اب تک مختلف علاقوں میں حکومت کی طرف سے ۲۹۰ ٹی۔وی سیٹ نصب کئے گئے۔ نیز اور ۱۲ ٹی وی سیٹ نصب کئے جائیں گے، اس پروجیکٹ کے تحت ایک تجویز یہ ہے کہ سنہ ۸۵-۸۶ء میں ۳۰۰ ریڈیو سیٹ اور ۳۰ ٹی۔وی سیٹ سپلائی کئے جائیں۔ اس سلسلے میں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنہ ۷۵-۷۶ء کے مالی سال میں اس پروجیکٹ کے رائج کئے جانے پر مرکزی حکومت کی طرف سے ریاستی حکومت کو ۱۲۵ سیاہ و سفید ٹی وی سیٹ ملے لیکن اس کے بعد کے مالی برسوں میں مالیاتی تعاون کی حصولیابی کے لئے ریاستی حکومت نے بار بار تجاویز پیش کیں لیکن مرکز کی طرف سے ان کا خاطر خواہ جواب نہیں ملا۔

نمائش سیکشن نے اس ریاست کے اندر اور باہر مختلف

علاقوں میں ۵۸ نمائشیں منعقد کیں۔ گزشتہ سال کے بین الاقوامی تجارتی میلے میں مغربی بنگال کے پویلین کو پریس اور لوگوں نے کافی سراہا۔ ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں دہلی کے پراگتی میدان میں ایک مستقل پویلین تعمیر کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے قطعات اراضی حاصل کر لئے گئے ہیں اور تعمیر کے سلسلہ میں متعلقہ کام جاری ہے۔ نمائشی سیکشن کو مزید مستحکم بنانے کے لئے بھی ایک پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

چھٹے منصوبہ کے عرصے میں سلی گوڑی میں مرکز اطلاعات کی عمارت اور آڈیٹوریم کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اب یہ کام مکمل ہونے کو ہے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں مہاراشٹر، راجستھان اور کرالا میں ایک مرکز اطلاعات کھولا جائے۔ نئی دہلی کے علاوہ مدراس، بھوبنیشور اور اگرتلہ میں مراکز اطلاعات قائم کئے گئے۔

اطلاعات کی فراہمی اور فروغ کے لئے اشتہارات کے کردار کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہمارے [illegible] اور جمہوری نظریے اشتہارات کی تقسیم کے سلسلے میں ہماری پالیسی کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ہماری موجودہ حکومت نے چھوٹے اور متوسط درجہ کے اخباروں کی بابت حقائق معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔

اس کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں اشتہارات کی تقسیم کی پالیسی کو روبہ عمل لایا جاتا ہے۔ مختلف [illegible] اور جریدوں میں سرکاری اشتہارات ریاستی حکومت کے فیصلہ [illegible] ہماری پالیسی کی عکاسی کرتے ہیں۔ [illegible] علاقوں میں چھوٹے اخباروں کی ترقی میں ہماری اشتہارات پالیسی کافی معاون ثابت ہوئی ہے۔

[illegible] رسالے، جریدے، پمفلٹس وغیرہ ہمارے شعبہ کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں۔ فی الحال اس شعبہ کی طرف سے ۷ زبانوں میں رسالے شائع کئے جا رہے ہیں۔ انکی اشاعت جاری رہے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے مطبوعات مختلف موضوعات پر [illegible] شائع کئے جاتے ہیں۔

بسومتی

بسومتی [illegible] کی حالت آہستہ آہستہ بہتر ہوتی جارہی ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں اسے ۱۱۲۱۴۰۰ روپے بطور قرض دئے گئے تھے اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں یہ قرض کی رقم کم ہو کر ۸۹۰۰۰ روپے ہو گئی۔ ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ عنقریب مستقبل میں بسومتی خود کفیل بن جائے گا۔ ماہنامہ بسومتی اب پھر سے شائع کیا جا رہا ہے اور لوگوں میں یہ پہلے کی طرح مقبول بن گیا ہے۔ نیز بھوپال میں زہریلی گیس کا جو حادثہ رونما ہوا تھا اس کی تصویروں کی ایک نمائش کا بسومتی کارپوریشن نے انتظام کیا تھا۔ اس بات سے اس کارپوریشن کی سماجی ذمہ داریوں کی تابندار مثال کی نمائش ہوتی ہے۔

زبان:

سرکاری کام کاج میں بنگلہ زبان کو جلد از جلد رائج کرنے کے سلسلے میں اب تک ۱۰۴ بنگلہ ٹائپ رائٹر مشینیں مختلف اضلاع میں سپلائی کی گئی ہیں۔ پروجیکٹ یہ ہے کہ ہر بلاک دفتر میں ایک بنگلہ ٹائپ رائٹر مشین ہو۔ مزید ۱۸۰ ایسی مشینیں تقسیم کی جائیں گی۔ مختلف شعبوں میں ویسے ۳۰۰ ٹائپ رائٹر مشینیں سپلائی کی گئیں۔

بنگلہ اصطلاحات کے چھٹے حصے کی دوبارہ اشاعت کا کام شروع ہونے کو ہے۔ انگریزی ٹائپسٹوں کو بنگلہ زبان میں تربیت دینے کا کام جاری ہے۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں سرکاری کام کاج میں نیپالی زبان کو رائج کرنے کے لئے تربیت کا کام جاری ہے۔

اس ریاست کے ان علاقوں میں جہاں کافی تعداد میں اردو بولنے والے لوگ آباد ہیں، سرکاری کام کاج میں اردو کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے سلسلے میں اردو میں خط و کتابت کے لئے تین سیل ایک آسنسول میں ایک اسلام پور میں اور ایک کلکتہ کے ہیڈ کوارٹر میں قائم کئے گئے ہیں [illegible] ایک مترجم اور ایک ٹائپسٹ ہے۔ اس بات کے [illegible] اقدامات کئے گئے ہیں کہ اردو میں لکھے ہر خط کا جواب اردو میں دیا جائے۔

فلم:

مغربی بنگال کی فلمی صنعت بحران سے دوچار ہے۔ حکومت گزشتہ کئی سالوں سے مختلف اسکیموں کے ذریعہ اسے دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان اسکیموں کے چند خاص پروجیکٹس

رہے ہیں۔ حکومت کا فلمیں تیار کرنا۔ غیر سرکاری فلم سازوں کو فلم تیار کرنے کے لئے عطیات کی منظوری، رنگین فلم تجربہ گاہ کا آغاز، کلکتہ فلم مرکز کا قیام، سینما ہال کی تعمیر میں مالی امداد وغیرہ۔ یہ سارے پروجیکٹس اس سال بھی جاری رہیں گے۔ اگرچہ تجربہ کی روشنی میں حسب ضرورت تبدیلیاں لائی جائیں گی اور ترقیاتی اقدامات کئے جائیں گے۔

فلمی صنعت میں طرح کاری میں کمی کو مد نظر رکھتے ہوئے فلم سازی کے لئے عطیہ دینے کا ایک پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے فی الحال عطیات دینے کے طریقہ کار میں تبدیلی لائی گئی ہے اور عطیات دینے کے سلسلے میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مغربی بنگال میں جو فلمیں بنائی جائیں گی ان کے مکمل ہونے اور سنسر ہونے کے بعد ہی انہیں عطیات سے نوازا جائے گا۔ اس عطیہ کے دینے کا خاص مقصد یہ ہے کہ صحت مند فلموں کی تعداد میں اضافہ ہو اور اس ریاست میں واقع فلمی صنعت کی ہمت افزائی کی جائے۔

اب تک حکومت کی تقریباً تمام فلمیں مکمل ہو چکی ہیں۔

سنہ ۱۹۸۴-۸۵ء کے دوران ۴۲ اطلاعاتی دستاویزی فلمیں بنانے کے سلسلے میں اقدامات کئے گئے ہیں۔ امسال تین دستاویزی فلمیں ۱۱ اطلاعاتی فلمیں مکمل ہو چکی ہیں اور ۳۰ دستاویزی فلموں اور ۲ اطلاعاتی فلموں کا جنہیں گزشتہ سال سے تیار کیا جا رہا ہے، کام جاری ہے۔

ان اطلاعاتی فلموں کو مزید پرمعنی بنانے کے لئے مختلف ضلعوں میں ترقیاتی کاموں کی خبریں بھی فی الحال ان میں شامل کی جا رہی ہیں۔ ہماری حکومت بھی غیر سرکاری فلم سازوں سے اچھی دستاویزی فلمیں خریدتی ہے۔ سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء کے لئے فلم سازی اور عطیہ دینے کے سلسلے میں ۴۹ لاکھ روپئے کے اخراجات کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

مغربی بنگال فلم ترقیاتی کارپوریشن نے جو ایک سرکاری ادارہ ہے، رنگین فلم تجربہ گاہ کی تعمیر کا کام کافی حد تک مکمل کر لیا ہے چونکہ حکومت ضامن ہوئی ہے اس لئے ہندوستان کی صنعتی ترقیات بینک نے اس پروجیکٹ کے لئے منظور شدہ رقم کا پچاس فیصد بطور قرض دینے کی منظوری دی ہے۔ ہم لوگ یہ امید کرتے ہیں کہ [illegible] کے دوران ہم کسی حد تک یہ تجربہ گاہ کام کرنا شروع کر دے گی۔ آلات کے خریدنے اور نصب کرنے کے سلسلے میں تقریباً بہت سارے کام کافی حد تک آگے بڑھ چکے ہیں۔

اس کارپوریشن کے ذریعہ 'چوکھ'، 'گریہ جودھو'، 'ڈھاکال برانگاستی ناسک'، ۔۔۔ ۴ بنگلہ فلمیں تجارتی نمائش کے لئے منظر عام پر آ چکی ہیں۔

سینما ہال کی مناسب تعداد کی کمی نے مغربی بنگال کی فلمی صنعت کو عام طور پر کمزور کر دیا ہے۔ مغربی بنگال فلمی ترقیات کارپوریشن کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنا ایک مخصوص کردار ادا کرے۔ اس سلسلہ میں ایک پروجیکٹ کی تشکیل ہوئی ہے جس کے تحت آئندہ پنج سالہ منصوبہ کے عرصہ میں مغربی بنگال میں مزید سینما ہال کی تعمیر پر زور دیا گیا ہے۔

تجربہ گاہ کی تعمیر کے سلسلے میں مالی امداد دینے کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۳۴ لاکھ روپئے کی رقم دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

کلکتہ فلم مرکز کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ موجودہ مالی سال میں یہ چالو ہو جائے گا۔ فلموں پر تحقیق اور فلم کی نمائش، فلمی لائبریری، قدیم فلمی دستاویز خانہ وغیرہ کے بارے میں بھی اس مرکز میں سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ آئندہ مالی سال میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے ۲۹ لاکھ روپئے دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں فلمیں، کتابیں وغیرہ خریدنے کے لئے مزید ۲۵ر۱ لاکھ روپئے دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ سنہ ۸۵-۸۶ء میں حکومت کے زیر انتظام ٹیکنیشین اسٹوڈیو کے آلات کی خریداری اور تجدید پر اخراجات کے لئے ۲ لاکھ روپئے دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

قانونی اور انتظامی اقدامات کئے گئے ہیں جس کے تحت مغربی بنگال فلم ترقیاتی کارپوریشن کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ تجارتی معاملہ کی بنیاد پر اسٹوڈیو کے انتظامیہ کے ساتھ مل کر متعلقہ کام کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیں۔

گزشتہ مالی سال میں پرنس انور شاہ روڈ کلکتہ میں واقع فلم پروڈکشن یونٹ کے لئے مختلف آلات خریدے گئے تھے۔ سال رواں میں مزید آلات کی خریداری کے لئے مزید ۵۰،۰۰۰ روپئے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

سنہ ۸۴-۸۵ء کے دوران حکومتِ مغربی بنگال نے دلی اور الہ آباد میں حکومت کے تعاون سے تیار کردہ فلموں کے میلے کے انعقاد کا انتظام بحسن و خوبی کیا۔ فی الحال حکومتِ مغربی بنگال نے دسویں بین الاقوامی فلمی میلہ میں جو دہلی میں منعقد ہوا تھا، شرکت کی تھی۔ اس موقع پر ایک تجارتی دکان لگائی گئی تھی۔ اس سلسلے میں مختلف تجارتی نمائندوں سے بات چیت ہوئی، حکومت کی پیش کردہ فلم 'گونی' ہندوستانی فلموں کے شعبہ میں بحسن و خوبی دکھائی گئی تھی۔ ریاستی حکومت کی تیار کردہ بچوں کی فلم "بھومبول سردار" نے سنہ ۱۹۸۳ء کی بہترین ہندوستانی بچوں کی فلم کا ریاستی انعام پایا تھا۔ یہ حالیہ برلن فلم میلہ میں دکھائی گئی تھی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حکومتِ مغربی بنگال کی پیش کردہ فلموں "دھاکل" "چوکھ" اور "بھومبول سردار" کو یکے بعد دیگرے تین سالوں تک بہترین فلم ہونے کے لئے صدر کا سنہری تمغہ کا اعزاز ملا۔

حکومتِ مغربی بنگال نے فلم کار کنندگان فلاح فنڈ قائم کیا اور سنہ ۸۵-۸۶ء کے دوران متاثر ٹیکنیشین کو اس فنڈ سے امداد فراہم کی گئیں۔ سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء میں اس فنڈ کیلئے ۳۰ ہزار روپئے دینے کی منظوری دی گئی ہے۔

ثقافت:

اس مقصد کے پیشِ نظر کہ ثقافتی امور کے پروگرام کو کافی اہمیت دی جاسکے، اس شعبہ کے تحت ایک الگ ثقافتی شاخ کام کر رہی ہے۔ بنگال کی مختلف النوع ثقافت کو مناسب طور پر برقرار رکھنے اور اسے فروغ دینے کے لئے گزشتہ چند برسوں سے کئی ایک پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ہماری ثقافتی سرگرمیوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ہم بنگلہ بولنے والے لوگوں کی ثقافتی ترقی اور پہاڑی علاقوں کے لوگوں اور قبائلیوں کی زبان اور ثقافت کی ترقی کیلئے کوشاں ہیں۔ مختلف فنون اور ثقافت سے وابستہ مشہور لوگوں اور ماہرین کی مدد اور دانشوروں کے ساتھ ثقافت کے میدان میں ہم اپنی پالیسی کو روبہ عمل لا رہے ہیں۔ ہر سال ڈراما، تھیٹر، موسیقی، رقص، لوک ثقافت، نقاشی اور سنگ تراشی سے وابستہ مختلف تنظیموں کو عطیات دئے جاتے ہیں۔ اس

کے نتیجہ میں صحت مند ثقافت تیزی سے ابھرتی جارہی ہے۔ ڈراما کرنے والوں کو رعایتی شرحوں پر سرکاری اسٹیج دئے جاتے ہیں۔ نیز انہیں تفریحی ٹیکس سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ دیہی لوک فن کاروں کے علاوہ دیگر فن کاروں کو بھی مالی امداد دی جاتی ہے۔ ان روایتی ثقافتی میلوں کو جو عوام کی زندگی سے وابستہ ہیں، جیسے جلپائی گوڑی کا جلپیش میلہ، بیر بھوم کے کینڈولی میلہ، پرولیا، بردوان کا ندرل میلہ، شانتی نکیتن کا پوش میلہ اور زرعی میلہ، ندیا کا کرتی باس میلہ، ہوڑہ کا بھرت چندر میلہ وغیرہ۔ مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اضلاع میں شاعرِ اعظم رابندرا ناتھ ٹیگور کی یاد میں تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

بنگلہ ادب کو اور بھی مالا مال کرنے کے پیشِ نظر نوجوان اور بوڑھے مصنفوں کو مالی عطیات دئے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنی کتابیں شائع کرا سکیں۔ چند مشہور آنجہانی مصنفوں کی لکھی نایاب کتابوں کو بھی اسی اسکیم کے تحت شائع کیا گیا۔ پڑھنے والوں کو اس بات سے فائدہ پہنچ رہا ہے کیونکہ ایسی کتابیں بہت ہی سستی قیمتوں پر فراہم کی جاتی ہیں۔ عطیات پانے والوں میں سرو شری پردرات کمار مکھرجی، پربودھ چندر سین، مون موتھو رائے، دنیش داس، بمل چندر گھوش، نبیندو گھوش، کمارش گھوش، ستندر رائے، اوما رائے، بمالا پرشاد مکھرجی، دیجیندا چندر بندوپادھیا، دنیش چندر گنگوپادھیا اور دیگر حضرات ہیں۔ اس کے علاوہ دھر جیوتی پرشاد مکھرجی، سنیہ بنا جاریہ، تریلوکیا ناتھ مکھرجی، جادو گوپال مکھرجی، سچیتنا ناتھ سین گپتا وغیرہ جیسے آنجہانی ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت کیلئے بھی عطیات دئے گئے۔ منشی پریم چند کی مختلف تخلیقات کے بنگلہ ترجمہ کے پہلے جلد کی اشاعت کا کام جاری ہے۔ بنگلہ زبان ہجے اور حروف کی اصلاح کے موضوع پر ماہرین کی ایک سمینار کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ سالِ رواں منصوبہ میں بنگلہ اکیڈمی قائم کرنے کے سلسلے میں بنگلہ زبان اور ادب کے مطالعہ کا ایک مرکز قائم کیا جائے گا۔

کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں ایک آرٹ گیلری کا تعمیری کام قریب الاختتام ہے۔ مشہور آرٹسٹوں کی پینٹنگس کو یکجا کرنے کا کام جاری ہے۔ جامنی رائے گیلری کو سائنسی طریقے سے [illegible]

میں رکھا گیا ہے۔ نوجوان آرٹسٹوں کی پینٹنگس اور سنگ تراشی کی بابت نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مسابقت کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل ریاستی حکومت کی ایما پر ایسے اقدامات کبھی نہیں کئے گئے۔

موسیقی اور رقص کی گوناگوں ترقی کے لئے ریاستی موسیقی اکیڈمی قائم کی گئی۔ کل بنگال موسیقی کا مقابلہ کا انتظام کرنے اور انعامات تقسیم کرنے اور ورک شاپ کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ تحقیق کے کام کو جاری رکھنے، مستقل گیلری اور اسٹوڈیو قائم کرنے کے پروگراموں کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ دریں اثنا لائبریری نے بھی کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ موجودہ مالی سال سے رقص و موسیقی سے وابستہ پروجیکٹ چالو ہو جائے گا۔

دیہی زندگی کی لوک ثقافت سے بہت زیادہ کوتاہی برتی گئی ہے۔ اس لئے دیہی لوک ثقافت کی ہمت افزائی کرنے اور اس میں بہتری کے لئے ریاستی حکومت نے بہت سارے لاثانی اقدامات کئے۔ سب ڈویژن، ضلع، ڈویژن اور ریاستی سطحوں پر لوک تہوار اور ورک شاپ کا انتظام کر کے لوک ثقافت کی احیاء نو کیلئے ایک نئی لہر پیدا کر دی گئی ہے۔ بہالا میں ایک لوک ثقافت مرکز قائم کیا گیا ہے۔ اس مرکز میں لوک ثقافت کی تصویریں اور دیگر ضروری چیزیں بطور نمائش رکھی گئی ہیں۔ اس سے موجودہ اور آنے والی نسلوں کو کافی فائدہ پہونچے گا۔ یہاں ایک لائبریری بھی قائم کی گئی ہے جہاں لوک ادب اور ثقافت پر بہت ساری کتابیں ہیں۔ اس مرکز کا ایک جریدہ بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح قبائلی ثقافت کے فروغ کے لئے دو قبائلی ثقافتی مراکز ایک جھاڑگرام میں اور دوسرا سوری میں کھولے گئے ہیں۔

پینٹنگ اور سنگ تراشی، موسیقی اور ناٹک کے میدانوں میں نمایاں کارگذاری اور خدمات کے لئے ہر سال آرٹسٹوں کو علی الترتیب ابانندرا، علاء الدین اور دینا بندھو انعامات دئے جاتے ہیں۔ ہر انعام دس ہزار روپئے کا ہوتا ہے۔ نیز ڈرامہ اور جاترا کے میدانوں میں سالانہ پیداوار کی بنیاد پر ۱۵ انعامات دئے جاتے ہیں۔

گریشی چندرا اور مدھوسدن کے نام پر دو اسٹیجوں،

ایک کلکتہ کے باغ بازار میں اور دوسرا جودھ پور کے علاقہ میں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ کلکتہ میں ایک جاترا اسٹیج کی تعمیر کا کام بھی زیر غور ہے۔ ان رابندرا بھونوں کے، جن کی ذمہ داری حکومت نے لے لی ہے، انتظامیہ اور ترقی کے لئے تمام ممکنہ مالی امداد فراہم کی جا رہی ہے۔ زیر تعمیر نئے رابندرا بھونوں کے لئے فنڈ فراہم کئے گئے ہیں۔ اضلاع میں کسی ایک عوامی لائبریری کی تعمیر اور مرمت کیلئے مالی امداد بھی فراہم کی جاتی ہے۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں "نیپالی اکیڈمی" قائم کر کے نیپالی بولنے والے لوگوں کیلئے بہت ساری سہولتیں فراہم کی گئیں۔ یہاں وہ سب نیپالی آرٹ، ادب اور ثقافت کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہر سال اکیڈمی کی طرف سے نیپالی زبان میں کئی ایک کتابیں شائع کی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۸۴ء میں اس اکیڈمی کی شائع کردہ ایک کتاب کو "مرکزی اکیڈمی ایوارڈ" ملا۔ مشہور نیپالی شاعر بھانو بھکت کے نام پر ایک انعام اور کئی اور نیپالی اکیڈمی انعامات نیپالی شاعری، ڈرامہ، پینٹنگ اور موسیقی کے لئے دئے جاتے ہیں۔ نیپالی چھاپہ خانے میں کام شروع کر دیا گیا ہے۔

رو بہ انحطاط ثقافت کی جگہ ایک صحت مند اور روایتی ثقافت قائم کرنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ اس بات کی ذمہ داری کے پیش نظر ہم لوگوں نے اس شعبہ کے لوک تفریح سیکشن کو وسیع کر دیا ہے۔ کلکتہ مرکز میں اس سیکشن میں ایک موسیقی یونٹ اور ایک ڈرامہ یونٹ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ایک جاترا یونٹ بھی بہت جلد اس سیکشن میں شامل کر لیا جائے گی۔ شمالی بنگال کے لوگوں کے لئے سلی گوڑی میں اس کی ایک شاخ کھولی گئی ہے۔ ان شاخوں کے ذریعہ تخلیقی ڈرامے، رقص ڈرامہ اور موسیقی وغیرہ دیہی علاقوں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ایسے ڈرامے مشہور ادیبوں جیسے رابندرا ناتھ، جیوتندرا ناتھ، میکسم گورکی، پریم چند، دوتی چندرا لال، دینا بندھو، تندرل، منو موتو رائے، مانک بندھوپادھیہ، نارائن گنگو پادھیہ کے لکھے ڈراموں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

عظیم ہستیوں جیسے رام موہن کی زندگی کی بابت بھی ڈرامے اسٹیج میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں

باقی صفحہ ۳۳ پر

مغربی بنگال میں

اسکولی تعلیم

(دوسری قسط)

تغذیہ:

آمدنی حسب نقاو پانے کیلئے بڑھاوا کے جو اہم پروگرام اپنائے گئے ہیں، ان میں سے ایک تغذیہ پروگرام ہے۔ ریاستی تغذیہ پروگرام سے ۸۳-۱۹۸۲ء میں پرائمری اسکول کے ۲۱ر۹ ۲ لاکھ طلباء مستفید ہو رہے ہیں۔ نیز سمیلے آرائی امداد پروگرام سے مزید ۵ر۶ لاکھ طلباء مستفید ہو رہے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں تغذیہ پروگرام میں کتنا اضافہ ہوا، یہ بات میزان ۷ سے عیاں ہو جاتی ہے لیکن آج پرائمری اسکولوں کے ۴۱ر۳۶ لاکھ بچے اس پروگرام سے مستفید ہو رہے ہیں لیکن ان بچوں کی تعداد پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کی کل تعداد کا ۵۰ فیصد ہے۔ اس بات کو کافی اہمیت دی گئی ہے کہ پرائمری اسکولوں کے تمام بچوں کو اس پروگرام کے تحت لانے میں بجٹ میں حسب خواہ گنجائش رکھی جائے۔

میزان ۷

مغربی بنگال میں پرائمری اسکولوں میں تغذیہ پروگرام کی تفاصیل یہ ہیں:

سال ←	۷۷-۱۹۷۶ء	۸۰-۱۹۷۹ء	۸۱-۱۹۸۰ء	۸۲-۱۹۸۱ء	۸۳-۱۹۸۲ء
۱: مستفید ہونے والے طلباء کی تعداد	۱۰ر۸۷ لاکھ	۳۰ر۷۱ لاکھ	۳۵ر۷۱ لاکھ	۳۵ر۸۶ لاکھ	۳۱ر۳۱ لاکھ
۲: غیر منصوبہ بند اخراجات کے علاوہ منصوبہ بند اخراجات	۲۰ر۳۶ لاکھ روپے	—	۲۷۹ر۴۱ لاکھ روپے	۲۸۴ر۸۶ لاکھ روپے	۳۰۰ر۰۰ لاکھ روپے

اس پروگرام کے تحت بہت سارے مرکزی باورچی خانے قائم کئے گئے ہیں جہاں سے آس پاس کے پرائمری اسکولوں کے بچوں کو کھانا سپلائی کیا جاتا ہے۔

نصابی کتاب:

اسکول کے کلاس V کے تمام طلباء کو بنگلہ میں تمام نصابی کتابیں اور کلاس VI کے طلباء کو ایک نصابی کتاب بغیر کسی معاوضے کے مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ پرائمری طلباء میں نیپالی میں ۱۸ موضوعات پر، ہندی میں ۵ موضوعات پر، اردو میں ۴ موضوعات پر، سنتالی (الچیکی رسم الخط) میں ۴ موضوعات پر، انگریزی میں ایک موضوع پر بھی نصابی کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ نصابی کتابوں کی مفت تقسیم کا انتظام ریاست میں پہلی بار دوسری متحدہ محاذ حکومت کے دور میں کیا گیا تھا اور رابندر ناتھ ٹیگور کی تصنیف کردہ "سہج پارٹ" کے حصہ اول و دوئم کو نصابی کتاب کے طور پر متحدہ محاذ حکومت نے ریاست میں پہلی بار ابتدائی تعلیم کے لئے منتخب کیا اور ان دو کتابوں کو چھپوا کر علی الترتیب جماعتوں کے تمام طلباء کے درمیان مفت تقسیم کئے گئے۔ یہ اسکول کے نصاب کی کتابوں کی مفت تقسیم کا پہلا دور تھا۔

میزان ۸

سال:	مختلف موضوعات پر نصابی کتابوں کی تعداد	تقسیم کردہ کتابوں کی تعداد
۷۷-۱۹۷۶ء	۳۵	۱ کروڑ
۷۸-۱۹۷۷ء	۳۵	۱ر۲۸ کروڑ
۸۴-۱۹۸۳ء	۴۹	۲ر۲۶ کروڑ
۸۵-۱۹۸۴ء (تخمیناً)	۵۰	۲ر۹۳ کروڑ

میزان ۔ ۹

نصابی کتابوں کی مفت تقسیم کیلئے ریاستی حکومت کے اخراجات

سال	رقوم
سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء	۱۷ لاکھ روپے
سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء	۸۰ لاکھ روپے
سنہ ۱۹۸۴-۸۵ء	۱۵۰ لاکھ روپے

ریاستی حکومت کی جانب سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پرائمری اسٹیج کے تمام طلبار کو تمام اقلیتی زبانوں یعنی ہندی، اردو، نیپالی، سنتالی (الچکی رسم الخط) میں نصابی کتابوں کی مفت تقسیم کی اسکیم کے تحت لایا جائے۔

۷۷ لاکھ طلبار میں ۵۰ ہزار سے زیادہ نصابی کتابوں کی تقسیم ایک عظیم کارنامہ ہے۔ مقامی پنچایتیں اور میونسپلٹیاں اس کام میں حکومت کے ساتھ تعاون کر رہی ہیں کہ اسکول کے شروع ہوتے ہی تمام طلبار کو یہ کتابیں فراہم ہوں۔

اسکول کا لباس :

دیہی علاقوں میں شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی تمام طالبات کو اور دیگر فرقے کی ۲۰ فیصد طالبات کو اسکول کے لباس مفت فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت اور بھی طالبات کو بہت جلد ہی لایا جائے گا۔

بڑھاوے کے دیگر اسکیمیں :

۱: کھیل کود کی سہولتیں : علاقائی، ضلعی اور آخر میں ریاستی سطح پر پرائمری اسکولوں کے طلبار کے درمیان کھیل کود اور اسپورٹس منعقد کرنے کے لئے کافی انتظامات کئے جاتے ہیں۔ ریاستی حکومت ایسے کھیل کود اور اسپورٹس کے اخراجات برداشت کرتی ہے۔

۲: طلبار کو سلیٹ اور کاپیاں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔

۳: کافی تعداد میں آشرم نما ہاسٹل تعمیر کئے گئے جہاں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلبار رہ سکتے ہیں اور ایک سازگار ماحول میں رہتے ہوئے وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ ان ہاسٹل کے اخراجات ریاستی حکومت برداشت کرتی ہے

۴: شہری علاقوں میں تعلیم کو مفت بنایا گیا ہے

۶ تا ۱۱ سال کے بچوں کیلئے بڑھاوا پروگرام پر منصوبہ بند اخراجات کی تفاصیل درج ذیل ہیں :

سال ۔	سنہ ۷۶-۷۷ء	سنہ ۷۸-۷۹ء	سنہ ۸۰-۸۱ء
اخراجات (لاکھ روپے میں)	۸۵/۱۶	۹۷	۱۱۵/۰۰

سنہ ۸۱-۸۲ء	سنہ ۸۲-۸۳ء	سنہ ۸۳-۸۴ء	سنہ ۸۴-۸۵ء
۲۰۶/۵۴	۲۹۳/۰۰	۳۴۳/۰۰	۴۲۸/۷۴ (تخمیناً)

اسکول کی عمارت اور سہولتیں :

تعلیمی تحقیق و تربیت کے قومی کاؤنسل (این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی) نے چوتھی بار سارے ملک کا تعلیمی جائزہ لیا۔ اس جائزہ سے ۳۱ سال کی آزادی کے بعد بھی پرائمری اسکول کے لئے مکانات کی سہولتوں کی زبوں حالی تصویر کی نمائش ہوتی ہے۔ ایک اسکول کو چلانے کے لئے کم سے کم جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سے لاکھوں پرائمری اسکول آج بھی محروم ہیں۔ مغربی بنگال میں اسی صورتحال سے دوچار ہے۔ چوتھے تعلیمی جائزہ نے جو تصویر کھینچی ہے وہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے عیاں ہو جاتی ہے۔

میزان ۔ ۱۰

۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۷۹ء کو پرائمری اسکولوں کی تعداد

کھلی جگہوں میں	—	۱۸۸۶
کھلے خیموں میں	—	۱۴
جھونپڑیوں میں	—	۶۹۱۲
کچے مکانات میں	—	۱۴۵۰۹
نیم پکے مکانات میں	—	۸۴۱۳

پکے مکانات میں	- ۸۵۸۶
بہت ہی چھوٹی جگہوں میں	- ۳۷۱۷۱

اس ریاست میں پرائمری اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے ریاستی حکومت کے کئے گئے اخراجات کی تفاصیل درج ذیل ہیں۔

میزان ۱۱

پرائمری اسکولوں کے مکانات کی تعمیر کیلئے اخراجات

سنہ ۱۹۴۷-۷۷ء تیس برسوں کے لئے	—	۸۸ر۱۴ کروڑ روپئے
سنہ ۱۹۷۷-۸۴ء سات برسوں کے لئے	—	۲۸ کروڑ روپئے

سارے ملک میں اور اس ریاست میں بھی پرائمری اسکولوں کے سلسلے میں دیگر ضروری سہولتوں کی فراہمی کے لئے بھی بہت کم گنجائش رکھی گئی۔ ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۸۶ء کو مغربی بنگال کے پرائمری اسکولوں میں فراہم سہولتوں کی بابت چوتھے تعلیمی جائزہ کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

میزان ۱۲

کل اسکولوں کا فیصد

۱: ایسے اسکول جہاں کھیلنے کے میدان ہیں۔	—	۷ر۴۰ فیصد
۲: ایسے اسکول جہاں صرف میز، کرسی اور طلبا کیلئے بنچ ہیں۔	—	۹ر۴۱ فیصد
۳: ایسے اسکول جہاں پڑھانے کیلئے بورڈ ہیں	—	۳ر۱۷ فیصد
۴: ایسے اسکول جہاں پینے کے پانی کی سپلائی کی سہولتیں فراہم ہیں۔	—	۷ر۴۷ فیصد
۵- ایسے اسکول جہاں بیت الخلا کی سہولتیں فراہم ہیں۔		۹ر۲۲ فیصد

لیکن اب صورتحال بالکل بدل چکی ہے۔ ریاستی حکومت تعلیم کی مد میں بجٹ میں کافی گنجائش رکھتی ہے۔

پرائمری اسکولوں میں نصاب تعلیم ، آزادی کے بعد سنہ ۱۹۵۰ء میں پرائمری تعلیم کے لئے نصاب تعلیم کے سلسلے میں ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی کی تجویز کے مطابق تعلیم کا نیا نصاب رائج کیا گیا۔ پھر اس کے چند برسوں کے بعد سے معلموں اور ماہرین تعلیم کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ مذکورہ نصاب میں بہتری لائی جائے اور اس کے معیار کو بلند کیا جائے۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۷۴ء میں ایک کمیٹی قائم کی گئی اور لسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنا تجاویز ریاستی حکومت کو پیش کرے لیکن اس کا کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ سنہ ۱۹۷۸ء میں اس ریاست میں پہلی بائیں محاذ حکومت کے دوران اس کمیٹی میں توسیع کی گئی اور اس میں اس ریاست کی چھ پرائمری اساتذہ تنظیموں اور دیگر ممتاز ماہرین تعلیم کے نمائندوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ اس کمیٹی کی تجاویز کو مکمل طور پر روبہ عمل لاتے ہوئے پرائمری سطح میں نصاب تعلیم کو از سر نو مرتب کیا گیا۔ اس کمیٹی کی سفارش کے مطابق تعلیم کو پرائمری یعنی ابتدائی سطح تک بچوں کو صرف انکی مادری زبان میں تعلیم دی جانی چاہئے اور انہیں دوسری زبان کی تعلیم دینے کی ضرورت نہیں۔

پہلے پرائمری اسکولوں میں سالانہ امتحان لینے کا نظام رائج تھا۔ بچوں کا امتحان لیا جاتا اور کامیاب بچوں کو ایک کلاس سے دوسرے اعلیٰ کلاس میں بھیج دیا جاتا۔ لیکن اب سالانہ امتحان کی جگہ ایک نیا نظام رائج کیا گیا ہے جس کے تحت سال بھر بچوں کا تعلیم کے لحاظ سے ان کی رفتار ترقی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ایسے جائزہ کی رپورٹ بچوں کے والدین اور سرپرستوں کو وقتاً فوقتاً بھیج دی جاتی ہے۔ اگر ایک بچہ کسی موضوع میں کمزور ہے تو اس کی اس کمزوری کو دور کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں کسی بھی طالب علم کو ایک کلاس میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک نہیں رکھا جا سکتا یہ نظام بہت ہی کامیاب ثابت ہوا اور پرائمری سطح پر تعلیم چھوڑنے والے بچوں کی تعداد کافی کم ہو گئی۔ ++

اک جہاں یوں تو تری راہِ طلب میں ہے رواں
کس کو معلوم ہے اب کون کہاں تک پہونچے

— نور کلکتوی

پرویز شاہدی ایک مطالعہ

اقبال جاوید، کلکتہ

بنگال کی سرزمین شاعروں کے لئے زرخیز ہے۔ یہاں بے شمار شاعر ہوئے ہیں، کلکتہ میں شاعروں کی بہتات ہے لیکن چند ہی شاعر ایسے ہیں جن کو مقبولیت حاصل ہوئی اور ہندوستان و پاکستان میں انکی شہرت پھیلی۔ ہندستان گیر شہرت اور کلکتہ کے نمائندہ شاعروں میں پرویز شاہدی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ پرویز صاحب کی ادبی زندگی تقریباً چالیس سال قبل شروع ہوئی تھی، مختلف ادوار سے گزری، بہت سے نشیب و فراز اور تجرباتی عمل سے گزرنے کے بعد ان کی شاعری کی راہ متعین ہوئی ہے۔ انہوں نے ترقی پسند نظریۂ حیات کو اپنایا ۔ اور زندگی کے نت نئے تقاضوں کو اپنی شاعری میں سمیٹنے کی کوشش کی ۔ اپنی شاعری میں نت نئے تجربات بھی کئے ، جو کامیاب بھی ہوئے اور ناکام بھی۔

پرویز شاہدی بلا مبالغہ، کلکتہ کے سب سے بڑے ترقی پسند اردو شاعر تھے۔ اور انہیں جتنی مقبولیت اور شہرت ملی ہے وہ شاید ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوئی ہو۔ پرویز صاحب ہندستان کے بہت سے اردو شاعروں سے بھی بلند تھے لیکن بنگال میں ہونے کی وجہ سے ناسخ اور علامہ وحشت کی طرح ادبی دنیا میں انہیں وہ درجہ نہیں ملا، جو ملنا چاہئے تھا۔ ان کی شاعری کو عمداً نظر انداز کیا جارہا ہے۔

پرویز صاحب کی شاعری میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، جذبی، اختر الایمان، سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی اور دوسرے ترقی پسند شاعروں سے کم درجہ کی نہیں، لیکن بدقسمتی سے ان شاعروں کی شہرت کے آگے پرویز شاہدی کی شہرت ماند پڑ گئی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شہرت خدا کی دین ہوتی ہے اور خدا کی دین پرویز صاحب کو بھی ملی، لیکن کم ورنہ پرویز صاحب نے چالیس سالہ ادبی زندگی کے دوران شعری سرمایہ میں جس قدر اضافہ کیا ہے اور شاعری میں جو نئی روح پھونکی ہے اور اسے جو نیا آہنگ عطا کیا ہے، اس لحاظ سے وہ فیض احمد فیض، فراق گورکھپوری، احمد ندیم قاسمی اور بڑے ترقی پسند شاعروں کی صف میں کھڑے کئے جا سکتے ہیں اور ان کا بھی ذکر انہیں شاعروں کے ساتھ ہونا چاہئے۔

یہ پرویز شاہدی کی بدنصیبی ہے کہ ان کی زندگی ہندوستان کے اس حصے میں گزری، جہاں کی فضا اردو شاعر و ادیب کیلئے سازگار نہیں کہی جاسکتی ہے۔ جہاں رہ کر کوئی بھی شاعر و ادیب ہندستان اور پاکستان کے نقادوں کی توجہ اپنی جانب کبھی مبذول نہیں کرا سکتا — جو بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور دوسری جگہ کے شاعروں سے کہیں بلند تھے — اگر پرویز صاحب عظیم آباد یا دلی میں ہوتے تو اس وقت تک ترقی پسند شاعروں میں انہیں ممتاز و منفرد مقام حاصل ہو چکا ہوتا۔

پرویز شاہدی بھی کلکتہ کے دوسرے شاعروں اور ادیبوں

کی طرح، خالص کلکتہ کے رہنے والے نہیں تھے۔ انکی پیدائش ۱۹۱۱ء میں عظیم آباد پٹنہ میں ہوئی، لیکن تعلیمی زندگی ختم کرکے ہی وہ بنگال چلے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

پرویز صاحب کا اصل نام سید اکرام حسین تھا، اور ان کے والد سید احمد حسین کا عظیم آباد کے باثر، مقبول اور معزز لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ پرویز صاحب کی زندگی ناز و نعم میں گزری اور شروع ہی سے ان کو ادبی ماحول ملا۔ گھر پر ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اور پھر کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ فارسی اور اردو میں ایم۔ اے کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی پھر درس و تدریس کی غرض سے بی ٹی کیا۔

پرویز صاحب کو شاعرانہ مزاج اور لاابالی طبیعت کی وجہ سے ابتدائی زندگی میں بہت سے تلخ تجربات اور پسپائیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پرویز صاحب نے اسکول میں استاد کی حیثیت سے اپنی زندگی کی ابتدا کی اور مختلف اسکولوں اور کالجوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرر ہوئے۔ پرویز صاحب آزادی کے قبل مدنا پور کالج میں بہت دنوں تک اردو کے لکچرر رہے پھر رپن کالج حالیہ سریندر ناتھ کالج سے اپنا رشتہ جوڑا، مختلف مدارج طے کرنے کے بعد ۱۹۸۵ء میں یونیورسٹی میں ان کا تقرر ہوا۔ انکی طبیعت میں بہت سے اتار چڑھاؤ سے گزرنے کے بعد ٹھہراؤ پیدا ہوا پھر دنیاوی تجربات نے ان کو سنجیدہ بنا دیا۔

پرویز صاحب بے حد ذہین اور حساس تھے، حافظہ بہت تیز اور ہزاروں شعر انہیں یاد تھے۔ پرویز شاہدی کو شاعری سے نہ صرف لگاؤ بلکہ عشق تھا، شعر و شاعری سے جنون کی حد تک وارفتگی کی وجہ سے نوجوانی میں انہیں بہت سی ناکامیاں ہوئیں اور سماجی اور عملی زندگی میں اونچا مرتبہ حاصل کرنے میں اس قدر دیر ہوئی۔

پرویز صاحب نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی، رباعیاں بھی کہیں اور قطعات بھی اور ترقی پسند شاعری کے نت نئے تجربوں کا بھی ساتھ دیا، لیکن فن کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آزاد نظمیں بھی کہیں لیکن ترقی پسند شاعروں کی طرح انکی نظمیں، فن کا خون کرتی ہوئی نظر نہیں آتیں۔

پرویز صاحب کی شاعری تین ادوار میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ ابتدائی شاعری خالص رومانی غزلوں کی شاعری تھی جس میں فرضی محبوبہ کی رسیلی آنکھیں، جلتے ہونٹ اور خوبصورت سراپا کی تعریف اور جذبات کا اظہار گرم انداز میں ہوتا تھا۔

ان کے پہلے مجموعہ "رقصِ حیات" میں ایسی غزلوں کے نمونے ملتے ہیں۔ ان کی شاعری کا دوسرا دور ان کی انقلابی تحریکوں سے وابستگی سے شروع ہوتا ہے۔ آزادی کے قبل اور آزادی کے بعد بھی پرویز کی نظموں اور رباعیوں میں بغاوت کا کھولتا ہوا لاوا ابلتا ہوا ملتا ہے۔ اسی دور میں پرویز صاحب نے ترقی پسندانہ نظریۂ حیات کو اپنایا، زندگی کو اس کے اصل روپ میں دیکھا، اس کے اصل خط و خال پر نظر ڈالی۔ عوامی زندگی کو قریب سے دیکھنے اور اس سے گھلنے ملنے کے بعد جو احساسات و تجربات پرویز صاحب کو ہوئے وہی انکی شاعری کے سانچے میں ڈھلتے رہے۔ اب پہلے دور کا لاابالی، جوشیلا اور بے پروا رومانی شاعر ایک نیم پختہ ترقی پسند شاعر میں بدل گیا تھا۔ چونکہ اس وقت تک اس کے شعور میں پختگی نہیں آئی تھی اور حالات و حوادث کی بھٹی میں جل کر کندن نہیں بنے تھے۔ لہٰذا ان کی شاعری، فکر کی گہرائی اور گیرائی سمیٹنے کے باوجود اپنی راہ پر نہیں لگی تھی بلکہ ان کے نیم پختہ شعور اور بھٹکے ہوئے ذہن کی غمازی کر رہی تھی۔

پرویز صاحب کی شاعری کے لئے یہ نہایت نازک دور اور ادب میں ترقی پسند تحریک بھی ایک خطرناک موڑ میں داخل ہو چکی تھی اور صحیح قیادت کے نہ ہونے اور ترقی پسند ادب میں واضح اصول مفقود ہونے کے باعث اس سیلاب میں ہر وہ شاعر بہہ گیا جس نے سہل پسند خیالات اور مخصوص نظریۂ حیات کے پروپیگنڈے کو ہی شاعری سمجھ لیا تھا۔ اردو ادب اور شاعری کی اس بے راہ روی کے وقت بہت کم فنکار ایسے نکلے جو اپنا دامن کانٹوں میں الجھنے سے بچانے میں کامیاب ہوئے۔ فن شاعری کا گلا نہیں گھونٹا، بلکہ انکی شاعری مقصدیت کے ساتھ فن کے دامن کو بھی تھامے رہی۔ انہی شاعروں میں پرویز صاحب بھی ہیں۔ جنہوں نے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں،

لیکن اس جذباتی بے راہ روی کے وقت بھی شاعری کے واضع اصول اور قائم ضبط کے مطابق شاعری کرتے رہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے اردو شاعری میں نئے رجحانات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"جدید اردو شاعری میں اردو کی قدیم روایات کے احساس کے ساتھ فکر و فن کے نئے رنگ و آہنگ کی جلوہ گری ہے۔ اس شاعری میں موجودہ دور کے سوز و گداز اور اس کی بصیرت و مسرت دونوں کا سامان ملتا ہے۔" (نظر اور نظریے)

یہ نئی شاعری کی جامع تعریف ہے، لیکن اردو کے نئے شاعروں میں سے گنے چنے ہی ایسے ہیں جن کی یہاں نیا رنگ بھی ہے اور آہنگ بھی۔ سوز و گداز اور بصیرت و مسرت کا سامان بھی۔ انہی گنے چنے شاعروں میں پرویز صاحب بھی ہیں۔ پرویز صاحب کی غزلیں اور نظمیں اس کسوٹی پر پوری اترتی ہیں

پرویز صاحب نے بہت سی نظمیں اور غزلیں لکھی ہیں۔ اور ان کی غزلیں اور نظمیں جدید تقاضے اور وقت کی آواز معلوم ہوتی ہیں۔ غم و اندوہ اور جبر و استبداد کے خلاف کراہتی ہوئی زندگی کی احتجاج ہیں۔ لوٹ کھسوٹ اور طبقاتی نظام کے خلاف بغاوت بھی۔

نظامِ مرگِ مسلسل ہے کیا سرورِ حیات
خود اپنی کھال کا ہے آدمی کفن پہنے
منزل پہ پہونچ کے بھی نہ آئی سکوں کی نیند
ہم ساری رات خوابِ سفر دیکھتے رہے
ختم ہو کر رہے گا سفر ہی تو ہے
خم بہ خم ہی سہی رہ گذر ہی تو ہے
پتھروں ہی کی رم جھم سہی چند روز
کوئی شیشہ نہیں میرا سر ہی تو ہے
جوشِ تصور سے کیا ہوگا چشمِ تماشا ساتھ چلے
وقت کے جلوے گرمِ سفر ہیں دیکھنے والے ساتھ چلیں
دور جاؤں میں کسی کو اپنانے
اپنوں ہی میں بہت ہیں بیگانے

بھاگتا جا رہا ہے چمن چمن
دوڑتے آ رہے ہیں ویرانے
اپنے سرخ ہونٹوں کی مسکراہٹیں دے دو
بجلیوں کی یورش میں آشیاں بناتا ہے
میری زندگی میں تم اپنی دلکشی بھر دو
وقت جیسے ظالم کو مہرباں بنانا ہے
خونِ مرغِ کبوتر کا احترام لازم ہے
تشنگیٔ شاہیں کو ہم خودی نہیں کہتے
جب تک شریکِ حال کسی کی نظر نہ تھی
تھی زندگی حسین مگر اس قدر نہ تھی

یہ اشعار پرویز صاحب کی ہر دور کی شاعری کے نمائندہ ہیں۔ ان میں شبنم و شعلہ کا امتزاج ہے، نیا آہنگ بھی ہے اور بصیرت و مسرت کا سامان بھی ۔۔۔ پرویز صاحب کی قادر الکلامی کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ کسی بھی دور میں انہوں نے فنِ شاعری کی لاشں سے گزر کر محبت یا بغاوت کے ترانے نہیں گائے۔ ان کی نظموں میں بھی یہی نئی بات اور دھڑکن اور زمانہ کے ظلم و ستم کے بوجھ تلے دبی، کراہتی زندگی کی احتجاجی چیخیں ہیں لیکن یہ چیخیں بارِ سماعت نہیں ہوتی ہیں۔ یہ اس قدر لطیف اور سحر انگیز ہیں کہ ہر شخص کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ ایسا اس لئے کہ پرویز صاحب نے اپنے گرد و پیش کی بلکتی سسکتی اور طبقاتی جنگ میں مبتلا زندگی سے اپنی شاعری کا خام مواد اکٹھا کیا۔ اپنے خونِ جگر سے خام مواد میں رنگ آمیزی کی اور جب یہ فن کی شکل میں لوگوں کے سامنے آئے تو سب کو مسحور اور متاثر کرتے چلے گئے۔

پرویز صاحب کی شاعری کا رنگ کئی برسوں کے بعد نکھرا اور ان کی تلون مزاجی بھی ختم ہوئی جس کی وجہ سے ان کے نظریۂ حیات میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جدید غزلیں اور نظمیں کسی بھٹکے ذہن اور نیم پختہ شعور کی پیداوار نہیں معلوم ہوتی ہیں ۔۔۔ لے تم پھول کھلا، بنتِ ہمالہ، سرد جنگ، آگ کی لکیر، تلوار، تثلیثِ حیات جیسی نظموں کو پڑھنے سے یہی

(باقی صفحہ ۳۰)

افق شاعری کا ایک درخشندہ ستارہ

حامی گورکھپوری

مشتاق انجم
ہوڑہ

ڈھول تاشے پیٹ کر بھیڑ جمع کرنا کوئی مشکل بات نہیں لیکن اس شخص کی بات ہی کچھ اور ہے جو اپنے نیک جذبے، روشن خیالی، خلوص نیتی اور بے لوث ہمدردی کے باعث خود بخود اپنے آپ کو ہمہ وقت ونقار کی بھیڑ میں پاتا ہو۔ حامی گورکھپوری ایک ایسے ہی شخص کا نام ہے۔

آزادی ہند ۱۹۴۷ء تک ہندستان سیاسی و سماجی بیداری کی رو میں تھا۔ جوں جوں آزادی کی منزل قریب آتی جا رہی تھی نئے ولولے، نئے عزائم اور نیا جوش و خروش عام ہندستانیوں میں موجزن ہوتا جا رہا تھا۔ ہر لمحہ نیا طور، نئی برق تجلی کا انتظار تھا۔ ادبی افق پر ترقی پسند تحریک ابھر کر سامنے آگئی تھی۔ اقبال کی شاعری نے مردہ دل ہندستانیوں میں نئی روح پھونک دی تھی، جوش کی شاعری کا غلغلہ تھا، ہر طرف سے صدائے انقلاب آرہی تھی، ہندستانی عوام کا اس سے متاثر ہونا ناگزیر تھا، پرانی اقدار کی شکست و ریخت اور نئی اقدار کی آمد آمد تھی۔

حامی اسی انقلاب و اشتراکیت کے ماحول میں پل کر جوان ہوتے ہیں اور اسی کے عناصر ان کی ذہنی و فکری تشکیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ انسانیت دوستی، مساوات اور حسن پرستی کے رجحانات سے انھوں نے رومانی مزاج پایا ؎

مجھ کو جوڑے میں کیا سجاؤ گے
سرخ شعلہ ہوں میں گلاب نہیں

حامی بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں لیکن انھوں نے بہت ہی پُر مغز اور خوبصورت غزلیں بھی کہی ہیں۔ عشق تغزل کے لئے لازمی ہے۔ حامی کی غزلیں عشق و محبت کی کیفیات سے مبرا نہیں۔

لیکن ان کا عشق پختہ اور کامل نہیں معلوم ہوتا۔ ان کے یہاں نازک جذبات کا فقدان نظر آتا ہے۔ عاشق کی مسکینی، بے چارگی اور خود سپردگی کی جھلک جن اشعار میں کم نظر آئے گی وہ سوز و گداز اور اثر و تاثیر سے خالی ہوں گے۔ حامی کی غزلوں میں انہی شاعرانہ خصوصیات کی کمی کا احساس ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ عشق کے زخم خوردہ نہیں ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ حامی بھی انسان ہیں اور پہلو میں ایک حساس دل رکھتے ہیں۔ اس لئے ناممکن ہے کہ وہ حسن سے متاثر نہ ہوتے ہوں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے اشعار میں کہیں کہیں عشق کی گرمی اور سلاست و تاثیر مل جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

سر پٹکتی رہی دشت غم کی ہوا، ان کی یادوں کے جھونکے بھی چلتے رہے
شام سے تا سحر گھر کی دہلیز پر ہم چراغوں کی مانند جلتے رہے

ان کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری میں نوجوانوں کے دل کی دھڑکن اور ان کے مسائل جگہ پاتے ہیں۔ ان کی تخلیقات پڑھکر ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ اس کے دل کی آواز ہے۔ عصری مسائل، سوشلزم، سرمایہ داری سے نفرت کا جذبہ، غریبوں اور کمزوروں کا استحصال اور بیکاری ان کی شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

لفظوں کو چٹایا ہے لہو اپنے جگر کا
تب تازہ و تابندہ غزل ہم سے ہوئی ہے

حامی کی سب سے بڑی خوبی ان کی منھ بولتی نظمیں ہیں، جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ خیال آفرینی، مضمون بندی، تخیل کی پرواز، زور بیان، تجربات کی دھوم دھام اور نادر تشبیہات و استعارات۔ یہ

ہے حامی کی بیاد نظم۔ ان کی نظمیں ہمیں چند لمحے کے لئے دم بخود کر دیتی ہیں۔
ان کا قلم جب ایک شریف النفس خاتون مدر ٹریسا کی مدح سرائی کرتا ہے
تو تعظیم و تقدس کے پھول کھلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ایک جنت مسکراتی ہے ترے زیرِ قدم
زندگی کے ہاتھ میں ہے تیری عظمت کا علم
یاد دلاتی خاتونِ جنت پر تو زینب ہے تو
کربلا کی ریت پر روشن چراغِ شب ہے تو
اے مری عیسیٰ نفس تجھ پر جہاں کو ناز ہے
تو خدائے لم یزل کی ایک نئی آواز ہے

اور پھر جب وہی قلم آسام کے فسادات کے پیچھے کسی
درندہ صفت ہاتھ کی سازش کو بے نقاب کرتا ہے تو کس قدر بے باکی
سے شعر ابلتا ہے ؎

مقتل کی طرف آیا ہے وہ صاحبِ انصاف
کیا نذر کریں ہم کوئی جاگیر نہیں ہے
ہیں چاروں طرف بکھرے ہوئے پھول سروں کے
آسام ہے یہ وادیٔ کشمیر نہیں ہے
اس ظلم کے پیچھے ہے اسی ہاتھ کی سازش
وہ ہاتھ کہ جس ہاتھ میں شمشیر نہیں ہے

ان کا قلم جب کبھی فسادات سے متاثر ہوتا ہے تو بے اختیار
پکار اٹھتا ہے ؎

زمیں سے آسمان تک ہے سازشوں کا سلسلہ
دماغ سے زبان تک ہے سازشوں کا سلسلہ
یقین سے گمان تک ہے سازشوں کا سلسلہ
کہ سنکھ سے اذان تک ہے سازشوں کا سلسلہ
حرم سے بتکدہ تک ہیں کچھ ابھی سیاہ رو
ہوا بھی ہے لہو لہو فضا بھی ہے لہو لہو

ان کی دیگر نظموں میں "زخم خوردہ فاختہ" "جہاں ہم لوگ

رہتے ہیں" "گلاب کا پھول" "شاخِ زیتون" اور "شمشیر" اعلیٰ پایہ کی
نظمیں ہیں۔

اپنی ایک بڑی پیاری نظم "ایکتا کا شجر" کا سہارا لیکر انہوں
نے بنی نوعِ انسان کے سامنے ایک بار پھر "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں
ہمارا" کا سبق دہرایا ہے جو یقیناً قابلِ تحسین ہے ؎

پارہ پارہ نہ ہو پھر زمیں کا جگر
مسکراتا رہے ایکتا کا شجر
ٹہنیوں کو نہ توڑے کوئی بے خبر
ہاں غریبی کا سایہ گھنا ہے مگر
آج بھی سب سے اچھا ہے اپنا وطن
اے مرے ہم وطن! اے مرے ہم وطن

حال ہی میں انکی پہلی کتاب "شاخِ زیتون" منظرِ عام پر آئی
ہے جسے محبانِ شعر و ادب نے کافی سراہا ہے۔ فی زمانہ حامی اپنی آئندہ
کتاب کی ترتیب و تزئین میں مصروف ہیں جو ان کی پُر کیف نظموں پر مشتمل ہے۔
حامی کی شاعری میں پند و نصیحت، حکمت و عمل، عقل و دانش،
اخلاق و تہذیب، حسن و تازگی بہت کچھ موجود ہے۔ انہوں نے شعر میں سادگی
اصلیت اور جوش کو بنیادی اہمیت قرار دے کر آسمان پر بسنے والے لفظ
پرست یا مبالغہ کے رسیا شعراء کو زمین کا حسن دکھایا۔ یہ ہیں وہ عناصر
و محرکات جنہوں نے حامی کو افقِ شاعری کا ایک درخشندہ ستارہ بنا دیا
اور جس کے مطالعہ نے ایک عام و معمولی ذہن کے آدمی کو بھی یہ سوچنے
پر مجبور کر دیا کہ وہ حامی کو پڑھکر اپنی فہم و فراست کے مطابق استفادہ
کر سکے ٭٭٭

بقیہ، پرویز شاہدی

احساس ہوتا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے ترقی پسند شاعروں کی صفِ
اوّل میں ان کو ایک بلند مقام حاصل ہو گیا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے
جس سے انکار، حقیقت سے انحراف ہوگا۔ پرویز شاہدی
اب نہیں رہے۔ ۱۹۶۵ء میں موت کی آندھی انکی شمع حیات
بجھا گئی اور اردو شاعری بہت سے تیز نشتروں سے خالی رہ گئی۔

اردو میٹھی زبان ہے

ہندوستان میں ہر زبان کو پھولنے پھلنے کا حق حاصل ہے

اردو نے ہندوستان کی ثقافت کو اپنے ادبی خزینہ سے مالامال کیا ہے

بائیں محاذ حکومت اردو زبان و ادب کے فروغ کیلئے حتی الامکان کوشش کریگی

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

شری جیوتی باسو، وزیراعلیٰ مغربی بنگال نے ۲۸/ اپریل ۱۹۸۵ء کو یوتھ سنٹر ہال، مولا علی، کلکتہ میں مغربی بنگال اردو اکیڈیمی کے زیر اہتمام منعقدہ اردو کنونشن میں سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حکومتِ مغربی بنگال اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے اردو بولنے والی اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے حتی الامکان کوشش کرے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہندستان میں ہر زبان کو پھولنے پھلنے کا حق حاصل ہے۔ ریاست مغربی بنگال کے عوام میں زبان کے معاملہ میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔

اس کنونشن کی صدارت، اردو اکیڈیمی کے چیرمین جناب محمد امین صاحب نے کی اور وزیر اعلیٰ جیوتی باسو نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اس کنونشن کو زینت بخشی۔ وزیر اعلیٰ نے آسان بنگلہ زبان میں تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا "زبانیں مشترک اقدار کی حامل ہوتی ہیں" اور یہاں کی سرزمینِ بنگلہ کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا ہے۔ اردو بولنے والے لوگوں کے اس زبان کے سلسلہ میں بہت سارے مطالبات ہیں لیکن حکومت ان مطالبات کی تائید میں مذہبی جذبات کو ہوا دینے کی کوششوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ مغربی بنگال کے عوام کسی بھی ایسی تحریک کو کچل دیں گے جو یہاں کے لوگوں کے درمیان فرقہ وارانہ منافرت پھیلاتی ہو۔ بائیں محاذ حکومت فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی پالیسی پر خلوص اور شدت کے ساتھ برسرِ عمل ہے۔ اسی وجہ سے مغربی بنگال میں بڑے پیمانے کا فساد نہیں ہوا۔ یہاں کے لوگوں کے درمیان میل ملاپ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم ودائم ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اردو بولنے والی اقلیت کے مطالبہ کے سلسلہ میں حالیہ تحریک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے کئی ایک مطالبات تو واجب ہیں اور اس سے قبل اردو اکیڈیمی نے بھی مطالبات ہمارے سامنے پیش کئے تھے لیکن بعد میں مذکورہ تحریک میں مذہبی جذبات اور تنگ نظری داخل ہوگئی۔ ہم اردو زبان اور اردو تعلیم کے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات ہم لوگوں نے تحریک چلانے والوں پر واضح کردی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی تحریک اور بھوک ہڑتال کو جاری رکھنے پر مُصر رہے۔ اسی دوران "اردوستان" کے نعرے بلند کئے گئے اور نعرے لگائے گئے۔ یہ ایک بے معنی سی بات ہے۔ ہم سب ہندستانی ہیں اور ہم سبھوں کو ملک کی یکجہتی اور اتحاد کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا "اردو کسی

ایک فرقہ، ذات یا مذہب کی زبان نہیں ہے۔ یہ ہندستان کی زبان ہے بنگالیوں کو بھی اردو سے کافی محبت ہے۔ بنگال کے ہندو ادیبوں اور شاعروں نے بھی اردو کی ترویج و اشاعت اور ارتقاء میں اہم حصہ لیا ہے۔"

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا "مغربی بنگال میں اردو بولنے والوں کا تناسب ریاست کی کل آبادی کا ۲½ فیصد ہے۔ لیکن چند علاقے جنہیں نامزد کیا گیا ہے، ایسے ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی آبادی وہاں کی کل آبادی کے دس فیصد یا اس سے زیادہ ہے۔ اس لئے ان علاقوں میں اردو کو سرکاری کام کاج میں زیادہ استعمال کرنے کے لئے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ نیپالی زبان کو یہ ترجیح حاصل ہے، کیونکہ ضلع دارجلنگ کے بعض سب ڈویژنوں میں نیپالی بولنے والوں کی اکثریت ہے۔"

انہوں نے مزید کہا "اردو شیریں زبان ہے اور اس نے ہندستان کی ثقافت کو اپنے ادبی خزینہ سے مالا مال کر دیا ہے۔ ہمیں اس زبان کو اور بھی زیادہ فروغ دینے اور اس کی تقویت کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔ حکومت مغربی بنگال مالی دشواریوں سے دوچار ہے اور اسے محدود مالی اختیارات کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اردو اکیڈیمی کی، جو حکومت کا مشیر ہے چند سفارشات کو روبہ عمل لانے میں تاخیر ہوئی ہے۔ تاہم اردو کے سلسلے میں اس اکیڈیمی کو اور بھی اختیارات دئے گئے ہیں۔ اردو زبان اور تعلیم کے سلسلہ میں سرکاری پالیسیوں کو جلد از جلد بروئے عمل لانے کے لئے ہم نے سرکاری افسروں، وزارت تعلیم اور اردو اکیڈیمی کے نمائندوں پر مشتمل ایک عمل درآمد کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں اسمبلی اجلاس کے بعد حسب ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔"

انہوں نے مزید کہا "ثانوی امتحانات میں اردو میں سوالناموں کی اشاعت کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حکومت نے اردو اکیڈیمی کی عمارت کی تعمیر کے لئے حاجی محمد محسن اسکوائر میں قطعات آراضی بھی اکیڈیمی کو دے دیا ہے، ساتھ ہی رنکنا اسٹریٹ، پارک سرکس کلکتہ میں مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک ہاسٹل بھی تعمیر کیا جا رہا ہے۔"

انہوں نے مزید کہا "صرف اردو والے اردو کی ترقی اور توسیع کے لئے اپنے طور پر جدوجہد کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس جدوجہد میں اپنے ساتھ لیکر آگے نہ بڑھیں۔ انہوں نے محبان اردو سے اپیل کی کہ وہ اپنی زبان کی فلاح و بہبود کیلئے حکومت کے ساتھ تعاون کریں تاکہ تعلیمی دشواریوں کو دور کر کے اردو طلباء و طالبات کے لئے اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ سہولتیں فراہم کی جا سکیں۔"

اختتام میں وزیر اعلیٰ نے اس ریاست کو فرقہ وارانہ فسادات سے پاک رکھنے کے لئے لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا "انتظامیہ ان لوگوں کا مشکور رہے"۔

محمد نظام الدین صاحب ایم ایل اے نے اپنی ایک مختصر تقریر میں اردو اکیڈیمی کی کارکردگی اور اردو زبان و تعلیم کے مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اس کے بعد اردو اکیڈیمی کے وائس چیرمین جناب کلیم الدین شمس صاحب نے اپنی تقریر میں اردو اکیڈیمی، جو ریاستی حکومت کا قائم کردہ ایک خود اختیار ادارہ ہے، کی زبان و ادب اور اردو کی تعلیم اور فنی تربیت کے لئے کئے گئے اقدامات کا ذکر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اردو کنونشن کی طرف سے دس تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز میں اردو طلباء اور طالبات کے لئے اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ کی سہولتوں کی فراہمی، اردو اسکولوں اور کالجوں میں اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کو جلد از جلد پُر کرنے اور کالجوں میں اردو سیکشن کھلوانے کے لئے حکومت سے درخواست کی گئی۔ نیز حکومت کے اعلان کردہ علاقوں میں موجودہ اردو اسکولوں کو منظور کرنے اور وہاں اردو مترجم اور اردو ٹائپسٹ کی تقرری کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان تجاویز میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ کسی زبان کے نام پر ایسے کوئی اقدامات نہ کئے جائیں جن سے مغربی بنگال میں لسانی یا مذہبی ٹکراؤ کا رنگ پیدا ہو۔ ان تجاویز کی جناب احمد سعید ملیح آبادی، ایڈیٹر "آزاد ہند" نے تائید کی اور چند ترمیمات کے بعد یہ تجاویز اتفاق رائے سے منظور کر لی گئیں۔

جناب احمد سعید نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بنگال سے اردو کا رشتہ بہت قدیم ہے اور اس ریاست میں اردو کی جڑیں پیوست ہیں یہیں اردو صحافت نے آنکھیں کھولیں۔ آج بھی اس ریاست میں اردو کا بہت

کام ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ اردو کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں جن کی مذمت کی جانی چاہیے۔

ہندی کا ہفتہ وار "جن سنسار" کے ایڈیٹر شری کیلاش شرما نے کہا کہ اردو تحریک ہم سبھوں کی تحریک ہے کیوں کہ اردو ہمارے دیش کی زبان ہے۔ آج زبان اور دھرم کے نام پر لوگوں کو آپس میں لڑانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس کا شکار نہیں بننا چاہیے۔ ہندی روزنامہ "چھپتے چھپتے" کے ایڈیٹر شری یغنش شرما نے کہا کہ ملک کا اصل مسئلہ زبان کا نہیں بلکہ غریبی کا ہے اور اس سے سبھی دو چار ہیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے انہوں نے غریب عوام سے اپیل کی کہ وہ اتحاد قائم رکھیں۔ پروفیسر جاوید نہال نے اپنی تقریر میں مختلف علاقوں میں ایسے کنونشن منعقد کرنے پر زور دیا۔

اس کے بعد صدر کنونشن جناب محمد امین نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے اردو کنونشن دیگر علاقوں میں بھی منعقد کئے جائیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اردو کے مسائل کو سڑکوں پر حل کرنے کی کوششیں نہ کی جائیں۔ انہوں نے اپیل کی کہ اردو کی خدمت کے لئے محبان اردو، اردو اکیڈمی کا ساتھ دیں۔

جناب سالک لکھنوی نے اردو اکیڈمی کی طرف سے صدر، مہمانِ خصوصی اور دیگر حاضرینِ مجلس کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں پروفیسر اعزاز افضل نے فرمائش پر اپنی غزل سنائی۔

بقیہ: اردو شاعری میں .....

پاؤں کی مٹی سونا اگلے، دھول میں تب کچھ پھول کھلیں
پگڈنڈی پر گھاس کا اگنا روپ نہیں ہریالی کا
— اعزاز افضل

۱۹۴۵ کے بعد جدید ادب کا انکشاف ہوا۔ ذاتی کرب کے اظہار کی نمائش میں اس نئے ادب نے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ تعصب اور کم مائیگی کا نشانہ اب یہ ادب جمود کا شکار ہو گیا ہے۔ افسوس کہ اس دور کے ادب میں ہمارے سماج کے مظلوم طبقہ کی نمائندگی نہیں ہو گی۔

بقیہ: صفحہ ۲۲ کا

میں موسیقی اور ڈرامہ سیکشن نیپالی زبان میں موسیقی اور ڈرامے پیش کرتا ہے۔ قبائیلیوں کی تفریح کے لئے قبائلی لوک تفریح سیکشن جھاڑ گرام میں قائم کیا گیا ہے اور اس سیکشن نے بہت سارے قبائلی جشن منائے جن سے قبائیلیوں میں کافی جوش و خروش رونما ہوا۔

آثار قدیمہ:

اس شعبے کے تحت آثار قدیمہ کے نظامیہ کو بانکوڑا، پرولیا اور مدنی پور آثار قدیمہ کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے اہم مقامات کی کھدائی کے بعد کچھ آثار قدیمہ کی چیزیں ملی ہیں۔ رتوا کے قریب ضلع مالدہ میں مٹی کے برتن اور اس طرح کے قدیم اشیاء جو ۱۳ویں اور ۱۷ویں صدی کے دوران استعمال کی جاتی تھیں ملی ہیں۔ بردوان میں واقع اوس گرام تھانہ کے تحت پانڈو راجار ڈھبی میں کھدائی کے دوران مختلف ثقافتی اشیاء دستیاب ہوئی ہیں جو قبل از تاریخ کے دور میں ان مقامات کو ترقی اور خوشحالی کے مراکز ثابت کرتے ہیں۔ آثار قدیمہ کی مختلف گیلریوں کو قائم رکھنے کے لئے مالی امداد فراہم کی گئی ہیں۔ اس طرح کی امداد ۱۹۸۵ء کے دوران بھی دی جانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ ساتویں منصوبہ کے دوران ایک مکمل محفوظہ سیکشن قائم کرنے کی تجویزات پیش کی گئی ہیں جس کے تحت بڑے پیمانہ پر آثار قدیمہ کی اشیاء کی کھوج لگانے اور انہیں رکھنے کا انتظام ہوگا اور اس کی مدد سے کچھ مقامی گیلریاں بنائی جائیں گی اور ریاستی گیلریوں کی وسعت اور ترقی کے لئے ایک مکمل عجائب خانہ کی شاخ تعمیر کی جائیں گی۔

حقیقت میں میرے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ باوجود مالی دشواریوں کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی مختلف سرگرمیوں نے ہماری امیدوں کو روشن کیا ہے اور مغربی بنگال کے عوام میں ایک ہلچل پیدا کر دی ہے۔ مختلف معروف عالموں و ماہرینِ شعبہ جات کی صلاح کو اپناتے ہوئے اور عوام کی نیک خواہشات اور ہمدردی پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم لوگ اطلاعات، فلم اور ثقافت کے مختلف ذرائع کو استعمال میں لا رہے ہیں تاکہ مغربی بنگال کے دور دراز مقامات تک بھی صحت مند رجحانات پیدا ہوں۔ ہم لوگ امید کرتے ہیں کہ ہم موجودہ دور کے انحطاطی رجحانات کو عوام کے شعور کی مدد سے تباہ کر کے آمریت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ناکام بنا دیں گے اور اس طرح ہم لوگ اسے ایک صحت مند زندگی کی شاہراہ پر گامزن کر دیں گے۔ ***

تبصرہ

کتاب : "نقش بر آب" (افسانے)
مصنف : فیروز عابد ـــ قیمت : ۲۵ روپئے
ناشر : مصنف، 12/3-H/1، پٹوار بگان لین، کلکتہ ۹
تقسیم کار : عثمانیہ بک ڈپو، ۱۲۵ ـ رابندر سرانی، کلکتہ ۷۳

افسانوی ادب میں فیروز عابد کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ گزشتہ بیس برسوں سے وہ برصغیر کے معیاری ادبی جرائد میں چھپتے رہے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "اندھی گلی میں صبح" منظرِ عام پر آیا جسے ادبی حلقوں میں کافی پسند کیا گیا۔ "نقش بر آب" ان کا دوسرا مجموعہ ہے۔ مجموعہ کا سرورق جاذب اور معنی خیز ہے۔ طباعت عمدہ اور قیمت مناسب ہے۔ مجموعہ میں ۹۶ صفحات پر مشتمل کل گیارہ کہانیاں ہیں جو اپنے موضوعات اور طرزِ بیان کے اعتبار سے قابلِ مطالعہ ہیں۔

فیروز عابد کے افسانوں کے موضوعات ہمارے گرد و پیش کی زندگی سے ماخوذ ہیں۔ وہ افسانے کے موضوع کی تلاش میں نہ تو آسمانوں کی وسعتوں کی سیر کرتے ہیں اور نہ ہی سمندر کی گہرائیوں تک پہونچنے کی کوشش بلکہ وہ جلتی دوپہر میں دادی کی لال کی صحت سے اسکولی بچوں کی قربت سے اگھر کے ماحول سے، اخبار کی سرخی سے، معاشی جہاں گیر زندگی سے اپنے افسانے کا موضوع چنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں ہمیں داستان گوئی، فلسفیانہ یا تاریخی واقعات کے اثرات نہیں ملتے بلکہ صحیح حقیقت پر مبنی واقعات کا برملا بیان ملتا ہے۔

فیروز عابد کے افسانوں میں اختصار قابلِ اعتنا ہے۔ ان کے یہاں نہ تو واقعات کا تکثیر ملتی ہے اور نہ ہی بیانیہ کا تانا بانا۔ واقعات کی تخفیف کے باوجود ان کے افسانوں میں کہانی پن کی کمی کا احساس نہیں ہوتا اور وہ اس لئے کہ ان کے افسانوں میں انسانی عنصر بقدرِ ضرورت موجود رہتا ہے جو ہماری انسانیت کے کسی نہ کسی پہلو کو متوجہ کرتا ہے اور انسانی سطح پر ہمیں متاثر بھی ـــ اسی طرح فیروز عابد بیانیہ کے منحرف ضرور ہیں مگر بیانیہ کے معزور نہیں۔ بیانیہ سے انحراف کے باوجود انہیں کبھی نہ کبھی بیانیہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ انکی زیادہ تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کہانی مکالمے کے ذریعہ آگے بڑھے۔

فیروز عابد افسانے کے بندھے ٹکے اصولوں کے پابند نہیں۔ وہ افسانے میں تکنیکی جال کے ماننے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں تائید و انحراف کا عمل ذہنی کے طور پر نہیں بلکہ ضرورت کے تحت آیا ہے۔ وہ پلاٹ یا کردار نگاری کے سہارے جانبداری کی مضبوط پشت پناہی کے اظہار کے لئے افسانے کی تخلیق کرتے ہیں۔ وہ اپنے افسانے میں احساس معنوی رنگ یا میک اپ کو شامل دینے کی کوشش کرتے ہیں جیسے زندگی اپنے بھدے اور داغدار چہرے کو چھپانے کے لئے میک اپ کر کے گھر سے نکلتی ہے۔ ایسے میں نہ تو وہ قاری کا امتحان لینا پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر اپنی طرف سے کچھ لادنے کی کوشش۔

فیروز عابد کے افسانوں میں ابلاغ کا مسئلہ نہیں۔ اوّل یہ کہ انکا موضوع ہماری سیاسی و سماجی زندگی کے عین موافق ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ان کے افسانوں میں اشکال و ابہام کی گنجائش نہیں۔ انہیں تو خواہ مخواہ کے علائم سے بھی گریز ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ "بوجھو تو جانیں" کے قطعی معتقد نہیں بلکہ زندگی کی عام باتوں کو عام انداز میں پیش کر دینے کے قائل ہیں۔ وہ زندگی کی "عام باتیں" ماضی کے اندھیرے یا مستقبل کی چاندنی میں تلاش نہیں کرتے بلکہ آج کی زندگی کی شعلہ بار روشنی میں ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں تصنع کی جگہ صداقت، سطحیت کی جگہ توازن، تکلف کی جگہ بے ساختگی ملتی ہے۔ ان کے افسانے تلخ اور تیکھے ضرور ہیں مگر دلچسپی سے تہی دامن نہیں۔ شدتِ احساس اور خلوصِ اظہار کی وجہ سے ان کے افسانوں میں ایسی تاثیر پیدا ہو گئی ہے جو زندگی کی تلخیوں میں بھی احساسی لذت پیدا کر دیتی ہے۔ وہ قاری کی دلچسپی کے لئے منظرسازی پر بھی توجہ دیتے ہیں مگر بڑی چابکدستی سے کہ اشارے اشارے میں جزئیات نگاری کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے اور فنکار کا نصب العین بھی اپنی جگہ برقرار رہ جاتا ہے۔

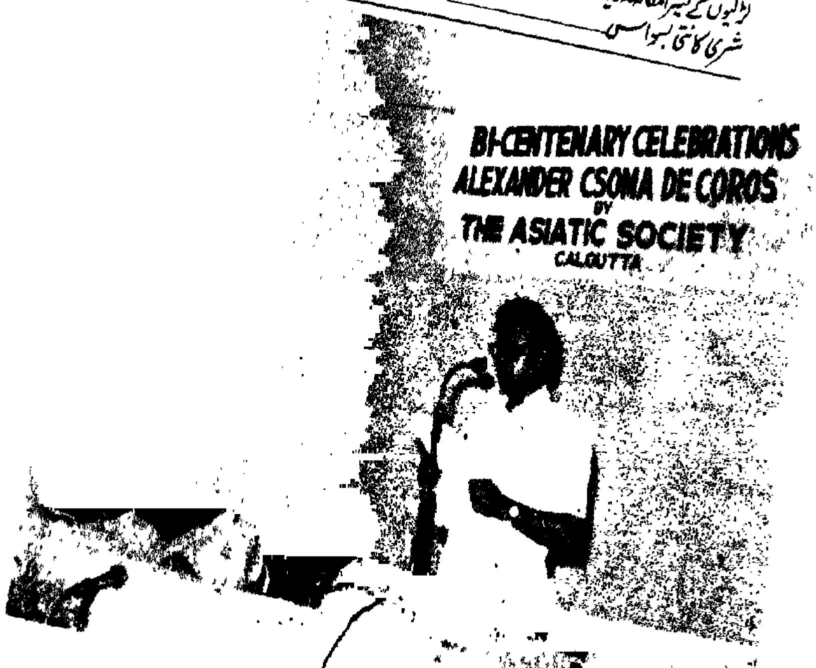
فیروز عابد کے افسانوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے افسانوں کی نثر خالص افسانوی ہے۔ ان کے افسانے میں انشائیہ یا شاعری کو در آنے کی قطعی اجازت نہیں ملتی۔ ان کے یہاں اظہارِ خیال تو مل جاتے ہیں مگر اس حد تک کہ افسانے کی روح مجروح نہیں ہوتی۔

فیروز عابد کی کتاب "نقش بر آب" ہماری خارجی کشمکش کا برملا اظہار اور سماجی استبداد و مجبوری کے خلاف خاموش احتجاج کا مجموعہ ہے جو نعرۂ انقلاب کی شکل میں نہیں بلکہ فن پارے کی صورت میں منظرِ عام پر آیا ہے ـــ صحت مند جدید ادب کی رو سے یہ مجموعہ یقیناً قابلِ قدر اور قابلِ مطالعہ ہے ٭٭

ـــــ مصطفےٰ اکبر



لڑکیوں کے کثیر المقاصد ریاستی اسکول کے جشنِ سیمیں کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں ریاستی وزیر تعلیم شری کانتی بسواس



وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور و خبری پر وبھاش بھو دیکار حال ہی میں ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کی دو صد سالہ تقریب میں تقریر کرتے ہوئے۔

Postal Regd. No. WB/CC- 52 Vol. 32 No. 9 MAGHREBI BANGAL
PRICE-30 Paise 1·MAY 1985



اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے بعد ماسکو، روس میں یوم مئی کی تقریب کا ایک منظر

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor · Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.



پندرہ روزہ **مغربی بنگال** کلکتہ

جلد نمبر ۳۲ * یکم جون ۱۹۸۵ء * شمارہ نمبر ۱۰ اور ۱۱

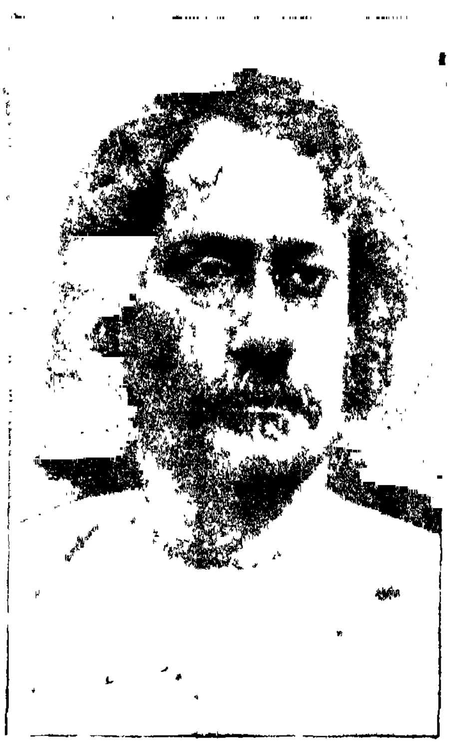
مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

اس شمارہ میں :

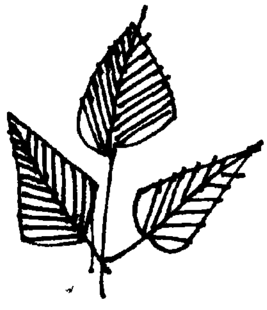
مضامین

نظمیں

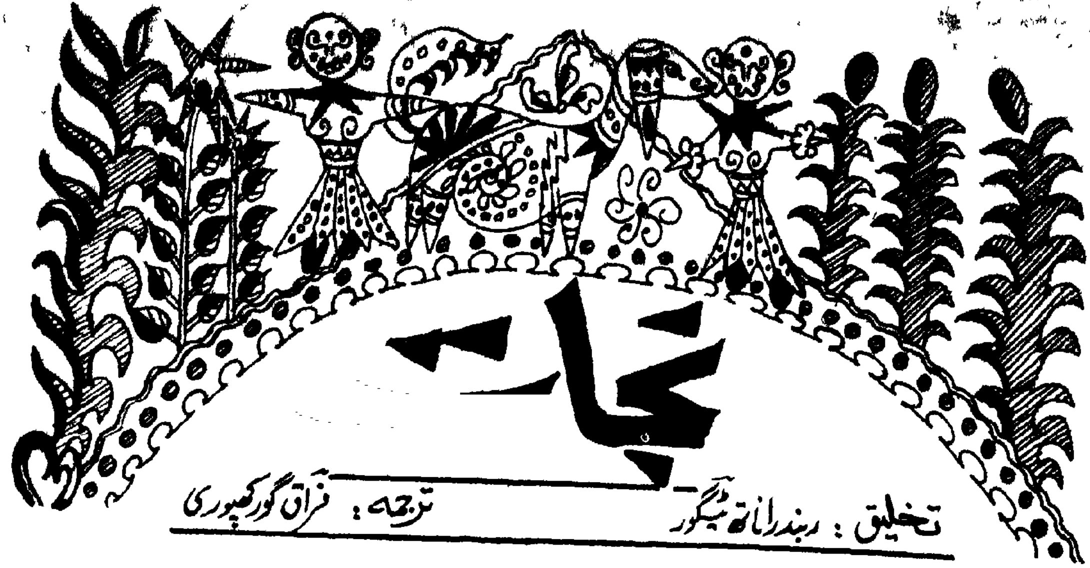
اس شمارے کی قیمت ۴۰ پیسے



ٹیگور نمبر



تزئین کار : تارا پرشاد داس



نجات

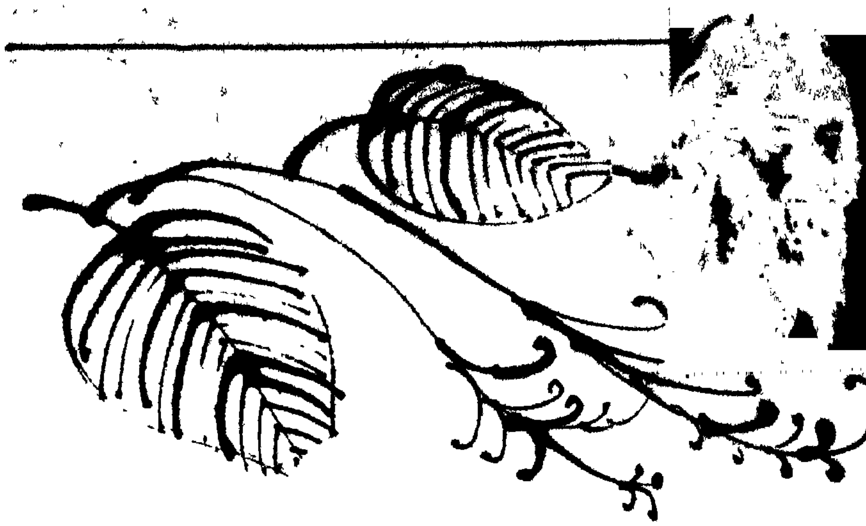
تخلیق : ربندرناتھ ٹیگور — ترجمہ : فراق گورکھپوری

روحانی ریاضت سے جو نجات حاصل ہو وہ نجات میری نہیں ہے
بے شمار بندھنوں کے درمیان مہا آنند سے بھری
نجات کی لذت پاؤں گا اس زمین کے
مٹی سے بنے ہوئے برتنوں کو بار بار بھر کر
تم برابر ڈھالو گے اپنا امرت
کئی رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرا —— چراغ کی طرح
میرا سارا سنسار بتیوں میں
جگمگائے گا تمہارے ہی شعلے کی لَو سے
تمہارے مندر کے بھیتر

خود اس جسم کے دروازے
بند کر کے جوگ سادھنا، یہ میرا مسلک نہیں ہے
نظاروں میں، خوشبوؤں میں، نغموں میں جو کچھ بھی آنند ہے
تمہارا آنند اسی کے بیچ بسے گا

میری مجاز پرستی اور میرے رشتہ ہائے تعلقات نجات کے روپ میں جگمگا اٹھیں گے
میرا پریم بھگتی کے روپ میں پھلا ہوا رہے گا

"نئے دیگھ" جون - جولائی ۱۹۰۱ء



ٹیگور اور جدید بنگلہ شاعری

از: نارائن چودھری

آج بنگال کے ادبی حلقے میں رجحان پایا جا رہا ہے کہ بنگلہ کی شاعری جسے ناقد کے مجموعہ اسماء سے مبرے الفاظ میں "جدید بنگلہ شاعری" کہتے ہیں اسکی بنیاد اور اس کا آغاز جیون نند داس، سدھین درا ناتھ دت، امیہ چکرورتی، وشنو دے اور ان لوگوں کے دور کے دیگر شعراء کی شاعری سے ہوا، غلط ہے۔
یہ غلط رجحان ایک غلط تصور سے جسے جدت پسندی یا جدید شاعری کہہ سکتے ہیں، پیدا ہوا ہے۔ چونکہ جدید بنگلہ شاعری، جدید شاعری کا جزو لاینفک ہے اس لئے ناقد بذات خود اسبابات کی تشریح کریں کہ جدید شاعری کی جدت کہاں ہے۔

لفظ "جدید" میں ایک ضمنی تضمین ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا ماضی اور مستقبل سے رشتہ ہے۔ ماضی قریب اور مستقبل قریب کے مابین یہ لفظ کھڑا ہے۔ ہم لوگ ایک شدید مشکل کر بیٹھیں گے اگر ہم یہ سمجھیں کہ صرف ضمنی تضمین ہی شاعری کا واحد اشارہ ہے۔ بلاشبہ جدت میں وقت کو اہم مقام حاصل ہے لیکن یہ اہم جزو نہیں ہے اور نہ ہی ایک عظیم جزو ہے۔ جدید شاعری کے دور میں اسکی اہمیت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ جدید بنگلہ شاعری کا مسئلہ بہ وقت شاعری اہمیت کا حامل ہے۔
بنگلہ شاعری [illegible] جس نظریہ سے دیکھیے

بھی اسی سے وابستہ ہے۔ زندگی، انسانی سماج اور قدرتی مناظر کو ہم جس نظریہ سے دیکھتے ہیں وہی جدید تخلیقی شاعری اور اس سے قبل کی لکیر کی فقیر شاعری میں فرق نمایاں ہو جاتا ہے، اور یہ بات بھی مساوی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم شاعرانہ فن میں زندگی کے اس نئے اور نمایاں نظریہ کو کس طرح پیش کرتے ہیں۔ یعنی شاعرانہ تخلیقات میں، جسے عام طور پر جدید بنگلہ شاعری کہتے ہیں، مواد اور اظہار بیان کافی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

اب اس نقطہ پر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس سے قبل جو کسوٹی پیش کی ہے، اس کے مطابق جیون نند داس، سدھین درا ناتھ اور ان کے جیسے شاعر جدید بنگلہ شاعری کے پیامبر نہیں کہلا سکتے۔ اس مخصوص قسم کی شاعری کا سہرا رابندرا ناتھ ٹیگور کے سر ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے ہی ایسی شاعری کی ابتدا کی۔ بنگال کو اس بات کا فخر ہے کہ اتنا عظیم تخلیقی شاعر اس کے یہاں پیدا ہوا۔ ٹیگور تخلیقی آرٹ کے میدان میں ایک موجد تھے۔

انہوں نے بنگلہ شاعری کے ساتھ ساتھ بنگلہ نثر میں انقلاب برپا کر دیا۔ "چتورانگا"، "شیش کویتا"، "راج رشی" اور "جوگا جوگ" (وغیرہ) بنگلہ انہوں نے اپنے ماتحت [illegible]

دیا کہ کس طرح جدید بنگلہ نظم لکھنا چاہیے۔ اسی طرح بنگلہ شاعری میں نئے تخیلات کو جگہ دے کر اور نئی تکنیک اور نئے طرزِ تحریر سے مزین کر کے انہوں نے اپنے ہم عصر اور آنے والی نسل کے شاعروں کو یہ راہ دکھائی کہ کس طرح نظم جدید طرز پر لکھی جا سکتی ہے۔ ٹیگور کے تجربات کی روشنی میں بنگال میں ان کے بعد کے شاعروں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ صحیح معنوں میں جدید بنگلہ شاعری سے کیا مراد ہے اور عملی طور پر اس امتیازی درجہ تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ جدید بنگلہ شاعر تخلیقی تحریک کے لئے ٹیگور کے مرہونِ منت ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ تمام شعراء جن کا میں نے اس سے قبل ذکر کیا ہے، کے کلام میں ٹیگور کا اثر نمایاں ہے۔ ٹیگور نے راہ دکھائی اور وہ سب اس پر چل پڑے۔ اگر مکمل طور پر نہیں تو کچھ حد تک تو انہوں نے ٹیگور کی پیروی کی۔ بلا شبہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یٹس، پاؤنڈ، ایلیٹ، ایوڈن، اسپنڈر، ڈے لیوس، کمنگس اور دیگر مغربی شعراء کا ان جدید بنگلہ شاعری کی تشکیل میں بڑا ہاتھ ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعری کی دنیا میں جو کچھ کہا گیا اور لکھا گیا، اس کی ترغیب ٹیگور سے ملی۔ ٹیگور کو پس منظر میں رکھے بغیر موجودہ شاعر شعر و شاعری کی دنیا میں ابھر نہیں سکتے، آج بھی وہ سب محسوس کرتے ہیں کہ جب وہ لکھتے ہیں تو ان کے پس پشت ٹیگور کی پوشیدہ قوت ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

ٹیگور کی شاعری میں جدت پسندی کا ارتقاء

یہاں یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ کب اور کس وقت اپنی لمبی شاعرانہ زندگی میں ٹیگور نے جدید طرز پر نظمیں لکھنی شروع کیں۔ کب ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ پرانے طرز کو خیرباد کہا جائے اور شاعری میں جدت کو جگہ دی جائے اور شاعری کو ایک نئی سمت کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے کیونکہ دونوں مسلسل تخلیقی ادوار کے درمیان کوئی واضح حد فاصل نہیں ہے۔ تخلیق کے میدان میں یہ دونوں ادوار کے بعد دیگرے اس طرح آتے ہیں کہ ان دونوں ادوار میں لکھی نظموں کو شناخت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کس دور کی لکھی ہوئی ہے۔

اس کے باوجود میں اس پیچیدہ سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ میرے خیال میں پہلی جنگ عظیم اور اس کے بعد کے عرصہ میں ٹیگور کے نظریہ میں کافی تبدیلی رونما ہوئی۔ عالمی جنگ کی تباہ کاریوں نے انہیں بری طرح ہلا کر رکھ دیا۔ ان کے زود حس دل و دماغ پر اس عالمگیر تباہی و بربادی کے بھیانک تجربہ کا اتنا شدید اثر ہوا کہ انہیں اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین پھسلتی ہوئی محسوس ہوئی، اور اس شدید المیہ کی زد کے تحت ان کے اعتقاد اور قدروں کی دنیا لرزتی نظر آنے لگی۔ انہوں نے ایک بورژوائی ماحول میں پرورش پائی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے عرصہ میں وہ اس کے سحر کے دائرہ سے باہر نکل چکے تھے۔ زندگی کے تلخ حقائق سے وہ واقف ہو چکے تھے اور ان باتوں کا عکس ہمیں ان کی تحریروں اور نظموں میں نظر آتا ہے۔ بعد میں ان کی پینٹنگس اور ڈرائنگس میں بھی یہی باتیں نظر آتی ہیں۔

اس حقیقت پسندی نے عام آدمی کو ان کی توجہ کے مرکز میں لا کر کھڑا کر دیا اور ان میں اب عام آدمی کی تمناؤں اور ضرورتوں کے سلسلہ میں ایک بیداری پیدا ہو گئی۔ جب اکتیس بتیس سال کے تھے تو انہوں نے ایک مشہور نظم "اے بار پھیراؤ مورے" (اس بار مجھے لوٹا دو) لکھی جس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے خوابوں سے بھرے تخیل کی دنیا سے باہر نکل آئے ہیں اور اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے مصائب و آلام کا ذکر کرتے ہیں۔ قدرت اور فطرت کی جگہ اب عالمی انسان ہی ان کا موضوعِ سخن بن گیا۔ "بلاکا" اور "پورابی" نظمیں لکھنے کے بعد سے ہی انہوں نے اس مادی زندگی اور اس کے مسائل کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی شاعری کے مزاج اور سُر میں بھی تبدیلی آئی، ٹیگور کے قارئین کو اب ان کی تخلیقات میں ایک نئی ساخت، ایک نیا رنگ نظر آنے لگا۔ ان کا مجموعہ کلام "مہوا" محبت کے نغمات سے پُر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے بہت سارے مجموعۂ کلام جیسے "پُنشچ"

"پوناشکا" "سیش سوبوک" "شیاملی" "پترایت" میں بھی ساری دنیا میں بنی نوع آدم کے درمیان پیار اور محبت کا پرچار کیا گیا۔ ان کی زندگی کے آخری دور کی شاعری کے مجموعۂ کلام جیسے "پرانتک" "سینجوتی" "جنم دن" "آروگیہ" "شیش لیکھا" میں ان ہی باتوں کا پرچار کیا گیا ہے۔ اول دور کے جس ربندرناتھ سے ہم واقف تھے وہ یہ نہیں ہیں جنہوں نے "پرشنو" (سوال)، "بنسی" "چھیلے نا" (لڑکا) "سادھارون میئے" (لڑکی)، "۲۵ ویں بیساکھ" "پرتیبی" (دنیا) "افریقہ" "جنم دن" "اے کاتان" "اوراکا بج کورے" (وہ سب کام کرتے ہیں) جیسی نظمیں لکھیں۔ موضوع اور اندازِ بیان کے لحاظ سے یہ بالکل نئی نظمیں ہیں۔ اس سے قبل کی نظمیں انکی خودرَو جذبات، تخلیقی تحریک پر مبنی تھیں لیکن اب ان نظموں میں فہم و ذکاو اور دور اندیشی نظر آتی ہے۔

ان کی چند نظموں میں نئی بحر کا استعمال کیا گیا ہے۔ آزاد نظمیں جنہیں بنگلہ میں "گدیے کویتا" کہتے ہیں اور جو آجکل بالکل عام ہو گئی ہیں، ربندرناتھ کی ذہانت کی مرہونِ منت ہیں۔ بہت پہلے انہوں نے اپنی نظم "لیپیکا" میں آزاد بحر کا استعمال کیا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے انہوں نے اپنی نئی تکنیک کو اور بھی بہتر بنایا۔ انہوں نے اظہار بیان کے لئے جو الفاظ استعمال کئے اور جس طرح الفاظ کو گویا ایک سُر میں سمو دیا، وہ واقعی قابل تعریف ہے۔ ظاہری طور پر ان کی نظمیں آزاد ہوتی ہیں، ان میں بحروں کی کوئی ترتیب نہیں ہوتی لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کی نظموں میں خوبصورت لطیف بحر موجود ہے۔ پہلی بار انہوں نے عمدہ آزاد نظمیں "پاری شیس" اور "سیولنکا" لکھیں اور ان کی عمر کے ساتھ ساتھ ایسی آزاد نظموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ تخلیق کے دیگر میدانوں کے ساتھ ساتھ ٹیگور نے آزاد نظم کے میدان میں پہل کی اور کامیاب رہے۔ ان کے بعد کے مصنفین اور شاعروں نے ان کی تقلید کی ہے۔

فاشزم کی مخالفت:

ٹیگور نے اپنی شاعری میں ایک نئے رجحان اور تخیل کو جگہ دی اور ان کے بعد کے شاعروں نے ان کی تقلید کی۔ نیا رجحان یہ ہے کہ ٹیگور نے کبھی بھی فاشزم سے مصالحت نہیں کی۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں یورپ میں بہت سارے بدنما واقعات رونما ہوتے۔ ایسے واقعات نے سارے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا۔ بیدار شاعر ٹیگور بھی ایسے واقعات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کی شاعری میں ایک نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ ان قابل نفرت واقعات نے شاعر کے دل و دماغ میں بدمزگی پیدا کر دی اور اس غیر انسانی اور وحشی سیاسی واقعات سے وابستہ چیزوں اور لوگوں سے شاعر کے دل میں نفرت پیدا ہوگئی اور اپنے غم و غصہ کا اظہار انہوں نے اپنے بعد کے عرصہ کی بہت ساری نظموں، جن میں "پرانتک" اور "سینجوتی" کی نظمیں شامل ہیں، میں کیا۔ انسان کی وقعت کو برقرار رکھنے اور ان تمام باتوں کی جو انسانی اخلاق اور انسانی سرگرمیوں سے نیچے گراتی ہیں، مذمت کرنے میں ایک شاعر کتنی بلندی تک پرواز کر سکتا ہے، اس کی مثال ان کی نظم "جنم دن" ہے۔ انسان میں حیوانیات کی اس نظم میں جتنی شدت سے مذمت کی گئی ہے شاید ان کی کسی اور نظم میں کی گئی ہو۔ یا اس نظم کو ہم یوں پیش کر سکتے ہیں کہ شاعر نے دعا کی کہ خدا اسے اتنی طاقت عطا کرے کہ وہ اس وحشیانہ ظلم پر بجلی کی مانند ٹوٹ پڑے اور اسے نیست و نابود کر دے کیوں کہ دونوں عالمی جنگ کے دوران عرصہ میں سارے یورپ میں تمام فاشسٹوں نے ایک نہایت نفرت انگیز عمل یعنی بچوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینا اور عورتوں کو قتل کر دینا، پر رنگ رلیاں مناتے تھے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹ ویں صدی کے فیاضانہ انسان دوستی سے ۲۰ ویں صدی کی جمہوری مع اشتراکیتی عصر آفریں تبدیلی جو شاعر میں رونما ہوئی وہ انکی زندگی کا سب سے زیادہ روشن دور ہے۔ اور جدت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ دور باثمر ہے۔ شاعرِ اعظم کے اس تخلیقی دور میں ہی جدید بنگلہ شاعری کے دور کا آغاز ہوا۔ اس دور میں ہی شاعر عام لوگوں کے ساتھ بالکل گھل مل گئے اور اس طرح انہوں نے ان کی آرزوؤں

باقی صفحہ نمبر ۲۱ پر



ٹیگور کے گیتوں کی آفاقیت

از: پالب سین گپتا

" محنت کش طبقہ موسیقی کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں کہ موسیقی لوک سنگیت کی انسانی ہمدردی کے جذبات کو ظلم کے خلاف عوام کی زندگی اور جدوجہد سے رونما ہونے والی انسانی دوستی کے تصورات کو یکجا کر دیتی ہے، اور موسیقی کی دنیا اصلیت نگاری کی اجتماعی ترقی سے یہ تکنک سیکھی جا سکتی ہے۔"

("موسیقی کیسے تصورات کا اظہار کرتی ہے" ۔ ایس بنکلیسٹن)

ٹیگور کے گیتوں پر آخری الفاظ شاید بذاتِ خود ٹیگور ہی کے ہوں گے جس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ " مجھے یقین ہے کہ میں نے بہت ہی خلوص اور سچائی کے ساتھ اپنے گیتوں میں خود کو ظاہر کر دیا۔ یہ گیت کسی ضرورت کی اطلاع دینے کے لئے میرے پاس نہیں آئے۔ میں اپنی روح سے آمنے سامنے ہمکلام ہوتا ہوں اور گیتوں کی تخلیق کرتا ہوں۔ جس طرح بانگل درخت ہمیشہ اپنے ان گنت پھولوں کے ساتھ جھومتا رہتا ہے، اسی طرح میرے گیتوں سے لامحدود بحر میں میرے دل کی آواز لہراتی رہتی ہے۔ شاید میری بابت آخری فیصلہ میرے گیتوں پر منحصر ہوگا۔ میں تو گیتوں کی دیوی "میوز" کا باؤل ہوں" ہمیں یقین ہے کہ یہی ان کے گیتوں کے محرکات ہیں۔ گیتوں کی دیوی کو اظہارِ عقیدت پیش کرتے ہوئے انہوں نے اپنے گیتوں کی نازک پنکھڑیوں میں ابد سے سُروں کو مقید رکھا۔

صرف چند گیتوں کے علاوہ ربندرا ناتھ نے اپنے تمام گیتوں کے تے سُر اور لے مرتب کئے۔ انہوں نے دیگر شاعروں کے لکھے چند گیتوں کے بھی سُر تیار کئے۔ راگوں کے موجد ٹیگور کے سُر اور لے کے بھی مختلف ادوار ہیں اور ہمیں ٹیگور کے گیتوں کی قدروں کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان ادوار کو اچھی طرح سمجھیں۔ ہمیں بہت گہرائی تک کھوج لگانا ہے تاکہ ہم اس پس منظر سے واقف ہو سکیں جس نے تخلیقی تحریک کے چشمہ کو جلا بخشی۔

ٹیگور سے قبل ہندستانی موسیقی دو حصوں میں منقسم تھی (۱) کلاسیکی اور (۲) لوک گیت۔ دربار اور دیہات کے اثر کے علاوہ موجودہ دور سے قبل پوربی موسیقی ایک تیسرے عنصر گرجا سے متاثر تھی۔ لیکن تیسرے مذہبی عنصر کو ہندستانی موسیقی میں

کوئی اہم مقام حاصل نہ ہو سکا۔ مذہبی گیتوں کو ہم عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک کلاسیکی، مارگ سنگیت اور لوک سنگیت۔ دورِ وسطیٰ کے آخر تک چونکہ ہر جگہ جاگیردارانہ نظام رائج تھا اس لئے مختلف اقسام کی کلاسیکی موسیقی کو مختلف درباروں میں سرپرستی حاصل ہوئی۔ دوسری طرف یہ عام لوگ ہی تھے جنہوں نے لوک گیتوں کی روایات کو پروان چڑھایا اور انہیں زندہ رکھا۔ اس طرح لوک گیت ہمیشہ سے زیادہ لوگوں نے باؤل، بھٹیالی، کیرتن، جاری، ساری اور اس طرح کے دیگر لوک گیتوں میں لطیف اور روحانی مسرت کا سرچشمہ بنایا۔ کلاسیکی موسیقی تو صرف چند گنے چنے لوگوں کے لئے تھی۔

۱۸ ویں صدی کے وسط میں ہمارے ملک میں جاگیردارانہ سماجی نظام لڑکھڑانے لگا۔ نئی تجارت اور نئے کاروبار کی وجہ سے شہر کے چاروں طرف بورژوائی سماج کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروع سے ہی اس نو تشکیل کردہ شہری سماج نے دیگر اختیارات کے ساتھ ساتھ اس سرزمین کے آرٹ اور ثقافت کی سرپرستی کے اختیارات بھی اپنے ذمے لے لیا۔ قدرتی طور پر کلاسیکی اسکول کے موسیقاروں کو اپنے ان نئے مالکوں کو خوش کرنے کے لئے چند رعایتیں دینے پر مجبور ہونا پڑا کیونکہ نئے مالکان نفیس اعلیٰ ثقافتی ذوق سے مبرا تھے۔ دوسری طرف غیر ضروری لطافت اور دقیقہ سنجی سے پاک کلاسیکی موسیقی بھی دیہاتوں میں رہنے والے غریبوں کی کٹیا تک پہونچ گئی۔ یہ تو تصویر کا ایک رخ ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ دیہی معیشت روبہ زوال ہونے لگی اور اس لئے غریب دیہی باشندوں کو مجبوراً روزی روٹی کے لئے گاؤں کو چھوڑ کر شہروں میں جانا پڑا۔ اس لئے ان پڑھ دیہی لوگوں نے اپنی لوک گیتوں کو شہروں میں پھیلایا اور اس طرح شہروں میں لوک ثقافت کا آغاز ہوا۔

اس وقت تک کلاسیکی موسیقی کے سرپرست اور شہری لوگ موسیقی کو غیر سمجھتے تھے لیکن بورژوائی ثقافت کی پہلی دہائیوں میں ترقی پسند طاقتوں نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا ــــ تامنی دیہ جیسے سنگیت کار

نے اسی وقت سے ان دونوں موسیقی یعنی کلاسیکی اور لوک موسیقی کے درمیان امتزاج کو مستقل شکل میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجہ میں نو تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کے لوگوں کے گھروں میں کلاسیکی موسیقی اور لوک گیت و سنگیت اپنی اپنی نئی نفاست کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔ اس طرح متوسط طبقہ کے لوگ اگرچہ معاشی لحاظ سے اس وقت کے جاگیرداروں اور زمینداروں سے کافی پیچھے تھے اب کلاسیکی موسیقی کا مزہ چکھنے لگے، اس کے ساتھ ساتھ لوک سنگیت بھی ان کے درمیان مقبول ہوتا گیا حالانکہ اب تک سماج کا امیر طبقہ لوک سنگیت کو پسند نہ کرتا تھا۔ اس طرح سنگیت کے دو چشمے ایک دوسرے میں ضم ہو گئے اور پھر یہ نئے چشمے نئے روپ میں ظاہر ہوئے۔

جوڑاسا نکو میں ٹیگور خاندان کا مکان گویا موسیقی کا مرکز تھا۔ گیت سنگیت کی فضا نے اس گھر کو منور کر رکھا تھا۔ کلاسیکی موسیقی کے وشنو پور حلقہ کے مشہور گویے، جادو بھٹ، رشنو چکرورتی، شری کانتھ سنگھا اور اس وقت کے تقریباً تمام مشہور گویوں نے ٹیگور گھرانے کو کلاسیکی موسیقی سے سرشار رکھا۔ جیوتندرا ناتھ ٹیگور نے پوربی موسیقی سیکھنی شروع کر دی اور آکشے چودھری کی شکل میں انہیں ایک پرخلوص اور اچھا شاگرد ملا۔ چونکہ ٹیگور برہمو سماج سے وابستہ تھے، اس لئے برہمو سماج کے مذہبی گیت ٹیگور خاندان میں بہت مقبول تھے۔ وہاں لوک موسیقی اور کرناٹک موسیقی کا ذکر ہوا کرتا تھا۔

غائر مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ٹیگور کے گیتوں میں ترقی کے تین دور تھے۔ پہلے دور میں ان کے گیتوں میں کلاسیکی سنگیت، مارگ سنگیت بہت نمایاں ہے۔ دوسرے دور میں پہلے دور کے سنگیت میں بنگال کے بہت اقسام کی لوک موسیقی میں گھل مل گئی۔ اس دور میں مغربی موسیقی اور علاقائی موسیقی کی دھن سے بھی وہ کافی متاثر ہوئے۔ تیسرے دور میں ٹیگور کے گیت اور سنگیت عالمی نوعیت کے ہو گئے کیونکہ ان میں دلوں کو بیدار کرنے کی اپیل ہوتی ہے۔ شمالی اور جنوبی ہندستان کی کلاسیکی موسیقی، بنگال کے لوک سُر، ہندوستان کے دیگر علاقوں کے علاقائی

گیتوں کے سُر، مغربی موسیقی اور بہت سارے ایشیائی ملکوں کے گیتوں کے سُر — ان تمام سُروں کو انہوں نے اپنے گیتوں میں جگہ دے کر ایک سُر میں تبدیل کر دیا۔ اس نقطہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کے گیت بے نظیر اور دلکش پھولوں کی طرح کھل گئے۔ موسیقی کے مکمل طور پر ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اس نے اپنا سفر اس افق کی طرف شروع کیا جو آزادی کے پیغام سے جگمگا رہا تھا۔ بیان بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نئی زندگی اور نئے خیالات' جو انیسویں صدی میں بنگال کے ثقافتی انقلاب کے شاعرانہ وجدانی اور تخلیقی تحریک سے رونما ہوئے تھے' ٹیگور کے گیتوں میں بام عروج تک پہونچ گئے۔

ٹیگور کے بہت سارے گیتوں کو کلاسیکی ہندستان موسیقی کے مساوی سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ٹیگور خاندان میں کلاسیکی موسیقی کے فروغ میں وشنو پور مسلک (گھرانے) کو کافی دخل حاصل تھا۔ گرچہ ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کے ایک ممبر ہونے کے علاوہ وشنو پور اسکول کی اپنی چند خصوصیات تھیں۔ اور یہ خصوصیات خاص طور پر بنگال کی سرزمین سے وابستہ تھیں۔ وشنو پور کلاسکس میں قواعد سے زیادہ جذبات کو دخل تھا۔ بنگال کا جمالیاتی ذوق، زندگی کے سیدھے سادے، معصوم اور شفاف نظریہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وشنو پور کلاسیکی گیتوں کی سُریں بنگال کے لوک گیتوں کی سُروں جیسے ملی ہوئی ہیں۔ اسی لئے گرچہ ٹیگور نے کلاسیکی موسیقی سے آزادانہ فیض حاصل کیا تاہم ان کا بنگال کے جذبات سے گہرا رشتہ قائم تھا۔ مشرقی ہندستان کے گیتوں کے سُروں کے راگ لوک میں آزاد تحریک سرایت کر چکی تھی اور ٹیگور کے گیتوں میں یہی بنیادی جذبہ نظر آتا ہے۔ اسی جذبے سے سرشار ہو کر ٹیگور نے کلاسیکی موسیقی کو اس کے خشک قواعد کا جال صاف کر کے ہمارے سامنے بہت دلکش اور متاثر کن ڈھنگ سے پیش کیا۔ اس جذبہ نے انہیں مشرق و مغرب کے مختلف لے اور سُروں کو خوبصورتی سے یکجا کرنے میں مدد دی۔ اس نے انہیں یہ ہمت پیدا کر دی کہ انہوں نے دیگر موسیقی کاروں سے مشورہ کئے بغیر اپنے طور پر راگ اور راگنی ایک لے میں پرو دیا۔ اسی لئے ان پر الزام عائد کیا گیا تھا کہ انہوں نے روایتی رسم و رواج سے انحراف کیا۔ انہوں نے زندگی بھر نئے جذبات کا اظہار کرنے کی کوششیں کیں اور اس کام میں ان کا تخلیقی جذبہ ایک مسلسل طاقت ثابت ہوا۔ اس سے قبل استادوں نے موسیقی کے قواعد کے دائرہ میں رہتے ہوئے ناتراشیدہ عناصر کو نکھار کے کلاسیکی موسیقی میں نئی روح ڈال دی۔ ٹیگور کو اس سے الگ رکھا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے قواعد کی جھاڑ کو توڑ کر کلاسیکی کے افق کو وسیع بنا دیا۔

لوک گیتوں میں 'باؤل اور بھٹیالی' نے انہیں بہت متاثر کیا۔ اس کے علاوہ جاری ساری، کرتن، رام پرشادی، نیز گمبھیرا' معارفتی، مرشدی۔ درحقیقت ان تمام لوک گیتوں کو ٹیگور نے اپنے نغموں میں جگہ دی۔ سینکڑوں برسوں سے لوک گیت بنگال کی ثقافت کو اجاگر کر رہے ہیں۔ یہ گیت تو لوگوں کے اندرون قلب سے رونما ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کے آنسو اور مسکراہٹ، ان کے احساسات، جذبات اور امنگیں، ان تمام باتوں کو بنگال کے بے شمار شاعر اور گیت کاروں نے زندۂ جاوید کیا ہے۔ تاریخ انہیں فراموش کر سکتی ہے لیکن بنگال کے عام لوگ انکی شاندار تخلیقات کو یاد کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام ملکوں میں تمام ادوار میں لوک گیتوں کا یہی کرشمہ رہا ہے۔ اس میں ٹیگور نے بنگلہ موسیقی کی بنیاد کو دریافت کیا' اور یہی وجہ ہے کہ وہ گھر کے اور باہر کے نئے سارے کلاسیکی اور ہلکے پھلکے سُروں کو یکجا کر سکے اور انہیں ایک شکل میں ڈھال سکے۔ اسی وجہ سے ان کے گیتوں کے دھن اور سُروں میں لوک گیتوں کا پرتو نظر آتا ہے۔

مادر وطن کی ثقافت سے گہری محبت نے ٹیگور کے گیت اپنی اپیل کی وجہ سے عالمی اور بین الاقوامی بنا دیا۔ بین الاقوامیت قومی آرٹ کے پودوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو فراموش کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس رہنما ستون کو کھو دیا جائے۔ اپنی ذاتی شخصیت کو کھو دیا جائے اور بے گھر شہری ہو جائے۔

صرف وہی قوم جس کی اپنی اعلیٰ ترقی یافتہ موسیقیانہ ثقافت ہے، دیگر لوگوں کو موسیقی کو سراہ سکتی ہے۔ ایک شخص اپنے ملک کے صحیح محب وطن ہوئے بغیر موسیقی میں یا کسی دوسری شاخ میں بین الاقوامی نہیں بن سکتا۔" (سنہ ۱۹۴۸ء میں ماسکو میں سوویت موسیقار کانفرنس میں مسٹر اے۔ ژدانوف کی تقریر سے اقتباس)

اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ٹیگور اپنے خاندان کی موسیقیانہ فضا میں مغربی موسیقی سے روشناس ہوئے اور نوجوانی میں ان کے انگلینڈ کے سفر نے ان میں مغربی موسیقی کے شوق کو جلا بخشی۔ اس وقت یورپی ثقافت کی احیاء نو اور تجدید کے لئے ایک مہم چلائی گئی تھی، یہ تو قدرتی بات تھی کہ اس کا اثر یورپی موسیقی پر بھی ہوا۔

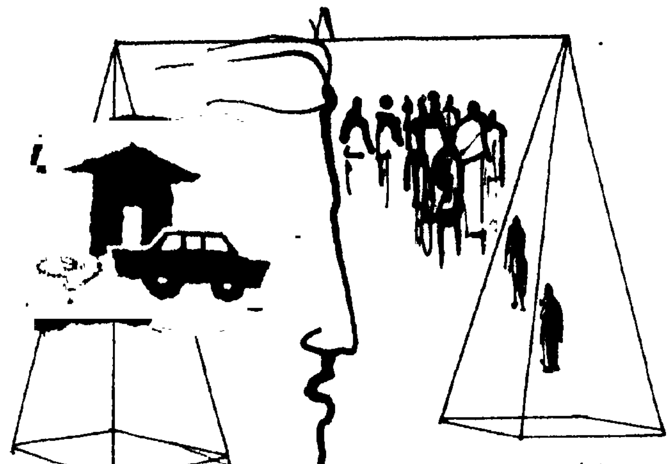
گرچہ بورژوائی آرٹ کی نوعیت کے مطابق یہ انقلابی رجحانات بعد کے دور کے معنوی اور رجعت پسند موسیقی کے درمیان غائب ہو گئے، مگر جیسا ابتدائی دور میں یہ انمول ثابت ہوئے تھے۔ روایتی طریقہ کی موسیقی سازی کی مخالفت میں یہ تحریکیں شروع کی گئی تھیں۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس تحریک کے چند سربراہ جیسے اسٹراسیس یا ڈیبوسی نے بہت حد تک مشرقی سروں پر انحصار کیا۔ مشرقی سر ٹیگور کے گیتوں میں پائے جاتے ہیں اور ہر لوک گیتوں کی ثقافت کے عین مطابق ہے۔ مثال کے طور پر میں آئرلینڈ کے گیتوں کا ذکر کر سکتا ہوں۔ اس سے قبل اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام ملکوں میں لوک گیتوں کے مقاصد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس لئے ٹیگور نے دیگر ممالک کے لوک گیتوں سے کافی فیض حاصل کیا۔ ٹیگور کے گیتوں میں مختلف سُروں کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ ٹیگور نے آسامی بن گیت باز گیت سے، میسور، پنجاب، گجرات اور دیگر علاقوں کے گیتوں کے سروں سے بنگلہ موسیقی کے خزانہ کو مالا مال کیا۔ موسیقی کی دنیا کی تاریخ میں اتنے اقسام کے اتنے سارے سروں کے یکجا ہونے کی مثال شاید ہی کہیں ملے۔

لے کی اس وسعت کے ساتھ ساتھ بحر اور اشعار سے بھی ٹیگور نے گیتوں میں روایت کے پھندوں سے خود کو آزاد کیا۔ اس لئے ہم ٹیگور کے گیتوں میں بنگلہ کلاسیکی اور لوک موسیقی راگ کی بہت ساری بحریں پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان گیتوں میں علاقائی گیتوں کے بحر اور سُر بھی ہیں۔ نیز ٹیگور نے پرانے بحروں کو از سر نو منظم کر کے نئی نئی اچھی بحریں ایجاد کیں۔ بحروں کے انتظام میں ٹیگور کی سب سے بڑی تبدیلی یہ ہے کہ ان کے گیتوں کی بحریں ایک جیسی نہیں اور اسی وجہ سے ان کی بحروں میں ایک جدت پیدا ہو گئی ہے۔

ایک گیت کیلئے بحر یا سُر زیادہ کون اہم ہے؟ اس سوال پر برسوں سے بحث ہو رہی ہے لیکن ہندستانی موسیقی کے پس منظر کلاسیکی گیتوں میں بحر کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے لیکن لوک گیتوں میں بحروں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ ٹیگور ہی ہیں جنہوں نے دونوں کے درمیان باہمی تعلقات پیدا کر دیئے۔ یہاں اسبابات کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ انہوں نے موسیقی کی بابت اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ ایک گیت وہاں مکمل ہو جاتا ہے جہاں گیت سُر سے مل جاتا ہے۔ ان کے گیتوں میں ایسے ملاپ کی جھلک نظر آتی ہے اور بحر اور سُر ایک دوسرے پر فدا ہو جاتے ہیں اسی کو موسیقی کا گلستان کہہ سکتے ہیں۔

ٹیگور کے گیتوں پر جہاں بحث و مباحثہ ہوتا ہے وہاں لامحالہ ناچ کا بھی ذکر آ جاتا ہے کیوں کہ دونوں میں ایک بنیادی رشتہ ہے۔ اینا پولودا اور اودے شنکر، جنہیں ہندستان کے کلاسیکی ناچ کی تجدید کے علمبردار کہتے ہیں، اس صدی کی پہلی چوتھی کے دور میں ناچ میں جدت پیدا کرنے کا کام شروع کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ اسی عرصہ میں بنگال میں ٹیگور اور ژاؤ نکور۔ کوچین میں ملیالی شاعر والا تھول بھی اس کوشش میں شامل ہو گئے۔ اننا اور شنکر نے بھارت ناٹیم اور کتھک، جو کلاسیکی شکل کی موسیقی ہے، کی طرف دھیان دیا اور ٹیگور اور والا تھول نے علی الترتیب لوک ناچ سے ملتا جلتا منی پوری اور کتھا کلی کی طرف ——— ٹیگور کے گیت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں رانجنی تیمن، دیو جیسندر لال، اتول پرشاد اور رندرل کی یاد آتی ہے، اسی طرح ٹیگور کی ناچ تحریک پر بحث کرتے ہوئے اننا، شنکر اور والا تھول کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔ دورِ وسطیٰ کے بعد ناچ امراء کے محلوں سے باہر نکل آیا۔ اس وقت بہت سارے قبیلے اور گروہ تھے جن میں لوک خصوصیات تو تھیں، لیکن انہوں نے کلاسیکی ناچ کے مذکورہ طور پر دھیان

باقی صفحہ نمبر ۱۵ پر



رابندرناتھ: انسان کی نجات کا متلاشی

از: چوہان

ربندراناتھ ٹیگور محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ وہ بہت ہی اچھے شاعر تھے۔ عالمی شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انکی شاعری پر انہیں نوبل پرائز بھی ملا۔ وہ بہت بڑے ادیب اور نقاد بھی تھے، فلسفی بھی تھے۔ ثقافت کا تقریباً ہر شعبہ ان کی خدمت کا مرہونِ منت ہے۔ وہ مجاہد بھی تھے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے لوگوں کی آزادی کے خواہاں اور کوشاں بھی تھے۔ اپنی زندگی کے ۶۶ برسوں تک یعنی جب وہ چودہ ۱۴ سال کے تھے اس وقت سے لیکر زندگی کے آخری لمحہ تک انسان کی آزادی اور نجات کے لئے سرگرمِ عمل رہے۔ اگر ہم ان کی زندگی کا مطالعہ کریں، ان کے خیالات پر غور کریں اور ان کی عوامی خدمات کا جائزہ لیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ انہوں نے نہ صرف ہندستان کی بلکہ ساری دنیا کی محکوم قوموں کو بیدار کیا اور ان لوگوں کے دلوں میں آزادی کی جوت جگادی۔

ٹیگور نے جہاں قدیم ہندستان کے وید سے سبق حاصل کئے، وہاں انہوں نے یورپ کے مساوات، بھائی چارگی اور آزادی کے آدرش کو اپنایا۔ ٹیگور کے نصب العین اور مطمحِ نظر میں ہمیں ان باتوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔ وشنو شاعروں کی طرح ربندرناتھ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ انسان سب پر قادر ہے، اس لئے وہ ہندستان کے نمائندہ ہونے کے ساتھ ساری دنیا میں عالمگیر اتحاد اور بھائی چارگی کے علمبردار بھی تھے۔

ٹیگور کو مذہبی ورثہ میں بہت کچھ ملا، وید، اپانیشد برہما کے تصورات، وہ جہاں ان سے فیض یاب ہوگئے وہاں الجھن میں بھی پڑ گئے۔ ان باتوں کے پیش نظر بہت سارے نقادوں نے ٹیگور کو عینیت پسند کی طرح پیش کیا۔ انہیں ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کی طرح پیش کیا جس کا مطمحِ نظر اعلیٰ ہے اور جس کے دل میں سبھوں کے لئے پیار محبت ہے۔ لیکن اگر ہم ان کی کارگزاریوں پر نظر کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ عینیت پسند سے زیادہ حقیقت پسند تھے، اور غریب اور ناداروں کے سلسلے میں ان کے جو خیالات تھے، ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔

ربندراناتھ پرانے مذہبی رسومات کے پابند نہ تھے۔ ان میں ذات پات کا بھید بھاؤ نہ تھا۔ انہوں نے ہمیشہ ناداروں اور کمزوروں پر ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ بڑے ملکوں کا چھوٹے ملکوں پر قبضہ کرنے اور انہیں محکوم بنانے پر انہوں نے احتجاج کیا۔ مظلوم اور غریب کسانوں پر زمینداروں کے ظلم، محبانِ وطن کے خلاف بدیسی حکومت کے ظلم و ستم اور سامراجیت اور فاشزم کے، جو ملکوں

کی روایتی ثقافت کو مٹا دینے کی کوششیں کر رہے تھے، شاعر کو بے قرار بنا دیا اور انہوں نے اپنی نظموں اور تحریروں میں مظلوموں کے حق میں اور ظالموں کے خلاف بار بار آواز اٹھائی۔

۱۹ویں صدی میں نشاۃ ثانیہ کے دور میں ٹیگور خاندان نے بہت گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اس خاندان کے فرزند اور ہندوستان بنگال کی نشاۃ ثانیہ کے محرک رابندرناتھ ٹیگور عالمی ادب کے پہلے سفیر بن گئے۔ انہیں محدود حب الوطنی اور قومیت اپنے دائرۂ عمل میں نہ رکھ سکیں۔ اسی لئے وہ یہ کہتے ہیں ؎

اے میرے دیش کی مٹی، تجھے میں سجدہ کرتا ہوں
تجھے عالمی ماں نے اپنے آنچل کے سائے میں رکھا ہے

اس نقطۂ نظر سے ملک اور ساری دنیا کے لئے انکی محبت عیاں ہو جاتی ہے۔ ملک کی آزادی کے لئے اپنی بے چینی اور بے کلی کو انہوں نے اپنی نظموں، گیتوں، کہانیوں، افسانوں، ناولوں اور دیگر تحریروں میں ذکر کیا اور ہمیشہ انہوں نے ملک کے عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ کبھی کبھی انہوں نے کانگریس کے منچ پر کھڑے ہو کر سیاست بھی کی لیکن کانگریسی سربراہوں کی "جی حضوری" کی پالیسی کو وہ ناپسند کرتے تھے، اس لئے وہ اس منچ سے باہر نکل آئے۔ لیکن مظلوم دیسی لوگوں کے لئے ان کے قلم نہیں رکے۔ ان کے قلم نہیں رکے ناانصافی اور ظلم کے خلاف۔

جب ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی اس وقت انگلینڈ کے ولی عہد ایڈورڈ ہفتم ہندوستان آئے۔ یہاں اس وقت کے انگریز بھگتوں نے ان کی بڑی خاطر تواضع کی لیکن اس وقت اس بچہ شاعر نے 'ہندو میلہ' میں یہ پڑھا ؎

"برٹش کی فتح کا اعلان کر کے
جو گاتے ہیں گاتے، ہم لوگ نہیں گائیں گے
ہم لوگ نہیں گائیں گے خوشی کے گیت
چند لوگ یہاں آئے ہیں، آئیے ہم سب
ایک نیا سُر شروع کریں"

اور یہ نیا سُر ہی انکی زندگی میں ایک تان بن گئی۔
اس چھوٹی سی عمر میں ہی ان کی تحریروں میں 'نیشنل فنڈ'، 'ماؤں ہال تماشہ'، 'ہندو میں قلم میں'، 'مونسٹری کی تاجپوشی کی رسموں' کی باتیں اور انکی ان تخلیقات میں ان کی ترقی کے آثار نظر آتے ہیں۔

۱۸۸۵ء میں کانگریس کے قائم ہونے کے قبل ہی سے انہوں نے اپنے مضامین اور نظموں میں برٹش نظام حکومت کے ہندوستان کی ترقی کے سلسلہ میں مایوس کن اقدامات کو اجاگر کرنا شروع کر دیا۔ برٹش حکومت کے ظلم کے خلاف احتجاج کرنے سے وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔ لارڈ کرزن کے دور میں بنگال کو تقسیم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس تقسیم کے خلاف تحریکوں میں انہوں نے جی جان سے شرکت کی۔ اس کے ساتھ ہی سیڈیشن ایکٹ، تلک چندا اور نانو بھائیوں کی گرفتاری، ہندوستان کے دفاع کے قوانین، اینی بیسنٹ کی گرفتاری، انڈمان جیل میں قیدیوں کی ہڑتال، ہجلی جیل میں قیدیوں پر ظلم، جلیان والا باغ کا حادثہ ـــــ ان سبھوں کے خلاف انہوں نے زبردست احتجاج کیا۔ جلیانوالہ باغ کے ظلم کے خلاف انہوں نے بطور احتجاج اپنے 'سر' کا خطاب واپس کر دیا۔ انکی زندگی کے آخری دور میں دوسری عالمی جنگ کے دوران برٹش پارلیامنٹ کی ممبر مس ریتھ بون نے ہندستانیوں کے خلاف جو خط لکھا تھا اس میں اس نے اس بات کی مذمت کی کہ ہندستانیوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی۔ اس پر ٹیگور نے احتجاج کیا۔ ان تمام واقعات سے ان کی حب الوطنی عیاں ہو جاتی ہے۔

رابندرناتھ کو اس بات پر یقین کامل تھا کہ جب تک کہ عوام میں بیداری نہ پیدا ہوگی اس وقت تک وطن آزاد نہ ہوگا اسی لئے انہوں نے عوام کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور انکی باطنی قوت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ ان کے دور میں زمیندار کسانوں کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ غریب کسانوں پر اس ظلم وستم کی بابت انہوں نے 'دو بیگھہ زمین' نظم لکھی۔ یہ نظم بنگلہ ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی نظم ہے۔ اسی طرح ان کے ناول 'گورا' میں بھی زمینداروں کے خلاف کسانوں کے غم و غصہ کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے اس ناول میں کسانوں کی باتیں زیادہ نہیں ہیں تاہم انہوں نے غریب کسانوں کو، خود پر اعتماد کرنے، تعلیم یافتہ بننے

اور اپنے حقوق کے سلسلے میں بیدار کرنے کی پہل کی۔ کسانوں کی تعلیم، صحت، پانی کی فراہمی، کھیتوں کے لئے آبپاشی کی سہولتیں، کھاد کی فراہمی اور دیگر متعلقہ باتوں کی اہمیت پر انہوں نے اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے اپنی زمینداری میں سب سے پہلی بار کوآپریٹیو بینک قائم کیا۔ پنچایتی وچار (عوامی عدالت) کا انتظام کیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو کاشتکاری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ بھیجا۔ یہ تمام باتیں دیہی زندگی میں بہتری لانے، کسانوں کی آزادی اور ترقی کے لئے ٹیگور کی کاوش ہائے پیہم کی عکاسی کرتی ہیں۔

رابندرا ناتھ کا یہ اعتقاد تھا کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور اتحاد کے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکتا، آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اپنی تحریروں میں انہوں نے ان باتوں کو تفصیل کے ساتھ عیاں کر دیا۔ ہندو اور مسلمان، ان دونوں فرقوں کے درمیان پیار و محبت اور اتحاد کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے "راکھی بندھن" تہوار کو رائج کیا۔ انہوں نے سماجی برائیوں اور چھوت چھات کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔ ان کی نظموں "سوچی" (تمام برائیوں سے پاک)، "براتیہ" (بے ذات)، "پراتھم پوجا" (پہلی پوجا)، ناچ۔ ناٹک "چنڈالیکا"، ناٹک "اچلا تین" (جو نہ چلے) میں ان باتوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ گورا ناول میں ہیرو گورا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ کون ہے، تب وہ مذاہب سے آزاد ہو گیا۔

آج دنیا میں محنت کشوں کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اس بات سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے لکھا تھا۔

کسان کھیتوں میں ہل چلا رہا ہے،
بنکر بیٹھے بُن رہا ہے، ماہی گیر جال پھینک رہا ہے
بہت دور تک ان کے کام کاج پھیلے ہوتے ہیں
ان پر بھروسہ کر کے چل رہا ہے سب سنسار"

ظالم و جابر اور ظلم و جبر کے شکار لوگوں کے مابین جنگ تو ہمیشہ سے ہوتی آ رہی ہے۔ انہوں نے اپنے ناٹک "مکتو دھارا" (آزاد چشمہ) "رکتو کروبی" (زیتون کا سرخ پھول) میں اس جدوجہد کی منظر کشی کی ہے۔ ان ناٹکوں میں عام لوگوں نے ظالموں کا مقابلہ کیا اور ان کے ظلم کے بندھن کو توڑ دیا۔ ایک طرف دھن والے تھے تو دوسری طرف غریب عام لوگ، جدوجہد شروع ہوئی اور عام لوگوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ان کے آخری ناٹک "روتیر روسی" (رتھ کی رسی) اور ان کی نظم "کالیر یاترا" (گزرتے وقت کا یاترا) دونوں ہی ایک جیسے ہیں اور ان میں ٹیگور نے ذات پات کی تفریق کو مٹا دینے کی کوشش کی ہے۔ نچلی ذات یعنی شودر بھی سماج اور تہذیب کی اہم رہنما طاقت ہوتے ہیں اور ٹیگور نے ان لوگوں کو سب سے اوپر بٹھایا۔

اپنی عمر کے آخری دور میں انہوں نے سوویت روس کا دورہ کیا۔ وہاں انہوں نے جو کچھ دیکھا اس سے ان کا یہ عقیدہ مستحکم ہو گیا کہ اگر عام لوگ متحد ہو جائیں تو ترقی کی راہ پر آگے بڑھ سکتے ہیں، ہر سدِ راہ کو دور کر سکتے ہیں اور امن و شانتی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے دورے کو مذہبی یاترا کہا۔

۱۹ویں صدی میں سامراجیت نے ساری دنیا میں قبضہ کر لیا تھا اور ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ پھر بیسویں صدی کے پہلے نصف میں اس نے فاشزم اور نازی ازم کو جنم دیا۔ پھر ان دونوں نے ننگی بربریت کا ناچ ناچنا شروع کر دیا۔ ایک قوم کے مقابلے میں دوسری قوم کو، ایک ملک کے مقابلے میں دوسرے ملکوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ ان کے ظلم اور جارحیت نے زمین و آسمان کو ہلا کر رکھ دیا، دنیا کے لوگوں کی خوبصورت، صحت مند اور عظیم قدروں کو تباہ کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ رابندرا ناتھ شاعر تھے، فن کار اور آرٹسٹ تھے لیکن وہ سب سے پہلے انسان تھے اور عام لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے ان واقعات نے انہیں بری طرح متاثر کیا۔ گاندھی جی کے ساتھ ساتھ اس دور کے دیگر سیاست داں جن باتوں کو سمجھ نہ پائے، انہیں رابندرا ناتھ کی اندرونی آنکھوں نے دیکھ لیا تھا۔ جب سیاست داں ملک کی آزادی کے علاوہ کچھ اور سوچ بھی نہ سکتے تھے اس وقت رابندرا ناتھ ساری دنیا کے مظلوموں کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور عام لوگوں پر ڈھائے گئے ظلم و تشدد کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ زیجرانی سے

سے کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں تک انہوں نے اپنے بہت سارے مضامین، نظموں، گیتوں، تقریروں، خطوط وغیرہ میں سامراجیت کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ جب ان کی عمر بیس سال کی تھی تو اسی وقت انگریز اور دیگر طاقتوں نے چین پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے یہاں دو دو افیونی جنگ کی مذمت کرتے ہوئے "بھارتی" اخبار میں "چین میں موت کے کاروبار" عنوان کے تحت ایک مضمون شائع کیا جس میں انہوں نے طنز کرتے ہوئے لکھا "۔ روپیہ کمانے کا یہ طریقہ ہے۔ لہٰذا کسی نہ کسی کو کاروبار کہنا چاہیے۔ اس بات سے تو شرافت کا اظہار ہوتا ہے!"

پھر "بورر جنگ" اور "بکر انقلاب" کے خلاف شاعر نے بے چین ہو کر اپنی ایک نظم میں بھگوان سے یہ پرارتھنا کی۔

"اس صدی کا سورج خون آلود دلوں میں غروب ہو گیا ہے
حسد کا تہوار منایا جا رہا ہے آج،
ہتھیاروں کی جھنکار میں موت کے سنگین بج رہے ہیں
بھیانک گیت"

پہلی عالمی جنگ کے شروع ہونے سے بہت پہلے شاعر ٹیگور نے کہا تھا "جگہ جگہ استبدادیت رونما ہو رہی ہے۔ بہت ہی جلد ساری دنیا میں رجعت پسندوں میں اس بات پر مارکاٹ شروع ہو جائے گی کہ کون کتنے ملکوں پر قابض ہوگا۔" پہلی عالمی جنگ کے شروع ہوتے ہی شاعر نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا "حال ہی میں دنیا میں کاروباریوں کا راج شروع ہوا ہے۔ اب کاروبار صرف کاروبار نہیں رہا بلکہ سامراجیت سے اس نے پیار و محبت کی اور اب اس کے ساتھ اس کی شادی ہو چکی ہے ...... اتنے وسیع پیمانے پر تسلط کبھی بھی نہ تھا۔ یورپ نے سارے ایشیا اور افریقہ کو اپنے زیر تسلط رکھا" اس جنگ کے عرصہ میں شاعر نے امریکہ اور جاپان کا دورہ کیا۔ وہاں وہ "قومیت" پر تقریر کرنے کے لئے گئے تھے۔ سو وہاں انہوں نے اپنی تقریر میں "جدید قومیت" "سامراجیت" اور "جنگ" کے خلاف تجاویز پیش کیں۔ ان کی اس تقریر سے جاپان کے لوگ خوش نہ ہوئے۔ امریکہ میں انہیں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں شاعر اٹلی گئے لیکن اس وقت اٹلی میں فاشزم کی نوعیت ان پر عیاں نہ ہوتی تھی۔ اٹلی سے روماں رولاں اور باربوسی دو عظیم افراد اور فاشزم کے شکار دیگر لوگوں سے فاشزم کی بابت بہت کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ فاشزم کو صحیح طور پر سمجھ سکے اور اس کے خلاف انہوں نے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ پیرس میں سنہ ۱۹۲۷ء میں فاشزم کے خلاف باربوسی کی سربراہی میں رائٹرس کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ باربوسی کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے رابندر ناتھ نے ہندوستان سے انہیں اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے خط بھیجا۔ اس کے چند برسوں کے بعد ہندوستان میں فاشزم اور جنگ کے خلاف لیگ کا شاخ۔ دفتر قائم ہوا اور رابندر ناتھ اس کے صدر بنے۔ اٹلی نے جب ابی سینیا پر حملہ کیا تو شاعر نے اٹلی کے جور و جبر کے خلاف "افریقہ" نظم لکھی۔ اس وقت دنیا میں تہس نہس کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ فاشزم کی طاقت نے اسپین میں لوگوں کو دبا کر رکھا تھا۔ جاپان نے چین پر حملہ کر دیا۔ ان تمام باتوں پر اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے شاعر نے کئی نظمیں لکھیں۔

"ناگن سانپ چاروں طرف زہریلی سانس پھینک رہا ہے
شانتی کی میٹھی زبان نا امید ہے، اس کا مذاق اڑایا جائے گا"

اس دوران فاشزم سارے یورپ میں پھیل چکا تھا۔ جاپان نے مشرقی ایشیا پر حملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے جنگ کے خلاف "پرانک" "شیش جیوتی" "جنم دن پر" اور اس کے علاوہ دیگر بہت ساری نظمیں لکھیں۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں جرمن کے ہٹلر کے تقریباً تمام دعووں کو تسلیم کرتے ہوئے "میونخ پیکٹ" ہوا تو شاعر کو اس یکطرفہ کارروائی سے بڑی تکلیف محسوس ہوئی۔ اپنے درد کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے چیک کے صدر کو ایک پیغام بھیجا:

"مجھے آپ لوگوں کی تکالیف اور مصائب کا اتنی شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ جیسے میں آپ ہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ آپ کے ملک میں جو کچھ ہوا وہ صرف ایک مقامی حادثہ نہیں ہے،

جس کے سلسلے میں ہم صرف اپنی ہمدردی کا ہی اظہار کر سکتے ہیں بلکہ یہ تو اس اخلاقی عذر کو اجاگر کرتا ہے کہ انسانیت اور انسان دوستی کے وہ تمام اصول، جن کے لئے مغرب کے لوگوں نے برسوں سے اپنی اپنی جان عزیز کی قربانی دی، بزدل سرپرستوں، جو اپنی جان بچانے کے لئے ہر چیز کو فروخت کرنے پر آمادہ ہیں، کے ہاتھوں میں ہے، یہ بات ہمیں حیرت میں ڈال دیتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جمہوریت پسند لوگ ہی اپنے جیسے لوگوں سے بے وفائی کرتے ہیں، اس وقت بھی جب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں!

اس کے چند دنوں کے بعد ہٹلر نے چیکوسلواکیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے ناروے، ڈنمارک، بلجیم، ہالینڈ اور فرانس پر بھی جرمنی کا قبضہ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں شاعر یوں نغمہ طراز ہیں —

"قدیم وحشی اپنے بڑے اور نوکیلے ناخن سے پرانی میراث کے ورق کو پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اس کے حروف پر کیچڑ اچھال کر انہیں بدنما کر دیتا ہے۔"

شاعر ٹیگور کی یہ دلی خواہش تھی کہ فاشزم کو شکست ہو۔ اسی لئے انہوں نے اپنے ایک خط میں لکھا: "اس جنگ میں انگلینڈ، فرانس کی فتح ہو، یہی میری دلی خواہش ہے کیوں کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں فاشزم اور نازی ازم کے کلنک کے ٹیکے کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔" شاعر نے اپنے ایک ٹیلی گرام میں امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ سے درخواست کی کہ انگلینڈ اور فرانس کا ساتھ دیں۔ شاعر جب بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے تو اس وقت فاشسٹ روس میں داخل ہو چکے تھے۔ بیماری کی حالت میں بھی وہ جنگ کی خبر سنتے۔ روس کے پیچھے ہٹ جانے کی خبر سن کر وہ بے چین ہو اٹھے، پھر روس کی کامیابی کی خبر سے وہ بہت خوش ہو گئے۔

شاعر نے بچوں کی نظموں میں فاشزم کی مخالفت کی اور اس کا مذاق اڑایا۔ انہوں نے ہٹلر اور مسولینی کی کارٹون تصویریں بھی بنائیں۔

ساری عمر مظلوم لوگوں کے پاس نڈر کھڑے رہنے کا مثال شاعر کے سوا اور کہیں نہیں ملتی۔ تاریخ میں ایسے کردار بہت ہی کم ملتے ہیں۔ اس عہد کی فرانسیسی شخصیت رومان رولاں کے ساتھ ان کا کچھ حد تک موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ ٭٭

بقیہ: گیتوں کی آفاقیت

نہیں رہا اور نہ ہی ان کے ناچ نے فنی نفاست کو اجاگر کیا۔ ایسی صورت حال کے پیش نظر مذکورہ بالا لوگوں نے ناچ کے آرٹ کو اوپر اٹھایا اور اسے عزت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

ان میں ٹیگور نے اس آرٹ کے مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی بہتری کے کام میں نمایاں حصہ لیا۔ منی پوری ناچ بذات خود لوک ناچ کی طرح ہے۔ اس ناچ میں ہاتھ پاؤں کے ہلانے سے زیادہ فنکارانہ منظاسن کا اپیل ہے۔ ٹیگور نے اس ناچ کو اور بھی عالمگیر بنا دیا۔

لیکن یہ سب باتیں کافی نہیں ہیں۔ ٹیگور نے ہندوستان کے مختلف لوک ناچوں کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنے ناچ ناٹکوں میں چار اقسام کے ناچ — منی پوری، کتھاکلی، کتھک اور بھارت ناٹیم — کی تکنیک سنتھال، راجبنشی اور گوربو ناچوں کی تکنیک کے ساتھ ملا کر پیش کیا۔ ناچ کے سلسلے میں اپنے تجربات میں انہوں نے ہنگری کے کسانوں کے ناچ، سری لنکا کے کندری ناچ، انڈونیشیا کے لوک ناچ کو بھی شامل کیا۔

ٹیگور کے گیتوں کی لے نے لوگوں کے رجحانات کے اصل دھارے کی پیروی کی۔ جیسا کہ میں اس سے قبل ذکر کر چکا ہوں، ان کے گیتوں میں انسانیت کا جذبہ کارفرما ہے کیوں کہ ان کے گیت ملک کی ثقافت کو اجاگر کرتے ہیں۔ انہوں نے ہندوستانی رزمیہ پر مبنی اپنی کئی کہانیوں میں یورپی۔ گرجا موسیقی، ہندوستانی بھجن یا ہنگری کے لوک ناچ اور آئرلینڈ کی موسیقی، ان تمام تکنیک کی آمیزش پیش کی۔ سنگیت کے اس ملاپ کی وجہ سے ان کے گیتوں میں سادگی ہے، معصومیت ہے اور نغموں کی شادمانی ہے یا ایزرا پاؤنڈ کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں "ٹیگور کے گیتوں میں مذہبی سادگی ہے"

ری برتھ آف ٹیگور



نصر غزالی

زمیں کی کوکھ سے اُگنے لگی ہیں
ان دنوں پھر
بے سحر راتیں
فضا میں ان دنوں پھر
گونجتا ہے پے بہ پے سفاک سناٹا
ہوا پھر ان دنوں ہے
سہمی سہمی سی
ہیں زہر آلود سینے پھر
دلوں میں پھر کدورت ہے
نگاہیں چاہتی ہیں آج پھر
وہ لمحۂ تاباں
کہ جب
اک شاعرِ معجز بیاں کی خوش نوائی
شہر سے تا شہر پھیلی تھی
کہ جب سورج
رابندرا ناتھ ٹھاکر بن کر
بنگالے سے ابھرا تھا
رابندرا ناتھ
جس نے زندگی کے گیت گائے تھے
رابندرا ناتھ
جس کی شاعری نے
شہرِ دل میں پھول چاہت کے کھلائے تھے
رابندرا ناتھ
رنگ و روشنی سے جو عبارت تھا
رابندرا ناتھ
جو مرہمِ زیست کی اک علامت تھا

٭٭



ٹیگور کی مختصر کہانیاں

از: دیوچندر لال ناتھ

رابندرا ناتھ ٹیگور نے بہت ساری مختصر کہانیاں لکھیں۔ لیکن ان میں زیادہ تر کہانیاں انہوں نے انیسویں صدی کی آخری دہائی اور بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے عرصہ میں لکھیں۔ اس عرصہ میں انہوں نے کسی بھی جگہ مستقل طور پر سکونت اختیار نہیں کیا۔ چند دن جوڑاسانکھو، کلکتہ میں گزارے تو کچھ دنوں تک شانتی نکیتن میں قیام کیا، لیکن زیادہ عرصہ انہوں نے دیہی بنگال میں اپنی خاندانی زمینداری کی دیکھ بھال کرنے میں گزارا۔ اس کی وجہ سے انہوں نے جتنی بھی مختصر کہانیاں لکھیں ان میں شہری اور دیہی زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ادب میں اپنے تعمیراتی تصورات کا اظہار کیا تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں مختصر کہانی لکھنے کا ایک لگن تھا۔ اور اس حقیقت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ انہوں نے ۵۷ سال (یعنی سنہ ۱۸۸۴ء سے سنہ ۱۹۴۱ء) کے عرصہ تک زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مختصر کہانیاں لکھیں۔ اس عرصہ میں انہوں نے ۱۱۸ مختصر کہانیاں لکھیں اور انہیں تین مجموعے میں یعنی "گلپوگچھو" (کہانیاں)، "شے" (وہ)، اور "گلپوسولپو" اور "تین سونگی" (کہانیاں اور تین ساتھی) شائع کیا۔ ان میں سے زیادہ کہانیاں (یعنی ۴۴ کہانیاں) انہوں نے سنہ ۱۸۹۱ء اور سنہ ۱۸۹۵ء کے دوران لکھیں۔ یہ کہانیاں ایک رسالہ "سادھنا" میں شائع ہوئیں۔ اس رسالے کے وہ خود مدیر تھے۔ جب وہ شیلائی داہ، شہزادپور اور دیہی بنگال کے دیگر علاقوں میں رہنے لگے تو وہاں سے بھی وہ اس رسالہ کی ادارت کا کام کیا کرتے۔ انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا کہ اپنی کشتی سے انہوں نے دیہی زندگی کا جو معائنہ کیا، اس سے انہیں وجدان حاصل ہوا۔ گرچہ کلکتہ کے ایک مالدار رئیس گھرانے میں وہ پیدا ہوئے اور وہیں ان کی پرورش بھی ہوئی، تاہم دیہی علاقوں کے عام لوگوں، جن سے اس عرصے میں زمینداری کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں ان کا سابقہ ہوا، کے لئے گہری ہمدردی کا جذبہ ان کے دل میں ابھر آیا۔ اپنے اس نئے تجربہ کی بابت وہ یوں رقمطراز ہیں:

"اگر میں کچھ نہ کروں، صرف چھوٹی کہانیاں لکھوں، تو مجھے خوشی حاصل ہوگی، کیوں کہ میں چند پڑھنے والوں کو تو خوش کر سکوں گا۔ اس خوشی کی اہم وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی بابت میں لکھتا ہوں وہ میرے ساتھی بن جاتے ہیں۔ بارش کے دنوں میں جب بھی میں اپنے کمرہ میں بند رہتا ہوں وہ میرے ساتھ رہتے ہیں اور دھوپ کے دنوں میں جب میں پدما کے روشن ساحل پر چہل قدمی کرتا ہوں تو وہ اسی وقت بھی میرے ساتھ ہوتے ہیں۔"

یہ حقیقت ہے کہ ان کے دل میں عام لوگوں سے ملنے جلنے کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن افسوس کہ وہ ان عام لوگوں سے آزادانہ گفتگو نہ کر پائے کیوں کہ بہت ساری نا

اور مخالف طاقتیں سدِ راہ بن گئیں۔ انہیں دور ہی سے دیہی زندگی کو دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ ٹیگور نے ایک بار یوں کہا تھا کہ انہوں نے زندگی کی لہروں پر بہتی ہوئی ایک ناؤ سے دیہی زندگی کو دیکھا۔ ایک آرٹسٹ کی ماحول سے بے تعلقی نے بلاشبہ شاعر کو دیہی زندگی کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنے کا موقع عطا کیا۔ بنگلہ ادب کے ناقد اس بات کو محسوس کر چکے کہ ٹیگور کی ادبی زندگی کے اس دور میں ان کی شاعری کو فطرت نے جلا بخشی لیکن جس محرک طاقت نے اس دور میں انہیں چھوٹی کہانیاں لکھنے پر مجبور کیا وہ تھے دیہی بنگال اور عام لوگ۔ رابندرا ناتھ نے ایک بار یہ کہا تھا کہ انہوں نے اپنے ادبی تخلیقات میں دو باتوں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہیں۔ اول یہ کہ انکی یہ خواہش تھی کہ انسانی سماج میں داخلہ لیں اور اس سماج کی خوشی و غم دونوں سے ہمکنار ہو سکیں اور دوسری بات یہ کہ وہ حسن کی ایک نا معلوم دنیا میں کھو جانا چاہتے تھے۔

عام لوگوں کے مشترک سماج میں گھل جانے کی خواہش کا اظہار ان کی مختصر کہانیوں سے ہوا ہے جنھیں انہوں نے اسی عرصہ میں لکھیں اور دوسری خواہش کہ وہ حسن کی نا معلوم دنیا میں کھو جانا چاہتے ہیں، تو اس کا اظہار انہوں نے اسی عرصہ میں اپنی بہت ساری رومانی نظموں (خاص طور پر "سونار تاری" اور "چترا" نظموں) میں کیا ہے۔

سنہ ۱۸۹۱ء کا سال شاعر ٹیگور کی زندگی میں اہم موڑ ثابت ہوا۔ اسی سال انہیں اپنے ٹیگور خاندان کی زمین داری کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اضلاع ندیا، پبنا اور راج شاہی میں (پبنا اور راج شاہی ابھی بنگلہ دیش میں واقع ہیں) انکی زمینداری وسیع علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ گرچہ وہ کلکتہ کے بہت ہی امیر خاندان کے چشم و چراغ تھے، تاہم آپ اسے اتفاق کہہ سکتے ہیں کہ وہ وسیع مضافاتی بنگال کی طرف کھنچتے چلے آئے۔ ٹیگور فطرت کے عاشق تھے۔ بنگال، اس کی لہراتی، بل کھاتی ندیاں، اس کے سبز کھیت، اس کے زمین بوس نیلے آسمان، ان تمام مناظر فطرت نے ان کے عشق کو جلا بخشی۔ ان کے ساتھ ساتھ ان دیہی علاقوں میں رہتے ہوئے انہیں دیہی بنگال کے گمنام لوگوں کو دیکھنے کا اور ان سے بات کرنے کا موقع ملا۔ فطرت سے قریبی رابطہ اور دیہی لوگوں کی زندگی کا مشاہدہ یہ دونوں باتیں انکی مختصر کہانیوں اور تخلیقی تحریک کی منبع ثابت ہوئیں۔ اس کے نتیجہ میں ہمیں ان کی مختصر کہانیوں میں فطرت اور انسان کے مرقع نظر آتے ہیں۔ ایک اور نمایاں خصوصیت جو پڑھنے والوں کی توجہ مبذول کراتی ہے یہ ہے کہ ٹیگور کے ناولوں کے تمام کیریکٹرس شہری زندگی کی اور ان کی چھوٹی کہانیاں دیہی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ رابندرا رچناولی کے ۲۰ ویں حجم میں ٹیگور یوں رقمطراز ہیں کہ ان کی مختصر کہانیوں کی اشاعت سے قبل بنگلہ ادب میں دیہی زندگی کی باقاعدہ عکاسی نہیں کی گئی۔ کہانی گو اور کہانی نویس کی دنیا میں انکی آمد سے قبل، متوسط طبقہ کے کہانی نویسوں کی کمی نہ تھی لیکن وہ سب عہد وسطیٰ کے تاریخی کردار جیسے پرتاپ سنگھ یا پرتاپ ادیتا، کو پیش کرنے میں مشغول رہے۔" رابندرا رچناولی کے اس حجم میں ٹیگور نے ان الزامات کی تردید کی جو ان پر عائد کئے گئے تھے کہ ان کی مختصر کہانیوں میں سماجی شعور اور بیداری کی کمی ہے۔ ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ "گولپو گچھو" کے کہانی گو نے پہلی بار بنگلہ ادب میں گمنام، بے نام اور کوتاہی کے شکار غریب عوام کو پیش کیا۔ یہ سب ایک رومانی رائٹر کے تصورات کی تخلیقات نہ تھے بلکہ ٹیگور کے ذاتی تجربہ کی حقیقی زندگی سے وابستہ تھے۔ ٹیگور کی تصنیف "چھینا پاترا" میں گمنام اور غریب دیہی زندگی کی جھلک ملتی ہے۔

اپنی مختصر کہانیوں میں ٹیگور نے زندگی کو مختلف زاویے سے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کہانیوں نے اپنی تازگی نہیں کھوئی۔ ان کی بہت ساری کہانیوں میں جو مناظر پیش کئے گئے اور جن کرداروں کو اجاگر کیا گیا ہے وہ سب عصری زندگی سے وابستہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے گویا جادو کی چھڑی سے ابدی مرد اور عورت کی شخصیت میں پوشیدہ سچائی کی گہرائی کو روشن اور منور کر دیا، اس میں بچے، بوڑھے

جوان جو بھی ان کی کہانیوں کو پڑھتے ہیں ذہنی طور سے ان سے کافی متاثر ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں بہت ساری باتوں کو، سماجی ناانصافی، انفرادیت کو دبا دینا، سیاسی استبداد، محبت نفرت کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی بہت سی کہانیاں فطرت کے ارد گرد رقص کرتی ہیں اور بہت سی کہانیوں میں بھوت پریت کو پیش کیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم ان کی کہانیوں میں ہر جگہ ایک مشاہدہ بین دماغ کی کارگزاری نظر آتی ہے، کہ کس طرح اس دماغ نے نمایاں طور پر تفصیل کے ساتھ انسانی غلطیوں، ناکامیوں، امیدوں، تشنہ تکمیل خواہشوں، انسانی جذبات، جو لا انتہا کی طرف لے جاتی ہے کی عکاسی کی ہے۔ ان کی تو بہت ساری کہانیاں ایسی ہیں جن میں سماجی یا انفرادی طور پر لوگوں کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے خیالی پیکر اور تصورات کی کہانیوں جیسی "کھودیتو پاشان" "تنیشہے" "مانی ہارا" "ماسٹر موشائے" "درآشا" میں انسانی جذبات کو، انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح اجاگر کیا کہ پڑھنے والے دم بخود رہ جاتے ہیں۔ "پوسٹ ماسٹر" اور "چھٹی" جیسی کہانیوں میں شہری زندگی اور قدرتی ماحول کے درمیان تضاد کو عیاں کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کہانیوں میں انسانی زندگی کو نمایاں اہمیت دی گئی ہے۔ "سُبھا" ایک گونگی لڑکی کی کہانی ہے۔ اس کہانی میں اس گونگی لڑکی کے مصائب کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لڑکی کو قدرتی ماحول سے بہت پیار تھا، لیکن شادی کے بعد اسے اس ماحول سے دور رہنا پڑا لیکن اس ماحول کو کھونے کے باوجود اسے شوہر یعنی مرد کا پیار نہ ملا، یہ کہانی نہیں ایک المیہ ہے۔ "درشٹی دان" کہانی میں ایک اندھی بیوی کی تکالیف اور دشواریوں کو اجاگر کیا گیا لیکن اتفاقی طور پر اس کہانی کا اختتام خوشی پر ہوا۔

گرچہ ٹیگور نے اپنی بہت ساری کہانیوں میں متوسط درجہ کے لوگوں کی زندگی کی امنگوں کو اجاگر کیا ہے تاہم انہوں نے سماج کے سب سے نیچے طبقہ کے غریب لوگوں کی زندگی، انکی جدوجہد، ان کے دکھ سکھ کو بھی اپنی کہانی کا موضوع بنایا ہے۔ "شوستی" اسی قسم کی ایک کہانی ہے۔

ٹیگور اپنے دور کے ترقی پذیر کہانی نویس تھے، اور یہ بات انکی "اپراچیتو" "دینا پونا" "بن رکتا" "سنسکار" جیسی کہانیوں سے عیاں ہو جاتی ہے۔ ان کہانیوں میں انہوں نے اس وقت زندگی کے سماجی برائیوں سے رونما ہونے والے المیہ کی نقاشی کی ہے۔ "اپراچیتو" کہانی کا اختتام تو ایک جذباتی اشاریہ پر ہوتا ہے لیکن یہ کہانی ایک المیہ ہے۔ کہانی کے ہیرو کا باپ بہت ہی لالچی آدمی تھا۔ اس نے دلہن کے باپ سے اتنی کثیر رقم بطور جہیز طلب کی جو اس کے بس کے باہر کی بات تھی۔ نتیجہ میں شادی کے منڈپ سے اپنے دولہا بیٹے کو اٹھا لیا — بعد میں اس کے بیٹے سے اسی لڑکی کی ملاقات ہوتی ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں بیٹا دام محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے لیکن اب لڑکی نے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور خود کو مادر وطن کی خدمت کے کاموں میں وقف کر دیا۔ "دینا پونا" کہانی میں جہیز کی لعنت کو اجاگر کیا گیا۔ اس کہانی میں اس لڑکی کی جس کا باپ حسب وعدہ جہیز کی پوری رقم ادا نہ کر سکا، بے کسی، بے بسی اور المناک موت کو بہت ہی ہمدردی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کہانی اس امیر خاندان کے خلاف جس کے یہاں اس کی لڑکی بیاہی گئی تھی طنز پر ختم ہوتی ہے۔ طنز تو بہت ہی شدید ہے لیکن کہانی بھی بہت المناک ہے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھئے۔ "بان رکتا" کہانی ایک غریب بنکر جسی کو اپنے بھائی کی شادی کے لئے جہیز کے سلسلے میں روپیہ جمع کرتے کرتے اپنی جان عزیز قربان کر دینی پڑی۔ ٹیگور کی کہانیوں میں نہ صرف جہیز جیسی سماجی برائیوں کی ہی نہیں بلکہ کثرت کے اسباب، ذات پات کی بندشوں اور چھوت چھات کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے۔ سماجی بیداری سے سرشار ٹیگور نے نام نہاد سماج کے اونچے طبقہ کے خلاف طنز و مزاح کے اظہار سے کبھی نہیں ہچکچائے۔ اور یہ بات ان کی کہانی سنسکار سے عیاں ہو جاتی ہے، جہاں

ایک اعلیٰ طبقہ کی عورت ڈومنی کو اپنے ساتھ گاڑی میں لے جانا پسند نہیں کرتی۔

ٹیگور اپنے وقت سے کچھ آگے ہی رہے جب انہوں نے چند بہترین اور ناقابل فراموش مختصر کہانیوں میں عورتوں کی انفرادیت کے علم کو بلند اور تابناک کیا۔ ان کی کہانی "استریر پوتر" (بیوی کے خطوط) اور "بوئیکل نومبور" (پہلا نمبر) کا اس سلسلہ میں خصوصاً ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اپنی کہانی "مالدار گوسٹھی" (مالدار خاندان) میں بتایا تھا جس کی شادی ایک مشترکہ خاندان میں ہوئی تھی اُسکے مصائب اور پریشانیوں کا ذکر کیا جنہیں اس نے خاموشی کے ساتھ برداشت کیا۔ اس بدنصیب لڑکی کو صرف موت ہی سے نجات ملی۔ اسی کہانی میں خاندان کی روایتی رسم و رواج نے عورت کی انفرادیت کو دبا دیا تھا۔ اسی "استریر پوتر" کہانی میں نابینی کی صورت میں ایک باغی عورت کو پیش کیا گیا۔ میرنابینی نے اپنے گھر میں ایک غریب نوجوان لڑکی کو اپنے گھر والے کے حکم کے خلاف اپنے پاس رکھا تھا۔ لیکن اس کے چچا زاد بھائیوں نے اس لڑکی کو وہاں آرام سے رہنے نہ دیا اور اسے طرح طرح کے آلام میں مبتلا رکھا اور آخر میں اس کی شادی ایک پاگل کے ساتھ کر دی۔ یہ نوجوان لڑکی آخر میں موت سے ہمکنار ہوتی ہے۔ اس لڑکی کی موت نے مرنابینی میں عورت پن کو جگا دیا۔ ٹیگور نے بہت ہی انوکھے انداز میں مرنابینی کی شخصیت کو اجاگر کیا اور قارئین اس سے بے حد متاثر ہوئے۔ یہ کہانی بھی ایک انوکھے طرز پر لکھی گئی۔ مصیبت کی ماری عورت مرنابینی نے، نہ کہ اس کے شوہر نے، خود اسے واقعات کو یوں بیان کیا۔ "بوئیکل نومبور" (پہلا نمبر) کہانی میں اسیر (؟) انیلا نے بہت دنوں کی ناخوشگوار شادی کی زندگی کے بعد اپنا گھر چھوڑ دیا۔ اس کا شوہر بہت ہی بڑا عالم و فاضل شخص تھا اور ہمیشہ کتابوں کی دنیا میں کھویا رہتا تھا۔ انیلا نے اپنے شوہر کے اس خشک رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے گھر چھوڑا تھا۔ اس کے خشک اور بے درد شوہر نے اپنی بیوی کی ضرورتوں اور خواہشوں کی طرف دھیان نہیں دیا بس وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی ایک مشین کی طرح گھر کا کام کاج سنبھالے۔ انیلا کی خوشگوار شخصیت کو اس کی ایک مداح نے رمز و کنایہ سے سیدھے سادے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ایسے طنز و مزاح کی مثال بنگلہ زبان میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اس کتاب کے لیڈرے شوہر کے ردِ عمل کو بھی کہانی کے اختتام میں نمایاں کیا گیا۔ اس بے دل شوہر نے آخر اس امر کو دریافت کیا کہ انسانی پیار اور محبت، نام نہاد ادبی ذہانت جس پر آج کے لوگ فخر کرتے ہیں اُس سے زیادہ حقیقی ہیں۔

ٹیگور کے پہلے دور کی کہانیوں میں جتنا سماجی بیداریوں کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں ان کی بعد کے دور کی کہانیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ "بسے" (وہ) اور "گرلپو سرلپو" (کہانیاں) نوجوانوں کے تجسس کی تشفی کے لئے لکھی گئی تھیں، کیوں کہ ان کہانیوں میں جو جوہر پوشیدہ ہیں، انکی شناخت کرنی ان کے بس کے باہر کی بات ہے۔ "تینا سونگی" (تین ساتھی) کی تین خوبصورت کہانیوں میں بہت ہی شاندار طریقہ سے اور ادبی جوہر سے مزین ایک کہانی گو کے جدید ذہانت اور رجحانات کی عکاسی کی گئی ہے۔ ٹیگور کی مختصر کہانیوں کی تکنیک اور ان کہانیوں میں پیش کردہ کردار کی بابت اختصار سے چند باتیں کہی جا سکتی ہیں۔

ٹیگور تعمیراتی تصورات اور انسانی ہمدردی سے مالا مال تھے۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ کے کرداروں سے اپنی مختصر کہانیوں کو مزین کیا، ان تمام کرداروں میں عورت کے کردار نے قارئین کی توجہ اپنی طرف متوجہ کی کیوں کہ ان میں ایک ماہر فن کار کی مسئلہ کی گہرائی تک جانے کی جھلک ملتی ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں عورتوں کے بہت سارے روپ میں پیش کیا، ان میں چند کا بیان خصوصی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ چندانا (سوستھی) سماج کے نچلے طبقہ سے آئی ہے۔ وہ ان پڑھ ہے، جھگڑالو ہے لیکن فراخ دل کی مالک ہے اس کے لئے سب اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اندرانی ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی لیکن وہ جذباتی تھی اور بہت ہی انوکھے طریقے سے

انتقام لیا۔ اس کی شادی ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی لیکن اس کے سسرال والوں نے اس کی غربت کا مذاق اڑایا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ یہ امیر گھرانہ شدید مالی دشواریوں میں گھر گیا۔ اس وقت اندرانی نے اس خاندان کے اثاثہ اور وقار کو بچانے کے لئے اپنے زیورات کی قربانی دی۔ آچیرا کو ایک شخص سے محبت ہے اور اسے امید ہے کہ بہت ہی جلد اس کی شادی اس کے محبوب سے ہو جائے گی۔ اس کے محبوب کو ایک بہت اہم کام انجام دینا تھا۔ لیکن جب آچیرا کو معلوم ہوا کہ اس کی محبت اس کے محبوب کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوگی، تو اس نے بلا جھجک اپنے محبوب سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ کلیانی نے اپنی شادی اور حسب معمول خاندانی زندگی کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ اس نے مادر وطن کی خدمت میں خود کو وقف کر دینے کو ترجیح دی۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں لکھی کہانیوں میں ٹیگور نے عورت کو نہ صرف معشوق، بیوی اور ماں کی صورت میں پیش کیا بلکہ انہوں نے عورت کو سیاسی کارکن کی حیثیت سے بھی پیش کیا جو اعلیٰ ذمہ دار عملی مرد کی طرح اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتی ہے۔

ٹیگور کی مختصر کہانیوں میں مردوں کو مختلف روپ میں پیش کیا گیا۔ ایک طرف تو ہم تن تنہا پوسٹ ماسٹر کو دیکھتے ہیں تو دوسری طرف ہم نند اکشور کی شکل میں ایک عملی اور دنیا کے کام کاج میں مصروف شخص کو دیکھتے ہیں۔ انہوں نے مختلف رنگوں میں امیر و غریب، آوارہ گرد اور بے حس عالم، کتابوں کا کیڑا اور صحافی، بہادر، نڈر اور بزدل کو پیش کیا۔ سماجی ڈھانچہ کا خاکہ جو ان کی کہانیوں کا پس منظر رہا، انسان کو انفرادیت کی افزائش کے ساتھ ساتھ گھٹاتا گیا۔ لیکن انسانیت اور انسانی جذبے جنہیں وقت اپنے احاطہ میں نہیں رکھ سکتا، نے ٹیگور کی کہانیوں میں مرکزی کرداروں کو لافانی بنا دیا۔ ٹیگور نے کبھی کبھی ہلکے پھلکے طور پر بھی مرد کردار کو پیش کیا۔ کبھی کبھی انہوں نے مزاح سے کام لیا، لیکن جب ضرورت ہوتی تو اس مزاح کو طنز میں تبدیل کر دیا۔ انکی کہانیوں کے ہیرو، تارا پرسنا، کیلاش چندر، مسٹر سندی اور نیند ودھ شیکھر میں طنز و مزاح کا پہلو بالکل عیاں ہے۔ جگن ناتھ کنڈو اور بیدیا ناتھ کے کیریکٹر میں سنجیدگی اور المیہ دونوں ایک دوسرے سے مل گئے۔ مسکراہٹ سے آنسوؤں میں تبدیلی ایک قدرتی بات ہے۔ ادھیاپک، ڈیشکیلو اور ٹھاکر دا کے مرکزی کردار میں نقل و سوانگ ملتا ہے۔ ٹیگور نے اپنی کہانیوں میں مرد کردار کو پیش کرتے ہوئے طریقہ کار میں جو تبدیلی لائی، اس نے ان کے حقائق کو پیش کرنے کے رویے کو جلا بخشی۔

جدید نقاد کو ٹیگور کی مختصر کہانیوں میں وقت اور واقعات کے اتحاد کی کمی نظر آسکتی ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ مختصر کہانی نویسی کی طرح ٹیگور نے ایک کردار خواہ مرد ہو یا عورت، کی اندرونی سچائی کو اجاگر کرنے کی اپنی پوری توجہ مرکوز کر دی۔ انہوں نے قارئین کو اتنی ہی باتیں بتائیں جتنی کی مختصر کہانی کی حدود میں ضروری تھا۔ ان کی مختصر کہانیوں میں یہ تو انسان ہے جو اہمیت کا حامل ہے نہ کہ کہانی کی تکنیک۔ ان باتوں کو اجاگر کرنے کے لئے انہوں نے کبھی کبھی زیادہ صفحات لئے جیسے کہانی "ستانیڑ" اور "گھورلسدا" لیکن اپنی زیادہ تر کہانیوں میں انہوں نے اس حد کو پار نہیں کیا۔ اسی وجہ سے وقت کے سلسلہ کو ٹھیک برقرار نہیں رکھا جا سکا۔ کبھی کبھی تو انہوں نے قارئین کے دل و دماغ پر اثر ڈالنے کے لئے کہانی کو متکلم میں نہ کہ غائب میں بیان کیا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رابندرا ناتھ ٹیگور کی مختصر کہانیوں کو آج بھی بنگلہ مختصر کہانیوں میں نمایاں مقام حاصل ہے ٭٭٭

بقیہ : جدید بنگلہ شاعری

اور مشکلات کو بہت ہی نمایاں طور پر اپنی نظموں میں اجاگر کیا۔ یہ ایک نیا طریقہ کار ہے اور اس طریقہ کو انہوں نے اپنی شاعری میں محسوس شکل دی۔ انہوں نے جدید بنگلہ شاعری کی روایات کو مالا مال کر دیا۔ انہوں نے بنگلہ شاعری کی ساخت اور طرز کو بدل دیا اور اسے نئے [illegible] سے سنوارا ٭٭٭



ٹیگور کے سیاسی ناول

بسواجیون مجمدار

رویندرا ناتھ نے اپنی زندگی کے لمبے عرصے میں صرف ۱۳ ناول لکھے۔ تعداد میں کم ہونے کے باوجود ان کے بہت سارے ناول ایسے ہیں جن میں برٹش بنگال کے امرا اور متوسط درجے کے روشن خیال لوگوں کے ذہنی رویے کی وسعت اور تعین کا بہت ہی خوبصورت طریقے سے اظہار کیا گیا ہے۔ ایک ناول نگار کی حیثیت سے انہوں نے اس وقت کے سماجی اور پیچ کے مسائل کو اجاگر کرنے کی کوششیں کیں۔ ان کی زندگی کے آخری نصف میں یعنی اس صدی کی پہلی چار دہائیوں میں بہت ساری سیاسی شورشوں نے بنگالی جذبات کو تلاطم میں مبتلا کر دیا تھا۔ ربندرا ناتھ اس جذباتی فضا سے خود کو آزاد نہ رکھ سکے۔ وقتاً فوقتاً ایسے جذبات انہیں ادھر ادھر بہا کر لے گئے۔ لیکن اس بات کا انہیں دردناک تجربہ ہوا ہے کہ قومی تحریک نے ملک اور عوام کے سلسلے میں عمومی رویے کی کاٹ چھانٹ کرتے ہوئے جذباتی مرقع کی فضا پیدا کر دی تھی۔

درحقیقت ربندرا ناتھ کا کوئی مخصوص سیاسی رویہ نہ تھا۔ نہ وہ کسی پارٹی کے فنکار تھے اور نہ وہ ایک سیاسی پیمبر تھے۔ ان کی دور اندیشی اور ان کا غیر طرفدارانہ استدلال بالکل واضح تھا۔ اور ان باتوں کی وجہ سے وہ ہندو قوم پرستوں کی غلط سرگرمیوں کے تباہ کن نتائج سے واقف تھے۔ ایسی تحریکوں سے لازمی طور پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی مکمل طور پر درہم برہم ہو جائے گی اور اس طرح عام لوگوں کے مصائب میں اضافہ ہو جائے گا۔ ربندرا ناتھ نے اپنے سیاسی ناولوں میں کھلم کھلا ایسی تحریک کی مخالفت کی لیکن چونکہ وہ تخلیقی فنکار تھے اس لئے انہوں نے اپنی تحریکوں میں جمالیاتی ذوق سے غفلت نہیں برتی۔

ان کا پہلا سیاسی ناول "گھورے بائیرے" (گھر اور باہر) بنگلہ ماہنامہ "سوبوز پوترو" (سبز پتا) جس کے ایڈیٹر مشہور پرامو تھو چودھری تھے، میں مئی ۱۹۱۵ء سے اپریل ۱۹۱۶ء تک سلسلہ وار شائع ہوا، اور جب یہ ناول کتاب کی شکل میں نکلا تو اس وقت ربندرا ناتھ کی عمر ۵۶ سال کی تھی اور اپنے وطن اور غیر ملکوں میں ایک سرفراز ناول نگار اور شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت پھیل چکی تھی۔ ناول "گھورے بائیرے" ہر لحاظ سے ربندرا ناتھ کی پختہ تصنیف ہے۔ انہوں نے دوسرا سیاسی ناول "چار ادھیہ" جو اتفاق سے ان کا آخری ناول ہے، پہلے ناول کے ۱۸ سال بعد لکھا، اس وقت وہ ۷۶ سال کے تھے۔

"گھورے باہیرے" اور "چار ادھیہ" کے لئے تمام مکاتب خیال کے لوگوں نے رابندرا ناتھ کی نہ صرف ان کے سیاسی نظریے کے لئے بلکہ ان ناولوں کے جبلتی ترقی پذیر رویے کے لئے بھی شدید تنقید کی۔ ایک نو آبادیاتی سماج میں رابندرا ناتھ عورتوں کی آزادی کے لئے فیاض بورژوائی طریقہ کار رائج کرنے کے خواہاں تھے۔ رابندرا ناتھ نے اس بات کو محسوس کیا کہ بنگالی ہندو سماج کے اعلیٰ اور درمیانی طبقوں میں مرد اور عورت کے درمیان کے سالک تعلقات صرف ذہنی ہیں۔ ان کا دل سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ ان تعلقات میں محبت کا فقدان ہے۔ ایک عورت شوہر کی مرضی پر خود کو سپرد کر دیتی ہے اور اسی کو محبت کا نام دیا گیا ہے۔ "گھورے باہیرے" ناول میں سیاسی اتھل پتھل اور اضطراب کو پیش کرنے کے بہانے انہوں نے مردوں کے شیخی بگھارنے والے جذبات پر چوٹ کی ہے۔ سیاسی ظلم اور عورتوں کی آزادی کا سوال اس ناول میں اس طرح ایک دوسرے سے گھل مل گیا ہے کہ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اس ناول میں کس کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس ناول کے ہیرو نکھلیش نے جاگیردارانہ ذہنیت اور وقت کے تنگ سیاسی نظریہ کا بہت ہی دور اندیشی سے مقابلہ کیا۔

رابندرا ناتھ نے اپنی زندگی میں ملک کے بہت سارے سیاسی سربراہوں کو بہت ہی قریب سے دیکھا، ان سے ملے جلے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۰۱ء میں ایک نمائندہ کی حیثیت سے قومی کانگریس کی کانفرنس میں شرکت کی۔ لیکن بہت ہی جلد وہ سب سے الگ ہو گئے کیوں کہ اس وقت ملک میں پھیلے سیاسی رجحان کو وہ قبول نہ کر سکے۔ لیکن جب سنہ ۱۹۰۵ء میں بنگال کو تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا تو وہ سبھوں کے ساتھ سیاست کے میدان میں کود پڑے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۰۷ء میں اپنے بیٹے کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ایک بنگلا انقلابی اخبار "بندے ماترم" جس کے ایڈیٹر شری اروبندو گھوش تھے، کے خریدار بن جائیں۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد انہوں نے اپنے سیاسی دوست جگدیش چندر بوس کے نام ایک خط لکھا جس میں اس اخبار کے کردار کے بابت اپنی خفگی کا اظہار کیا۔

رابندرا ناتھ نے "چار ادھیہ" کتاب کے دیباچہ میں ایک واقعہ کا ذکر کیا۔ برہما بندھاب جو کبھی شانتی نکیتن میں ان کے ساتھی تھے، تقسیم بنگال کے خلاف تحریک کے دوران بہت ہی سرگرم قوم پرست بن گئے۔ ان کا اخبار "سندھیا پتریکا" تحریکی جذبات کو فروغ دینے کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔ رابندرا ناتھ نے بیتے دنوں کا ذکر کیا کہ ایک دن برہما بندھاب جوڑاسانکو میں میرے گھر میں مجھ سے ملنے آیا۔ وہاں اس نے اپنے اخلاقی گراوٹ کے لئے ان سے معافی مانگی۔

رابندرا ناتھ کو اس بات پر یقین تھا کہ ڈینگ مارنے والے لوگوں کے نظریے اور غلط سیاسی سرگرمیاں ایک شخص کو انسانیت کے درجہ سے خارج کر دیتی ہیں۔ "گھورے باہیرے" میں ایک سیاسی سربراہ کی حیثیت سے سندیپ کا کردار "بملا" کے آجانے سے آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے سیاسی نظریہ نے اس پر جادوئی اثر کیا ہے تو اس کی حرکات بالکل بدل گئیں۔ ایک سیاسی سربراہ ایک حسینہ کے دام زلف کا شکار بن گیا۔ گرچہ آخر میں اس کے جوش و خروش اور حرص و طمع کو بالکل عیاں کر دیا گیا تاہم اس دوران بملا کی فریفتگی کو مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ رابندرا ناتھ میں یہ خوبی تھی کہ انہوں نے قومیت کے جذبات کے کھوکھلے پن کو عیاں کر دیا اور اس کے لئے انہوں نے بہت ہی اچھے دلائل پیش کئے۔ لیکن سندیپ کو سیاسی قیادت کا صحیح نمائندہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس دور کی سیاسی افراتفری کی پیداوار ہے۔ وہ محرک طاقت نہ تھا بلکہ حالات نے اسے محرک بنا دیا۔ آخر کار سیاست کی چادر سے ایک کھوکھلا آدمی باہر نکل آیا۔

"چار ادھیہ" کا سیاسی پس منظر زیادہ واضح نہیں ہے لیکن ایلا کے کردار سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایلا بہت باعزت اور خود شناس عورت ہے۔ وہ ایک اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھی اور ہر لحاظ سے آزاد تھی۔ ایسی عورت کا بملا کے دور میں ہونا تعجب کی بات ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی کی "عدم تعاون تحریک" کی ناکامی کے بعد بنگال میں انتشار پسند دہشت گردوں کی سرگرمیاں تیز

(باقی صفحہ ۱۳۹ پر)



پر جھاڑتا ہے اب بھی

تخلیق : موکلیش بسواس ـــــــ ترجمہ : مصطفٰے اکبر

ٹیگور !
تمہارے "سونار دیش" میں
سویرے کا سورج ہنستا نہیں ہے بہت دن سے
آتی نہیں ہیں بہاریں ـــــــ بسنتی ہوا میں
نہیں جاگتی ہے ترنگ، گل و سبزہ کی
نوخیز پودے، رقص کرتے نہیں ہیں
نہیں گنگناتی ہیں، بہتی ہوئی ندیاں

ابھی آسماں میں پھیلی ہوئی ہے بارود کی بو
بہت تیز و فشاں آور
پاؤں کے نیچے جواں حوصلہ ساتھیوں کی سمادھی
بہت غم ہیں ـــــ پھر بھی،
تمہاری حیات آفریں نظموں کی مئے کا ہوں پیاسا اب بھی
تمہارے گیتوں کے سُروں سے، مری زندگی کو عطا حوصلہ ہے
تمہاری محبت کے غم میں، میں سینے کے اندر
ہموار کرتا ہوں خورشید کی رہ ـــــ تمہارے اصولِ حیات

اگرچہ باوجود یہ
مجھ سے بلند پایہ نظموں کی تخلیق ہوتی نہیں ہے
پُر کیف نغموں سے محروم اپنی سماعت
محبت کے خوابوں کے جرم میں
حقائق کی سولی پہ چڑھتا ہوں اب بھی
اُدھر ـــــــ
خواب، بیداری کے جسم کو توڑ کر
ابھر آئی ہے اک نئی 'یکھا پوری'
جس کے بدن سے چھین لی گئی ہے
قوتِ احساس، بصیرت کی توفیق، صداہائے احتجاج
اک بار جیسے صداہائے بیداری ـــــ نغمے تمہارے
چھین لئے گئے تھے
اسی لئے شاید
کھلے بَن کا پنچھی، لوہے کے پنجرے میں
پَر جھاڑتا ہے اب بھی

★★★



رابندرا ناتھ کے گیتوں میں راگوں کی آمیزش

از: سرین مکھوپادھیا

رابندرا ناتھ ٹیگور نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اپنے گیتوں کے لئے راگ راگنی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن زندگی کے اوائلی دور میں جب وہ گیت و سنگیت کی دنیا میں داخل ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کلاسیکی موسیقی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور دانستہ طور پر انہوں نے کلاسیکی موسیقی کو توڑ مروڑ کر اپنے گیتوں کو سنوارا۔ لیکن وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ ان کے سنگیت میں بھی نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ انہوں نے کلاسیکی موسیقی کا سہارا لے کر اپنے گیتوں کو اپنے سُروں سے مزین کر ناشروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ہمیں اس شاعر اعظم کی دو باتوں کو ذہن نشین رکھنا چاہئے۔ پہلی بات تو یہ کہ گیتوں کی کتاب میں کسی بھی راگ کے سلسلہ میں ہدایت کا نہ ہونا ہی بہتر ہے اور دوسری بات یہ جو انہوں نے خود بتائی کہ جیسے جیسے وہ راگ راگنی کو بھولتے گئے ویسے ویسے وہ نئے نئے گیت تخلیق کرتے گئے۔

ٹیگور نے راگوں کی آمیزش کیسے کی، اس بات کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ان کے گیتوں میں راگ راگنی کیسے داخل ہوئی ہے اور کس طرح راگ راگنی سے الگ ہٹ کر رابندرا ناتھ نے اپنے سنگیت کو کس جا لا کھڑا کیا ہے۔ رابندرا ناتھ کے گیتوں میں، ان کے گیتوں کے پہلے اور دوسرے دور میں راگوں کی آمیزش ہمیں متحیر کر دیتی ہے، اور اس آمیزش پر غور کرنے سے ہمیں بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہوں گی جو اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

(۱) رابندرا ناتھ نے راگ کے سلسلے میں بہت ہی غور و فکر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے راگ کو ایک ایسی قوت قرار دیا جو دلوں کو خوش کر سکتی ہے، پھر انہوں نے اہم اہم خیالات کو اہم اہم راگوں کے ذریعہ اجاگر کرنے کی کوششیں کیں۔

(۲) رابندرا ناتھ نے جب اپنے گیتوں کو ایک سے زیادہ راگوں سے سنوارا، تو انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ دونوں راگوں کی الگ الگ شناخت نہ کی جائے بلکہ ان دونوں کی آمیزش سے جو نیا راگ نمودار ہو، اسے اجاگر کیا جائے۔

(۳) کلاسیکی سنگیت کے قواعد میں راگوں کی آمیزش کی جو باتیں درج ہیں رابندرا ناتھ انہیں تسلیم نہیں کرتے، بھیروی اور ٹوڑی دونوں صبح کے گیتوں کے راگ ہیں، لیکن ان دونوں کی آمیزش سے جو نیا راگ تیار کیا گیا، رابندرا ناتھ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے مختلف راگوں کی آمیزش سے نئے نئے راگ تیار کئے۔ دراصل انہوں نے اپنے گیتوں کو مکمل بنانے کے لئے راگوں کی طرف اور زیادہ دھیان دیا۔

(۴) اگر ان کی زندگی کے مختلف ادوار کے لحاظ سے

راگوں کی اسی آمیزش کو مرتب کیا جائے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ انہوں نے اپنے بچپن میں ایک طالب علم کی طرح تمام راگ راگنی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے گیتوں کو سنوارا۔ اس کے بعد وہ مختلف راگوں کو ایک دوسرے میں ضم کر کے گیت سننے کی کوشش کرتے اور اسی سنگیت کے لہر اور بحر پر گیت لکھا کرتے۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ تمام تجربات انہوں نے جان بوجھ کر کئے۔ اس کے بعد ان کی زندگی کے درمیانی اور آخری دور میں انکے گیتوں کے راگ آمیزش سے بھرپور تھے۔ کبھی کبھی تو اسی آمیزش کو رابندرا ناتھ خود ہی سمجھ نہ پاتے۔ دراصل اس دور میں رابندرا ناتھ کے سُر، لہر، بحر سب ان کے گیتوں کے جزو لاینفک بن گئے تھے۔

(۵) آخری دور میں رابندرا ناتھ کے گیتوں میں خوش آہنگ اور مدھر نغمگی چھا گئی' جسے راگ میں باندھا نہیں جا سکا' گویا سُر گیت ہو گئے۔ اسی لئے رابندرا ناتھ نے گیتوں کے سلسلہ میں ہمیں مذکورہ دو باتیں بتائیں۔ انہوں نے صرف اس بات ہی کی کوشش نہیں کی کہ ان کے گیتوں میں تال کے لحاظ سے سروں کی روانی کے ساتھ ترتیب دی جائے بلکہ گیتوں میں مدھر نغمگی پیدا ہو جائے۔ بہت سارے موسیقار ایک ہی راگ کو الاپتے اور پھر اس راگ کو نمایاں کرنے کے لئے انہیں کئی یک "بندھنوں" سے گزرنا پڑتا۔ لیکن ٹیگور اس بات میں ان لوگوں کے ہم خیال نہ تھے۔ خالص راگ کے گیتوں میں یہ باتیں دیکھی گئیں کہ اس راگ پر مبنی بھگتی گیت بہت ہی سیدھے سادے طریقے سے گائے جاتے ہیں۔ "ایمون" راگ پر بندھا ان کے گیت "ہے مور دیوتا" (اے میرے دیوتا) یا بے باگ راگ پر بندھے گیت "تو مار وا دو شیے پرانو منو لئے" (تمہارے قدموں پر نثار) میں کوئی نئے سروں کی آمیزش نہیں ہے۔ پھر ایسی بھی بات دیکھی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے گیتوں میں راگ کے سُر کو اپنا لیا اور باقی چیزوں کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح جو سُر راگ سا نگتا ہے، اس سُر کو بھی انہوں نے اپنے گیتوں میں استعمال کیا۔ اسی طرح کے ایک گیت "کوتا جے اور دھا تو ہرے امار مون پُرا" (میرا دل کہاں کھو گیا) "میاں کی ملّا" راگ میں ہے۔ میاں کی ملّا راگ میں "نکھل دھا" (یعنی سا، رے، گا، ما وغیرہ) کی ضرورت نہیں ہوتی ہے لیکن رابندرا ناتھ نے اس راگ میں جان بوجھ کر "نکھل دھا" استعمال کئے۔ ان کے اس راگ میں گائے ہوئے گیت بہت ہی کامیاب ثابت ہوئے کیوں کہ ان کے اس راگ میں گائے گیتوں میں گیتوں کی باتیں بہت زیادہ عیاں ہو جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے رابندرا کے گیتوں کے سنگیت میں بھی کچھ کمی بیشی ہو، لیکن گیتوں کی خوبصورتی میں کمی نہیں ہوتی۔ راگوں کے ملاپ کے سلسلے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جن راگوں کو ملایا نہیں جا سکتا' ان راگوں کو بھی رابندرا ناتھ نے ایک دوسرے میں ضم کر دیا ہے۔ اسی طرح کے ایک گیت "ادسرو بھار بیدونا" (آنکھوں کے آنسو) کھمبیج اور ٹوڑی' دونوں سروں پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں سُر ایک دوسرے سے نہیں ملتے لیکن ٹیگور نے انہیں ملا دیا اور ان کی آمیزش سے ایک نیا حسین سُر نمودار ہوا۔ دو راگوں کے ملاپ سے انہوں نے بہت سارے گیت لکھے۔ یہاں تک کہ تین راگوں کے ملاپ سے بھی انہوں نے گیت لکھے۔ اس طرح کا ایک گیت ہے ـــــ

جے راتے مور دوار گول بھانگ لو جھوڑ ے

(جس رات کو طوفان نے میرے گھر کا دروازہ توڑ دیا)

بہار، شاہانہ اور باگیسری، ان تینوں راگوں کے ملاپ سے یہ گیت تیار ہوا ہے۔

رابندرا ناتھ نے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے گیتوں میں پھر تبدیلی کی۔ اس دور کے گیتوں میں' راگوں میں اتنی ٹوٹ پھوٹ ہو گئی کہ علیحدہ کر کے کسی ایک راگ کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ انہیں صرف رابندرا ناتھ کے گیت کہتے ہیں اور جن کا صرف ایک ہی نام ہے "رابندرا سنگیت" جہاں گیتوں کے شاعر کا دل بھی ایک ہو کر رہ گیا ہے ++

ٹیگور اور شری نکیتن

از: پی۔ آر۔ چودھری



رابندر ناتھ ٹیگور عام طور سے ایک شاعر کی حیثیت سے مقبول ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ ان کی شاعری بہت عمدہ ہے لیکن انہوں نے اپنی پوری زندگی کے دوران اس بات کو ثابت کیا کہ اس دنیا کے متعلق سنجیدہ خلوص کے ساتھ کام کرنا بہت ضروری ہے۔

جب ملک آزادی کی جد و جہد کے لئے مصروف تھا کہ شاعر نے خاکسارانہ طریقے سے آزادی اور حریت کی اسپرٹ کو بڑھانے کی کوشش کی تاکہ لاکھوں عوام کے ذہنوں میں وہ باتیں آجائیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے سلائی داہ میں دیہی اصلاح کا کام شروع کیا اور اس کے بعد سری نکیتن کی طرف توجہ دی۔ اس وقت انہوں نے محسوس کیا کہ گاؤں کے لوگوں پر ظلم و ستم ڈھایا جاتا ہے اور ہر وقت وہ لوگ خوفزدہ رہتے ہیں۔ انہوں نے یہی اندازہ لگایا کہ ناخواندگی کی وجہ سے ہی دیہاتیوں کی ایسی حالت ہے۔ اس وقت ٹیگور نے سوچا کہ گاؤں کے لئے دو طرفہ کام کرنے ہوں گے۔ انہوں نے خود ہی ایک جگہ لکھا ہے "اگر ہمیں کچھ کرنا ہے تو تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہمیں سخت ترین جد و جہد کرنی پڑے گی تاکہ دیہاتیوں کے ذہنوں میں یہ بات گھر کر جائے کہ ہمارے ساتھ قدم ملا کر انہیں بھی کام کرنا ہے۔۔۔ ہم کو ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانی ہوگی کہ بغیر ان کے اشتراک کے کام مکمل نہیں ہو سکیں گے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں بلکہ سخت مشکل کام ہے کیوں کہ اس کے لئے سادگی پسند منشا اور ڈسپلن کو برقرار رکھنا ضروری تھا۔ اگر کمزوریوں اور خرابیوں سے معصوم دیہاتیوں کو صرف ایک یا دو گاؤں سے چھٹکارہ دلانے میں کامیابی حاصل ہو گئی تو مستقبل میں زیادہ پریشانیوں کا احتمال نہیں رہے گا اور اسی طرح آہستہ آہستہ چھوٹے پیمانے پر شروع ہونے والا کام پورے ملک کے کونے کونے میں ہونے لگے گا۔ ہمارا مقصد یہی ہونا چاہئے کہ چند دیہاتوں کو مکمل طور سے آزادی حاصل ہو جائے۔ تعلیم سے دیہات کے عوام بہرہ ور ہو جائیں تو خوشبوؤں کی ہوائیں چلنے لگیں گی۔ موسیقی فضائیں گونجنے لگے گی بالکل اسی طرح جس طرح قدیم زمانے میں لوگ خوش و خرم رہتے تھے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہندستان حقیقی معنوں میں بیدار ہوگا"

ٹیگور نے ۱۹۲۲ء میں شری نکیتن میں پلی سنگھٹن ودیاگ شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ "شری نکیتن" کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ خود انحصار ہو جائے۔ ثقافتی روایات قائم رہیں۔ ایسا دیہات ہو جائے جو دوسرے دیہاتوں کو بتا سکے کہ اس کی روایات کیا رہی ہیں۔ جسمانی، تعلیمی اور اقتصادی و معاشی صورتحال بہتر ہو سکے اور جدید ذرائع کا قدرتی طور پر استعمال کیا جانے لگے۔" "وشوا بھارتی بلیٹن نمبر ۶، جو جون ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا تھا" کا مطالعہ کرنے کے بعد سری نکیتن کے بارے میں معلوم ہوا جو اس طرح ہے: (۱) دیہاتیوں اور کاشتکاروں کی دوستی اگر حاصل کرنی ہے تو ان کی زندگی، ان کے طور طریقے کو بہتر بنانے کے لئے ان لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان

لوگوں کے مسائل حل ہو سکیں اور ان لوگوں کی زندگیاں بہتر ہو جائیں۔ (۲) دیہات کے مسائل حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان مسائل کا مطالعہ کیا جائے، اس پر بحث کی جائے اور تجربہ کرنے کے بعد مسائل کا حل نکالا جائے (۳) کلاس روم میں بیٹھ کر تجربہ اور معلومات حاصل کی جائیں اور دیہاتیوں کے لئے فارم تجربہ کے لئے تیار رکھے جائیں تا کہ وہ جدوجہد کر سکیں۔ اپنی صحت اور اصول حفظانِ صحت کی طرف توجہ دے سکیں، اپنے ذرائع کو ترقی دے سکیں، اپنے آپ پر بھروسہ کر سکیں تا کہ ضروریات کی چیزوں کو وہ فروخت کر سکیں اور خرید سکیں۔ ان لوگوں کو سکھایا جائے کہ کس طرح فصل عمدہ ہوتی ہے، ترکاریاں کیسے زیادہ ہو سکتی ہیں، مویشیوں کو کیسے زیادہ رکھا جا سکتا ہے، آرٹس اور کرافٹ کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جائے، تا کہ وہ عام جدوجہد، باہمی اشتراک اور تعاون سے اپنی زندگی زیادہ بہتر طور سے گزار سکیں (۴) ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے دیہاتیوں کی ابتدائی تعلیم بہتر طور پر ہو سکے۔ بوائے اسکاؤٹ کی بنیاد پر ٹریننگ دی جا سکے، انہیں شہریت کے حقوق اور قاعدے بتائے جائیں، عوام کے فرائض سمجھائے جائیں تا کہ وہ حتی الامکان کوشش کر سکیں کہ ان پر عمل درآمد کریں (۵) اسکولوں میں ایسی فضا قائم کی جائے جس سے طلباء اور اساتذہ کے اندر قربانی کا جذبہ بیدار ہو سکے۔ ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک و تعاون کر سکیں۔ غریب ساتھیوں کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکے تا کہ پڑوسی دیہاتوں کے لوگوں کو بھی فیض پہونچ سکے (۶) طلباء کو اس طرح ٹریننگ دی جائے جس سے ان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو سکے کہ اصلی بنیادی، جسمانی بہتری کے خیالات دوسروں تک پہونچا سکیں۔ خصوصاً لوگوں کو بتائیں کہ وہ اپنا طرزِ رہائش کس طرح اختیار کریں، بہتر زندگی کس طرح گزاریں، کس طریقہ کاشتکاری کریں (۷) طلباء کو ایسی راہ دکھانی چاہئے جس سے وہ کاشتکاری، مویشی پالنے، نرسری، پولٹری، بڑھئی کا کام، لوہاری، بنکری، چمڑا سازی وغیرہ کے کام کی جانکاری حاصل کر سکیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کر سکیں (۸) طلباء ابتدائی طور پر سائنس کے بارے میں سمجھایا جائے تا کہ وہ عملی کام کر سکیں۔ انہیں ایسی ٹریننگ دینا ہے کہ وہ صحیح طور اور ڈھنگ سے سمجھ سکیں تا کہ وہ نہ صرف اپنا فائدہ اٹھا سکیں بلکہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی فائدہ پہونچا سکیں۔

ٹیگور نے [illegible] طرح پروگرام بنایا کہ ان پر عمل کیا جا سکے اور اس سلسلے میں ان کے برطانوی دوست ایلم ہرسٹ نے بھی ان کے ساتھ تعاون کیا۔ اس طرح ہم آسانی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مستقبل کی نشاندہی کرنے والے ٹیگور ہی پہلے شخص تھے۔ ٹیگور نے جس بنیاد کا شروعات کی تھی بعد میں مہاتما گاندھی نے بھی اس کو اپنایا اور ڈاکٹر کو ٹھاری کی قیادت میں تعلیمی کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ شاید یہ بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں ٹیگور ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ملیریا وغیرہ پر قابو پانے کے لئے غریب دیہاتیوں کی مدد کی خاطر ہیلتھ کو آپریٹیو سوسائٹیوں کی شروعات کی۔ اس وقت بھی سورول، بھادر پور اور بادہ گورائیں دو تین سوسائٹیاں موجود ہیں۔ دیہی ترقی کے لئے یہ ٹیگور ہی کے خیالات تھے جن پر ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے عمل کیا۔ ملک کے اندر ۱۹۵۲ء میں ترقیاتی پروجیکٹوں کی شروعات ہوئی۔

سری نکیتن پلی سنگٹھن وبھاگ اس وقت بھی متعدد پروگراموں پر عمل درآمد کر رہا ہے جن میں تعلیم بالغان، ادبی مرکز، دیہی لائبریری، سروس، آڈیو ویزل کا انعقاد، تفریحی پروگرام، دیہی یوتھ کلب، برتی بالک ٹولیس، دیہی خواتین کرافٹ کی ٹریننگ، زرعی کالج، سوشیل سروس کے کالج، دیہی صنعت ٹریننگ پروگرام، دستکاری، شلپ، بنکر، لکڑی کے کام، مٹی کے کام، ادب، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، پولیٹیکل سائنس وغیرہ شامل ہیں۔ ٭٭٭

ترسیلِ زر کا پتہ:

بزنس منیجر،

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

ٹیگور

ہفت قلزم تیرے سینے کے ہیں اندر موجزن
اور تلاطم خیز جس کی موج ہے ساحل شکن
فکر تیرا ثاقب آسا اور زباں ہے شعلہ زن
شاعری کا تاجور ٹیگور ادب کا پیلتن
کون سا مضموں قلم سے تیرے نہ سرزد ہوا
کھل گیا زورِ بیاں سے تیرے ہر باب سخن
تو نے تہذیب بنگالہ کو جگ من میں دیا
اس کی مٹی کو دی عظمت اور چلن کو بانکپن
کر دیا ارض سخن کو تو نے ہی باغ و بہار
کی عطا گیت انجلی جس سے بڑھا اسکا پھبن
تیرے احسانات سے اس قوم کا سر ہے نگوں
ہم فدا کرتے رہیں تجھ پر سدا یہ جان و تن
کہتا ہے تیرا جنم دن کر قبول اپنا سلام
اے کہ تو جانِ ادب و لے کہ رمزِ علم و فن

——— غلام معین الدین بسمل ملکوتی

ٹیگور کے اقوال زریں

★ جو اپنے لوگوں کو الگ کر دیتا ہے وہ غیروں کو اپنا نہیں سکتا اور جو اپنے گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتا وہ دنیا کے لوگوں کی کیا میزبانی کر سکتا ہے!

◆ ◆ ◆ ◆

★ ہمیں گاؤں گاؤں میں تندرستی واپس لانی ہوگی اور اس کیلئے ریاضت کی ضرورت ہے۔ بیمار جسم اپنا فرض انجام نہیں دے سکتا جسطرح مرض غربت لاتا ہے اسی طرح غربت مرض کی پرورش کرتی ہے!

◆ ◆ ◆ ◆

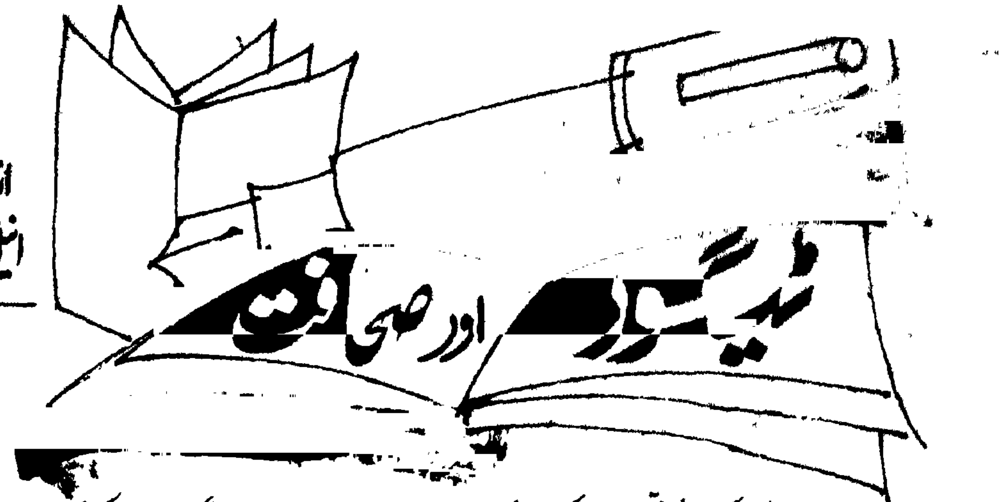
★ ہم اپنے گاؤں اور دیہاتوں میں تعلیم، صحت اور سڑک کی بہتری کے کام خود انجام دے سکتے ہیں، اگر ہماری یہ خواہش ہو، اگر ہم سب ایک ہوں۔

◆ ◆ ◆ ◆

★ ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ کاشت کاروں کے پاس فاضل بچت ہو یہ کام ادنی نہیں بلکہ بہت ہی عظیم ہے۔ فاضل بچت سے انکی صحت، انکی تعلیم ان کے رسومات اور تہواروں کے اخراجات پورے ہوں گے ◆◆

گیت : میں بچپن میں اپنے احساسات کو گیتوں کے ذریعہ ظاہر کرتا۔ بعد میں میں نے اس طریقہ کو بدل دیا۔ اب میرے گیت نہ صرف میرے جذبات کے ترجمان ہیں بلکہ یہ تصاویر بھی ہوتے ہیں، میرے گیت تصاویر ہیں ——— ٹیگور

ٹیگور اور صحافت



از:
انیل کمار رائے چودھری

یہ بنگال کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے چند اعلیٰ ظرف فرزندان نے اپنی زندگی کے ایک نہ ایک دور میں صحافت کو اپنایا۔ راجہ رام موہن رائے سے رامانند چیٹرجی تک یہی کہانی ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے صرف اپنے مقصد کے لئے صحافت کو نہیں اپنایا۔ بہت سارے افراد نے بنگلہ زبان اور ادب کے کاز کو آگے بڑھانے کے لئے صحافت کا سہارا لیا۔ بہت سارے لوگوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف صحافت کو ایک طاقتور ہتھیار کی طرح استعمال کیا اور بہت سارے لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی سماجی برائیوں کو دور کرنے کے لئے صحافت کا سہارا لیا۔ بنگلہ ادب، ساتھ ہی بنگالی سماج بہت حد تک بنگلہ صحافت کے مرہونِ منت ہیں۔ ہمارے چند عظیم رہنماؤں کو جنہوں نے صحافت کے میدان میں کافی شہرت حاصل کی اپنے رہن سہن کے ذرائع کے لئے صحافت پر انحصار کرنا پڑا۔ اگلے دور کے صحافیوں میں شاعر ایشور چند رگپتا کو جو "سمبوار پرابھاکر" کے ایڈیٹر تھے، مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہے جنہوں نے محبت سے اور خدمتِ خلق کے لئے صحافت کو اپنایا۔

جہاں تک رسالوں کی ادارت اور ان کی اشاعت کی دیکھ بھال کا سوال ہے، اگرچہ ربندر ناتھ ٹیگور آخر الذکر طبقے سے تعلق رکھتے تھے، مختلف رسالوں میں انکی نظموں اور ان کے مضامین کی اشاعت سے انہیں کیا ملا، یہ ایک الگ [illegible]۔

بنگلہ صحافت کی ترقی میں ربندر ناتھ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان کے زمانہ کے رسالہ "پرابھاشی"، "وچترا" میں ان کے مضامین، نظمیں اور مقالے شائع ہوتے رہتے۔ صحافت سے ربندر ناتھ کی وابستگی اس وقت سے شروع ہوئی جب وہ دس بارہ سال کے تھے۔ اگر صحافت کے مفہوم میں وسعت پیدا کریں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ربندر ناتھ اپنی زندگی کے آخری دور تک صحافت کے ساتھ رہے۔ ان کے بچپن کی نظمیں "تتوا بودھنی"، "بھارتی" اور "امرت بازار پتریکا" کے بنگلہ ایڈیشن میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ یہ ۱۹ویں صدی کے دوسرے نصف کے درمیانی عرصہ کے بڑے مشہور اخبارات اور رسالے تھے۔ شاعر ان میں سے چند رسالوں جیسے "بالک"، "سادھنا"، "بنگو درشن (نیا سلسلہ)" اور "بھنڈار" سے براہِ راست وابستہ تھے۔

ربندر ناتھ ایک ماہنامہ "بالک" کے منیجر تھے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۲۹۲ بنگلہ سال سے جاری ہوا۔ ربندر ناتھ کے بھائی ستیندر ناتھ ٹیگور کی بیوی شریمتی گنا دانندنی دیوی اسکی ایڈیٹر تھیں۔ ایک سال کے بعد اس رسالہ کی اشاعت بند کر دی گئی اور اسے بھارتی کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس وقت شاعر کی بہن سورنا کماری دیوی بھارتی کی مدیر تھیں۔ "بالک" رسالہ کے منیجر کے عہدہ سے جب شاعر نے استعفیٰ دیا تو انہوں نے اس سلسلے میں یوں لکھا۔ "منیجر کی نااہلیت کی وجہ سے کچھ عرصہ

سے "بالک" کی اشاعت اور تقسیم کے کام میں بے ضابطگی ہو رہی ہے۔ اسی لئے منیجر قارئین کو معذرت پیش کرتے ہوئے استعفیٰ دے رہا ہے۔ "بالک" کا منیجر پیشہ کے لحاظ سے ایک ادیب ہے اس لئے اسے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مزید برآں وہ انتظامی ہنر اور لیاقت کے لئے بھی مشہور نہیں ہے۔ اس کی اور بھی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں۔ اس لئے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ "بالک" کے قارئین اسے ریٹائر ہونے کی خوشی خوشی اجازت دیں گے۔ بہرحال انتظامیہ کے کام کاج کے ساتھ ساتھ ربندر ناتھ کو بالک کے برابر اپنے مضامین دینے پڑتے۔ دوسری جگہ اس رسالہ کی بابت وہ یوں رقمطراز ہیں: "منجھلی بھورانی کی یہ شدید خواہش تھی کہ بچوں کے لئے ایک باتصویر رسالہ شائع کیا جائے۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ ہمارے خاندان سدھیندرا، بلیندرا اور دیگر لڑکے اس رسالہ کے لئے مضامین لکھے۔ لیکن وہ خود ایڈیٹر بن گئی تو اسے یہ احساس ہوا کہ صرف ان بچوں کے مضامین سے اس رسالہ کو جاری رکھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس رسالہ کیلئے مضامین کی ذمہ داری میں سنبھالوں۔"

"بھارتی" ایک اور مشہور رسالہ تھا جس کے ساتھ شاعر وابستہ تھے۔ اس کی اشاعت سنہ ۱۲۸۴ بنگلہ سال سے شروع ہوئی۔ مختلف اوقات میں اس رسالہ کے ایڈیٹروں میں دوئی جیندرا ناتھ ٹیگور، سورنا کماری دیوی، ربندرا ناتھ ٹیگور اور دیگر افراد شامل تھے۔ اس رسالہ نے ادبی میدان میں کافی ترقی کی، کیوں کہ اس کے ارباب حل و عقد صرف صحافی ہی نہ تھے، بلکہ تخلیق کرنے والے ادبی آرٹسٹ بھی تھے اور بنگلہ ادب کی تاریخ میں انہیں اہم مقام حاصل ہے۔ ربندرا ناتھ نے اس سلسلہ میں کچھ لکھا تھا۔ ان کے مضمون کا ایک جزو یہاں درج کیا جا رہا ہے، جس سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ شاعر کے مقاصد کتنے نیک تھے اور انہوں نے ہمارے ملک میں صحافیوں کی کتنے بہتر طور پر رہنمائی کی۔ شاعر نے لکھا: "ایک رسالہ کا اچھی طرح انتظام کیا جا سکتا ہے اگر اس کا ایڈیٹر ہر کام کو چھوڑ کر اس رسالہ کی دیکھ بھال کے کام میں خود کو محو کر لے جس طرح سے ایک جوکنا ملاح ناؤ چلاتے وقت چوکنا رہتا ہے۔ اسی طرح ایڈیٹر کو بھی رسالہ کی بابت تمام باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں ایک صحافی کا کام ایک گائے کے کام کی مانند ہے۔ گائے کھیت جوتتی اور دودھ بھی دیتی ہے۔ دن کو کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے اور شام کو دودھ دینا پڑتا ہے اور اس دودھ میں کچھ پانی ملا کر فروخت کر دیا جاتا ہے۔ پھر بہت سارے صابر جانور بھی تھک جاتے ہیں اور زور زور سے سانس لیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی دودھ خریدنے والے بھی غیر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ صرف وہی شخص، اپنی صحافت کو اپنی زندگی کا اہم مقصد بنا سکتا ہے، جو ان تمام دشواریوں کا مقابلہ کر سکتا ہے، لیکن ایک شخص جس کے پاس اپنی تحریروں سے رسالہ کے کالموں کو بھرنے کے لئے وقت نہیں ہے یا جس میں ایسی صلاحیت نہیں ہے، یا جس میں بے انتہا صبر کا مادہ نہیں ہے، یا جو دوسروں سے مضامین حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا یا جو یہ نہیں جانتا کہ پریس کے نقاد کے نشانوں سے کس طرح بچایا جائے رسالہ یا اخبار کے ایڈیٹر کے لئے اسے دوڑ دھوپ نہیں کرنی چاہیئے۔" جن لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ صحافت کا پیشہ اختیار کریں گے انہیں صحافی ٹیگور کے مذکورہ بالا باتوں سے کافی فائدہ پہونچے گا۔

"سادھنا" کے چوتھے سال میں ربندرا ناتھ ٹیگور اس رسالہ کے ایڈیٹر بنے۔ یہ ایک ماہواری رسالہ تھا اور اس کی اشاعت سنہ ۱۲۹۹ بنگلہ سال سے شروع ہوئی۔ شاعر کے بھتیجے سدھیندرا ناتھ پہلے ایڈیٹر تھے۔ اس سلسلہ میں شاعر لکھتے ہیں "میرا بھتیجہ اس رسالہ کا تین سال تک ایڈیٹر رہا، چوتھے سال میں میں نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ اس رسالہ کے لئے زیادہ تر مضامین مجھے ہی لکھنا پڑتا اور مجھے دوسروں کی تحریروں کو بھی دیکھنا پڑتا۔"

صحافت سے ٹیگور کی وابستگی، بنگلہ زندگی اور ثقافت اور خاص طور پر بنگلہ ادب کیلئے کافی سود مند ثابت ہوگی۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)



سادھنا ــــ ستھل

از: رابندر ناتھ ٹیگور

پوجا، بھجن اور پرارتھنا چھوڑ
بند و مقفل مندر کے سنسان و تیرہ گوشہ میں
تو کس کی سادھنا کر رہا ہے
آنکھیں کھول! دیکھ دھیان سے ـــــ ایشور گھر میں نہیں ہے

وہ تو وہاں ہے جہاں کسان سخت مٹی میں ہل جوت رہا ہے
جہاں مزدور پتھر توڑ کے رستہ بنا رہا ہے'
وہ ہے ان کے ساتھ، دھوپ اور بارش میں
خاک دھول سے لپٹا ہوا ہے سارا جسم
یہ چنسر قہ رنگین اتار کر
تو بھی اسی کی طرح اتر آ خاک دھول میں

کیسی نجات؟ کہاں نجات!
ایشور خود سنسار کے بندھن میں ہے بندھا، سب کے ساتھ
گیان دھیان کو رہنے دے، پھولوں کی ڈالی کو چھوڑ
کپڑے پھٹیں، خاک اٹے ـــــ کرم یوگ کر اس کے ساتھ
تیرے بھی ماتھے کا پسینہ جھڑ کے گرے

●●ــــــــــــــــ

آزاد ترجمہ: مصطفٰے اکبر



ٹیگور مجسم نغمہ

از: شام بارکپوری

رابندرانا تھ ٹیگور کو نیاز فتح پوری نے "ٹیگور مجسم نغمہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ ان کی شاعری میں تازگی، شگفتگی، سادگی اور اثر محض تجربوں سے نہیں بلکہ خلوص، مقصد کی عظمت، الفاظ کے فنکارانہ استعمال اور فنی روایت کی تخلیق سے ہیں اور ان کے نغموں سے جو رس اور رنگ ٹپکتا ہے اسے ان کے سینوں نے حسین اور دلفریب بنا دیا ہے۔ ٹیگور نے انسانی کردار اور افعال کو ایک فلسفی کی نظر سے دیکھا اور شاعر کے ذہن سے سوچا۔ جب ٹیگور کی شاعری نے آنکھ کھولی تو حقیقی شاعری کی ابتدا ہو چکی تھی لیکن اس وقت خلوص میں شدت اور جذبات میں گرمی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ان کی نظموں میں جو سادگی، معصومیت، بے تکلفی، شوخی اور شگفتگی ہے دوسرے بنگالی شعراء میں شاذ و نادر نظر آتی ہے۔ ان میں دریاؤں کی روانی، پھولوں کی تازگی اور چاندنی کا پرتو ہے۔ ان کی شاعری میں حسنِ فطرت اور رومان رچا ہوا ہے۔ اسی لئے ہم اس نتیجے میں جہاں انوکھا پن نظر آتا وہ اس کے شیدائی ہو جاتے تھے۔ دراصل رومان نام ہے انوکھے پن اور اجنبیت کا، چنانچہ اکثر نظموں میں ٹیگور کی رومانیت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں تخیل اور حقیقت کا بڑا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

ٹیگور کی خداداد ذہانت اور طبع ساری دنیا کے لئے کشش کا باعث تھی۔ ٹیگور نہ صرف ڈرامہ نگار، شاعر، افسانہ نویس کی حیثیت سے مقبول عام ہیں بلکہ ناول نگار اور گیت نگار کی حیثیت سے بھی ان کا شمار چوٹی کے لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ ان کا موازنہ اگر کسی سے کیا جا سکتا ہے تو وہ "وکٹر ہیوگو" ہے۔ انہوں نے ہزار سے زیادہ نظمیں لکھیں، بارہ عدد ڈرامے لکھے، آٹھ ناول اور آٹھ سے زیادہ ان کے افسانوں کے مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ وہ رابندرا سنگیت کے جنم داتا اور بھارت کے ترانے "جن من گن" کے خالق ہیں۔ یقیناً دو ہزار گیتوں کی موسیقی کی انہوں نے ترتیب دی۔ اس کے علاوہ مذہب، معاشرت، سیاست، سفرنامے، اقتصادیات اور سائنس پر بھی انہوں نے بہت سے مضامین لکھے۔ بنگلہ زبان کے جس شاعر یا ادیب کا انگریزی زبان میں سب سے زیادہ ترجمہ ہوا وہ ٹیگور ہی ہیں۔ ان کی عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ ان کی شاعری کو تراشے ہوئے ہیرے سے مناسبت دی جا سکتی ہے۔ کلکتہ کے جوڑا ساکھو کے پرنس دوارکا ناتھ رابندرا ناتھ کے دادا تھے۔ یہ دیوندر ناتھ کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے جو بین الاقوامی شہرت کے مالک بنے۔ ان کے دوسرے بھائی بہن بھی فن اور ادب کے میدان میں نامور تھے جن کے نام دوجیندرا ناتھ، ستیندرا ناتھ اور جیوتیندرا ناتھ تھے۔ دراصل ان بیش بہا ہیروں کی گہوارہ ان کی ماں تھی۔

۷ مئی ۱۸۶۱ کو برصغیر کا نامور اور شہرۂ آفاق شاعر ٹیگور پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہو گئے۔ بھائیوں نے پرورش اور دیکھ بھال کی۔ اگرچہ ان کے پاس اسکول اور کالج کی کوئی سند یا ڈگری نہیں تھی لیکن ان کی فکر کے عالم پھر بھی کم ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ سائنسی علوم پر بھی ان کی اچھی خاصی دسترس تھی۔

ان کی اہلیہ شریمتی مرنالینی دیوی کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ ان کی موت سے ان کا دل تلملا اٹھا اور ان کی یاد میں "یاد" نامی نظم لکھی۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی شادی نہیں کی۔ وہ سترہ برس کی عمر میں انگلینڈ گئے۔ وہاں انہوں نے پروفیسر ہنری مارلے سے انگریزی لٹریچر کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳ سال کی عمر میں ایسی نظمیں لکھا کرتے تھے کہ اسکول کے اساتذہ متحیر رہ جاتے تھے۔ ان کے والد انہیں سنسکرت اور علم نجوم کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے منجھلے بھائی کے پاس جو احمد آباد میں نوکری کرتے تھے، رہ کر انگریزی میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ ۱۶ سال کی عمر میں رسالہ 'بھارتی' میں لکھنا شروع کیا۔ ان کے گھر میں اکثر نامور ادیب آیا کرتے تھے۔ ان میں راج نرائن بوس، بہاری لال چکرورتی، اوکھو چودھری، دیویندر ناتھ سین جیسے مایہ ناز اور مشہور لوگوں کی رہنمائی میں انہوں نے ابتدائی عمر میں مشقِ سخن شروع کر دی۔

ربندر ناتھ کا پہلا شعری مجموعہ 'بن پھول' کے نام سے شائع ہوا۔ اس وقت ان کی عمر کل ۱۵ سال کی تھی۔ ۱۷ سال کی عمر میں جب وہ حصولِ تعلیم کے لئے انگلستان گئے تو ان کا ارادہ بیرسٹر بننے کا تھا لیکن بیرسٹری میں ناکامی ہی بنگلہ ادب کی خوش قسمتی کا باعث ہوئی ورنہ بنگلہ زبان ایک اچھے اور بڑے ادیب، شاعر، فلسفی سے محروم رہ جاتی۔ ٹیگور بائیسویں سال میں شادی کے بندھن میں جکڑے گئے۔ شادی کے کچھ ہی دن بعد انہوں نے باپ کے حکم سے ضلع ندیا میں شیلائی دا کی زمین داری سنبھالی۔ شیلائی دا کی دیہی زندگی اور مناظرِ فطرت نے دراصل ربندر ناتھ کو ٹیگور بنا دیا۔ انہیں عوام کے قریب آنے کے بہترین مواقع ملے۔ کسانوں کے غم و خوشی اور پیار و نفرت کو انہوں نے قریب سے مشاہدہ کیا۔ ان کے ان دنوں کے افسانوں میں احساسات اور جذبات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ جب وہ چالیس برس کے تھے تو انہوں نے اپنے آبائی گاؤں بھوبن ڈانگا کے میدان میں مذہبی تعلیم دینے کے لئے اسکول کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں یہی اسکول ترقی کر کے "وشو بھارتی یونیورسٹی" بن گیا۔ یہ یونیورسٹی فنون و تعلیم کا گہوارہ ہے۔ ۱۹۱۲ء میں جبکہ ان کی عمر ۵۰ برس کی ہوئی تو بنگلہ ادبی ایسوسی ایشن نے ان کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ غیر فانی اور بے مثال نظموں کا مجموعہ "گیتانجلی" جب ترجمہ ہو کر انگلستان میں شائع ہوا تو ان کی شہرت کا آفتاب بامِ عروج تک پہونچ گیا اور ۱۹۱۳ء میں انہوں نے نوبل پرائز پایا۔ وہ سویڈش اکیڈمی کی طرف سے نوبل پرائز پانے والے پہلے ہندستانی شخص تھے۔ اسی سال کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں "ڈاکٹریٹ" کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔ اس کے علاوہ کاشی یونیورسٹی، ڈھاکہ یونیورسٹی اور آکسفورڈ یونیورسٹی نے بھی انہیں ڈی لٹ کی ڈگری سے سرفراز کیا۔ حکومتِ برطانیہ نے 'سر' کے خطاب سے نوازا مگر ۱۹۱۹ء میں جبکہ ہندستان کی فضا آزادی کے نعروں سے گونج رہی تھی اور جب انگریزوں نے نہتے عوام کو جلیاں والا باغ میں گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا انہوں نے حکومتِ برطانیہ کا دیا ہوا 'سر' کا خطاب واپس کر دیا۔ جدید بنگلہ ادب میں ان کے شہ پارے بے شمار ہیں۔ اپنی زبان میں تو انہوں نے ہر صنف میں لکھا۔ گیت، افسانے، ناول، نظمیں، موسیقی، ڈرامے، لسانیات، مذہب اور سیاست غرض کہ ہر شعبۂ علوم و فنون میں ٹیگور ہی ٹیگور ہیں۔ انہوں نے جدید بنگالی مصنفوں اور شاعروں کو اپنے عمل سے راستہ دکھایا اور بنگلہ کی تجدید کی ترغیب دلائی۔

ٹیگور گویا ایک ماہتاب تھے۔ چمک دار اور روشن۔ اور آج کے تقریباً تمام جدید بنگالی ادیب ستارے ہیں، چاند کے گرد رقصاں۔ ماہتاب کی تیز کرنیں اور تابناک شعاعیں ہر طرف سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور یہ ستارے ان شعاعوں سے منور ہو رہے ہیں۔ آج ان ہی ستاروں کی درخشاں شعاعیں بنگلہ ادب کو روشن کر رہی ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں جب ان کی عمر ۷۰ برس کی ہوئی تو ان کی شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے ملک میں ہر جگہ ان کی سالگرہ یعنی "ربندر جینتی" منائی گئی۔ اس دن سے آج تک ۲۵ ویساکھ کو بنگلہ ادب کا تاریخی دن اور اہم دن منایا جاتا ہے۔

۱۹۲۱ء میں انہوں نے شانتی نکیتن میں "وشو بھارتی" کی بنیاد ڈالی۔ وہ نہ صرف عظیم شاعر تھے بلکہ انسانیت، محبت اور ایثار کے علمبردار اور مناظرِ فطرت کے دلدادہ تھے۔ انہوں نے انسان کے لئے جینا اور انسان کے لئے مرنا سیکھا۔ وہ ہر انسان کو صلح و آشتی کا پیغام دیتے ہیں اور انسانی ہاتھوں سے اس دنیا کو

حسین بنانا چاہتے ہیں۔ نظم "پرستکار" میں اس نظریہ کا پتہ چلتا ہے۔

سنسار میں چند سُر چن لے
کچھ دکھ سکھ سہہ جاؤں گا شہد کی مانند
چند خاروں کو کروں گا دور
پھر چین کی نیند سو جاؤں گا

اس دنیا کو زیادہ حسین بنانا ان کی شاعرانہ زندگی کا مقصد تھا۔ لوگ ان کی نظموں کی رنگینی، رعنائی، فصاحت اور اثر انگیزی سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے گیتوں میں جادو بھرے الفاظ کے پیچھے، جذبہ اور خلوص کارفرما ہے۔ ایک عرصہ تک بنگلہ ادب کی خدمت کرنے کے بعد ۷ اگست ۱۹۴۱ء کو اس عظیم ہستی کا انتقال ہو گیا ⁂

فنِ لطیف — نشاط

جب رابندرا ناتھ سے پوچھا گیا کہ آرٹ یا فنِ لطیف کسے کہتے ہیں تو جواب میں انہوں نے کہا تھا "فنِ لطیف تخلیقی لیاقت ہے جو فنکار کے تخیلات کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ انسان کے لئے اپنی خوشی و ناخوشی، غم و غصہ اور پیار و محبت کے احساسات کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انسان کے پاس تو جذباتی توانائی کا خزانہ ہوتا ہے۔ اس خزانہ سے کچھ توانائی مذکورہ احساسات کے اظہار کے لئے صرف ہو جاتی ہے، اور جو فاضل توانائی رہ جاتی ہے اسے آرٹ کی تخلیق میں صرف کیا جاتا ہے، کیوں کہ انسانی تہذیب اسی فاضل توانائی کی مرہونِ منت ہے"۔ مصوری بھی ایک فنِ لطیف ہے۔ ٹیگور نے اپنی زندگی کے آخری دور میں خطوط اور رنگوں کی زبان بھی اپنائی اور اس طرح ادب اور فنِ لطیف دونوں کو ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کر دیا۔ ان سے جب انکی بنائی ہوئی تصویروں کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "میری تصویریں، خطوط اور رنگ کی شکل میں میری نظمیں ہیں"۔

بقیہ: سیاسی ناول

ہو گئیں۔ سیاسی میدان میں عورتوں کے کردار کو سبھوں نے تسلیم کر لیا۔ "چار ادھیائے" گھرے باہرے کا نمونہ نہ تھا۔ کس طرح سچی محبت کو سیاسی چاشنی سے برباد کیا جا سکتا ہے، اس کی تصویر اس ناول میں پیش کی گئی ہے۔ محبت کی ابتدا، اس کی نوعیت، اس کا انجام، ان تمام باتوں کا انحصار انفرادی مذاق پر نہیں ہوتا۔ یہ تو ماحول کے لاتعداد تنازعات کی زد میں رہتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ انتہا پسندوں کے سحر نے ایلتو کی شخصیت کو ابھرنے نہیں دیا۔

رابندرا ناتھ کی فنکاری نے تو ان دونوں ناولوں میں محبت اور سیاسی خواہشات کو ایک دوسرے میں پرو دیا ہے۔ نکھل اور بملا کی یا ایلا یا اینتو کی ٹریجڈی سیاسی انتشار کی ایک کڑی ہے۔ یہاں رابندرا ناتھ کی قوم پروری یا انتہا پسندوں کی تحریک کے سلسلے میں رابندرا ناتھ کی بے حسی اور کشمکش پر غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمعصر دور کے سیاسی جذبہ اور میلانِ طبع نے روشن خیال لوگوں کے دل و دماغ کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے اور انہیں ایک غیر منطقی کھوکھلے پن میں جکڑ دیا ہے۔ ان کے سیاسی ناولوں نے اس وقت کی اس حقیقت کو عیاں کیا ہے لیکن ان ناولوں میں انہوں نے جن المیہ کو پیش کیا ہے وہ لافانی ہے ⁂

رابندر جینتی کے موقع پر اردو۔بنگلہ مشاعرہ

ادارہ "شناخت" (پارک سرکس) اور "جاگوری" (باگھ بازار) کے زیر اہتمام گزشتہ بارہ مئی کی شام اربندو بال کمرہ، شمس الہدیٰ روڈ، کلکتہ ۱۷ میں پروفیسر اعزاز افضل کے زیر صدارت اردو۔بنگلہ مشاعرہ منعقد ہوا جس میں تابش عظیم آبادی، لسوا ناتھ بنرجی، عبرت شکیل، منوج کمار سیل، حلیم صابر، شانتا رائے، مصطفےٰ اکبر، پروبال مجمدار، حسن اثر، اتول رائے، انجم عظیم آبادی، اجیت منڈل، نشاط سعید، رینو کا ناتھ، نور کلکتوی، اپورب کمار ساہا اور پروفیسر اعزاز افضل نے اپنا کلام سنایا۔ نقابت کے فرائض انجم عظیم آبادی اور اپورب کمار ساہا نے انجام دیئے۔ ⁂





ٹیگور کا بچپن

کچھ یادیں، کچھ باتیں

از: محمد اعظم

رابندرناتھ ٹیگور کیا تھے اور کیا نہ تھے یہ کہنا ذرا مشکل ہے کیونکہ کردار اور گفتار کے لحاظ سے انکی شخصیت بالکل مکمل تھی۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت کے جوہر ہر فن اور ادب کے میدان میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ وہ مایہ ناز ادیب اور مشہور آفاق شاعر تھے۔ جمالیاتی ذوق کے نقطہ سے دیکھا جائے تو ٹیگور جیسی شخصیت کی مثال بہت کم ہی ملے گی۔ انہیں اپنے خیالات کو بہت صاف ستھرے اور سلیقے طریقہ سے، نیز اپنے جمالیاتی ذوق کو مختلف پیرائے میں اور مختلف ڈھنگ سے ادبی شکل میں ڈھالنے پر کافی عبور حاصل تھا۔ اس لئے ادب، موسیقی اور آرٹ کی تقریباً تمام شاخیں ان کے تخلیقی جواہر پارے سے جگمگا رہی ہیں۔ ادیب اور شاعر ہونے کے علاوہ رابندرناتھ ٹیگور بہت بڑے قوم پرست بھی تھے۔ انہوں نے اپنی نظموں اور گیتوں کے ذریعہ قوم کو خودداری کا سبق پڑھایا۔ اپنے ہم وطنوں میں خود اعتمادی اور جاں نثاری کا جذبہ بیدار کیا اور قوم کو اس کی صحیح منزل کا راستہ دکھایا۔ رابندرناتھ بہت بڑے مفکر بھی تھے۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی مسائل پر ان کی بہت سی فکر انگیز تحریریں ہیں۔ جب رابندرناتھ ٹیگور موسیقی اور ادب کے آسمان پر [illegible] مصوری کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت ان کی عمر کافی ہو گئی تھی۔ بڑھاپے میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے لسانی اظہار کی سرحد کو پار کر کے خطوط اور رنگوں کی زبان کو اپنا کر انہوں نے اپنے مداحوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ ان کی قوتِ مشاہدہ بہت تیز تھی۔ اس لئے مناظر قدرت کا وہ بہت ہی گہرا اور عمیق مشاہدہ کیا کرتے تھے اور ان مشاہدات سے بنی ہوئی تصویر شاعر کے دماغ کے کسی گوشہ میں چھپ کر بیٹھ جاتی۔ جب وہ نظم لکھتے تو آہستہ آہستہ انکی یہ ذہنی تصویر نظموں کی شکل میں ڈھلتی جاتی۔ اس لئے جب وہ نظم لکھتے تو نقاش کی طرح کام کرتے اور جب تصویریں بناتے تو شاعر کی طرح کام کرتے۔ انہوں نے خود کہا ہے کہ "میری تصویریں خطوط اور رنگ کی شکل میں میری نظمیں ہیں"۔ مصوری کے سلسلہ میں اپنے شوق کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا "نقاشی میرے بڑھاپے کی معشوق ہے۔ جس طرح نشہ آور شراب پینے والے کو مخمور کر دیتی ہے اسی طرح اس نے مجھ پر اثر کیا"۔

تو یہ تھے رابندرناتھ ٹیگور۔ اب آیئے ان کے بچپن کی کچھ باتیں کریں۔ رابندرناتھ ٹیگور ۷ مئی سنہ ۱۸۶۱ء کو کلکتہ کے ایک بڑے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس وقت [illegible] دور تھا۔ اس عرصہ میں بنگال اور [illegible] بیداری پیدا ہو رہی تھی۔ ہر طرف [illegible]

سیاست کے میدان میں جہاں لوگوں نے آگے بڑھنا شروع کیا تھا وہاں لوگ اب نظم، موسیقی اور گیت کے ذریعہ ایک قومی ادب اور آرٹ کو فروغ دینے کی بھی کوشش کرنے لگے۔

ٹیگور کے والد مہارشی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے روشن خیال تھے۔ ان کے گھرانے میں یہی جذبہ کارفرما تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ــــ ثقافتی، سماجی، مذہبی اور سیاسی ــــ مکمل آزادی فراہم ہو اور یہ سہولتیں رابندرا ناتھ کے لئے بہت کارگر ثابت ہوئیں۔ کہتے ہیں "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" تو یہ بات ٹیگور پر صادق آتی ہے۔ بچپن ہی سے وہ مناظر قدرت کے شیدائی تھے اور ہمیشہ اس بات کو جاننے کی کوشش کیا کرتے کہ قدرت کے اس حسن کے پیچھے کون پوشیدہ ہے۔ بچپن میں جب وہ اپنے جوڑاسانکو کے مکان کے برآمدہ سے بستی کی طرف دیکھتے تو وہاں کے لوگوں کی غربت، سادگی اور چہل پہل نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ جب بڑے ہوتے تو انہیں زمینداری کی دیکھ بھال کے لئے سیلائی داہ اور دیگر گاؤں میں جانا پڑا تو وہاں بھی انہیں یہی باتیں نظر آئیں۔ ان مناظر نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا جس کا انہوں نے اپنی نظموں اور کہانیوں میں اظہار کیا۔

رابندرا ناتھ ٹیگور نے بذات خود اپنے بچپن اور اپنے اسکول کے دنوں کی باتیں لکھی ہیں۔ ان کی کتاب "میری سوانح عمری" میں انہوں نے بچپن سے لیکر ۲۵ سال تک کی زندگی کا ذکر کیا ہے۔ ایک اور کتاب "میرے بچپن کے دن" میں انہوں نے اپنے بچپن سے لے کر ۱۲ سال کی زندگی تک کا ذکر کیا۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے بچپن کی بہت ساری باتیں اور کہانیاں لکھی ہیں۔ "ہلال کا چاند" ان کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ نظمیں بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں۔ ان نظموں میں انہوں نے اپنے بچپن کی بہت ساری باتیں اجاگر کی ہیں۔

ٹیگور گھرانے میں بچوں کی پرورش بڑے سیدھے سادے طریقہ سے کی جاتی تھی۔ انہیں زیادہ کھلونے بھی نہیں دیے جاتے تھے ... رابندرا ناتھ ٹیگور زیادہ کھیل کود خاص طور پر ... رابندرا ناتھ نے اپنے باپ کی

ان باتوں میں کیا دانشمندی پوشیدہ تھی، انہیں بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ان کے لئے ایک اچھی بات ثابت ہوئی کہ ان کے پاس بہت کم کھلونے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جب بچوں کے پاس حد سے زیادہ بنے بنائے کھلونے ہوتے ہیں تو ان کے تصورات اور ایجاد کرنے کی قدرتی طاقت اور صلاحیت کو پھولنے پھلنے کا موقع نہیں ملتا۔ وہ سب تخلیق کی یعنی بذاتِ خود کچھ کرنے کی، کچھ بنانے کی خوشی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان ہی باتوں سے انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بچے بہت ہی جلد دوسرے لوگوں کے بنائے ہوئے کھلونے سے اکتا جاتے ہیں لیکن ٹیگور خاندان کے بچوں کو اپنے کھلونے خود تیار کرنے پڑتے تھے اور تفریح کے لئے انہیں اپنے تصورات پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ ان کے آنے سامنے جو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتیں، ان میں سے وہ کھلونے تیار کرتے اور ایسا کرنے میں انہیں دلی مسرت حاصل ہوتی۔ کتاب "ہلال کا چاند" میں ایک نظم "کھلونا" ہے جس میں رابندرا ناتھ نے ایک بچہ اور ایک آدمی کے درمیان فرق کا اظہار کیا ہے۔

• بچے کتنے خوش ہو تم، صبح سے دھول دھوپ میں بیٹھے ٹوٹی ٹہنیوں سے کھیل رہے ہو۔
تم ٹوٹی ٹہنیوں سے کھیلتے ہو، تمہیں کھیلتے دیکھ کر میں مسکراتا ہوں
بچے، ٹہنیوں اور کیچڑ سے "پائی" بنانے کے کام میں خود کو معروف رکھنے کے ہنر کو میں نے
فراموش کر دیا ہے
میں کھلونے کی تلاش کرتا ہوں اور سونے چاندی کے ٹکڑوں کو جمع کرتا ہوں
جو کچھ تم پاتے ہو، اسی سے خوشی خوشی کھیلتے ہو،
میں اپنا وقت اور اپنی طاقت ان چیزوں پر صرف کرتا ہوں
جنہیں میں کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔

ٹیگور خاندان کے بچوں کی پرورش، جوڑاسانکو میں ٹیگور خاندان کے جو مکانات ہیں، ان کی چار دیواری کے اندر ہوئی۔ انہیں گھر کے گیٹ سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی ... تقریباً بے خبر تھے۔ جوڑاسانکو کا مکان تو شہر کلکتہ کے مرکز ...

میں مانع تھے۔ اس گھر کے نوکر چاکر تو باہر آ جا سکتے تھے لیکن بچوں کو باہر کی سڑکوں کے مناظر اور گہماگہمی سے لطف اندوز ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اس زمانہ میں ٹرام بسوں کی آمد ورفت نہیں تھی۔ امیر لوگ اپنی اپنی فٹن میں سفر کرتے اس گاڑی کو خوبصورت اور طرار گھوڑے کھینچتے اور کوچوان بہت ہی اچھے یونیفارم میں ملبوس کوچوانی کیا کرتے تھے۔ ٹیگور خاندان کے بچے اپنے گھر میں بیٹھے چھت پر روڈ میں فٹن گاڑیوں کی آمدورفت کی اور کوچوان کے چابک مارنے کی آواز سنتے۔ وہ لوگ جو زیادہ امیر نہ ہوتے تھے پالکی میں چڑھ کر کام کاج میں جاتے یا کبھی کبھی چار پانچ افراد ایک ساتھ مل کر گھوڑا گاڑی کرایہ پر لے لیتے تھے۔ پھیری والوں کی آوازیں بھی بچوں تک پہونچتی تھیں۔ "بیل پھول" "لنگڑا آم" کی آواز گونجتی تھی اور یہیں بچہ رابندرا ناتھ تصورات کی دنیا میں کھو جاتا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے حسن کی پریوں کے دلکش کی تصویریں اجاگر ہونے لگتیں ان کے مکان کے برآمدہ سے وہ باہر کی بستی کے ایک حصہ کو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ گھنٹوں بستی کے لوگوں کو دیکھا کرتے، اور ان کی روزمرہ کی مشغول زندگی سے وہ بہت متاثر ہوتے اور ان کی بابت وہ کہانی بھی لکھتے۔ ان کے گھر کی چار دیواری سے باہر پیار اور محبت، غربت و مشقت کی دنیا پڑی تھی، لیکن انہیں وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔

ان کے گھر کی چار دیواری میں دو قسم کی دنیا آباد تھی۔ ایک بڑوں کی دنیا اور ایک بچوں کی دنیا۔ اس زمانہ میں سنیما نہ تھا۔ عوام کی تفریح کے لئے کوئی انتظام نہ تھا۔ نہ کہیں فٹ بال کھیل ہوتا نہ کہیں کرکٹ میچ انہیں تفریحی کلب بھی نہ تھا۔ لوگ تفریح کے لئے باہر نہیں جاتے تھے جیسا کہ وہ آج کل کرتے ہیں۔ وہ سب اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے اپنے گھروں میں تفریح کا انتظام کرتے تھے۔ ٹیگور کے خاندان میں بڑوں کی دنیا بہت ہی دلچسپ ہوتی تھی۔ وہاں دلچسپ سرگرمیوں اور تفریحات کا انتظام کیا جاتا تھا۔ لیکن اپنے بچپن اور اسکول جانے کے دور میں رابندرا ناتھ ٹیگور بڑوں کی اس دنیا سے بالکل ناواقف تھے۔ جیسا کہ ٹیگور نے بعد میں کہا کہ جب رنگ رلیوں کی آواز بچوں تک پہونچتی تو وہ چھپ چھپ کر تفریح کے کمرہ کے آس پاس جانے کی کوشش کیا کرتے لیکن عین اسی وقت ان کے بڑے بھائی سب بچوں کو دھمکاتے "بھاگو، جاؤ، کھیلو" بچے چپ چاپ وہاں سے لوٹ آتے۔ لیکن رابندرا ناتھ یہ کہتے ہیں "کھیلنے کے لئے تو شور و غل ضروری ہے۔ لیکن یہاں ان کے بڑے بھائی انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش رہنے کو کہتے۔"

جوڑاسانکو میں اپنے بچپن کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور نے اپنی سوانح عمری میں کہا کہ ان کے یہاں بہت سارے نوکر چاکر تھے اور یہ لوگ بچوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی سوانح عمری میں اپنے سگے اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کا، اپنی ماں کی پیاری پیاری باتوں کا، اور ان کھیلوں کا، جب وہ اکیلا رہ جاتے تھے، بہت ہی دلچسپ طریقہ سے ذکر کیا۔ اگر ہم ۱۸۶۰ء کے دنوں کو اس بچہ شاعر کی آنکھوں سے دیکھیں تو ہمیں انکی ان دنوں کی سرگرمیوں میں مستقبل کی جھلک نظر آئے گی۔ ان کے بچپن کی چند دلچسپ باتیں ملاحظہ کیجئے:

ان کے گھر میں ایک درزی آیا۔ تین چھوٹے لڑکوں کو درزی کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ بچوں کے لئے نئی پوشاک تیار کی جائے گی۔ بچے سب بہت خوش نظر آرہے تھے۔ بچوں نے درزی سے بار بار کہا کہ پنجابی اور قمیض میں زیادہ سے زیادہ پاکٹ ہوں۔ اور ساری دنیا کے بچوں کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے۔ بہت ہی جلد بچوں کے خزانے سے یہ پاکٹ بھر جائیں گے۔۔۔۔۔ بچوں کو پھر گھر کے اندر واپس بھیج دیا گیا۔ بچوں نے خوشی خوشی گھر کے اندر جاتے ہی دھما چوکڑی مچانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے چپل کو سامنے اوپر اچھال کر پھینکتے اور پھر دوڑ کر اسے پکڑ لیتے، زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے اور اسی طرح کی حرکتیں کرتے کرتے وہ اندر چلے جاتے۔ کون کہتا ہے کہ چپل صرف پہننے کے لئے ہوتا ہے!

✤ ✤ ✤ ✤ ✤

تین چھوٹے لڑکے اپنے کام میں بہت مشغول ہیں

اور خوش بھی ہیں ۔ وہ سب گھر کے اسکول کے کمرہ کے ایک کونے میں فرش پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان کے چاروں طرف مٹی اور پتھر کے ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں۔ وہ سب ایک پہاڑ تعمیر کر رہے ہیں۔ کلکتہ کے بچوں کی آنکھوں میں پہاڑ بہت ہی عجیب و غریب چیز ہوتی ہے کیوں کہ ان کے روزمرہ کی زندگی چپٹی ہوتی ہے۔ لیکن یہ تو ایک شاندار پہاڑ ہے۔ اس میں صحیح معنوں میں چٹان ہیں۔ پھر یکا یک بچوں نے پوچھا "ارے دادا (بڑے بھائی) آرہے ہیں، کوئی بات نہیں وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ ہم لوگوں نے کتنی شاندار چیز تیار کی ہے"۔ لیکن دادا نے آتے ہی کہا "بچو تم نے کیا گندگی پھیلا رکھی ہے۔ ارے یہ پتھر تم کہاں سے لائے ہو، سمجھا! میرے باغ سے لائے ہو جہاں اس طرح کے بہت سارے پتھر ہیں۔ جاؤ، ان پتھروں کو اسی جگہ رکھ آؤ جہاں سے تم لائے ہو"۔ نہیں، بڑے، بچوں کو نہیں سمجھ سکتے!

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

برجیشور، ایک بوڑھا برہمن ان کے یہاں نوکر تھا بہت کمزور بھی تھا ۔ بچوں کی دیکھ بھال کرنا اس کا کام تھا۔ برجیشور پاک صاف رہنے کی کوشش کرتا۔ تالاب میں غسل کرنے کے بعد جب وہ گھر واپس آتا تو پھونک پھونک کر قدم رکھتا۔ کہیں باغ اسے ناپاک نہ بنا دے۔ بچوں کو جب وہ کھانا کھلاتا تو بخل سے کام لیتا۔ جب بچے دوسری بار کچھ فرمائش کرتے تو وہ ناخوش ہو جاتا۔ جب بچے کچھ طلب نہیں کرتے تو وہ خوش ہو جاتا۔ بچوں کو یہ معلوم تھا کہ پوری اور دودھ برجیشور کی پسندیدہ خوراک ہے اس لئے وہ ضد نہیں کرتے اور اس طرح وہ سیر حاصل کھانا کھاتا۔ ربی دودھ پسند نہیں کرتا (گھر میں ربندرا ناتھ کو سب پیار سے ربی کہکر پکارتے)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

کبھی کبھی جب دن کا کام ختم ہو جاتا تو بچے شام کے وقت نوکروں کے کمرے میں جاتے۔ کمرہ کے ٹھیک بیچ میں ایک لمپ لٹکتا رہتا تھا۔ اس کی دھندلی روشنی میں بچے سب کہانی سننے کے لئے بیٹھے رہتے۔ اس زمانہ میں یعنی سنہ ۱۸۶۰ء میں بجلی کی بتی نہ تھی اور کراسن تیل کا لالٹین بھی نہ تھا۔ اس وقت کہانیاں سنائی جاتیں اور بچے سب ہمہ تن گوش ہو کر سنتے۔ کبھی کبھی جھوٹی کہانیاں سناتے اور سونے سے قبل بچے ایسی کہانیاں ضرور سنتے۔ کبھی کبھی ڈاکوؤں کی کہانی ہوتی، بہادر اور نڈر ڈاکو، اور وہ پہلے کے دنوں کے نہیں بلکہ موجودہ دور کے ڈاکو۔ ہم لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ ایک نہ ایک دن ان ڈاکوؤں سے ہماری ملاقات ہوگی۔ چند ڈاکو تو بہت مشہور تھے، وہ بہت بہادر تھے اور عورتوں کے لئے تو وہ سورما ثابت ہوتے۔ ایسی کہانیاں بار بار سنائی جاتیں۔ ربی بھی بہت غور سے ان کہانیوں کو سنتا ۔

کبھی کبھی وہ گھر کے دیوان خانہ میں اپنی ماں کے پاس بیٹھتے رہتے اور وہاں انکی ماں یا چچی انہیں پریوں و سات سمندر پار کے پرستانوں کی کہانیاں سناتیں ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ایک روز ایک چھوٹا سا لڑکا ڈرا سہما برآمدہ میں کھریا مٹی سے کھینچے ایک دائیرہ کے اندر کھڑا تھا۔ ایک بچہ نوکر نے، جس نے یہ دائیرہ کھینچا تھا بتایا کہ یہ ایک جادوئی دائیرہ ہے، یہ تو اسی طرح کا دائرہ ہے جیسے لکشمن نے سیتا کے چاروں طرف کھینچا تھا۔ اگر اس سے ایک قدم بھی باہر نکالا تو اس بچہ کو بہت ساری مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ربی کو اس نوکر کی باتوں پر یقین تھا اور وہ اس کی حکم عدولی کرنے سے گھبراتا تھا۔ وہ اسی دائرہ میں کھڑا رہتا جب تک کہ اسے آزاد نہ کر دیا جاتا۔ وہ وہیں سے کھڑے کھڑے نیچے دالان میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا رہتا۔ لوگ تالاب میں غسل کرنے جا رہے ہیں، ہنس میدان میں کھیل رہی ہیں۔ برگد کے درخت کا سایہ آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہا ہے، اس درخت کی مڑی مڑی جڑوں کے پاس تو سایے بہت گھنے ہیں۔ کیا کیا نہ چیزیں یہاں چھپی ہوں گی۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ایک چھوٹا سا لڑکا اکیلا پرانے گھر کے ایک کمرہ کے ایک کونے میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں تو بھوت پریت چھایا ہوا تھا۔ اس عمارت کے ایک منزلہ میں بہت بڑے بڑے تاریک کمرے تھے۔ ان میں مٹی کے بڑے بڑے مٹکے ہیں

ایک سال تک کے لئے پینے کا پانی رکھا جاتا۔ اس وقت گھروں میں پانی کی سپلائی کے لئے کوئی پائپ نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی نل ہوتا تھا۔ فروری کے مہینے میں دریائے گنگا سے مٹکوں میں پینے کا پانی لایا جاتا اور ان کمروں میں رکھا جاتا۔ اس موسم میں دریا کا پانی بہت صاف ہوتا۔ لیکن بچوں کے لئے تاریک کمروں میں بھوت پریت ہی رہتے تھے۔ ایسے ایسے بھوت جن کی آنکھیں ان کے سینے میں ہوتیں، جن کے کان بہت بڑے اور لمبے ہوتے تھے۔ بعض درخت بھی اسی طرح کے ہوتے تھے۔ کیا اس ملازم نے گھر کے کنارہ اس بڑے درخت پر ایک بھوت کو بیٹھا نہیں دیکھا تھا؟

* * * * * *

اس عمارت کے ایک منزلہ میں ٹیگور کے والد کا دفتر تھا۔ بچہ ربی کبھی کبھی وہاں جاتا تھا اور ان کا کلرک بوڑھا کیلاش انہیں اپنی گود میں بٹھا کر کہانی سناتا۔ اس بوڑھے میں یہ خوبی تھی کہ وہ فی البدیہہ کہانی بہت ہی تک بندی کے ساتھ سناتا۔ کہانیاں بڑی دلچسپ ہوتیں، کیوں کہ ان کی کہانیوں کے ہیرو بذات خود ربی ہوتے۔ ان کہانیوں میں ربی ہوتا جو ڈاکوؤں سے لڑتا، خوبصورت شہزادیوں کو ان کے جنگل سے آزاد کراتا۔ چند برسوں کے بعد یہ مہربان اور شفیق دفتری کلرک نے ہی اس ابھرتے ہوتے فنکار کو ان کی کہانیوں کے لئے لکھنے کی کاپی بطور تحفہ دیا۔

* * * * *

اس گھر میں بچوں کو ایک ساتھ ملکر اور پھر الگ الگ کھیلنے کی سہولتیں بھی فراہم تھیں۔ برآمدے کے ایک کونے میں بہت زیادہ مٹی اور گرد جمع ہو گئی تھی۔ ربی نے اسے دیکھتے ہی کہا "ارے یہاں تو باغ اگایا جا سکتا ہے۔" اس کے بعد اس نے اس مٹی میں سیب کا بیج لا کر رکھ دیا۔ پھر اس کے چاروں طرف کی مٹی ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں کتنی دنوں تک پانی چھڑکتا رہا، اور بیج سے پودا نکلنے کا انتظار کرنے لگا، لیکن ایک دن اس کے گھر کے نوکر نے برآمدہ کو صاف کیا تو اس نے اس کے اس باغ کو [illegible] صاف کر دیا۔

[illegible] استاد بن

جاتا، برآمدے کے ریلنگ جو لکڑی کے بنے ہوتے تھے اس کے شاگرد ہوتے، جیسا کہ تمام بچے یہ سمجھتے ہیں کہ ایک استاد کے ہاتھ میں چھڑی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بچہ استاد بھی چھڑی لے کر اپنے شاگردوں کو پیٹا کرتا۔

* * * * *

اب ربی بھی اپنی کہانیاں سنانے لگا۔ اس کے خیالات اسے پریوں کے دیس میں لے جاتے۔ ڈاکوؤں کے ساتھ سیر کراتے، کبھی کبھی ان کے گھر میں کوئی شکاری آ جاتے تو وہ شیر کے شکار کی بابت سنایا کرتے۔ ربی بھی بہت غور سے اسے سنتا۔ پھر ربی اپنی تفریح طبع کی خاطر وہ ان سب کہانیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اپنی کہانی تیار کرتا۔ جوڑا سانکو میں زندگی بڑی رو کھی سوکھی ہوتی تھی لیکن ربی نے شاندار ایڈونچر کی دنیا سجا رکھا تھا۔ گھر کے برآمدے کے ایک کونے میں ایک بہت ہی پرانی پالکی پڑی ہوئی تھی۔ اس پالکی کو اب کوئی استعمال نہیں کیا کرتا تھا۔ ایک زمانہ میں یہ بہت ہی خوبصورت اور شاندار پالکی تھی۔ اسکی لکڑیاں بہت مضبوط تھیں اور پوری پالکی مختلف رنگوں سے رنگی ہوئی تھیں۔ یہ بہت بھاری پالکی تھی۔ اسے اٹھانے کے لئے سامنے آٹھ اور پیچھے آٹھ آدمیوں کی ضرورت ہوتی۔ لیکن اب اسے دھول دھکڑ میں رکھ دیا گیا تھا۔ لیکن یہی پالکی بچہ ربی کے لئے پرائیویٹ کھیل کا میدان بن گئی تھی۔ وہ اس کے اندر جا کر بیٹھ جاتا، دروازہ بند کر دیتا اور ساری دنیا سے بے خبر ہو کر وہاں بیٹھا رہتا۔ پالکی کے اندر وہ ایڈونچر کی دنیا میں کھو جاتا۔ وہ خود کو تن تنہا بچہ محسوس نہیں کرتا۔ وہ خود کو ہر فن مولا سمجھتا۔ کبھی شہزادہ بن جاتا اور جنگلات یا صحرا سے گھوڑے پر سوار ہو کر گزرتا۔ کبھی جادوئی دریا میں مورنما کشتی پر بیٹھ کر سفر کیا کرتا۔ "لال کا چاند" میں ٹیگور نے اپنی ایک نظم میں اس پالکی کے ایڈونچر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور بچپن ہی سے حسن کے دلدادہ تھے حالانکہ وہ پہلے ہی احساس کر [illegible]
وہ بہت [illegible]
[illegible]

باغ تھا (یہ باغ ابھی بھی ہے) وہاں چلے جاتے اور دوڑتے ہوئے نسیم سے لطف اندوز ہوتے، شبنم سے بھرے گھاس اور پتوں کو چھوتے۔ اس طرح صبح ہی صبح ان کا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا۔ انہیں بارش اور بارش کا موسم بہت پسند تھا، اور انہوں نے بارش پر بہت سی نظمیں لکھیں۔ "بارش کا پانی جب ٹپ ٹپ گرنے لگتا ہے تو درخت کے پتے پھڑ پھڑانے لگتے ہیں"۔ بچپن ہی سے وہ قدرت کے حسن کے شیدا ہو گئے تھے اور زندگی بھر وہ اس حسن کے راز کو حل کرنے کی کوشش میں رہے۔ بچپن میں زمین کی گہرائی اور آسمان کی لا محدود بلندی نے انہیں حیرت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ جب ان کے بیان کرتی تقریب ہوتی تو لوگ باہر سے آتے، اس گھر کے دالان کو کھود کر بانس لگاتے۔

وہ بہت ہی حسرت کے ساتھ اس منظر کو دیکھتے اور اس بات کی امید کرتے کہ اگر یہ لوگ اور بھی زیادہ کھود دیں تو ہو سکتا ہے کہ زمین اپنے پوشیدہ خزانہ کو اگل دے۔ بچپن میں انکی ایک عادت یہ بھی تھی کہ دوپہر کو جب گھر کے سارے لوگ کھانا کھانے کے بعد آرام کرتے تو وہ چپکے سے اپنے مکان کی چھت کے کسی کمرہ میں چلے جاتے اور وہاں سے نیلے آسمان کو تکتے رہتے اور اڑتی ہوئی پتنگ کو دیکھتے۔

اب آئیے شاعر رابندرا ناتھ ٹیگور کی کچھ باتیں کریں۔ ان کے شعری مجموعہ "گیتانجلی" پر انہیں نوبل پرائز ملا۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ کب ان کے دل میں نظمیں لکھنے کا اور شاعر بننے کا خیال پیدا ہوا تو اس کے جواب میں انہوں نے اپنے بچپن کی ایک بات بتائی۔ فری اسکول لین، کلکتہ میں ان کے ایک بڑے بھائی کا مکان تھا۔ انہوں نے بتایا،

"اس گھر میں میں ایک روز آفتاب کے طلوع ہونے کا منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک میری آنکھوں کے سامنے سے ایک [illegible] روشن اور منور ہو گیا۔ سارا ماحول [illegible] واقع مکانات [illegible] کرتے ہوئے لوگ، بچے کھیلتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ سب [illegible] روشن ایک شاندار کل کے جھرمٹ میں۔ سات آٹھ دنوں تک میں یہ منظر دیکھتا رہا۔ ہر روز مجھے ایسا دکھائی دیتا کہ ان لوگوں نے، جو مجھے تنگ کیا کرتے، اپنی شخصیت کے ظاہری لباس کو اتار پھینکا ہے۔ میرا دل خوشیوں سے لبریز ہو جاتا اور اس وقت ہر آدمی کے لئے، ہر چھوٹی چیز کے لئے میرے دل میں محبت کی لہریں بل کھاتی رہتیں۔ اس صبح کو فری اسکول لین، کے مکان سے جو منظر میں نے دیکھا اس نے میری اندرونی بینائی کو تیز کر دیا۔ ان باتوں کو میں نے اپنی نظموں میں ظاہر کرنے کی کوششیں کیں۔ اس کے بعد سے میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میری زندگی کا مقصد یہی ہے۔ اگر میری نظروں سے یہ پردہ ہٹ جاتے تو میں زندگی کے ہمہ گیر پہلوؤں کو اور اس کے حسن کو اجاگر کروں۔"

تو یہ تھا رابندرا ناتھ کا بچپن۔ بچپن کے دنوں کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ کوئی بھلا نہیں سکا۔ ٹیگور بھی نہ سکے ◆◆◆

بقیہ: ٹیگور اور صحافت

صحافت کے ذریعہ بنگلہ زبان و ادب کی ترقی کے لئے شاعر نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ ٹیگور ایک شاعر اور فلسفی تھے۔ ہم سبھوں کو اس بات سے کافی خوشی حاصل ہوگی کہ بنگال کی زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرف بنگلہ صحافت پر بھی رابندر ناتھ کی امٹ شخصیت کی چھاپ ہے۔ مشہور بنگالی صحافی شری ہیمندرا پرشاد گھوش نے بجا فرمایا تھا کہ "تمام نثر کے تحت ٹیگور کی زیادہ تر تحریروں میں بحث و مباحثہ کا رجحان پایا جاتا ہے، اس لئے ان کی تحریروں کو صحافتی تحریریں کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جس طرح ٹیگور نے صحافت کے ذریعہ ادب کی خدمت کی، اسی طرح انہوں نے ادب کے ذریعہ صحافت کو فروغ دیا۔ ان کے قلم کے ادبی جوہروں کے ساتھ ہی انکی پرکشش شخصیت نے بنگلہ صحافت کو تابناک بنانے میں [illegible]

تخلیق: رابندر ناتھ ٹیگور

ترجمہ: رضا مظہری

اپنا دیس

جہاں ذہن آزاد ہو خوف سے
جہاں سر ہمیشہ اٹھے ہی رہیں
جہاں علم پر کوئی قدغن نہ ہو
نہ دنیا کو ٹکڑوں میں بانٹیں جہاں
فصیلیں مقامی مفادات کی
زبانوں پہ آئیں جہاں لفظ لفظ
نکل کر صداقت کی گہرائی سے
جہاں بازوانِ عمل شل نہ ہوں
بڑھے جائیں مقصد کی تکمیل میں
جہاں مردہ عادات کی ریگ میں
خرد کے جو چشمے ہیں وہ گم نہ ہوں
جہاں ذہن کی رہنمائی کریں
فضاؤں میں فکر و عمل کی صدا
[illegible] ہی اشارے ترے ہی کرم
[illegible] فکر آزاد ہیں
[illegible] دیس کو خواب سے
[illegible] ہے لے پتا

Where the mind is without fear
and the head is held high;
Where Knowledge is free;
Where the world has not been broken up
into fragments by narrow domestic walls;
Where words come out from the depth of truth;
Where tireless striving stretches its arms
towards perfection;
Where the clear stream of reason
has not lost its way
into the dreary desert sand of dead habit;
Where the mind is led forward by thee
into ever-widening thought and action
Into that heaven of freedom, my Father,
[illegible] my country [illegible]

Rabindranath Tagore



ٹیگور کسانوں کے ساتھ

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Assistant Editor Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G R T.
Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

MAGHR..BI BA.GAL
1st June 1985
Rabindra Sankha

Postal Regd. No. WB/CC—52
Vol. 32 No. 10, 11
PRICE 40 Paise



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتمین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ جون ۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۲

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۱۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



جو ہر زمانہ میں اور ہر دور میں انقلاب کا پرچم لہراتے ہیں
جن کا لبریز شوقِ زندگی اپنے سکون کے لئے زہر کے پیالوں
اور پھانسی کے تختوں کا جویا رہتا ہے
جو پہاڑی ندیوں کی طرح کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتے
جنہیں کم نظر بددعائیں دیتے ہیں اور کم ظرف بد اخلاق کہتے ہیں
میں انکی چوکھٹ کو چومتا ہوں اور انہیں کے گیت گاتا ہوں

آزاد ترجمہ

(قاضی نذرالاسلام)

مانجھی! ہوشیار

تخلیق : قاضی نذرالاسلام
ترجمہ : عرش ملسیانی

یاتریو! ہوشیار! تمہیں آدھی رات گئے، ناقابلِ تسخیر پہاڑوں،
گھنے اور لامحدود جنگلوں، ناقابلِ عبور سمندروں کو پار کرنا ہے
ناؤ جھکولے کھا رہی ہے اور ڈوب رہی ہے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے
مانجھی اپنا رستہ بھول گیا ہے، بادبان پھٹ گئے ہیں۔
اب پتوار کون سنبھالے کس میں اب جرأت ہے۔
طاقت ور نوجوانو! آگے بڑھو، تقدیر تمہیں پکار رہی ہے
طوفان زوروں پر ہے لیکن کشتی کو پار جانا ہی ہے
رات اندھیری ہے۔ اے پہرہ دار تم نے ماں کی مقدس قسم کھائی ہے
خبردار رہو۔ صدیوں کا مقید درد اب باہر نکل کر مارچ کر رہا ہے
محروم لوگوں کے دلوں میں غصہ پیدا ہو کر بڑھ رہا ہے
ان کو زندہ رہنے کا حق ملنا چاہئے
بے بس قوم تیرنا نہیں جانتی، اس لئے ڈوب رہی ہے،

اے مانجھی! یہ تمہاری ماں کو آزادی دلانے کی قسم سے امتحان کا وقت ہے
وہ کون ہے جو پوچھتا ہے، یہ ہندو ہیں یا مسلمان
اے مانجھی! کہو کہ یہ ڈوب رہے انسان، میری ماں کی اولاد ہیں۔
یہ پہاڑ کی گپھا ہے (دروازہ) بادل کی زور دار گرج سے یاتری
ڈر رہے ہیں
اور جوان کے پیچھے ہیں شک میں پڑ رہے ہیں۔
اے ملاح! کیا تم صحیح راستہ (سمت) بھول جاؤ گے اور ان کو منجدھار
میں چھوڑ دو گے
یہ آپس میں لڑتے ہیں لیکن تم ضرور ان کو اپنے ساتھ لے چلو
کیوں کہ تم پر بڑی ذمہ داری ہے۔
اے مانجھی! تمہارے سامنے پلاسی کا میدانِ جنگ پڑا ہے
جہاں کلائیو کی تلوار بنگالی خون سے لال ہوئی تھی،
گنگا کے پار بھی سورج غروب ہو گیا
وہ سورج ہمارے خون سے لال ہو کر پھر طلوع ہوگا
وہ جو پھانسی کے تختے پر زندگی کی فتحمندی کے گیت گاتے تھے
نظر نہیں آتے اور
ایک طرف کھڑے ہیں، تم ان کے لئے کون سی قربانی کرو گے،
آج امتحان کا دن ہے۔
تم کیسے آزاد کرو گے، قوم کو یا فرقے کو
ناؤ ڈول رہی ہے، سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے
مانجھی! ہوشیار باش

(آزاد ترجمہ)

قاضی نذرالاسلام

شاعر، فن کار، قومی یکجہتی اور عالمگیر اخوت کے علمبردار

از: محمد اعظم

ایک نوجوان لڑکا بردوان کے علاقہ میں ایک روٹی کی دکان میں کام کیا کرتا اور فرصت کے اوقات میں مقامی لوک ناٹک پارٹی جسے "لاٹو" کہتے تھے، کے لئے نظمیں، گیت اور چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھا کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ان کے ناچ اور گیتوں میں بھی شریک ہو جاتا۔ جانتے ہیں یہ نوجوان کون تھا؟ یہ نوجوان قاضی نذرالاسلام تھا۔ ہاں قاضی نذرالاسلام جو فن کار بھی تھے اور مرد عمل بھی اور جنہوں نے آزادی کی جدوجہد، قومی اتحاد و یکجہتی، مساوات اور عالمگیر اخوت کے فروغ کے لئے وقف کر دیا تھا۔

قاضی نذرالاسلام ۲۵ مئی سنہ ۱۸۹۹ء کو مغربی بنگال کے ضلع بردوان کے گاؤں پرولیا میں پیدا ہوئے۔ جب وہ پندرہ سال کے نوجوان تھے باپ کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا۔ پھر گھر کے معاشی بوجھ اٹھانے کے لئے انہیں پڑھنا لکھنا چھوڑ کر ملازمت کرنی پڑی۔ کچھ عرصہ تک وہ پرائمری اسکول کے معلم رہے۔ پھر ریلوے گارڈ کے کوارٹر میں ملازمت کی۔ اس کے بعد وہ ایک روٹی کی دکان میں کام کرنے لگے۔ ایک دن ایک پولیس افسر قاضی رفیع اللہ کی فن شناس آنکھوں نے نذرل کو روٹی کی دکان میں کام کرتے دیکھ لیا۔ وہ فوراً نذرل کو وہاں سے لے جا کر ضلع میمن (جو اب بنگلہ دیش میں ہے) کے ایک ہائی اسکول میں داخل کر دیا۔ نذرل وہاں زیادہ دنوں تک نہ رہے اور اپنے گاؤں واپس آ گئے۔ یہاں ملک کے ایک مشہور شاعر کمد رنجن ملک نے انہیں سیرسول راج ہائی اسکول میں داخل کر دیا۔ یہاں نذرل کی تعلیم کی ذمہ داریاں ایک صاحب نے سنبھالیں۔ نذرل بہت ذہین طالب علم تھے اور ایک سال میں انہیں ڈبل پروموشن ملا اور وہ آٹھویں کلاس سے دسویں کلاس میں چلے گئے۔ اسی اسکول میں وہ نوران چند گھٹک کے زیر اثر آ گئے۔ رسشری گھٹک انقلابی جگانتر پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے کہنے پر نذرل نے پڑھائی چھوڑ کر، عالمی جنگ اول کے دوران، ۴۹ ویں بنگال رجمنٹ میں شامل ہو گئے۔ نذرل فوج میں اس لئے شامل ہوئے کہ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں یہ فوجی تربیت ان کے کام آئے گی۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد وہ کلکتہ واپس آئے اور یہاں ادبی خدمات میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہاں سے ان کی قابل رشک ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔

نذرل میں ایک عجیب و غریب بات یہ دیکھی گئی کہ بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق ان کے دل میں پیدا ہوا اور زندگی کے جدوجہد نے ان کے اس شوق کو جلا بخشی۔ جب وہ فوج میں تھے تو اس وقت بھی انہوں نے بہت سی نظمیں لکھیں جو کلکتہ کے مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئیں۔

اس صدی کی دوسری دہائی میں برٹش حکومت کے خلاف ہندستان کے لوگوں میں بیداری پیدا ہو چکی تھی، اور اس وقت نذرل کی نظموں، گیتوں اور تحریروں نے لوگوں کے دل و دماغ کو انقلاب سے سرشار کر دیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں نذرل کا مجموعۂ مضمون 'یگ بانی' بنگلہ اخبار 'نویگ' جس کے وہ جوائنٹ ایڈیٹر تھے، میں شائع ہوا تو اسے برٹش حکومت نے ضبط کر لیا کیوں کہ یہ مضامین نہ صرف سیاست پر تھے بلکہ ان میں مزدوروں اور کسانوں کی ابھرتی ہوئی

تحریکوں کو بھی اجاگر کیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو اس اخبار سے الگ ہو جانا پڑا۔ لیکن انہوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ عدم تعاون تحریک کے دوران انہوں نے بہت ساری نظمیں اور گیت لکھے جنہوں نے عوام کے دلوں کو نئے جذبات اور احساسات سے لبریز کر دیا۔ ان کی ایک نظم کے چند اشعار یہ ہیں:۔

یہ آنسو کیوں؟ یہ ایک نیا دور لانے کا وقت ہے،
بیگل بجاؤ، جھنڈے لہراؤ اور آگے بڑھو۔

نذرل کو سماجی برائیوں اور تعصب کا خود ان کی اپنی زندگی کے واقعات سے تجربہ ہوا ہے۔ اور ان برائیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے انہوں نے انتھک کوششیں کیں۔ انہوں نے "ذات پات کی حرام زدگی"، "ستیہ منتر (سچائی کا جادو)"، اور اسی طرح کی بہت ساری نظمیں لکھیں۔ جس میں سماجی برائیوں کو اجاگر کیا گیا۔ ان کی یہ نظمیں اور ایک طویل نظم "طوفان" ایک کتاب "ویشن بنسی" (زہر کی بنسی) میں چھپی تھی۔ نیز ایک "بربادی کا گیت" نظم ایک کتابی شکل میں شائع ہوئی تھی لیکن ان دونوں کو حکومت نے ضبط کر لیا۔

لیکن اس کے باوجود نذرل کی تخلیق کا دھارا رواں دواں رہا۔

۱۹۲۱ء کے موسم سرما میں انہوں نے ایک طویل نظم "ودروہی" (باغی) لکھی جس نے انہیں صف اوّل کے شاعروں میں لا کھڑا کر دیا۔ اس نظم کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے ؎

اے جوانمرد کہہ دو، کہ میں ہوں سربلند
ہمالہ میرے سر کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی چوٹیاں
عاجزی سے سر جھکاتی ہیں۔

اس نظم کے آخر میں انہوں نے کہا کہ ؎

میں جنگ سے تھکا ہوا باغی اس دن چین لوں گا
جب مظلوموں کی فریاد آسمان میں نہ گونجے گی۔

ادبی زندگی میں اپنا مقام بنانے کے بعد نذرل نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور سیاسی صحافت سے رشتہ بھی قائم کیا۔ وہ کلکتہ کے ایک اخبار "سیوک" سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا ایک الگ ہفتہ واری اخبار "دھوم کیتو" (دمدار ستارہ) قائم کیا۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۱ راگست ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ پھر اس کے بعد جنوری ۱۹۲۳ء کے شمارہ میں انہوں نے اپنی نظم "آنندمئی آگمن" (مسرت کی دیوی کی آمد پر) شائع کی۔ اس نظم کی اشاعت پر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس نظم میں انہوں نے مسرت کی دیوی "درگا" سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنے پرستاروں کے دلوں سے مکر و فریب اور بزدلی کو مٹا دے اور ایک طوفانی اور دیوانہ رقص کرتی ہوئی اترے۔ نذرل پر سیڈیشن ایکٹ کے تحت مقدمہ چلایا گیا اور انہیں ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ عدالت میں انہوں نے اپنی صفائی میں نہایت متین اور پروقار انداز سے کہا تھا "میں ایک شاعر ہوں، ایک بانسری ہوں جس کے ذریعہ سچائی بولتی ہے۔ چند ظالم طاقتیں اس بانسری کو قید کر سکتی ہیں، اسے تباہ کر سکتی ہیں لیکن اس بانسری بجانے والے کو کون گرفتار کر سکتا ہے۔ میں ایک دن مر جاؤں گا، مجھے سزا دینے والے بھی مر جائیں گے لیکن کسی دور میں کسی کے ذریعہ سچائی کے اظہار کو نہیں روکا جا سکتا۔ اس کی آواز کو خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر میرے ہاتھ سے بانسری چھین لی جائے تو اس کی موسیقی بند نہیں ہوگی کیوں کہ یہ موسیقی میری روح میں پیوست ہے نہ کہ اس بانسری میں"۔

۱۵ دسمبر ۱۹۲۳ء کو رہا ہونے کے بعد وہ ہفتہ وار اخبار "لانگل" (ہل) میں شامل ہو گئے۔ اسی دوران یعنی ۱۹۲۴ء میں انہوں نے پرمیلا سین گپتا سے شادی کی۔ نذرل نے لانگل میں اشتراکیت سے وابستہ نظموں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کی ان نظموں میں مساوات کا درس تھا، قدامت پرستی کے خلاف بغاوت کا ذکر تھا۔ پسماندہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کا نعرہ تھا۔ قومی یکجہتی اور اتحاد کے فروغ کا پیام تھا۔ انہوں نے کمیونسٹ کے بین الاقوامی ترانے کا منظوم ترجمہ کیا اور اسے "گن بانی" (لانگل کا دوسرا نام) میں شائع کیا۔ انہوں نے کئی ناول جیسے "باندھن ہارا"، "مرتیو کشدھا" (موت کا اشتہار) لکھے جن میں انقلاب کے لئے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں جذباتی کشمکش کا اظہار کیا۔

اسی دوران نذرل نے نوجوانوں اور طلباء کی جماعتوں کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک وہ بہت معروف عمل رہے۔ بانکوڑا میں طلباء کی کانفرنس میں شرکت کی۔ کرشن نگر میں طلباء کی کانفرنس میں طلباء کے

گیت گائے۔ نوجوانوں کی کانفرنس میں جوشیلے گیت گائے۔ کرشنگر میں انہوں نے مزدوروں کے لئے ایک نائٹ اسکول قائم کرنے میں ہاتھ بٹایا۔

اسی صدی کی تیسری دہائی میں انہوں نے رباعیات حافظ کا فارسی سے بنگلہ میں ترجمہ کیا اور اپنی نظموں کا ایک اور مجموعہ "پرلے شیکھا" (شعلۂ قیامت) شائع کیا نیز انکی ایک نظم "بھارت ہلدی گھاٹ" چھپی۔ اس نظم میں انہوں نے اس جدوجہد کی تصویر کشی کی ہے کہ کس طرح جتیندرا ناتھ مکھرجی عرف باگھا جوتن اور ان کے ساتھی انقلاب پسندوں نے ۱۹۱۶ء میں برطانوی پولس کے ساتھ بلسور (اڑیسہ) میں باقاعدہ جنگ لڑی اور اپنی جانِ عزیز کی قربانی دی۔ اس کتاب کو بھی حکومت نے ضبط کر لیا۔ ان پر مقدمہ چلا اور انہیں چھ ماہ قید کی سزا ہوئی لیکن گاندھی ـــ ارون معاہدہ کے تحت وہ رہا ہو گئے۔

قاضی نذرالاسلام شاعر، ادیب اور مجاہد کی حیثیت سے مقبول عام بن چکے تھے۔ ان کے ادبی شہ پارے یا یوں کہئے کہ سیاست کی چاشنی سے لبریز ادبی شہ پارے "دھوم کیتو" میں شائع ہوا کرتے۔ اس اخبار کو خریدنے کے لئے سینکڑوں لوگ گلیوں اور کوچوں کے موڑ پر کھڑے ہاکروں کا انتظار کیا کرتے۔ لوگوں کے ساتھ ساتھ پولس بھی انتظار کیا کرتی۔ بس ادھر "دھوم کیتو" شائع ہوا اور ادھر پولس نے اسے ضبط کر لیا۔ پولس تو ہمیشہ یہی کوشش کیا کرتی کہ ضبط کردہ رسالہ کی تمام کاپیاں جلا دی جائیں۔

نذرالاسلام نے بہت سارے مضامین لکھے۔ یہ مضامین ہیجان خیز ہوتے، لیکن ان میں بہت زیادہ معقولیت ہوتی، اور ان میں انہوں نے بہت ہی سنجیدگی سے اپنے مقاصد کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے مضامین میں بہت ساری باتوں کو اجاگر کیا۔ ایک مضمون میں انہوں نے عدم تشدد کی تحریک کی حمایت نہ کرنے کی وجہ بتائی۔ انہوں نے بتایا کہ انگریز سونے کی طشتری میں آزادی کو رکھ کر ہمیں پیش نہیں کریں گے، بلکہ اسے حاصل کرنے کے لئے ہمیں جدوجہد کرنی ہوگی، تن من دھن کی قربانی دینی ہوگی۔ سماجی عدم مساوات اور معاشی بے انصافی سے وہ ہمیشہ برسرِ پیکار رہے اور انہیں دور کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بہت سارے مضامین میں لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ سب میدانِ عمل میں کود پڑیں۔ وہ قومی اتحاد اور یک جہتی اور عالمگیر اخوت کے علمبردار تھے اور انہوں نے اپنے بہت سارے مضامین میں ان باتوں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون "دھرم گھٹ" یعنی ہڑتال میں مزدوروں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا۔ مزدور اس مضمون سے کافی مستفید ہوئے۔ ایک اور مضمون "آمار لوکھی چھاڑا دول" (ہم غریب اور نادار لوگ) میں نذرل نے بے روزگار اور اکھڑے ہوئے نوجوانوں کو اپنے ساتھ چلنے کی تلقین کی تاکہ ان کی کارگزاریوں سے ایک نئی دنیا عالم وجود میں آئے۔

اب آیئے نذرل کے گیتوں کا ذکر کریں۔ نذرل بڑے اچھے گیت کار تھے۔ وہ گیت لکھتے، ان کی دھنیں تیار کرتے اور کبھی کبھی خود ان گیتوں کو گایا کرتے۔ ان کے گیت دھن اور سُر ان کی اپنی ایک الگ انفرادیت کی حامل ہیں۔ ان باتوں کی وجہ سے ان کے گیتوں اور سُر کو "نذرل گیتی" کہتے ہیں۔ نذرل نے اپنے گیتوں میں جہاں کلاسیکی راگ دُھرپد، خیال، ٹھمری کا استعمال کیا وہاں انہوں نے بھجن، غزل، کیرتن، بال اور بھٹیالی سُروں میں بھی گیت مرتب کئے۔ انہوں نے عربی اور فارسی دھنیں بھی استعمال کیں۔ اس کے ساتھ ہی بہت سارے متروک راگوں کو بھی اپنے گیتوں میں جگہیں دیں۔ نیز بہت سارے رائج سُروں کے امتزاج سے نئے سُر تیار کئے۔ ان کے گیتوں اور موسیقی میں بے ساختگی پائی جاتی ہے، ساتھ ہی نذرل نے صرف اس بات پر قناعت نہیں کی کہ ان کے گیتوں کے سُر، تال اور الفاظ دلچسپ ہوں بلکہ انہوں نے اپنے گیتوں کے ذریعہ لوگوں کو پیار محبت، قومی یک جہتی اور قومی اتحاد، حب الوطنی، محنت و مشقت اور بھکتی کے پیغامات دئے۔ حب الوطنی کے ایک گیت کے چند مصرعے یہ ہیں:-

اے مادرِ وطن میں نے خواب میں دیکھا کہ تم رانیوں کی رانی ہو
اے نئے ہند نئے ہند! تیری تعریف کے گیت سارے عالم میں گونجے

قومی اتحاد اور یک جہتی کے ایک گیت سے

ہندو اور مسلمان دو بھائی ہیں، بھارت کی آنکھوں کی دو پتلیاں
ہیں، وہ سب ایک ہی باغ کے دو درخت ہیں ایک دیوار اور ایک کام

ایک بھجن سے

آؤ مسرت کی دنیا میں چلیں،
وہاں نہ موت، نہ خوف، نہ تخلیق نہ پیدائشِ عمل

وہاں لازوال شباب ہے جسے کوئی خوف نہیں

کیرتن ہے

کون سی مسرت ہے جس کی بنا پر میں گھر نہ چھوڑتا،
اگر میرا شیام سادھو ہو گیا ہے میں بھی سادھو ہو جاؤں گا۔

نذرل نے بنگلہ شاعری میں غزل کو سب سے پہلے داخل کیا۔ انہوں نے بہت سی غزلیں کہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے

اے میرے محبوب تو کون ہے، جو میرے مزار پر پھول
چڑھانے آیا ہے
تم نے میرے دل کو چرایا تھا، کیا اتنی مدت کے بعد بھی تم مجھے
فراموش نہ کر سکے
جسے زندگی میں تم نے ٹھکرا دیا، اب اسے آرام سے
سونے دو
اس کی نیند کو اچاٹ نہ کرو، خاص کر اس وقت جب وہ
موت کے اس پار ہے،

اسی طرح باؤل گیت کے چند مصرعے یہ ہیں ؂

میں ایک مجذوب ہوں، بالی ہوں، میرے بھائی میرا یہ
جسم بھی میرا مندر ہے، میرے دل کا دیوتا کہیں دور نہیں رہتا، وہ مندر جو
اس کا گھر ہے، میرے دل میں ہے۔

نذرل کا ایک بھٹیالی گیت یوں ہے۔

میرے بھائی او مانجھی، تجھے کون سا غم ہے کہ تو نے بحر بیکراں
میں اپنا لنگر توڑ دیا ہے۔

نذرل کے بہت سارے گیت ایسے بھی ہیں جو سیاست، سماج اور مذہب کی بنیادوں پر بھرپور طنز ہیں۔

نذرل نے سروں اور گیتوں کی بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کی کتابیں "سور لیپی"، "سرسانی"، ۱۹۳۱ء میں، "ذوالفقار اور بن گیتی" ۱۹۳۲ء میں، "گل بانچہ" ۱۹۳۳ء میں اور "گیت ست دل اور سرلیپی سرمکر اور گان مالا" ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئیں۔

جب نذرل کے گیت عوام میں مقبول ہو گئے تو انہیں ایچ۔ ایم۔ وی گراموفون کمپنی نے اپنے یہاں گیت لکھنے اور گیت گانے پر مامور کیا۔ اس کے بعد آل انڈیا براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے کلکتہ اسٹیشن نے انہیں اپنے یہاں گیت لکھنے کے کام پر مامور کیا۔ نذرل نے اس ریڈیو اسٹیشن کے گیت گانے کے پروگراموں میں نئے نئے فیچروں اور راگوں میں لکھے برجستہ گیتوں سے نئی زندگی پیدا کر دی۔ انہوں نے اپنے دوستوں کے ناٹکوں اور فلموں کے لئے بھی بہت سارے گیت لکھے۔ کامیاب بنگلہ فلم "دھروو" میں انہوں نے نارد کا رول ادا کیا۔ اس فلم کے وہ میوزک ڈائرکٹر بھی تھے۔ ایک بار وہ اپنے ڈرامہ "ایلیا" میں ایکٹر کا بھی رول ادا کیا۔ ان میں بہت سے گیت "بلبل" کی دوسری اشاعت میں ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئے۔

وقت گزرتا گیا، قاضی نذرالاسلام نے ۱۹۴۱ء کے شروع شروع سے ہی اپنی تقریروں میں اور اہمی پیغام دینا شروع کر دیا۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں بنگال مسلم لٹریری کانفرنس کی سلور جوبلی تقریب کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے اس انداز سے تقریر کی کہ وہ پیغمبر یا شاعر بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ وہ تو محبت کے پیامبر تھے اور امیر و غریب کے درمیان جو فرق ہے اسے دور کرنے کے لئے آئے تھے۔ چونکہ وہ اس کام میں کامیاب نہیں ہوئے، اس لئے وہ الوداع کہنے پر مجبور تھے۔

پھر ۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو مقدر نے نذرل پر اپنی ضرب کاری لگائی۔ وہ کلکتہ کے ریڈیو اسٹیشن سے ایک پروگرام نشر کر رہے تھے کہ یکایک ان کی زبان بند ہو گئی اور وہ کچھ بول نہ سکے۔ بس یہیں سے ان کی باہوش زندگی ختم ہو گئی۔ انہیں ریڈیو اسٹیشن سے گھر واپس لایا گیا۔ بعد میں انہیں اپنے دماغ پر قابو نہ رہا۔ ان کے علاج کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے، ایک سال کے بعد انہیں یورپ میں بھیجا گیا۔ لیکن ان کا مرض لاعلاج ثابت ہوا۔ سوویت ماہرین طب اور یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کی یہ رائے تھی کہ اگر انہیں ایک سال کے اندر اندر یورپ میں لایا جاتا تو شاید وہ شفایاب ہو جاتے۔ آخرکار نذرل کو زندگی کے باقی ماندہ دن پرسکون خاموشی میں گزارنے پڑے۔ اس دوران مئی ۱۹۶۲ء میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔

صدر جمہوریہ ہند نے قاضی نذرالاسلام کو پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا۔ کلکتہ یونیورسٹی نے بنگلہ ادب کی خدمات کیلئے انہیں مشہور جگت ترنی میڈل دیا۔ مغربی بنگال کی حکومت نے ان کے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

تخلیق: قاضی نذرالاسلام

ترجمہ: یونس احمد

جاگو

زنجیر میں جکڑے ہوئے ہمدم مرے جاگو
تعمیر و مساوات کا پیغام سناؤ
ہمدم مرے جاگو!
آہن کے پگھلنے کی صدا آنے لگی ہے
تخریب کی آنکھوں میں گھٹا چھانے لگی ہے
اب وقت ہے یہ قفل وہاں تم بھی تو کھولو
ہمدم مرے جاگو!
دن رات زمیں سنتی ہے آہوں کا فسانہ
آنسو کے لرزتے ہوئے قطروں کا ترانہ
لولے کہیں، لنگڑے کہیں روتے ہیں شب و روز
عورت کی کہانی ہے جگر پاش، جگر دوز

احساس کے بڑھتے ہوئے شعلوں کو ہوا دو
زنجیر میں جکڑے ہوئے ہمدم مرے جاگو
ہمدم مرے جاگو!

گیت

تلسی تلے جب شام کو سبھی کرنا تم پرنام
بھول کے من سے اپنے غم کو لینا میرا نام
بھول جو میں نے تم سے لئے تھے بھول تھی کس کی بولو
پیار اسماں وہ راہ نرالی
تم بھولیں ہم بھولے!

کلیاں ساری پھوٹ رہی تھیں یاد نہیں کیا بولو ؟
ساری لتا کی بیلیں بندھی تھیں کھولا نہیں تھا جن کو
جس آکاش پہ چاند کبھی تھا آج ہے بادل صبح اور شام

***

تخلیق: قاضی نذرالاسلام   ترجمہ: خلیل احمد

بجلی صنعت کی روح رواں ہوتی ہے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

کولہ گھاٹ تھرمل پاور اسٹیشن کے دوسرے دور کے بجلی گھر کا افتتاح

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے سنیچر، یکم جون ۸۵ء کو میچیدا، ضلع مدناپور میں مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کے کولہ گھاٹ تھرمل پاور اسٹیشن میں دوسرے دور کے بجلی گھر کا افتتاح کیا۔ اسی دن اس اسٹیشن کے ۲۱۰ میگا واٹ والے ایک اور پلانٹ کو چالو کر دیا گیا۔ گزشتہ سال ۲۱۰ میگا واٹ کا ایک یونٹ چالو کر دیا گیا تھا۔

اس موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ترقیاتی اقدامات اور پروگراموں کی بابت فیصلوں کو سیاست اور تنگ نظری کے دائرہ سے بالکل باہر رکھنا چاہئے کیوں کہ یہ دونوں ملک کے اتحاد اور یکجہتی کی راہ میں سد راہ ہوتی ہے۔

انہوں نے انتباہ کیا کہ اگر ترقیاتی سرگرمیوں کو تمام ریاستوں کے درمیان مناسب طور پر تقسیم نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے ملک میں ذات پات اور مذہب کے نام فسادات بھڑک اٹھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ لمبے عرصے کے تناظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے قومی مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک نئے رویہ کی ضرورت ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ اگر ہمیں ۷ کروڑ لوگوں کو ۲۱ ویں صدی میں لے جانا ہے تو ہمیں سیاسی تفریق کو بالائے طاق رکھ کر مشترکہ طور پر کام کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی ہم میں سے بہت سارے لوگ ۱۸ ویں صدی اور ۱۹ ویں صدی میں رہتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ملک آج شدید بحران سے دوچار ہے اور دور اندیشی پر مبنی ایک وسیع منطقی رویہ اور پالیسی کو اپنا کر ملک انتشار اور تخریب پسندوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے جس سے صرف ایک خاص طبقہ کو فائدہ پہونچے۔

روزگار کے مساوی مواقع کے لئے صنعتوں کی مساوی تقسیم پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ترقیاتی اقدامات کی کمی کی وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان بے روزگاروں میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے اور بعد میں وہ سب توڑ پھوڑ کے عمل میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ ان بے روزگاروں کی امیدوں کو پورا کرنے کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ صنعتیں قائم کی جائیں اور اس مقصد کی برآوری کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ بجلی کے شعبے کے لئے بہت ہی جامع اور وسیع منصوبے مرتب کئے جائیں کیوں کہ بجلی تو صنعت کی روح رواں ہوتی ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ مغربی بنگال میں بجلی سیکٹر کو منصوبہ میں دور اندیشی کے فقدان، فنڈ کی نادستیابی، تاخیر کردہ فیصلے، لمبے عرصہ کے بعد منظوری اور کام کاج میں کوتاہی سے بری طرح متاثر ہونا پڑا۔ حالانکہ اس عرصہ میں بجلی کی مانگ میں تیزی سے اضافہ ہوتا گیا۔ بجلی کی چوری بڑھتی ہی جا رہی ہے اور پلانٹ ورکروں اور انجینیروں کی مشترکہ کوششوں میں خلوص کا فقدان نظر آتا ہے۔ ان مسائل کو مرکز اور بھارت ہیوی الیکٹریکلس کے حکام کو ساتھ بیٹھ کر تعاون کے جذبے سے حل کرنا چاہئے۔ اس الیکٹریکلس کو کولہ گھاٹ پروجیکٹ کے ۶۳۰ میگاواٹ کی تین یونٹوں کی تنصیب کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ اس ریاست میں بجلی کی جتنی ضرورت ہے اس کی بابت مرکز نے غلط تخمینہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر دس سال پہلے سے خاص طور پر توانائی پروجیکٹس کے لئے منصوبے مرتب کئے جانے چاہئیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ بہر حال مرکزی حکومت کے حکام نے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ دیہاتوں میں بجلی کی سپلائی کے سلسلے میں ریاستی پروگرام کے لئے مالی امداد فراہم کی جائے گی۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ منصوبہ بندی کمیشن اور مرکزی حکومت دونوں ہی نے مشرقی علاقہ میں توانائی سیکٹر میں بہت ہی کم سرمایہ کاری کی ہے۔ گرچہ ساتویں منصوبہ کے مرحلے میں ریاستوں کے حصص کی بابت اب تک فیصلہ نہیں ہوا تاہم اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ریاستوں کے حصص توانائی سیکٹر کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہیں کریں گی۔ گرچہ سالانہ مصارف میں ۵۷ کروڑ روپئے کی کٹوتی ہوتی ہے تاہم بجلی شعبہ کے بجٹ میں کانٹ چھانٹ نہیں ہوگی۔

"بھیل" (بی۔ ایچ۔ ای۔ ایل) سے کولاگھاٹ پروجیکٹ کے دوسرے دور کے تعمیراتی کام کے لئے معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ دوسرے دور کے تعمیراتی کام کے اخراجات کے لئے ریاستی حکومت حسب ضرورت فنڈ فراہم کرے گی۔ انہوں نے بھیل سے کہا کہ وہ معاہدہ کی شرائط کے مطابق کام شروع کر دے۔ دریں اثنا بھیل نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ تعمیراتی کام شروع کرنے کے لئے ایک ماہر انجینئر کو یہاں بہت جلد بھیجے گا۔

کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (سی۔ ای۔ ایس۔ سی) کے جنوبی بجلی گھر میں بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں اضافہ اور ۶۰ میگا واٹ کے دو بجلی گھروں کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ کام کے شروع ہونے میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکز اس بات پر بضد ہے کہ یہ آرڈر بھیل کو دیا جائے۔ گرچہ ایک انگریز فرم نے پلانٹ کی تعمیر کے لئے "بعد کی ادائیگی" کی سہولت فراہم کی تھی۔ اس سلسلے میں شری [illegible] نے سی۔ ای۔ ایس۔ سی پروجیکٹ کی بابت شک و شبہ کو دور کرنے کے لئے وزیر اعلیٰ

اس بات کا یقین دلایا کہ بھیل اپنی شرحوں میں کافی کمی کر دے گا اور اس طرح ریاستی حکومت کو مزید مالی دشواریوں کا بوجھ برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔

اس ریاست میں بجلی کی چوری کی روک تھام کرنے کیلئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ موجودہ قوانین میں حسب ضرورت ترمیم لانی چاہئے تاکہ سخت اقدامات کئے جا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ "ایسی چوری تو سماج کے خلاف ایک جرم ہے اور اس چوری کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے کام میں ریاستی حکومت کی مدد کرنے کے لئے پنچایتوں اور مقامی لوگوں کو آگے بڑھنا چاہئے۔"

اس ریاست کی صنعت کاری کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ریاستی حکومت اس بات سے واقف ہے کہ اس ریاست میں کوئی جدید صنعت نہیں ہے اور موجودہ صنعتیں آرڈر کی کمی اور دیگر وجوہ سے بیمار ہوتی جا رہی ہیں اور بند ہو گئی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر پرائیویٹ سیکٹر، بینک اور دیگر مالیاتی ادارے نئی سرمایہ کاری نہ کریں تو ریاست کو شدید معاشی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس ریاست کی متوازن صنعتی افزائش اور ترقی کے لئے ریاستی حکومت نئی صنعتی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

اس سے پہلے وزیر بجلی شری پرابیر سین گپتا نے کہا کہ کولاگھاٹ میں دوسرے دور کے کام کے مکمل ہو جانے کے بعد اس ریاست میں بجلی کی صورت حال میں کافی بہتری ہوگی۔ انہوں نے مزید کہا کہ بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے چند پروجیکٹوں کو ابھی بھی منصوبہ بندی کمیشن کا انتظار ہے۔ حالانکہ ان پروجیکٹوں کو مرکزی بجلی حکام نے اپنی منظوری دے دی تھی۔ بجلی کی مانگ میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اسے پورا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پیداوار کی ضرورت ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ ریاستی بجلی بورڈ حکام کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان ٹھیکیداروں کو کام نہ دیں جنہوں نے پہلے دئے گئے کام کو مناسب طور پر مکمل نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بڑے بڑے ٹھیکیدار پلانٹ کا کام تحتی ٹھیکیدار کو دے دیتے ہیں لیکن یہ وقت پر کام مکمل نہیں کرتے۔ بعض ٹھیکیداروں کی بابت یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ مزدوروں کو وقت پر اجرت نہیں دیتے جس سے مزدوروں میں

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

دیہی اور چھوٹی صنعتوں میں روزگار کے امکانات کافی روشن ہیں

پرلے تالکدار، وزیر ریاست برائے دیہی اور چھوٹی صنعت

شری پرلے تالکدار، وزیر ریاست برائے دیہی اور چھوٹی صنعت، مغربی بنگال نے مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے حالیہ بجٹ سیشن میں اپنے شعبہ کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کے شعبہ کی تمام تر سرگرمیوں کا مقصد یہی ہے کہ دیہی اور چھوٹی صنعتوں میں فاضل روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ انکی بجٹ تقریر اختصار کیساتھ درج ذیل ہے:

اس ریاست میں چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کی ترقی اور فروغ کے لئے نئے کاروباریوں اور ناظموں کے تکنکی اور انتظامی ہنر کو اور بھی بہتر بنانے کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے ہیں۔ چھوٹی صنعتی یونٹوں کی ترقی کے پروگرام کو ڈی۔ آئی۔ سی براہ راست، ساتھ ہی ایس آئی ایس آئی، آر۔ کے۔ مشن، مالیاتی ادارے، ویبکون، کلکتہ پروڈکٹیویٹی کاؤنسل اور علاقائی ترقیاتی آتھوریٹیز جیسے مالیاتی، تکنکی اور چھوٹی یونٹوں کو فروغ دینے والے اداروں کے تعاون کیساتھ روبہ عمل لا رہا ہے۔ نیز الیکٹرونکس، چرم سازی، دستکاری، رسی اور لاک مصنوعات کی تیاری کے سلسلے میں مصنوعات پر مبنی تربیت دی جارہی ہے۔ ۸۴-۸۵ء میں ۸۳۰ چھوٹے کاروباریوں/ کاریگروں کو اے ڈی پی کے تحت تربیت کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ نیز ۸۵-۸۶ء کے دوران تربیت کے مختلف پروگراموں کے تحت ۹۵۰ چھوٹے کاروباریوں/ کاریگروں کو تربیت دی جائے گی۔ باہنر عورتوں، جسمانی لحاظ سے معذور لیکن ہنرمند لوگوں اور چھوٹے کاروبار کرنے والے دیہی لوگوں کی، جنہیں مقامی طور پر تربیت کی سہولت فراہم نہیں ہیں، تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔

اس ریاست میں الیکٹرونکس صنعتوں کے فروغ اور ترقی کے لئے موثر اقدامات کئے گئے۔ ۸۵-۸۶ء میں مذکورہ ای ڈی پی پروگرام کے تحت ۶۰ افراد کو الیکٹرونکس میں تربیت دی جائے گی۔

اس ریاست میں الیکٹرونکس صنعت کے لئے جائزہ کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس جائزہ سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ یہاں کی الیکٹرونکس صنعتی یونٹیں مائکرو پروسیسر، ٹیپ ریکارڈرس، وولٹیج اسٹیبلائیزرز، ٹی وی، ٹی۔ وی کے پارٹس، ریڈیو، گاڑیوں کے ریڈیو، فوری کار روشنی، ٹرانسفارمر انٹینا، بوسٹر وغیرہ کی تیاری اور ان کے مختلف پرزوں اور حصوں کو یکجا کرنے کے کام میں مشغول ہیں۔ اب تک ۱۲۶۰ الیکٹرونکس یونٹوں کو امداد کے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ان میں ۱۱۵ ٹی۔ وی یونٹیں شامل ہیں۔ ٹی۔ وی یونٹوں میں سے ۴۰ یونٹیں رنگین اور باقی سیاہ اور سفید ٹی۔ وی یونٹیں ہیں۔ ان میں سے ۱۵ سیاہ اور سفید ٹی۔ وی اور دس رنگین ٹی۔ وی یونٹوں میں ٹی۔ وی بنانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس بات کی بھی کوشش کی جارہی ہے کہ جدید الیکٹرونک پرزے اور آلات کو، جنہیں اب تک درآمد کیا جاتا ہے تیار کرنے کے لئے بھی یونٹیں قائم کی جائیں گی۔

ریاستی حکومت نے ۸۳-۸۴ء میں چھوٹی صنعت ترقیات ایجنسی (ایس آئی ڈی اے) قائم کی۔ یہ ایجنسی ایسی نئی چھوٹی

صنعتوں کے، جنہوں نے پلانٹ اور مشینوں کی شکل میں ۲ لاکھ سے زیادہ روپے کی سرمایہ کاری کی ہے، فروغ اور مدد کرنے کے لئے "ایک دریچہ ایجنسی" کی طرح کام کر رہا ہے۔ گزشتہ سال اس ایجنسی نے اضلاع ۲۴ پرگنہ، ہوڑہ، ہگلی اور کلکتہ میں چھوٹے کاروباریوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس سال ضلع بردوان کو بھی اس ایجنسی کے تحت لایا گیا ہے۔

اس ایجنسی کو اب تک ۲۹۱ تجاویز موصول ہوئیں۔ ان تجاویز پر پروجیکٹ اخراجات تقریباً ۵۸ کروڑ روپے ہوں گے۔ ان میں سے ۴۱ یونٹیں چالو ہو چکی ہیں اور ۷۹ یونٹیں بہت ہی جلد چالو ہو جائیں گی۔ ۱۳۵ یونٹوں کے قیام کی باتیں زیر غور ہیں۔ ان صنعتی یونٹوں میں الگ الگ اسٹیل کاسٹنگ، آف سیٹ مشین، لیکٹ پلاسٹک کے رتن، طشتری، پی وی سی تار، مائیکرو پروسیسر الیکٹرانکس، ہوسٹ زنجیر، الیکٹرونکس کل پرزے، سیاہ سفید اور رنگین ٹی وی تیار کئے جائیں گے۔ اس ایجنسی کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مال کا برآمد پروسیسنگ علاقہ میں غیر رہائشی ہندوستانیوں کے لئے قائم کی جانے والی چھوٹی صنعتوں کا اور پلانٹ اور مشینوں کی شکل میں بلا لحاظ اصل قائم الیکٹرانک صنعتوں کا خیال رکھے۔

چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کو قائم کرنے اور انہیں توسیع کرنے کے لئے حاشیائی سرمایہ، اور بڑھاوا کی اسکیمیں چالو ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان یونٹوں کو مالیاتی اداروں سے بھی مالی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ۸۴-۸۵ء میں چھوٹی صنعتوں کو حاشیائی سرمایہ اور بڑھاوا کے طور پر علی الترتیب ۲۳ر۹۶ لاکھ اور ۸۰ر۲۱۶ لاکھ روپئے دئے گئے۔ نیز ۸۳-۸۴ء میں ان مدوں کے تحت علی الترتیب ۵۸ر۵۴ لاکھ اور ۷۲ر۷۹ لاکھ روپئے دئے گئے۔ نیز گزشتہ چند برسوں سے مسلسل اصرار اور کوششوں کے نتیجہ میں مالیاتی اداروں نے بھی چھوٹی صنعتوں کے لئے زیادہ رقوم فراہم کیں۔ مالیاتی اداروں نے ان چھوٹی صنعتوں کو ۸۲-۸۳ء میں ۴۶ر۳۹ کروڑ روپئے اور ۸۴-۸۵ء میں ۶۶ر۵۴ کروڑ روپئے فراہم کئے گئے۔ نیز ۸۵-۸۶ء میں نئی نئی چھوٹی صنعتی یونٹوں کو اور قائم چھوٹی صنعتی یونٹوں کی توسیع کے لئے مزید بڑھاوا دیا جائے گا۔

حیاتیاتی گیس ترقی کے لئے قومی پروگرام کو میرا شعبہ مسلسل تین برسوں سے روبہ عمل لا رہا ہے۔ ۸۳-۸۴ء میں ۱۳۶۵ حیاتیاتی گیس پلانٹ قائم کئے گئے۔ ۸۴-۸۵ء کے لئے نشانہ یہ ہے کہ حکومت ہند ایسے گیس پلانٹس کی تعداد میں تین گنا اضافہ کرے گی۔ نیز ایک نشانہ یہ بھی ہے کہ اضلاع ۲۴ پرگنہ، بردوان، مدناپور، بیربھوم، ندیا، مغربی دیناج پور، پرولیا، جلپائی گوڑی اور دارجلنگ میں ۲۵۰۰ ایسے گیس پلانٹس نصب کئے جائیں۔

تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار فراہم کرنے کی اسکیم کے تحت ۸۴-۸۵ء میں ۲۱۰۰ افراد مستفید ہوئے۔ ۸۵-۸۶ء کے لئے چند نئی اسکیموں کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند اسکیمیں یہ ہیں۔

(۱) اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں دو چھوٹے علاقوں منتخب کئے گئے ہیں جہاں نئی چھوٹی صنعتوں کے قیام کے لئے رسل و رسائل پختہ سڑک اور اسی طرح کی دیگر بیرونی سہولتیں فراہم کی جائیں گی تاکہ یہاں نئی چھوٹی صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں سہولتیں فراہم ہوں۔

(۲) کلکتہ علاقے کے لئے جہاں بہت سارے رجسٹرڈ چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹیں ہیں، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو دستہ محافظین کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ایک ضلع صنعت مرکز قائم کیا جائے گا۔

(۳) مخصوص علاقائی نشوونما مراکز میں کام کے بڑھتے ہوئے بوجھ کو سنبھالنے کے لئے ۵ تحتی ضلع صنعت مراکز قائم کئے جائیں گے۔

(۴) چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کو بالکل جدید طرز پر ڈھالنا ہوگا، نیز بیمار صنعتوں میں نئی روح پھونکنی ہوگی۔

(۵) مغربی بنگال ریاستی دستکاری ترقیاتی کارپوریشن کو خصوصی امداد دی جائے گی تاکہ تربیت، خدمات، دستکاری کی مصنوعات کی تیاری، دستکاری کے مرکوز طور پر فروغ دینے کے سلسلے میں یہ کارپوریشن اپنی سرگرمیوں کو اور بھی تیزی سے جاری رکھ سکے۔

(۶) مغربی بنگال کھادی اور دیہی صنعت بورڈ کو کھادی اور دیہی صنعتوں میں ریاستی تربیتی ادارہ قائم کرنے کے لئے مالی امداد فراہم

کی جائے گی نیز ریشم کے کیڑوں کی حصولیابی اور سپلائی کے لئے دو خام اشیاء بینک کھولے جائیں گے نیز بڑھاؤ سکا اور بھی کئی اسکیمیں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔

بیمار صنعتی یونٹ:

مغربی بنگال کے چھوٹے پیمانہ کی بیمار صنعتی یونٹوں کی بابت کچھ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ عام یقین کے خلاف اس ریاست میں چھوٹے پیمانہ کی بیمار صنعتی یونٹوں کی تعداد صنعتی لحاظ سے چند اہم اسکیموں کی بیمار صنعتوں کی تعداد سے کم ہے۔ نیز ۳۱ دسمبر ۸۲ء تک چھوٹے پیمانہ کی یونٹوں میں بیمار صنعتی یونٹوں کی فیصد تعداد یہ تھی:

تمل ناڈو میں ۲۰ر۳، مہاراشٹر میں ۱۸ر۹، کرناٹک میں ۱۱ر۴۵، اترپردیش میں ۱۳ر۷ اور مغربی بنگال میں صرف ۱۰ر۳۔

بہرحال میرے شعبے نے بیمار صنعتی یونٹوں کو صحت مند بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے۔

(۱) ڈبلیو، بی، ایس، آئی، سی لمیٹڈ، جو اس شعبہ کے انتظامی کنٹرول کے تحت ایک ادارہ ہے، نے ہندوستان کے صنعتی نوتعمیر بنک (آئی آر بی آئی) کے فراہم کردہ قرض کے تحت بیمار صنعتوں کی بحالی کے لئے ایک اسکیم کو بروئے عمل لانا شروع کر دیا ہے۔ اس کارپوریشن نے اب تک ۷ بیمار یونٹوں کو ۳۲ر۵۸ لاکھ روپئے بطور مالی امداد فراہم کئے۔ نیز ۹ اور بیمار صنعتوں کی بحالی کے لئے مزید امداد فراہم کرنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

(۲) میرے شعبہ کے پاس بیمار یونٹوں کے لئے ایک حاشیائی رقم قرض اسکیم ہے۔ اس اسکیم کے تحت ان بیمار صنعتوں کو جو خود پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے احیاء نو کی قابل عمل اور سود مند اسکیمیں جس کی ایک کاروباری بنک نے تصدیق کی ہو، داخل بھی کی ہیں، حاشیائی رقم دی جاتی ہے۔

ایسی حاشیائی رقم دینے کی منظوری صرف اس وقت دی جاتی ہے جب کوئی مالیاتی ادارہ اس یونٹ کی نو تعمیر کا اسکیم کو تسلیم کرے اور اس کام کے لئے رقم فراہم کرے۔

(۳) صنعتی بیماری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایسی چھوٹی صنعتیں عرصہ دراز سے ناکارہ اور پرانی مشینوں سے سامان تیار کر رہی ہیں۔ اس لئے میرا شعبہ ایک اسکیم کو آخری شکل دے رہا ہے جس کے تحت چھوٹے پیمانہ کی صنعت کو جدید ڈھانچہ میں ڈھالا جائے گا۔ اس اسکیم کی تکمیل کے بعد چند صنعتی یونٹیں اپنی بیماری کے مسائل پر قابو پالیں گی۔

(۴) بیمار صنعتی یونٹوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے لئے ہر ضلع کے ڈی۔ آئی۔ سی کو اس بات کی ہدایات دی جا رہی ہیں کہ وہ چھ مہینوں کے اندر اپنے اپنے علاقے میں بیمار چھوٹی صنعتوں کی تفاصیل فراہم کریں۔ ایسی معلومات کے حاصل ہو جانے کے بعد احیاء نو کی کارروائی کی جائے گی۔

ڈبلیو۔ بی۔ ایس۔ آئی۔ سی لمیٹڈ نے چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کے لئے خام اشیاء کی فراہمی اور تقسیم کے لئے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا ہے نیز ایسی یونٹوں کی تیار کردہ مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے کے سلسلہ میں یہ کارپوریشن سہولتیں فراہم کر رہا ہے۔ یہ کارپوریشن چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے قیام کے لئے پانی کی سپلائی، سڑکوں کی تعمیر اور اس کی طرح دیگر سہولتیں فراہم کر رہا ہے۔ نیز اس نے ایسی بیمار صنعتوں کی نو تعمیر کے لئے اور عوامی سیکٹر کے ساتھ ساتھ مشترکہ سیکٹر میں صنعتی پروجیکٹس قائم کرنے کے لئے بھی اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا ہے۔

چینی مٹی کے برتن تیار کرنے کا ایک کارخانہ بانکوڑا میں اور دوسرا بیر بھوم میں زیر تعمیر ہے۔ لائم لائیٹ انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹیڈ، جو ایک مشترکہ سیکٹر کمپنی ہے کو کلیمبو (سمنٹ کا بدل) تیار کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ یہ کمپنی اکتوبر ۸۳ء سے اپنا کام کرنا شروع کر دے گی۔ تھرمل پاور اسٹیشنوں (بجلی گھروں) سے حاصل کردہ راکھ سے اینٹ تیار کرنے کے لئے مشترکہ سیکٹر میں ایک کمپنی قائم کی گئی ہے۔ نیز مذکورہ کارپوریشن کے تحت سیلو بارتا پرنٹنگ پریس لمیٹڈ نے بھی تشفی بخش طور پر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

جہاں تک مغربی بنگال ریاستی چمڑا صنعت ترقیات کارپوریشن

ملینڈکی سرگرمیوں کا سوال ہے تو یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت ہی جلد سیوکال، ضلع مدناپور میں چمڑا رنگنے کا کارخانہ قائم کیا جائے گا۔ نیز مقامی شیڈولڈ کاسٹ کاریگروں کے لئے دو دیہی چمڑا کمانے اور چمڑا رنگنے کے کارخانے، ایک بلڈانگہ میں اور دوسرا کوچ بہار میں قائم کئے جائیں گے۔ کھیل کود کے مختلف اقسام کے ساز و سامان تیار کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ضلع ۲۴ پرگنہ میں ایک چمڑا اسپورٹس سامان کارخانہ قائم کیا جائے۔

مغربی بنگال دستکاری ترقیات کارپوریشن ضلع مدناپور اور اس کے آس پاس کے علاقوں کے کاریگروں اور فنکاروں کے لئے اپنی اپنی مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے کے سلسلے میں سہولتیں فراہم کرنے کے لئے "دیگھا" میں ایک دستکاری مرکز قائم کرنے کے سوال پر غور و خوض کر رہا ہے۔ اس اسکیم سے تقریباً ۲۰۰ کاریگر مستفید ہوں گے۔ نیز یہ کارپوریشن ہتھ کرگھا اور دستکاری کی مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں ایمپوریا یعنی دکانیں کھول رہی ہیں۔ تانبا اور پیتل کے کاریگروں کے لئے نواد یپ میں ایک مشترکہ سہولتوں معہ خدمات کے مرکز کے قیام کے لئے ایک اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ دری اور، بردوان اور اسکول ڈانگہ، بانکوڑہ میں مصنوعات کے ڈیزائن اور کوالیٹی میں بہتری کے لئے ڈوکرا کو آپریٹیو سوسائیٹیوں کی تجدید کی ایک تجویز زیر غور ہے۔

جیسا کہ میں نے قبل ذکر کیا ہے کہ الیکٹرونکس کے میدان میں حکومت ہند نے بہت سارے اہم فیصلے کئے۔ حکومت ہند کی نئی الیکٹرونکس پالیسی میں ان باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

(۱) چھوٹے پیمانے کی صنعت کے تحت تیار کرنے کے لئے چند مخصوص مصنوعات کو غیر مخصوص بنا دیا جائے

(۲) اہم تفریحی ساز و سامان تیار کرنے میں لائسنس کے اجراء کو ضروری طور پر ختم کر دیا جائے، اور

(۳) [illegible] کمپنیوں کو الیکٹرونکس [illegible] کی اجازت دی جائے۔

حکومت ہند نے ایک اور اہم پالیسی فیصلہ کا اعلان کیا جس کے تحت چھوٹے پیمانے کی صنعتوں میں پلانٹ اور مشینوں کی شکل میں سرمایہ کاری کی حد کو ۲۰ لاکھ روپئے سے بڑھا کر ۳۵ لاکھ روپئے اور معاون صنعتوں کے لئے ۲۵ لاکھ روپئے سے بڑھا کر ۴۵ لاکھ روپئے کر دیا گیا ہے۔

اس ریاست میں جو الیکٹرونکس صنعتیں ہیں وہ زیادہ تر چھوٹے پرزے تیار کرتی ہیں پھر انہیں یکجا کر کے مشین تیار کرتی ہیں۔ اب اس بات کا خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ حکومت ہند کی الیکٹرونکس کے لئے نئی پالیسی کے اعلان سے اس ریاست کی چھوٹی الیکٹرونکس صنعتیں بری طرح متاثر ہوں گی۔ چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے لئے سرمایہ کاری کی حد کو ۳۵ لاکھ روپئے تک بڑھا دینے کے معنی یہ ہوئے کہ بڑی بڑی کمپنیاں، جو متوسط درجے کی صنعتیں ہیں، اب چھوٹی صنعتوں میں شامل ہو جائیں گی اور چھوٹی صنعتوں کو دئے جانے والے بڑھاوے کی اسکیموں سے وہ بھی مستفید ہوں گی۔ چونکہ اس ریاست میں چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں میں چھوٹی چھوٹی مشینیں ہیں، اس لئے وہ بڑی یونٹوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے ان چھوٹی صنعتوں کے لئے تحفظ کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے شعبہ نے چھوٹی یونٹوں کی ہمت افزائی کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور خام اشیاء خریدنے کے لئے دستکاروں کو وہ چھوٹ فراہم کر رہی ہے۔

چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے سیکٹر میں سنہ ۸۶-۸۵ء کیلئے بجٹ میں ۵۵۰ لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے جبکہ سنہ ۸۵-۸۴ء میں اس بجٹ کے لئے ۴۱۸ لاکھ روپئے مختص کئے گئے تھے۔ اس رقم سے چھوٹے پیمانہ کی صنعت، دستکاری اور چمڑے کی صنعت سے وابستہ اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے اخراجات پورے کئے جائیں گے۔ اس سیکٹر کے لئے اپنائے گئے مختلف پروگراموں کو روبہ عمل لانے سے ایک تخمینہ کے مطابق مزید ۱۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم ہوگا۔ بشرطیکہ مالیاتی اداروں سے اس سیکٹر میں حسب خواہ مالی امداد فراہم ہوتی رہیں کیوں کہ میرے شعبہ کی بہت سی اسکیمیں بنک مالیات سے وابستہ ہیں۔

ہتھ کرگھا۔

ہتھ کرگھے کے شعبہ کی بتدریج ترقی جاری ہے۔ چھوٹے صنعتی

کے شروع میں ۴۹۲۰۰ ہتھ کرگھے بنکروں کو کوآپریٹیو سوسائٹی کے تحت لایا گیا تھا اور اب چھٹے منصوبہ کے آخر میں یعنی سنہ ۸۴-۸۵ء کے آخر میں ایسے بنکروں کی تعداد ۹۲۰۰۰ ہوگئی۔ عملی منصوبہ مرتب کیا گیا ہے تاکہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں کام میں لائے جانے والے کرگھوں کی تعداد سنہ ۸۵-۸۶ء کے آخر تک بڑھکر تقریباً ایک لاکھ ہو جائے۔

ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے عرصہ میں یہاں جتنے کرگھے چالو ہیں، ان میں سے نصف کو منظم سیکٹر میں لایا جائے۔

ہتھ کرگھے بنکروں کو کوآپریٹیو کے تحت منظم کرنے کے لئے امداد باہمی پر مبنی کئی ایک امدادی پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ ان پروگراموں میں کام شروع کرنے کے اور حصص سرمایہ کی رقوم بطور قرض کی فراہمی، جدید ہتھ کرگھے اور کل پرزوں کی سپلائی، ہتھ کرگھے کے کپڑوں کی فروخت پر امداد، "نبارڈ" کے ذریعہ بنک سے حاصل کردہ قرضا پر سود کی ادائیگی میں رعایت کی فراہمی، ان بنکروں کو جن کے پاس کرگھے نہیں ہیں، کرگھوں کی سپلائی اور ان کے لئے کام کرنے کے مشترکہ "شیڈ" کی تعمیر اور کوآپریٹیو کے تحت ہتھ کرگھے بنکروں کے لئے پروویڈنٹ فنڈ اسکیم، شامل ہیں۔ ابتدائی سطح کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کا، ساتھ ہی مرکزی کوآپریٹیو اور ڈبلیو، بی، ایچ، بی، ڈی، سی کے حصص سرمایہ کی بنیاد کو مساوی شرکت کے ذریعہ وسیع بنا دیا گیا ہے تاکہ یہ سوسائٹیاں "نبارڈ" اور دیگر مالیاتی اداروں سے ہتھ کرگھے کپڑوں کی تیاری اور فروخت کے سلسلے میں اپنے نشانے کو پورا کرنے کے لئے زیادہ رقوم بطور قرض حاصل کر سکیں۔

ان موجودہ اسکیموں کے علاوہ ساتویں منصوبہ کے دور میں چند اور اسکیموں کو روبہ عمل لانے کی تجویز ہے۔ ان اسکیموں میں گھر سے کام کرنے کے شیڈ کی تعمیر، کوآپریٹیو کے بنکر ممبروں کیلئے کفایت شعاری فنڈ رائج کرنا، بنکروں کے لئے طبی سہولتوں کی فراہمی میں مزید اضافہ۔ "اپیکس" یعنی مرکزی سوسائٹی اور ایچ، بی، ڈی، سی کے لئے فروخت کاؤنٹر کا کھولنا اور ایسے موجودہ کاؤنٹروں کی تجدید، تحقیقی تربیت اور ڈیزائن کی ترقی کے مرکز قائم کرنا، مرکزی سوسائٹی کی ایجنسی کے ذریعہ پولیسٹر ریشوں اور ایچ، بی، ڈی، سی کی ایجنسی کے ذریعہ اونی کمبل کے لئے پروسیسنگ سنٹر قائم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

سوت کاتنے کی دو ملوں، ایک مدنا پور میں اور دوسری بانکوڑا میں، کی تعمیر کا کام سنہ ۸۵-۸۶ء کے دوران مکمل ہو جانے کی امید ہے۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں کوآپریٹیو سیکٹر میں سوت کاتنے کی دو اور ملیں کھولی جائیں۔

ہتھ کرگھوں کی اہم اہم تنظیموں کے ذریعہ ہتھ کرگھے کپڑوں کی سالانہ فروخت میں جو اضافہ ہوا ہے اس سے ہتھ کرگھے کی تیز رفتار ترقی عیاں ہو جاتی ہے۔ مرکزی سوسائٹی نے تانت کے کپڑوں کی فروخت سے سنہ ۷۶-۷۷ء میں ۴۱ر۲ کروڑ روپئے حاصل کئے۔ ایک تخمینہ کے مطابق سنہ ۸۴-۸۵ء میں ایسے کپڑوں کی فروخت سے ۳۰ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔ اسی طرح ایچ۔ بی۔ ڈی۔ سی نے تانت کے کپڑوں کی فروخت سے سنہ ۷۹-۸۰ء میں ۹۶ر۱ کروڑ روپئے حاصل کئے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سنہ ۸۴-۸۵ء میں ایسے کپڑوں کی فروخت سے ۶۰ر۷ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے۔

اسی طرح تانت کے کپڑے فروخت کرنے کیلئے "تانتوجا" کی دکانوں کی تعداد سنہ ۷۶-۷۷ء میں ۳۷ سے بڑھکر سنہ ۸۴-۸۵ء کے آخر میں ۱۱۲ ہوگئی، اسی طرح اس عرصہ میں "تانتوسری" نے ۶۳ دکانیں کھولی ہیں۔ اسی دوران میرے شعبے نے اکتوبر ۱۹۸۲ء سے جتنا کپڑے تیار کرنے والے بنکروں کی اجرتوں میں ۳۰ فیصد کا اضافہ کر دیا ہے۔

فی الحال ہتھ کرگھے سیکٹر میں تقریباً ۵ر۷ لاکھ لوگوں کو مسلسل روزگار فراہم ہے۔ مذکورہ ترقیاتی اقدامات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنہ ۸۵-۸۶ء میں ہتھ کرگھے اور بجلی سے چلنے والے کرگھے سیکٹروں میں مزید ۳۳۰۰۰ افراد کے لئے روزگار فراہم ہوں گے۔

اس ریاست میں بنیان صنعت کی ترقی اور فروغ کے لئے حال ہی میں اس صنعت کا جائزہ لیا گیا۔ ایک تجویز یہ ہے کہ بنیان سازی کی ترقی کے لئے ساتویں منصوبہ کے عرصے میں مندرجہ ذیل اسکیموں کو روبہ عمل لایا جائے۔

بنیان صنعت کے لئے ایک صنعتی اسٹیٹ کا قیام

جدید پروسیسنگ کے لئے ایک کارخانہ کا قیام

بنیائی صنعت کو جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے حاشیائی سرمایہ اسکیم کو رائج کرنا۔

بنیائی صنعت کے لئے سپروائزر کی تربیت

اس ریاست میں بجلی سے چلنے والے کرگھوں کی تعداد ۸۶۰۰ ہے جن میں سے ۷۰۰ کرگھے کوآپریٹیو کے دائرہ میں ہیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں کوآپریٹیو کے تحت بجلی سے چلنے والے کرگھوں کی مزید ترقی کے لئے ضروری بنیاد پر اقدامات کئے جائیں اور اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل اسکیموں کو روبہ عمل لانے کی تجویز ہے۔

(۱) بجلی سے چلنے والے کرگھوں کو جدید طرز پر ڈھالنا

(۲) طرح طرح کی مصنوعات تیار کرنے کے لئے کاریگروں کو تربیت دینا۔

(۳) کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی احیائے نو کے لئے اور ایسی سوسائٹیوں سے بجلی کرگھوں سے تیار کردہ کپڑوں کی فروخت کیلئے ایچ۔پی۔ڈی۔سی۔ کی مدد کرنا۔

پہاڑی علاقوں کی ترقی کے لئے ایک تجویز یہ ہے کہ بہت جلد کلمپونگ میں اونی قالین بننے کے لئے ایک تربیتی مرکز قائم کیا جائے اور دارجلنگ میں خیاطی کا تربیتی مرکز قائم کیا جائے۔

ہتھ کرگھا سیکٹر کے لئے بجٹ میں سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۳۹ لاکھ روپئے کی جگہ سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۶۶ء۴ لاکھ روپئے مختص کئے گئے ہیں۔

ریشم سازی

سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں شجر کاری کے عرصہ میں زیادہ بارش ہونے اور شجر کاری کے لئے ضروری چیزوں کی کمی کی وجہ سے ریشم سازی کا کام کچھ سست ہو گیا۔ لیکن ان دشواریوں کے باوجود اس صنعت میں نمایاں ترقی ہوئی اور مزید ۱۰۰۰۰ افراد کے لئے روزگار فراہم کیا جا سکا۔ ریشم سازی صنعت میں رفتار ترقی کی چند باتیں درج ذیل ہیں۔

(۱) شہتوت کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے اچھے قسم کے شہتوت پودے جسے کانوا II کہتے ہیں کرناٹک سے لائے گئے۔ نیز مزید ۱۵۰۰ ایکڑ رقبہ اراضی پر کانوا II شہتوت کے پودے لگائے گئے۔

(۲) زیادہ پیداوار والے بہتر قسم کے بیج کی پیداوار کے لئے ایک پروگرام کو برسرِ عمل لایا جا رہا ہے اسی کی وجہ سے اب خام ریشم کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔

(۳) سالِ رواں میں ۵۰۰ کسانوں کو جن میں شیڈولڈ کاسٹ وٹرائب اور حاشیائی کسان شامل ہیں، ریشم سازی کے سلسلے میں تربیت دی گئی۔

(۴) ایری صنعت کی احیائے نو کے لئے ایری یعنی ریشم کے کیڑے، حریر کی پرورش اور اس سے تیار ہونے والے ریشمی دھاگوں کی پیکیج کے کام کو جلپائی گوڑی میں کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا۔

(۵) بانکوڑہ، مدنا پور اور پرولیا ضلعوں میں ٹسر کی کاشت کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔

(۶) شہتوت کی کاشت اور ریشم سازی کے سلسلے میں شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے مفاد کے لئے کرشنو نگر میں اور شیڈولڈ ٹرائب طبقہ کے مفاد کے لئے کجول میں ایک ایک مظاہرہ فارم قائم کرنے کی منظوری دی گئی ہے۔

(۷) قبائل کے درمیان جراثیم سے آزاد شہتوت کے تخم تقسیم کئے گئے

(۸) ریشم کی مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے کیلئے کاروباریوں کو امداد فراہم کی گئی۔

(۹) شہتوت کی کاشت کے لئے قبائلی لوگوں کی ہمت افزائی کی گئی اور ان کے تیار کردہ خام ریشم کو بازار میں فروخت کرنے کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

موجودہ اسکیم جاری رہیں گی۔ ساتھ ہی سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں دو نئی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائیگا۔ وہ اسکیمیں ہیں:- (۱) آبپاشی کے تحت ۱۰۰۰ ایکڑ قطعات اراضی کی بہتری کے سلسلے میں چھوٹی آبپاشی کا پروجیکٹ اور (۲) ریشم

سلائی کے لئے بازار کو فروغ دینے کا پروجیکٹ۔ دوسرے پروجیکٹ کے تحت مختلف اضلاع میں بازار قائم کئے جائیں گے اور مالدہ میں ایک ابریشم کے کوے کا بازار بھی کام کر رہا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد درمیانی کاروباریوں کو الگ رکھا جا سکے گا اور ریشم بازار کو مستحکم بنایا جا سکے گا۔

شہتوت کے سیکٹر میں ۸۶-۱۹۸۵ء میں مزید ۳۰۰۰ ایکڑ قطعات اراضی پر شہتوت کی کاشت کی جائے گی۔

۸۶-۱۹۸۵ء میں جراثیم سے پاک بیج اور ریشم کی پیداوار علی الترتیب ۵ر۶ کروڑ اور ۴۹ر۷ لاکھ کیلوگرام ہوگی۔ اس پروگرام کی تکمیل کے لئے ۸۶-۱۹۸۵ء کے بجٹ میں ۴۲۵ لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ان اقدامات سے مزید ۲۴۰۰۰ لوگوں کو نامکمل روزگار فراہم ہوگا۔

کھادی اور دیہی صنعتیں:

۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران کھادی اور دیہی صنعتوں میں تربیت، تحقیق اور ترقیاتی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے اس سیکٹر کے تحت ریاستی سطح پر ایک ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی تجویز ہے۔ ریشم کے کوے کی حصولیابی اور مسلسل سپلائی کے لئے ۸۶-۱۹۸۵ء میں دو خام اشیاء بنک، ایک مالدہ میں اور دوسرا وشنوپور میں قائم کئے جائیں گے۔ کھادی بورڈ ساتویں منصوبہ کے دوران بلوچاری ساڑھیاں، تاڑ کی مصنوعات، چمڑے کے جوتے چپل، دیہی ماچس، دیہی آلات اور مشینیں وغیرہ تیار کرنے کیلئے بہت سارے پروگراموں کو روبہ عمل لائے گا — اس بورڈ کو اپنی ترقیاتی اسکیموں کو بر سر عمل لانے کے لئے کھادی اور دیہی صنعت کمیشن فنڈ فراہم کرتا ہے۔ ہم اس بات کی مسلسل کوششیں کرتے ہیں کہ اس بورڈ کی سرگرمیوں میں اور بھی اضافہ ہو تا کہ اس کمیشن سے اس ریاست کے لئے زیادہ سے زیادہ فنڈ حاصل ہو سکے۔ ۸۶-۱۹۸۵ء کے لئے کئی ایک منتخب اسکیموں کی تکمیل کے لئے ۸۰ لاکھ روپئے بطور اخراجات دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں کھادی اور دیہی صنعت پروگرام کے تحت مزید ۵۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم ہوگا ٭٭٭

دیہی آب رسانی اسکیم

ریاستی حکومت نے اس ریاست کے مختلف اضلاع میں پائپ کے ذریعہ پانی سپلائی کرنے کی ۲۱ دیہی اسکیموں پر عمل درآمد کی منظوری دے دی ہے۔ اس سلسلے میں دیہی علاقوں میں پینے کے پانی کی سپلائی کی مرکزی اسکیم کو جلد ہی روبہ عمل لایا جائے گا۔ اس اسکیم پر ۲۷۶ر۰۸ لاکھ روپئے کی لاگت آئے گی۔ اس اسکیم کے دائرہ عمل میں مالدہ، کوچ بہار، مغربی دیناج پور، جلپائی گوڑی، مدنا پور وغیرہ کے علاقے آتے ہیں ٭٭٭

کل ہند خواتین کانفرنس کو عطیہ

ریاستی حکومت نے سال رواں کے دوران کل ہند خواتین کانفرنس کلکتہ کی شاخ کی گشتی شفاخانہ کی تحتی کمیٹی کو دیہی علاقوں کے غریب مریضوں کے لئے اس کے گشتی طبی خدمات کے اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلے میں ۸۲۵۰ روپئے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ اسی طرح ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کل ۱۵۰۰۰ روپئے بطور عطیہ دیئے گئے ٭٭

بقیہ: کولہ گھاٹ تھرمل پاور اسٹیشن

بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔

ریاستی بجلی بورڈ کے چیئرمین شری اے کے گنگولی نے کہا کہ دوسری بجلی یونٹ کی اکتوبر تک تعمیر مکمل ہو جانے کی امید ہے، اور اس نشانہ تک پہونچنے کے لئے شری ٹھیکہ داروں کو جتنی جلد ممکن ہو سکے اپنے کام کو مکمل کرنا چاہئے، کیوں کہ کولہ کے پلانٹ میں اب بھی کافی کام کرنے کو باقی ہے ٭٭

کلکتہ یونیورسٹی میں

فیض احمد فیض پر

سمینار اور مشاعرہ

کلکتہ۔ یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس یونین (ایس ایف آئی) اور شعبۂ اردو کے زیر اہتمام حال ہی میں ایک شام کو دربھنگہ ہال میں فیض احمد فیض کی شاعری پر سمینار ہوا جس کی صدارت کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر عبدالرؤف نے کی۔ سمینار کا افتتاح سکریٹری، پوسٹ گریجویٹ کالج آف آرٹس اینڈ کامرس، ڈاکٹر سبھاش بنرجی نے کیا۔ شری بنرجی نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ فیض آفاقی شاعر تھے، ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ فیض کی غزلوں اور نظموں کے انتخاب کا بنگلہ میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر جاوید نہال نے فیض کی شاعری کے اسلوب پر تنقیدی مقالہ پڑھا جس میں فیض کی شاعری پر غالب کے اثرات پر بحث کی گئی۔ ہندی کے مشہور ادیب ڈاکٹر ماچوے نے انگریزی میں فیض کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ فیض عالمی شاعر ہیں۔ ہر بڑے شاعر کی طرح فیض کی شاعری بھی کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جناب سالک لکھنوی نے فیض کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی نظم "انتساب" کی اجمالی خوبیوں پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر ظفر اگانوی نے فیض کی شاعری پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے بعد اردو شعری ادب میں چوتھا نام فیض کا ہے کیوں کہ وہ بھی میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کی طرح اپنے عہد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ صدرِ جلسہ ڈاکٹر عبدالرؤف نے "فیض احمد فیض کی نظمیں" کے عنوان سے مقالہ پڑھا جس میں بتایا گیا کہ فیض اپنی شاعری میں سیاسیات سے نہیں بلکہ انسانیت سے قریب تر رہنا چاہتے ہیں۔ نظمیں خواہ آزاد ہوں یا پابند اپنے اندر غزل کا بھرپور آہنگ اور نغمگی رکھتی ہیں۔ وہ غزل کی روایت سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کرتے۔

سمینار کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر عبدالمنان نے انجام دئے۔ آخر میں پروفیسر مشتاق احمد نے یونین اور شعبہ کی جانب صدرِ جلسہ اور دیگر مہمان حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے دوسرے دن شام کے سات بجے آشوتوش ہال میں اردو کے مشہور ترقی پسند شاعر پروفیسر اعزاز افضل کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا جس میں جناب اعزاز افضل، جناب شمیم انور، جناب انجم عظیم آبادی، جناب شہود عالم آفاقی، جناب مصطفیٰ اکبر، جناب حلیم صابر، جناب شمیم انولوی، جناب رئیس انولوی، جناب منور رانا، محترمہ ریحانہ نواب اور دیگر نوجوان شعراء نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر عبدالمنان نے انجام دئے۔

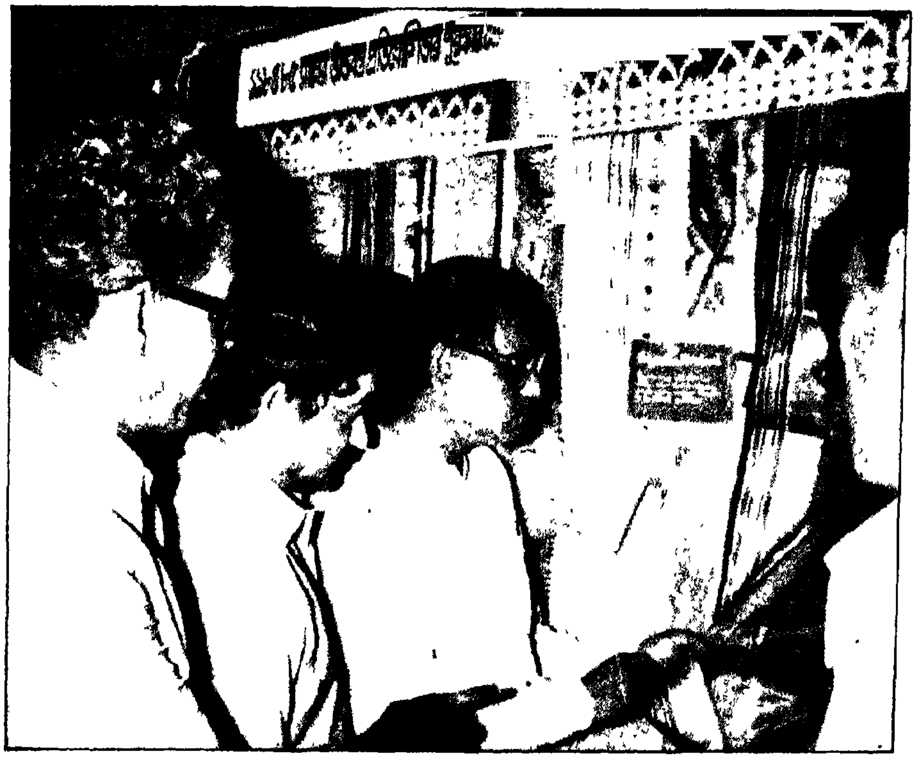
یونیورسٹی کا یہ دو روزہ پروگرام بے حد کامیاب رہا۔

بقیہ : قاضی نذرالاسلام

لئے ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کر دی۔ ریاستی حکومت نے انہیں ایک قطعہ اراضی بھی دیا جہاں ان کی رہائش کے لئے مکان تعمیر کیا جا سکے۔ پھر انہیں سرکاری مہمان کی حیثیت سے بنگلہ دیش لے جایا گیا جہاں انہوں نے ۲۹ اگست ۱۹۷۶ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ڈھاکہ میں ان کے جسدِ خاکی کو دفنایا گیا۔ اس طرح ایک ایسی دنیا کو جہاں نہ مذہبی تفریق ہو نہ نسلی امتیاز، عوام میں نہ جنگ ہو نہ اختلاف، نہ حرص ہو اور نہ استحصال، جہاں بھائی چارگی، یکجہتی اور پیار و محبت کا راج ہو، عالمِ وجود میں لانے کے کوشاں قاضی نذرالاسلام ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

کچھ ہمیں کو نہیں احسان اٹھانے کا دماغ
وہ تو جب آتے ہیں مائل بہ کرم آتے ہیں

(فیض)



حال ہی میں اکیڈیمی آف فائن آرٹس، کلکتہ میں ریاستی وزیر دیہی اور چھوٹی صنعت، شری برائے تانکوار، ہینڈلوم نمائش میں۔
اس نمائش کا انہوں نے افتتاح کیا۔ (تصویر از: مدھوسدن گھوش)

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

1 Jun 1985

Vol.32 No. 12

PRICE 15 Paise



فاشزم پر فتح کی چالیسویں سالگرہ کے موقعہ پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں اپنے کمرہ میں روس کے وفد کے ممبران کیساتھ محو گفتگو۔

تصویر از : اجیت داس



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بانکوڑا اور راج گرام کو ملانے والا ... وزیر اعلیٰ کے بائیں طرف وزیر آبپاشی



پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتیمن بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم جولائی ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۳

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳۔ آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



حال ہی میں بائیں محاذ حکومت کے "آٹھ سال" کے سلسلہ میں "شیشیر منچ" کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں حکومت مغربی بنگال کے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پربدھ کانتی بھٹاچاریہ ...
ایک تقریب میں حکومت مغربی بنگال کے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹا چاریہ
تقریر کرتے ہوئے

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

ریاستی حکومت کی لیبر پالیسی اور پروگرام

از: کرشناپدا گھوش وزیر محنت، حکومتِ مغربی بنگال

بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں اپنی حکومت کے آٹھ سال پورے کر لئے۔ اس عرصہ میں ریاستی حکومت نے محنت کش طبقہ کے مفاد کی خاطر لیبر پالیسی اور پروگرام میں حسبِ خواہ تبدیلی لانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ اس کے ساتھ ساتھ صنعتی تعلقات کو برقرار رکھنے کو ہم نے اعلیٰ ترجیح دی۔ بڑی بڑی صنعتوں جیسی انجینئرنگ، پاٹ، چائے باغات اور سوتی کپڑے کے سلسلے میں صنعت وار سہ طرفی سمجھوتے اس بات کے شاہد ہیں۔ گرچہ ۱۹۷۷-۸۴ء کے دوران بہت سارے منظم صنعتوں میں بات چیت کے ذریعہ مالک اور مزدوروں کے درمیان سمجھوتے ہو گئے، تاہم سوتی کپڑے کی صنعت میں متعلقہ مالکوں کے بے لوچ رویے کی وجہ سے اس طرح کا کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ پاٹ، چائے، بنیان اور انجینئرنگ صنعتوں میں، اور ان صنعتوں کی چھوٹی چھوٹی یونٹوں میں بات چیت کے ذریعہ سمجھوتے سے گزشتہ آٹھ برسوں میں اس ریاست میں لاکھوں صنعتی مزدوروں کی اجرتوں میں کافی اضافہ ہوا، نیز انہیں بہت ساری مراعات بھی ملیں۔ مہاراشٹرا میں سوتی کپڑے کی ملوں کے مزدوروں نے سال بھر تک ہڑتال کی، لیکن آخر میں انہیں سمجھوتے کے تحت ہڑتال کو ختم کر دینا پڑا اور اس کی وجہ سے مزدوروں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا۔ اس کے برخلاف یہاں پاٹ اور دیگر صنعتوں میں ہڑتالیں مؤثر ثابت ہوئیں، اور ان کی وجہ سے مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ ہوا ہے اور مل مالکوں سے بات چیت کرنے کے سلسلے میں انکی اجتماعی قوت میں کافی اضافہ ہوا۔ اس سلسلے میں ریاستی حکومت نے جو تائید اور سرگرم امداد فراہم کی اس سے مزدوروں کے کاذ کو کافی فائدہ پہونچا۔ انجینئرنگ صنعتوں میں مہنگائی بھتہ کے سلسلہ میں سمجھوتہ اس کی ایک مثال ہے۔ وزیر اعلیٰ کے کہنے پر ہی فی نقطہ بے اثر کر دینے کی شرح ۵۰ر۱ روپئے مقرر کر دی گئی، جسے بعد میں پبلک انٹرپرائیزس کے بیورو نے بڑھا کر ۶۵ر۱ روپئے کر دیا۔ گزشتہ ۸ برسوں میں ریاستی مصالحتی مشنری کے ذریعہ ۲۴ فیصد صنعتی تنازعات کا تصفیہ کیا جا سکا۔ جبکہ اس کے قبل کے آٹھ برسوں (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۷ء) میں ۲۰ فیصد صنعتی تنازعات کا تصفیہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح اس عرصے میں کم سے کم اجرت ایکٹ ۱۹۴۸ء کے تحت ہر سال اوسطاً ۱۶۰۰ مالکوں کے خلاف مقدمے دائر کئے گئے۔ اس سے قبل کے آٹھ برسوں میں ایسے کیسوں کی تعداد ۸۰ سالانہ تھی۔

گزشتہ آٹھ برسوں میں مزدوروں پر مالکوں کا جور و جبر کام بندی کی وجہ سے کام کرنے کے دنوں کو جو نقصان ہوا اس سے عیاں ہو جاتا ہے کہ ۱۹۷۷-۸۳ء کے دوران تالہ بندی کی وجہ سے اور خاص طور پر پاٹ ملوں میں ۷۲ فیصد کام کرنے کے [illegible]

[illegible]

نقصان ہوا ۔ مرکزی ٹریڈ یونین تنظیموں نے اجرت پر نظرثانی کرنے اور گزشتہ معاہدہ کے تحت گریڈ / اسکیل کی بابت وزیر محنت کی سفارشات کو روبہ عمل لانے کے لئے پلٹ مل مالکوں کے پاس مطالبات کا پروانہ پیش کیا تھا، لیکن مل انتظامیہ نے اس سلسلے میں بہت ہی سخت اور نامصالحتی رویہ اختیار کیا تھا جس کی وجہ سے پاٹ مزدوروں کو سنہ ۱۹۸۴ء میں ۸۴ دنوں تک ہڑتال کرنی پڑی اور اس ہڑتال کی وجہ سے اس سال کام کرنے کے تقریباً ۱ر۵۴ کروڑ دنوں کا نقصان ہوا۔ اسی طرح بنیان سازی کی صنعت کے مزدوروں کو بھی آجروں سے اپنے جائز مطالبات منوانے کے لئے ۱۲۳ دنوں تک ہڑتال کرنی پڑی، اور اس کی وجہ سے سنہ ۱۹۸۴ء میں کام کرنے کے تقریباً ۵۵ر۸۰ لاکھ دنوں کا نقصان ہوا۔ اس ریاست میں سنہ ۷۶-۷۹ء اور سنہ ۸۴-۸۷ء کے درمیان ہڑتال اور تالہ بندی کی تفاصیل درج ذیل ہیں :

ہڑتال

عرصہ	کیسوں کی تعداد	ہڑتال سے متاثر ہونے والے لوگوں کا تعداد (لاکھ میں)	ضائع ہونے والے کام کرنے کے دنوں کی تعداد (کروڑ میں)
۱	۲	۳	۴
سنہ ۷۶-۷۹ء	۲۴۴۷	۲۵ر۶۶	۴ر۴۴
سنہ ۸۴-۸۷ء	۷۵۷	۱۰ر۴۴	۴ر۶۱

تالہ بندی

عرصہ	کیسوں کی تعداد	متاثر ہونے والے لوگوں کا تعداد (لاکھ میں)	ضائع ہونے والے کام کرنے کے دنوں کی تعداد (کروڑ میں)
۱	۲	۳	۴
سنہ ۷۶-۷۹ء	۱۱۶۹	۶ر۴۷	۲ر۷۹
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ تالہ بندی کی وجہ سے پاٹ صنعت میں کام کرنے کے سب سے زیادہ دن ضائع ہوئے ہیں ۔ آج بھی سترہ پاٹ ملوں میں تالہ بندی ہے اور اس سے تقریباً ۵۰۰۰۰ مزدور بری طرح متاثر ہوئے ہیں ۔ اس ریاست میں ۳ پاٹ مل تو ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں ۔ بعض کیسوں میں تاجروں نے یک طرفہ طور پر مزدوروں کو کام سے ہٹانے کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ یوں تو پاٹ مزدوروں کی تعداد کم ہو گئی ہے تاہم مل مالکوں کا ... ہے کہ مزدوروں کی اس تعداد میں اور بھی کمی کی جائے ۔ مل انتظامیہ کی یہ شاطرانہ چال ہے اور مزدوروں کے مفاد کے بالکل خلاف ہے ۔ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت سے بار بار درخواست کی کہ وہ سنہ ۱۹۸۳ء میں مغربی بنگال ریاستی اسمبلی میں اتفاق رائے سے پاس کردہ بل کو روبہ عمل لائے ۔ اس بل میں پاٹ ملوں کو قومیانے، پاٹ اگانے والوں کے لئے قیمتوں کی تائید اور صرف حکومت کی طرف سے پاٹ خریدنے اور خام پاٹ کی تقسیم کا ذکر ہے ۔ اگر ان اقدامات کو حکومت ہند فوری طور پر پایۂ تکمیل تک نہ پہونچائے تو آنے والے برسوں میں مل انتظامیہ اس طرح کی تالہ بندی کا سہارا لیتا رہے گا ۔ اس طرح مزدوروں کے مفادات کو نقصان پہونچانے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے ۔

ریاستی حکومت بہت سارے طریقوں سے جن میں صنعتی تنازعات ایکٹ کی دفعہ ۱۰ (۳) کے تحت اقدامات شامل ہیں، اسے تالہ بندی کو اٹھانے کے لئے حتی الامکان کوششیں کر رہی ہے لیکن ملک کے مروجہ قانون میں ایسی باتوں کا ذکر نہیں ہے جن کے ذریعہ تاجروں کو یک طرفہ طور پر تالہ بندی یا کام کاج کو بند کرنے کا اعلان کرنے سے روکا جا سکے ۔ بعض کیسوں میں تاجروں نے ہائی کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کر لیا ۔ ریاستی وزیر محنت نے مرکزی وزیر محنت سے خط و کتابت کی ہے جن میں ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے موثر قانونی اقدامات کرنے پر زور دیا گیا ہے ۔ غلطی کرنے والے انتظامیہ صنعتی امن کو برقرار رکھنے کے تصور کی مخالفت کرتے ہیں ۔ اس مسئلے

کو اس وقت تک حل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ تعزیراتی قانون کے تحت سزا کے ساتھ ساتھ واجب الادا رقوم معہ سود واپس نہ لی جائے۔ ایسے انتظامیہ کے ظالمانہ اقدامات سے کب تک مزدوروں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟

مصالحت اور اجتماعی بات چیت کے ذریعہ محنت کش طبقہ کے لئے بہتر مراعات حاصل کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ مناسب قانونی تائید کی ضرورت محسوس کی گئی اور ریاستی حکومت نے مزدوروں کو بہتر اور زیادہ مراعات فراہم کرنے اور انکی ملازمت کے تحفظ کے لئے چند اہم لیبر قوانین میں کئی ایک ترمیمات لائی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ صنعتی تنازعات (مغربی بنگال ترمیمات) بل، ۱۹۸۲ء کو ابھی تک صدر کی منظوری نہیں ملی۔ اس بل میں دیگر باتوں کے علاوہ اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ریاستی حکومت کو اس بات کا اختیار دیا جانا چاہئے کہ وہ ۱۹۸۲ء سے قبل بند ہونے والی یونٹوں کو پھر سے چالو کرنے کا حکم دے سکے اور ان یونٹوں میں، ان کے بند ہونے سے قبل، جتنے مزدور برسر روزگار تھے، انہیں بحال کیا جائے۔ ایسے کام میں تاخیر ریاستی حکومت کی کوششوں کو کمزور بنا دیتی ہے اور یہ بات مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات کی معقول تقسیم کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

بائیں محاذ حکومت کے تحت مغربی بنگال سارے ہندستان میں پہلی ریاست ہے جس نے بے روزگاری امداد اسکیم رائج کی۔ یہ اسکیم یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے رائج کی گئی۔ ریاست میں موجودہ شدید بے روزگاری اور ان بے روزگاروں کو، جن کے نام عرصہ دراز سے بے روزگاری کے دفاتر میں درج ہیں اور جن کے لئے روزگار فراہم نہیں کیا جا سکا، کچھ مالی امداد فراہم کرنے کے پیش نظر مذکورہ اسکیم رائج کی گئی۔ حکومت ہند سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ بے روزگاری امداد پر جو اخراجات ہوں گے ان کا کچھ حصہ وہ برداشت کرے۔ لیکن مرکز نے ان باتوں کو سنی ان سنی کر دی۔ نیز ریاستی حکومت کے مالی اختیارات بہت ہی محدود ہیں۔ ان باتوں کے پیش نظر ریاستی حکومت نے بے روزگاری امداد اسکیم کو از سر نو مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے سماجی امداد اسکیموں کے تحت الگ سے بنکوں سے امداد حاصل کر کے خود روزگار اسکیموں کے ذریعہ رجسٹرڈ اور مستحق بے روزگاروں کیلئے روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ تجویز پیش کی گئی کہ بہت سارے مستحق کیسوں کے سلسلہ میں بے روزگاری امداد اسکیم کو محدود پیمانہ پر زور بہ عمل لایا جائے۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ شروع شروع میں تین اضلاع یعنی کلکتہ، ۲۴ پرگنہ اور ہوڑہ میں خود روزگار اسکیم کو رائج کیا جائے۔ اس اسکیم کے کامیاب ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ قومیائے گئے بنک کس حد تک قرض دے سکتے ہیں۔ مالیاتی اداروں کی بڑھتی ہوئی شمولیت کے ساتھ ساتھ اس اسکیم کو ساری ریاست میں پھیلا دیا جائے گا۔

صنعتی مزدوروں کے لئے سماجی تحفظ کے میدان میں زیر غور عرصہ میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں پہلی بار ۱۹۸۰ء میں باہر کے مریضوں کے گھر گھر جا کر علاج کرنے کے نظام کو رائج کیا اور اب تک اس ریاست میں ۱۲ سروس شفاخانے قائم کئے گئے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں رانی۔ گنج۔ آسنسول کے علاقوں کو بھی اس اسکیم کے تحت لایا گیا اور اس عرصہ میں ضلع ہوگلی میں طبی علاج اور دیکھ بھال کی ایسی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ اس عرصہ میں تین ای۔ ایس۔ آئی ہسپتال، ایک مانک تلہ میں، ایک آسنسول میں اور ایک بنڈیل میں کھولے گئے۔ ان ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج کے لئے بستروں کی تعداد میں ۱۰۰۰ سے بھی زیادہ کا اضافہ کیا گیا اور اس طرح ان میں اب بستروں کی کل تعداد ۳۱۵۵ ہو گئی۔ ہسپتال وار مشاورتی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں، اور ان کمیٹیوں میں مقامی ممبران اسمبلی اور مقامی ممبران پارلیامنٹ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس عرصہ میں آر۔ جی کے مزید ۱۶ دفاتر کھولے گئے۔ حکومت ہند نے حال ہی میں ای۔ ایس۔ آئی

ایکٹ میں چند اہم ترمیمیں لائیں۔ اسکی وجہ سے اس ایکٹ کے تحت ایک ملازم کو جتنی رقم دینی پڑتی اسکی شرح میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور اس طرح مزدوروں اور محنت کشوں کی دشواریوں میں اضافہ ہوگیا۔ ترمیمات کو تو لاگو کر دیا گیا لیکن اس کی وجہ سے کام کرنے والوں کے لئے طبی اور دیگر سہولتوں میں اضافہ نہیں ہوا۔ مرکزی ٹریڈ یونینوں نے اس سلسلہ میں اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، کیوں کہ ان ترمیمات سے مزدوروں کے مفادات بری طرح متاثر ہوں گے۔ طبی اور دیگر سہولتوں کی فراہمی میں حسب ضروری اضافہ کئے بغیر یکایک یہ ترمیمات لائی گئیں۔

زیر غور عرصہ میں دستکاری کی تربیت اور نو دستکاروں کی تربیت کی اسکیموں کو رو بہ عمل لانے کے کام میں بہتری لانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت سے اس بات کی درخواست کی ہے کہ صنعتی تربیتی اداروں اور ان اداروں کے لئے جدید مشینیں / آلات خریدنے کے لئے، تاکہ حکومت نئی اور جدید پیشہ ورانہ کاروبار کے لئے تربیت کا انتظام کر سکے، جو اخراجات ہونگے اس کا ۶۰ فیصد وہ برداشت کرے۔ مختلف صنعتی تربیتی اداروں میں حالیہ بازار کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مقبول عام جدید کام کاج کے لئے ۲۴ یونٹوں کو شامل کر لیا گیا۔ کلکتہ میں عورتوں کے لئے علاقائی پیشہ ورانہ تربیتی انسٹی ٹیوٹ کیلئے ریاستی حکومت نے تمام انتظامات کئے۔ اس مقصد کیلئے گریا ہاٹ آئی۔ ٹی۔ آئی میں فاضل جگہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے حکومت ہند نے عورتوں کے لئے اس قسم کے مخصوص ادارہ کے قیام کے لئے اپنی منظوری نہیں دی۔

مغربی بنگال رفاہ بورڈ مغربی بنگال کے مختلف صنعتی اور چائے باغات کے علاقوں میں مزدوروں کی رفاہ کے ۵۰ مراکز کو جن میں ۲۲ مثالی رفاہی مراکز شامل ہیں، چلا رہا ہے۔ یہ بورڈ دو تعطیل گھر۔ ایک دیگھا میں اور دوسرا دارجلنگ میں بھی چلاتا ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ضلع دارجلنگ کے پوکر ماریونگ میں مزدوروں کی رفاہ کا ایک مثالی مرکز، ضلع ۲۴ پرگنہ کے لوک کھالی میں ایک تعطیل گھر اور ضلع مدناپور کے ہالدیہ میں ایک تعطیل گھر مع مثالی رفاہی مرکز قائم کیا جائے ٭٭

بقیہ: ادب اور مشترکہ تہذیب

چکے ہیں۔ تعصبات، علاقائیت اور لسانی جارحیت حاوی ہو چکی ہے اور ہم پھر اس کوشش میں ہیں کہ دریچوں کو بند کر دیا جائے اور روشنی نہ آنے پائے۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کی ذمہ داری سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ہمارے ادیبوں، تخلیق کاروں اور دانشوروں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے تہذیبی اور سماجی دھارے سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے اور اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور داخلیت کی پناہ گاہیں تلاش کر کے کسی فکری سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

تاریخ ذمہ داریاں ڈالتی ہے، مطالبے کرتی ہے مگر تاریخی تقاضے پورے نہیں ہوتے تو پھر تاریخ ایسے مجرموں کو عبرتناک سزائیں بھی دیتی ہے۔ اگر مشترکہ ہندستانی تہذیب کے وقار کی حفاظت نہیں کی گئی تو جو دور آئے گا تو وہ تہذیب اور تنظیم کا نہیں تحریف و تقسیم کا ہوگا، وہ ارتقار کا نہیں بلکہ کسی غار میں پناہ لینے والوں کا ہوگا۔ جو رجحانات تیزی سے ابھر رہے ہیں انہیں سیاسی سطح پر نہیں تہذیبی سطح پر شکست دی جا سکتی ہے اور وحدت میں کثرت اور رنگارنگی میں یک رنگی کے تصور کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ سرسوں کا کھیت اگر صرف پیلا ہوگا تو یرقان زدہ معلوم ہوگا۔ ایک تصور جہاں قبائے زعفران کلاہِ سبز اور نیلگوں رنگ کے ہوں وہی مشترکہ تہذیب کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے مفکرین ہمارے دانشوروں، ہمارے ادیبوں کو اس سوال کا جواب دینا ہے۔

(بشکریہ: آندھرا پردیش)

غزل

سازِ آہستہ ذرا گردشِ جام آہستہ
جانے کیا آئے نگاہوں کا پیام آہستہ

چاند اترا کہ اتر آئے ستارے دل میں
خواب میں ہونٹوں پہ آیا ترا نام آہستہ

کوئے جاناں میں قدم پڑتے ہیں ہلکے ہلکے
آشیانے کی طرف طائرِ بام آہستہ

ان کے پہلو کے مہکتے ہوئے شاداں جھونکے
یوں چلے جیسے شرابوں کا خرام آہستہ

اور کبھی بیٹھے ہیں اے دل ذرا آہستہ دھڑک
بزم ہے پہلو بہ پہلو ہے کلام آہستہ

یہ تمنا ہے کہ اڑتی ہوئی منزل کا غبار
صبح کے پردے میں یاد آگئی شام آہستہ

مخدوم محی الدین

اردو ادب اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب

ڈاکٹر سید مجاور حسین رضوی

تہذیب زندگی کی اس تنظیم کا نام ہے جو ایک متمدن سماج کو ممکن بناتی ہے۔ زبان، فنون لطیفہ، فلسفہ، سماجی آداب و رسوم، سیاسی ادارے، اقتصادی تنظیمیں تہذیب سے الگ نہیں ہیں۔ میک آئیور کے خیال میں تہذیب سے مراد وہ پورا میکانیکی سسٹم اور تنظیم ہے جسے انسان اپنی زندگی کے حالات پر قابو پانے کی کوشش کے سلسلے میں وضع کرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین اقدار سے ہم آہنگ شعور کو تہذیب کا نام دیتے ہیں، جو ایک انسانی جماعت میں افراد کے جذبات سبھاؤ برتاؤ سے ظاہر ہوتی ہے۔ تہذیب میں انسانوں کا رہن سہن فرد اور سماج کے رشتے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے تو تہذیب کوئی جامد شئے نہیں ہے۔ اس کا کوئی بھی ایسا تصور منطقی اعتبار سے درست نہیں ہے جس میں ٹھہراؤ ہو۔ حالانکہ عام طور سے یہ سوچا جاتا ہے کہ تہذیب کوئی ایک ایسا گلاب کا پھول ہے جسے ہم اپنی مرضی سے کسی کے بالوں کے جوڑے میں لگا سکتے ہیں یا اپنے شیروانی کے بٹن میں ٹانک سکتے ہیں۔

مشترکہ تہذیب کا لفظ استعمال کرتے ہوئے بھی کچھ اسی طرح کے تصورات پیش کئے جاتے ہیں جیسے کوئی ایک شئے پہلے سے موجود تھی اس پر کسی دوسری شئے کا خول چڑھا دیا گیا اور پھر ایک تیسری شئے تیار ہو گئی۔ اسی طرح کے افراد بڑی معصومیت سے جب بھی مشترکہ تہذیب کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تہذیب بھی دریا کی طرح سے ایک دھارے کا نام ہے جس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور اگر کوئی تہذیب اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ ان تبدیلیوں کو قبول کر سکے تو پھر ایسی تہذیبوں کے سورج غروب ہو جاتے ہیں اور ہم انہیں بابل نینوا اور یونان و رومتہ الکبرا کے کھنڈروں میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ تہذیب مطالبہ کرتی ہے:

(۱) تبدیلیوں کا (۲) اثرات قبول کرنے کا (۳) تسلسل کا (۴) ارتقا کا — ظاہر ہے کہ اس طرح کے عمل کے لئے بنیادی طور پر وسیع النظری، رواداری اور افہام و تفہیم کے جذبات اور ذہنی دریچوں کو کھلا رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اجتماعی طور پر ایسے تصورات نہیں ہوتے تو پھر تہذیب کا ارتقائی تصور باقی نہیں رہتا اور تاریخ کے صفحات میں ہی ایسی تہذیبوں کے نقوش تلاش کئے جا سکتے ہیں، انسانوں میں نہیں دیکھے جا سکتے۔

ایسا سماج اپنا تہذیبی شناخت گم کر دیتا ہے اور اس کا تشخص اور پہچان ممکن نہیں رہ جاتی۔

ہندوستان کے تناظر میں بھی دو رجحانات نظر آتے ہیں۔ ایک رجحان وہ ہے جو دریچوں کو بند کر کے محدود دائرے کو ہی اپنانا چاہتا ہے۔ جو کثرت اور رنگا رنگی کا قائل نہیں اور تفریق پسندانہ رجحان رکھتا تھا اور رکھتا ہے اور ایک رجحان وہ ہے جس نے دریچے کھول کر روشنی کو آنے دیا کہ روشنی زندگی کی علامت ہے اور جہاں یہ محسوس کیا کہ روشنی صبح کے نرم کرنوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس تیز دھوپ کی طرح ہے جو وجود ہی کو جھلسا کر رکھ دے گی۔ وہاں انہوں نے اس پر بندھ باندھ دئے۔ ہندوستانی تہذیب میں اکثر اس طرح کے عناصر تلاش کئے جاتے ہیں کہ یہ مقامی عنصر ہے اور یہ بیرونی عنصر ہے اس طرح کے تصورات تاریخ کو پیچھے کی طرف لے جانے کے مترادف ہیں۔ پانی کے دھارے میں لٹھ مارنا کہ اس طرح کی تقسیم کہ یہ پہلے پانی ہے، یہ بعد کا پانی ہے بچکانہ کوشش ہے۔ پریم چند نے ایک بار بچے شنکر پرشاد سے کہا تھا " آپ کمرہ میں ہیں کرسی پر بیٹھے ہیں، میز سامنے ہے، فرش بچھا ہوا ہے، قالین ہے۔ پرشاد جی، کرسی، میز، فرش، قالین ہٹا بھی دیجئے تو کمرہ کو کیا کہیے گا

پھر آپ رہیں گے کہاں ؟"

پریم چند کے یہ معنی خیز فقرے دراصل ہندستانی سماج کے پورے تصور کو سامنے لاتے ہیں۔

ہر لفظ کے پیچھے ایک تہذیبی تاریخ ہوا کرتی ہے۔ الفاظ خلاء سے نہیں ٹپکتے بلکہ معاشرت انہیں تہذیب کا رنگ دے کر صورت اور صوت عطا کرتی ہے۔ اسی طرح وہ ہماری زندگی کی رفتار کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہم سو سال پہلے کے یا چالیس پچاس سال کے اثرات بھی بیرونی نہیں کہہ سکتے۔ ہم ٹیلی ویژن، ریڈیو، اسپوٹنگ وغیرہ جو تکنکی اقتدار کی علامت ہیں "بند" اور "گھیراؤ" کر بھی، جو سیاسی علامتیں ہیں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس طرح ہندستانی تہذیب کو تاریخ کے آئینے میں بیرونی اور مقامی عناصر کی تفریق سے بلند ہو کر دیکھنا ہوگا۔

ایک اور پہلو کی نشاندہی کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جب ہندستان کے تناظر میں مشترکہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو سطحی طور سے اس تہذیب کی نشاندہی کرتے ہوئے ہندو اور مسلمان کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مذہب یقیناً تہذیب کا ایک جز ہے لیکن مذہب کی بنیاد پر تہذیبیں وجود میں نہیں آتیں۔ مسلمانوں کی اگر کوئی تہذیب ہوتی تو سعودی عرب سے لے کر انڈونیشیا تک اور ایران سے لے کر ملیشیا تک ایک ہی تہذیب ہوتی۔ دراصل تہذیب کا تصور علاقوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ مشترکہ تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہوتی ہے جس میں علاقائیت اور طبقاتی بنیادیں ٹوٹ جاتی ہیں لسانی اعتبار سے بھی ایک وحدت کی تمنا اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ ایسی وحدت جو ترسیل اور تفہیم میں مدد دے۔ اردو اسی اعتبار سے مشترکہ تہذیب کی مظہر ہے کہ اس نے ہندستان کے علاقائی تعصبات کو توڑ کر اور طبقاتی بنیادوں پر تفریق کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک ایسی وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں مذہب، علاقہ، اور زبان کی آویزش نہ ہو آمیزش ہو۔ اور اس طرح غیر سیاسی طور پر پہلی بار سیکولرزم کا مثبت تصور پیش کیا اور اس کی کوشش کی کہ کثرت میں وحدت اور رنگارنگی میں یک رنگی پیدا ہو۔ بہت سارے مذاہب کے معتقدات و تصورات، مختلف علاقوں کے افراد کی کاوشیں، شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک مختلف بولیوں کے الفاظ اردو میں شامل ہوتے گئے اور اسی طرح اردو کا وجود ہندستانیت کے سچے تصور کا مظہر بن گیا۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ آج کے دور کا تقاضا ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رواداری کے ساتھ پیش آنا ہے۔ ہم جامعہ سطح پر نہیں پہونچنا چاہتے۔ ہم کثرت میں وحدت چاہتے ہیں۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گاندھی جی کی نظر میں بھی تہذیب کا کوئی جامع تصور نہیں تھا۔ اردو نے دراصل اسی جمود کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور اس تصور کو پیش کرنا چاہا تھا کہ چمن میں ہر رنگ کا پھول اپنی انفرادیت اور اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے بھی چمن کا ہی پھول کہلائے گا۔ اس اعتبار سے اردو کا ادب نہ صرف ہندستان کی تمام زبانوں میں بلکہ اس کا ادب دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں اپنی مخصوص انفرادیت رکھتا ہے۔ یہ انفرادیت اسے بین الاقوامیت نہیں بلکہ آفاقیت عطا کرتی ہے۔ دنیا کی کسی زبان کو یہ فخر حاصل نہیں کہ اس میں مشرق و مغرب کی روح اس طرح سمٹ آئی ہو۔ عرب کا سوز دروں، عجم کی نفاست، مغرب کی لطافت اور ایشیا کی روح کا ذکر کوئی معروضی وجود ہو سکتا ہے تو وہ اردو رہی ہے۔

لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اردو پر اعتراض کرنے والے بس "اردو کی مٹھاس" کے قائل ہیں۔

یہ پیار و محبت کی زبان ہے، جتنی بھی خوبیاں ہو سکتی ہیں ان سب کی نشاندہی مختلف مقالات میں کی جاتی رہی ہے۔

اردو کی مختلف اصناف مثلاً غزل، ناول، بارہ ماسہ وغیرہ میں ان عناصر کو تلاش کیا گیا ہے۔ جن عناصر نے ہماری تہذیبی زندگی کو وزن و وقار عطا کیا ہے تو پھر اردو کیوں آج اس جگہ پر نہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہئے تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آج کے دور میں پیار و محبت اور مٹھاس فرسودہ الفاظ ہو گئے ہیں۔ باہمی احترام، رواداری اور وسیع النظری کے پھول مرجھا

(باقی ص۶ پر)

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

سیاحت

سیاحت صرف متمول لوگوں کے لئے موقوف نہیں ہے۔ اس بات کی کوششیں کی جانی چاہئیں کہ متوسط درجہ اور کم آمدنی والے لوگ سیاحت میں دلچسپی لیں اور ان کے لئے حسب ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔ سیاحت کے لئے یہی ہے بائیں محاذ حکومت کی پالیسی۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت سیاحت کے فروغ کے لئے بہت سارے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لا رہی ہے۔

ریاستی حکومت کا شعبۂ سیاحت ۱۹۷۲ء میں صرف ۹ ٹورسٹ لوج (سیاحوں کی رہائش گاہ) کا مالک تھا اور ان میں ۳۸۷ سیاحوں کے لئے رہائشی سہولتیں فراہم تھیں۔ اس کے بعد کے عرصہ میں مغربی بنگال میں ٹورسٹ لوج اور ان میں سیاحوں کے لئے بستروں کی تعداد علی الترتیب ۱۹۷۵ء میں ۱۴ اور ۴۳۰، ۱۹۷۷ء میں ۱۸ اور ۸۴۳ اور آج ۴۴ اور ۱۵۷۲ ہو گئی۔ اس طرح بائیں محاذ حکومت کے ۸ سال کے دوران مغربی بنگال میں ۲۶ نئے ٹورسٹ لوج کھولے گئے اور ان میں ۷۲۹ سیاحوں کے لئے رہائش کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ان میں سے ۱۱ لاجوں کا مالک شعبۂ سیاحت ہے اور باقی ۱۳ کا مغربی بنگال سیاحت ترقیات کارپوریشن۔

اس عرصہ میں اس شعبہ کے جو ٹورسٹ لوجس چالو کئے گئے ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) بدھان نگر کلکتہ میں ۱۷۶ بستروں پر مشتمل اور ... بسٹ لوج، (۲) میرک، ضلع دارجلنگ میں سیاحت کا مرکز ہے۔ ... ۵ر۱ کیلومیٹر لمبی اور خوبصورت جھیل ہے۔ اس جھیل میں ... شتیوں سے سیر کرنے کی سہولتیں فراہم ہیں۔ نیز یہاں ۶۰ بستروں پر مشتمل ٹورسٹ ہاسٹل ہے اور آٹھ بستروں پر مشتمل تین ٹورسٹ کٹیا ہیں اور چند کیمپس بھی ہیں، (۳) سندربن کے علاقے میں سجنی کھال میں ۶۰ بستروں پر مشتمل ٹورسٹ لوج، (۴) مائی تھون میں ۱۸ بستروں پر مشتمل لوج، (۵) سلی گوڑی میں ۷۶ بستروں پر مشتمل میناک ٹورسٹ لوج، (۶) بہاداں، ضلع ۲۴ پرگنہ میں شعبۂ جنگلات کے تحت ریسٹ ہاؤس (آرام گاہ)، جسے اب ٹورسٹ لوج میں تبدیل کر دیا گیا ہے (۷) ضلع جلپائی گوڑی میں مداری ہاٹ ٹورسٹ لوج، (۸) ضلع پرولیا میں اجودھیا پہاڑ ٹورسٹ لوج، (۹) ضلع مدنا پور میں کنکرا جھور سے ٹورسٹ لوج، (۱۰) ضلع بانکوڑا میں موکٹ مانی پور میں دو ٹورسٹ لوج (۱۱) بارکپور میں دریائے گنگا کے کنارے سیاحوں کے لئے دو بستروں پر مشتمل آٹھ کٹیا، (۱۲) کلمپونگ میں ۲۰ بستروں پر مشتمل ہل ٹوپ ٹورسٹ لاج، (۱۳) گٹپارا ہوڑہ میں ہگلی ندی اور روپ نرائن ندی کے سنگم کے پاس ٹورسٹ لاج اور (۱۴) ہمالیہ پہاڑ پر چڑھنے کے لئے سندکپھو۔ فالوٹ پہاڑی راستہ پر مختلف جگہوں میں کوہ پیماؤں کے ٹھہرنے کیلئے کٹیا۔ سارے ہندستان میں کوہ پیماؤں کے لئے ایسی سہولتیں فراہم نہیں ہیں۔

مغربی بنگال سیاحت ترقیات کارپوریشن کے تحت مندرجہ ذیل لوج چالو کر دئے گئے ہیں:-

(۱) شمالی بنگال میں مال بازار میں سیاحوں کا مرکز (۲) کرسیونگ میں ایک ٹورسٹ لوج، (۳) کلمپونگ ٹورسٹ لوج کے ساتھ ساتھ ایک مکان میں ناشتی۔ ڈگ ٹورسٹ لاج، (۴) لوکا کھالی ٹورسٹ لاج میں ۲ بستروں پر مشتمل ۱۲ کمروں کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور (۵) دیگھا کے ٹورسٹ لوج کی عام خواب گاہ میں چند بستروں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

قومی شاہراہ نمبر ۳۴ پر بلیتما ہاری میں ایک ٹورسٹ مرکز کھولنے کے سلسلہ میں وہاں پہلے ایک ریسٹورنٹ اور چند پکنک شیڈ تعمیر کئے گئے۔ اسی شاہراہ پر رائے گنج میں ایک ٹورسٹ لوج قائم کیا گیا ہے۔ جھاڑگرام کے سابق مہاراجہ کے تعاون سے جھاڑگرام محل ٹورسٹ لوج چالو کر دیا گیا ہے۔

سندربن کو قومی پارک ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور اس علاقہ میں سیاحت کو فروغ دینے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ ضلع بانکوڑا میں وشنوپور کے مندروں کو چراغاں کرنے کے لئے ایک پروگرام کو روبہ عمل لایا گیا۔ شعبۂ سیاحت کی طرف سے اس سلسلے میں اقدامات کئے جاتے ہیں کہ ہماری ریاست کے چند مشہور میلوں جیسے شانتی نکیتن کا پوس میلہ، جلپائی گوڑی جلپیش میلہ، کینڈولی کا باؤل میلہ وغیرہ، میں آنے والے سیاحوں کے لئے چند اور سہولتیں فراہم ہوں۔

اس ریاست میں سیاحت کی بابت معلومات فراہم کرنے کے لئے شعبۂ سیاحت فولڈر، پمفلٹس وغیرہ شائع کرتا ہے۔ یہ شعبہ بہت ساری نمائشوں جیسی بانکوڑا اگرامین میلہ، بارک پور میں ایس۔ ایف۔ آئی کانفرنس کے سلسلے میں منعقدہ نمائش، نیتاجی انڈور اسٹیڈیم میں منعقدہ بین ریاستی ٹیبل ٹینس ٹورنامنٹ، یوتھ فیسٹیول، جلپائی گوڑی امداد باہمی میلہ اور دارجلنگ میں کوہ پیمائی کے دوران منعقدہ نمائش میں شرکت کرتا ہے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں اس شعبہ نے ربندر سدن اسٹیڈیم، کلکتہ میں مغربی بنگال میں سیاحت پر ایک نمائش کا انتظام کیا تھا۔ اس شعبہ کی سربراہی میں سیاحت پر دستاویزی فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔ اس شعبہ کے تحت دو انفارمیشن سنٹر، ایک دہلی میں اور ایک مدراس میں کام کر رہے ہیں۔

اس شعبہ کے پاس ابھی ۳۶ ٹورسٹ کوچ اور گاڑیاں، ۲ ایئر کنڈیشنڈ کوچ اور ایک ٹورسٹ لانچ ہے۔ ۱۹۸۱ء سے ان گاڑیوں کے ذریعہ ہر سال سیاحوں کو مختلف مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے۔ ۱۹۸۱ء میں ایسے سیاحوں کی تعداد ۲۷۰۰۹ تھی جو بڑھ کر ۱۹۸۲ء میں ۸۵۶۵۷ ہوگئی۔ شعبۂ سیاحت اور مغربی بنگال سیاحت ترقیاتی کارپوریشن دونوں مشترکہ طور پر بین ریاستی سیاحت کا انتظام کرتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں، خاص طور پر مضافاتی علاقوں میں، طلباء کو تعلیمی سیاحت کے لئے مالی گرانٹ دئے جاتے ہیں۔

گریٹ ایسٹرن ہوٹل کلکتہ نے ۸۵-۱۹۸۴ء میں یعنی ریاستی حکومت نے جب سے انتظامی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں، اس کے چار سال کے بعد، ۴۵ لاکھ روپئے بطور نفع کمائے۔

مئی ۱۹۸۵ء میں دارجلنگ میں منعقدہ "ہمالہ کوہ پیمائی اور سیاحت اجتماع" میں شرکت کرنے والے مختلف ملکوں مع ہندستان کے نمائندوں نے سیاحت کے لئے اس شعبہ سے کئے گئے اقدامات کی بڑی تعریف کی۔

اس ریاست میں سیاحت کے فروغ کو شمالی بنگال کے چند علاقوں میں غیر ملکی سیاحوں کی آمد و رفت پر حکومت ہند کی عائد کردہ پابندی سے کافی دھچکا لگا۔ غیر ملکی ہوائی جہازوں کے کلکتہ کے ہوائی اڈہ کو استعمال کرنے کی بابت ریاستی حکومت نے مرکز سے جو درخواست کی تھی، اس کا ابھی مرکز نے جواب نہیں دیا۔ اس کی وجہ سے مغربی بنگال میں ہوٹل اور دیہی صنعتوں کے فروغ پر اچھا اثر نہیں پڑ رہا ہے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود مغربی بنگال سیاحت ترقی کی راہ پر گامزن رہے گی ●●

بقیہ: زراعت

ساتویں منصوبہ میں زرعی ترقی

فی الحال مغربی بنگال میں سال میں ۸۰ لاکھ میٹرک ٹن اناج پیدا کیا جاتا ہے۔ ۹۰-۱۹۸۹ء میں یعنی ساتویں منصوبے کے آخری سال میں مغربی بنگال کو ۱۱۰ لاکھ میٹرک ٹن اناج کی ضرورت ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمیں تقریباً ۲۸ فی صد اناج کی ضرورت ہوگی۔ تکنیکی لحاظ سے پیداوار میں اضافہ کرنا ناممکن نہیں ہے۔ لیکن ریاست کے محدود وسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے نشانہ ۱۰۵ لاکھ میٹرک ٹن کا مقرر کیا گیا ہے۔ اس نشانہ تک پہونچنے کے لئے اوسط پیداوار کی موجودہ شرح میں ۳۰ فیصد اضافہ کرنا پڑے گا۔ اگر اس نشانے کو پورا کر لیا گیا تو آئندہ پانچ برسوں میں فاضل زرعی فصلوں سے ۲۷۰۰ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے اور تقریباً ایک سو کروڑ روپئے کی مالیت کے فاضل روزگار پیدا کئے جائیں گے۔ اس آمدنی کے زیادہ تر حصہ سے حاشیائی کسان، برگدار اور زرعی مزدور مستفید ہوں گے ●●

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

زراعت

بہ بانگ دہل یہ کہا جا سکتا ہے کہ گزشتہ آٹھ برسوں میں بہت ساری دشواریوں کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے کاشت کاروں کی بہتری اور کاشت کاری کی ترقی کے لئے جن اصولوں اور طریقۂ کار کو اپنایا، انکی وجہ سے زرعی سیکٹر میں ترقی کی رفتار کافی تیز ہو گئی۔

پانچویں منصوبہ کے صرف دو برسوں کے عرصہ میں اس ریاست نے اناج کی پیداوار کے لئے ۸۰ لاکھ میٹرک ٹن کا جو نشانہ مقرر کیا گیا تھا اسے پورا کر لیا گیا۔ گزشتہ پانچ برسوں میں وسیع پیمانے پر مسلسل خشک سالی کے باوجود تین برسوں میں اناج کی مجموعی پیداوار کے نشانہ تک پہونچنا ممکن ہو سکا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں غذائی اجناس کی پیداوار کا نشانہ ۵۹ لاکھ میٹرک ٹن مقرر کیا گیا تھا، جبکہ اس عرصے میں ۷ء۹۱ لاکھ میٹرک ٹن اناج پیدا کیا گیا۔ یہ اس ریاست کی زرعی پیداوار کی تاریخ میں ایک نیا ریکارڈ ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں اس طرح کے اور بھی ریکارڈس قائم کئے جائیں گے۔

گزشتہ پانچ برسوں میں اوسط غذائی پیداوار کے مقابلہ میں ۸۳-۱۹۸۲ء میں غذائی اجناس کی کل پیداوار میں ۱۸ فی صد کا، آلو کی کل پیداوار میں ۵۰ فیصد کا، تیل کے بیج کی کل پیداوار میں ۶۲ فیصد کا، استعمال کی جانے والی کیمیاوی کھاد کی مقدار میں ۴۵ فیصد کا اور زیادہ پیداوار والی فصلوں کے زیر کاشت علاقوں میں ۵ لاکھ ہیکٹرس کا اضافہ ہوا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں گیہوں کی پیداوار فی ہیکٹر ۲۶ کوئنٹل ہوئی۔ یہ ہندوستان میں گیہوں پیدا کرنے والی دیگر ریاستوں کی شرح کے برابر ہے۔

چھٹے منصوبے کے عرصے میں اس ریاست میں آلو کی فی ہیکٹر اور کل پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور اب آلو کی اوسط پیداوار کے سلسلے میں مغربی بنگال کا آلو پیدا کرنے والی دیگر ریاستوں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

کیمیاوی کھاد کے استعمال میں فی سال اضافہ ہوتا ہے۔ چھ سال قبل نائٹروجن، فاسفیٹ اور پوٹاش پر مشتمل ۲۰۰۰K میٹرک ٹن کیمیاوی کھاد کھیتوں کے لئے فراہم کی گئی۔ چھ سال کے اندر ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۳۶۹۰۰۰ میٹرک ٹن کھاد استعمال کی گئی۔

مغربی بنگال میں مرکوز طور پر کاشت کاری کرنے اور ایک ہی کھیت میں سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگانے کا کام برسوں سے کیا جاتا ہے۔ ۴۸-۱۹۴۷ء میں ۱۰۰ کھیتوں میں سے ۱۲ کھیتوں میں ایک سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگائی جاتی تھیں۔ ۶۷-۱۹۶۶ء میں زیادہ پیداوار والے بیج بونے کے لئے ایسے کھیتوں کی تعداد ۱۲۰ فیصد ہو گئی۔ فی الحال ایسے کھیتوں کی تعداد ۱۴۴ فیصد ہے اور ایک نشانہ کے مطابق ساتویں منصوبہ کے آخر تک یہ تعداد بڑھکر ۱۵۵ فیصد ہو جائیگا۔ ایک ہی کھیت میں سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگانے کا سلسلہ شروع ہونے اور اسکی توسیع کے بعد سال بھر میں کل تقریباً ۷۹ لاکھ ہیکٹر زرعی قطعات آراضی پر کاشتکاری کی جاتی ہے۔ (قطعات آراضی کا اصل رقبہ ۵۵ لاکھ ہیکٹرس ہے جن میں سے ۲۴ لاکھ ہیکٹرس میں سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگائی جاتی ہیں)

مغربی بنگال کی موجودہ آبادی کو غذائی اجناس کی جتنی ضرورت ہے، اس کے لحاظ سے مغربی بنگال میں دھان اور گیہوں کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ نیز یہاں دال اور تیل کے بیج کی پیداوار اور بھی زیادہ کم ہوتی ہے۔ لیکن مغربی بنگال میں چند زر نقد فصلوں جیسے پاٹ اور آلو وغیرہ کی اور سبزی ترکاری کی پیداواریاں کی ضرورت سے کافی زیادہ ہوتی ہے۔ اب ہم ان چیزوں کی مغربی بنگال سے باہر سپلائی کرتے ہیں حالانکہ پہلے ان دنوں ایسی باتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(باقی صـ۱۱ پر)

سماجی رفاہ

سماج کے وسیع ڈھانچہ کے اندر معذور لوگوں کو بحال کرنے کے لئے، بردوان، ہگلی اور کلکتہ میں واقع پیشہ ورانہ تربیتی مراکز میں معذوروں کو اب تربیت دی جارہی ہے۔
گزشتہ چند برسوں سے ہم (الف) معذوروں کو بھتہ دے رہے ہیں (ب) جسمانی لحاظ سے معذور لوگوں کو چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی آلات دے رہے ہیں تاکہ وہ چل پھر سکیں اور اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں، (ج) نمایاں کارگذاری کیلئے معذور لوگوں کو اور انہیں روزگار پر بحال کرنے والے حکام کو انعامات دے رہے ہیں (د) کلاس IX سے نیچے کلاسوں میں زیر تعلیم معذور طلباء کو وظیفے دے رہے ہیں (ھ) معذور لوگوں کو معاشی طور پر بحال کررہے ہیں اور (و) معذوروں کی رفاہ کے کام میں مشغول رضاکار اداروں کو حکومت کی فراہم کردہ مالی امداد دے رہے ہیں۔
اس سال ۵۴۷ معذور لوگوں کو چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے کا سامان دیا گیا، ۵۵۳ معذور طلباء کو وظیفے دئے گئے، ۳۰۴۳ معذوروں کو معذوری بھتہ دیا گیا اور ۳۵۰ معذوروں کو معاشی بحالی پروجیکٹ کے تحت لایا گیا۔ اندھے بچوں کے مفاد کی خاطر کوچ بہار میں ہوم کی اور بہرے اور گونگے بچوں کے لئے رائے گنج میں ہوم کی توسیع اور ترقی کی گئی۔ حکومت کے تحت اداروں اور ان اداروں میں جنہیں حکومت امداد فراہم کرتی ہے، دو فیصد اسامی معذوروں کے لئے مختص کردی گئی ہیں۔

مغربی بنگال الیکٹرونک صنعت ترقیات کارپوریشن لمیٹڈ ایک عوامی ادارہ ہے۔ یہاں بین الاقوامی ترقی کے لئے ناروے کی ایک ایجنسی کے تعاون سے ایک پروجیکٹ کے تحت ۸۰ عورتوں کو ٹی۔وی سیٹ تیار کرنے کے کام کی تربیت دی جارہی ہے۔
کام کرنے والی لڑکیوں کے لئے کلکتہ اور آسنسول میں چار ہاسٹل قائم کئے جاچکے ہیں اور اب مختلف میونسپلٹیوں اور شہروں میں اس طرح کے اور چار ہاسٹل زیر تعمیر ہیں۔
پسماندہ طبقہ کے لوگوں کی رفاہ کے لئے دیہاتوں میں ایسے ۱۰۰۰۰ چولہے تعمیر کئے گئے جن سے دھواں نہیں نکلتا۔ اس طرح کے اور ۲۰۰۰۰ چولہے بہت جلد تعمیر کئے جائیں گے۔ نادار اور غریب لڑکیوں کے لئے اتر پاڑہ، مدناپور، پرولیا، کوچ بہار اور ہوڑہ میں ۵ ہومس اور ان عورتوں کے لئے جن میں آوارہ گردی کا رجحان پایا جاتا ہے، کرشنگر، کلکتہ، بردوان، مالدہ اور ہوڑہ میں چھ ہومس کھولے گئے۔ نادار عورتوں کی معاشی بحالی کے لئے ۷۶ بلاکوں میں تربیتی مراکز کھولے گئے ہیں جہاں ایسی عورتوں کو سلائی اور کشیدہ کاری سکھائی جاتی ہے۔ ہر سال ان مراکز میں ۳۸۰۰ عورتوں کو تربیت دی جاتی ہے اور ہر عورت کو ۵۰ روپئے فی ماہ بطور وظیفہ دئے جاتے ہیں۔ حکومت اس پروجیکٹ پر سال میں ۵۰ لاکھ روپئے صرف کرتی ہے اور بچوں اور عورتوں کی رفاہ کے لئے سرحدی علاقوں میں قائم ۱۲ پروجیکٹوں کے کل اخراجات کا ایک تہائی حصہ برداشت کرتی ہے۔ اس رہائشی خدمت پروجیکٹ کے علاوہ ۷۰۰ نادار بیوہ عورتوں کو غیر رہائشی خدمت پروجیکٹ کے تحت ۳۰ روپئے فی ماہ فی کس بطور پنشن یا بھتہ دئے جاتے ہیں۔ حکومت کی مالی امداد سے مغربی بنگال سماجی رفاہ بورڈ نے کرشنگر میں ۱۰۰ نادار اور غریب عورتوں کے لئے ایک ہوم کھولا ہے۔
بچوں کی رفاہ کے لئے ریاستی حکومت نے بچوں کی جامع ترقی کے لئے سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں صرف دو سروس پروجیکٹ سے کام شروع کیا تھا۔ اب ایسے پروجیکٹ کی تعداد بڑھ کر ۱۱۰ ہوگئی۔ ان پروجیکٹوں میں ۱۶ پروجیکٹس ریاستی حکومت کے براہ راست زیر انتظام ہیں، ۱۴ پروجیکٹس شہروں کی بستیوں

اور ۶۷۹ دیہی علاقوں اور ۲۷ قبائلی علاقوں میں ہیں۔ ان پروجیکٹوں کے تحت ۹۵۰۰ عورتوں کو آنگن وادی کارکنندگان کی حیثیت سے اور اتنی ہی تعداد میں علاقائی عورتوں کو معاون کی حیثیت سے تقرری کی گئی۔ ۶۰۰ سوپروائزرس ہیں جو گراجوٹس ہیں۔ ان پروجیکٹوں سے ۴ لاکھ بچوں کی ماں اور ہونے والی ماں اور بچے مستفید ہو رہے ہیں۔ خصوصی تغذیہ پروگرام سے تین لاکھ سے زیادہ ہونے والی مائیں اور بچے مستفید ہو رہے ہیں۔ بیربھوم، ۲۴ پرگنہ، جلپائی گوڑی اور مرشد آباد ضلعوں میں کھولے گئے ہومس میں ۳۰۰ غریب اور مفلوک الحال لڑکوں کو رکھا گیا ہے۔ اضلاع پرولیا، مدناپور، ہگلی اور کوچ بہار میں لڑکیوں کے لئے ہومس کام کر رہے ہیں۔ ہومس میں رہنے والے ہر فرد کو اس ہوم سے رخصت لیتے وقت ۱۰۰۰ روپئے زر نقد دئے جاتے ہیں۔ گھریلو اسکیم کے تحت ۵۲ اور امدادی اسکیم کے ۲۴ رضاکار تنظیمیں ۵۸۷۶ بچوں کی پرورش کر رہی ہیں۔ مغربی بنگال سماجی رفاہ بورڈ کے زیر اہتمام ۲۷ بلواڑی، مراکز سے ۲۷۰۰ بچے مستفید ہو رہے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری ہومس میں پرورش پانے والے غریب بچوں کے لئے اخراجات میں فی بچہ کے حساب سے کچھ اضافہ کر دیا گیا ہے، جو حسب ذیل ہے:۔

(۱) گھریلو پروجیکٹ میں ۸۱ر۵۰ روپئے (۲) تسلیم کردہ گھریلو پروجیکٹ میں ۷۵ر۵۰ روپئے اور (۳) امدادی پروجیکٹ میں ۴۸ر۵۰ روپئے۔

جنوبی گریا میں ضعیف مردوں کے لئے ایک ہوم ہے اور وہیں عورتوں کے لئے بھی ایک ہوم تعمیر کیا جا رہا ہے۔ ضعیفی پنشن اسکیم کے تحت ضعیف مردوں اور عورتوں کو فی کس فی ماہ ۳۰ روپئے بطور پنشن دئے جا رہے ہیں۔ آوارہ گردوں کے مختلف ہومس میں ۲۴۰۰ افراد کو رہائشی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں، ساتھ ہی انہیں دہی کام کاج کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ ہوڑہ۔ انندول روڈ پر واقع ایک ہوم اور مرشد آباد میں ایک ہوم" دو ہوموں کی توسیع کا کام کیا گیا ہے۔ اس کام میں ۴۰ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے اور یہاں مزید ۴۰۰ آوارہ گردوں کو رہائش

غزل

رؤف جاوید

ملے جو پیار تو دل کی کتاب میں رکھنا
جو اینٹ مارے تو پتھر جواب میں رکھنا

ہر ایک خواب کہیں خواب ہی نہ رہ جائے
کوئی نہ کوئی حقیقت تو خواب میں رکھنا

کوئی مذاق نہیں ہے، بہت بڑا فن ہے
خود اپنے آپ کو زندہ عذاب میں رکھنا

چلا ہوں چھوڑ کے ہر راہ پر میں نقشِ قدم
تم اپنے قصے کہانی کتاب میں رکھنا

اور تربیت کی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ دیگھا میں بے گھر اور نادار بچوں کے لئے بھی ایک ہوم کھولا گیا ہے۔ مجرم بچوں کے لئے قانون کے تحت ۶ ہومس اور ۱۴ اصلاحی ہومس قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں ۱۱۰۰ بچوں کے لئے رہائش، تعلیم اور تربیت کی سہولتیں فراہم ہیں ***



رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں وزیر صنعت و حرفت شری نرمل بوس (تصویر میں دائیں طرف سامنے) کے کمرہ میں
۲۷ر جون ۱۹۸۵ء کو ہلدیہ پٹرو۔ کیمیکلس پروجیکٹ کے لئے غیر ملکی ٹکنالوجی کی فراہمی کے سلسلہ میں مغربی جرمنی کے فرم
لنڈے اے جی اور ممالک متحدہ امریکہ کے فرم کیمٹیکس کے نمائندے اور مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن کے نمائندہ
اور شری آر۔ پی گوئنکا معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam.
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed
by G. P. T. Printers 54/1C Shyampukur Street Calcutta-700 004

MAGHREBI BANGAL
1st July 1985

Postal Regd. No.
Vol. 32 No. 13
PRICE 12 Paise



ریاستی حکومت نے حال
ہی میں ضلع بیربھوم کے
بولپور کو ایک سب ڈویژن
میں تبدیل کر دیا۔ اس
موقع پر بولپور میں
منعقدہ ایک تقریب
کا وزیر اعلیٰ شری
جیوتی باسو افتتاح کرتے ہوئے۔

نیچے :

بول پور سب ڈویژن کے
ٹریژری دفتر کے سامنے
کا ایک منظر۔





پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتیمن بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ر جولائی ۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۴

شرح خریداری

قیمت ۱۲ پیسے فی پرچہ۔ سالانہ تین روپے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس مینجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۱...۷



حال ہی میں کلکتہ کے ششیر منچ میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور شری پر دبھاش پھوٹیکار مشہور مصور شری گوبردھن آش کو "ابنندرا ناتھ انعام ۱۹۸۴" دیتے ہوئے۔

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

پنچایت

پنچایت ایکٹ ۱۹۵۷ء کے ذریعہ مغربی بنگال میں پنچایت راج نظام رائج کیا گیا لیکن اس نظام کے حسب خواہ نتائج برآمد نہ ہوتے۔ مضافات کے غریب لوگوں کے لئے آزادی کے بہت عرصہ بعد بھی یہ نظام ثمر آور ثابت نہیں ہوا۔ سست پنچایتیں صرف برائے نام عالم وجود میں آئی تھیں۔ پنچایت ایکٹ، جسے ۱۹۷۳ء میں قانونی شکل دی گئی، کو ۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہی سے عملی طور پر روبہ عمل لایا جانے لگا اور لوگ اس سے مستفید ہونے لگے۔

مغربی بنگال میں ۴ر جون ۱۹۷۸ء کو پنچایت انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں چار رخی نظام کی جگہ سہ رخی پنچایت نظام کو رائج کیا گیا۔ سہ رخی نظام یہ ہے: (۱) گرام پنچایت (۲) پنچایت سمیتی اور (۳) ضلع پریشد۔

شروع شروع میں ہی پنچایتوں کو مغربی بنگال میں بہت ہی زبردست اور تباہ کن سیلاب کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی وقت سیلاب کے دوران اور اس کے بعد کے عرصہ میں پنچایتوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ سیلاب زدگان کو محفوظ جگہوں میں لانے، ان کے درمیان امداد کے سامان تقسیم کرنے اور ان اثاثوں کو، جو کھو گئے تھے یا جنہیں سیلاب سے نقصان پہونچا تھا ڈھونڈ نکالنے میں پنچایتوں نے ریاستی حکومت کا ہاتھ بٹایا۔ اسی وقت مختلف اسکیموں کے ذریعہ کام کرنے کے ۳٫۳۰٫۵۲۶ لاکھ دن پیدا کئے گئے اور ان اسکیموں کو پنچایتوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

پنچایتوں کو تین طرح کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں — قانونی، رضاکارانہ اور وہ کام جو انہیں وقتاً فوقتاً دئے جاتے ہیں۔ نو منتخبہ پنچایتیں ریاستی حکومت کے تمام شعبوں کے کام کاج میں براہ راست یا بالواسطہ مدد کرتی ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۰ء تک، پنچایتوں کے لئے ۶۶٫۸۲۹ لاکھ روپئے تقسیم کئے گئے۔

دوسرا عام پنچایت انتخاب ۱۹۸۳ء کو ہوا اور سہ رخی پنچایتوں میں لوگوں کے تقریباً ۵۵ ہزار نمائندے منتخب ہوئے۔ ضلع بردوان کے ان علاقوں کو، جو پنچایت نظام کے دائرہ عمل میں نہ تھے، دوسرے انتخاب میں شامل کر لیا گیا۔ دوسرے انتخاب کے بعد گرام پنچایتوں کی تعداد ۳۲۰۵ تھی۔ اسی طرح پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کی تعداد علی الترتیب ۳۳۹ اور ۱۵ تھی۔

گزشتہ آٹھ برسوں میں پنچایتوں کے قومی مضافاتی روزگار پروگرام کی کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کے ذریعہ تقریباً ۲۵۰۰۰ لاکھ کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے۔ اس پروگرام کے ذریعہ دیہی علاقوں میں چند مستقل اثاثے بھی تیار کئے گئے۔ پنچایتوں کے ذریعہ تکمیلی مضافاتی ترقیاتی پروجیکٹوں کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ گزشتہ ۲ برسوں میں اس پروجیکٹ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد مرکزی حکومت کی مقررہ نشانہ تک پہنچ گئی۔ گزشتہ ۲ مالیاتی برسوں سے ایک اور پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس پروگرام کے تحت پنچایتیں لاولد خاندان کے کم از کم ایک فرد کو سال میں ۱۰۰ دنوں کے لئے روزگار فراہم کرنے کی ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں۔ بے زمین مزدوروں کے لئے مکانات کی تعمیر پروجیکٹوں کے تحت گزشتہ سات برسوں میں پنچایتوں نے ۶۳۰۰۰ سے زیادہ مکانات کی تعمیر کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ پنچایتوں نے اب تک ۲۲۲۹ گرام پنچایت بھون تعمیر کئے۔ اور ۱۶ ام ہومیوپیتھک مرکز قائم کئے۔ پنچایتوں کو اپنے وسائل اکٹھا کرنے کے لئے ٹیکس اور محصول عائد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ پنچایت ایکٹ میں حسب ضروری ترمیم لانے کے بعد ٹیکس کی حصولیابی میں کافی بہتری ہوگی۔

پنچایتوں کے عہدہ داروں کو وسیع پیمانے پر تربیت دی جا رہی ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو موثر طور پر نبھا سکیں۔

ان قطعات آراضی کی جن پر حکومت کے حقوق ملکیت حاصل ہو گئے ہیں، غریب اور بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم اور برگداروں کے نام کو رجسٹر میں درج کرانے کے کام کے سلسلہ میں

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

امداد باہمی

بلاشبہ امداد باہمی عوامی تحریک ہے اور اسکی کامیابی کا انحصار بہت حد تک عوام کی سرگرم شرکت پر ہے۔ گرچہ مشترکہ معیشت کی اس ریاست میں امداد باہمی عوام کے بنیادی معاشی مسائل کو حل نہیں کر سکتی تاہم یہ سماجی مفادات حاصل کرنے کے سلسلہ میں غریبوں کی مدد کرنے کے لیے لوگوں کو منظم کر سکتی ہے۔ اس بات کے پیش نظر گزشتہ آٹھ برسوں میں بائیں محاذ حکومت زراعت، ماہی پروری و ماہی گیری، ڈیری (دودھ) دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت، مکانات اور ضروری چیزوں کی تقسیم کے نظام کو امداد باہمی کے تحت لانے کی سرگرم کوششیں کر رہی ہیں۔

ان تمام اسکیموں میں سے ایک اہم اسکیم کے تحت غریب کسانوں کو کاشتکاری کے لیے لمبے اور مختصر مدت کے قرض فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کسانوں کی اس سلسلے میں ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ زرعی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کریں۔ سنہ ۸۰-۷۹ء میں طوفان اور سیلاب سے فصلوں کو کافی نقصان پہونچا اور کسانوں کو ان حادثات سے محفوظ رکھنے کے لیے غلہ بیمہ اسکیم رائج کی گئی ہے۔ فی الحال بورو اور ربیع فصلوں کو اس اسکیم کے تحت لایا گیا۔ نیز ۱۶۲ تھانوں کے علاقوں میں موجودہ خریف فصلوں کو بھی اناج بیمہ اسکیم کے تحت لایا گیا۔

کوآپریٹیو بنکوں کی سرگرمیاں بھی کچھ حد تک تیز تر ہو گئی ہیں۔ ابتدائی زرعی سوسائٹیوں کے سنہ ۷۷-۷۶ء میں ممبروں کی تعداد ۳ر۱۹ لاکھ تھی جو بڑھکر سنہ ۱۹۸۴ء میں ۳۱ لاکھ ہو گئی۔ اسی طرح مرکزی کوآپریٹیو بنکوں کی تعداد سنہ ۷۷-۷۶ء میں ۱۶۳ تھی جو بڑھکر سنہ ۱۹۸۴ء میں ۲۰۵ ہو گئی۔ ان بنکوں میں سنہ ۷۷-۷۶ء میں ۷ر۳۲ کروڑ روپے جمع تھے جو بڑھکر سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۱۳۳۲ کروڑ روپے ہو گئے۔

سنہ ۱۹۸۴ء کے آخر تک حکومت کے لیے ۷ لاکھ حاشیائی کسانوں، برگداروں، پیشہ داروں اور زرعی مزدوروں کو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے تحت لانا ممکن ہو سکا۔ کوآپریٹیو کے نئے قوانین کے نفاذ کے بعد سے لوگوں کے لیے یہ ممکن ہو سکا کہ اپنی زمینوں کو رہن میں رکھے بغیر زرعی ترقیاتی بنکوں سے قرض حاصل کرے۔

زرعی بازار میں بھی کافی بہتری ہوئی۔ سنہ ۱۹۸۴ء میں بی۔ ای۔ این۔ ایف۔ ای۔ ڈی اور اس کی تسلیم کردہ ابتدائی زرعی سوسائٹیوں نے پاٹ کی ۹۳ر۱ لاکھ گانٹھیں حاصل کیں اور امداد باہمی شعبہ نے کسانوں کے درمیان ایک لاکھ میٹرک ٹن دیسی کھاد تقسیم کی۔ اجناس کو محفوظ طریقہ سے رکھنے کے لیے سنہ ۱۹۸۴ء میں ۱۳۱۱ دیہی گودام اور ۳۰۶ بڑے گودام اور ٹھنڈے گودام گھر، جہاں کل ۸۰۲۰۰ میٹرک ٹن اناج رکھے جا سکتے ہیں، تعمیر کیے گئے۔

غیر زرعی سیکٹر میں بھی امداد باہمی نے کافی ترقی کی۔ سرکاری دفتروں، کارخانوں، کاروباری دفتروں، اسکولوں اور کالجوں میں ملازمین نے غیر زرعی قرض سوسائٹیاں قائم کیں اور مشرقی ہندستان میں ایسی بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ سنہ ۱۹۸۴ء کے آخر تک مغربی بنگال میں کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی تعداد ۲۵۱۰ تھا اور ان کے ۲۰ لاکھ افراد ممبر تھے۔ ان کا سرمایہ قائم ۵۰ر۲۱۸ کروڑ روپیہ تھا اور ادا کردہ حصص سرمایہ ۳۰ کروڑ روپیہ تھا۔ اس عرصہ میں چھوٹی بچت کے تحت کل ۱۳۸ کروڑ روپے اکٹھا کیے گئے۔

ہماری ریاست میں صارفین کی زیادہ سے زیادہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں پر زور دیا گیا۔ اس ریاست میں فی الحال ۲۸ صارفین تھوک فروشی کوآپریٹیو اسٹورس ہیں اور ۲۳۲۰ ابتدائی کوآپریٹیو اسٹورس ہیں۔ ماہی گیری کوآپریٹیو کو خود کفیل بنانے کے لیے ابتدائی ماہی گیری کوآپریٹیو سوسائٹیاں منظم کی جا رہی ہیں۔ اب تک ۵۵۰۰۰ ماہی گیر اس طرح کے ۹۴۰ سوسائٹیوں کے ممبر بن گئے ہیں اور دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں میں ۶۷۴۳ ورکرس کوآپریٹیو، ۳۲۴ انجینئرنگ کوآپریٹیو اور بند اور بیمار صنعتوں

(باقی صفحہ ۲ پر)

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

ابتدائی اور ثانوی تعلیم

کسی بھی ملک کے انسانی وسائل کی ہمہ جہت ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہاں تعلیم پر کتنی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں سارے ہندوستان میں ان پڑھ لوگوں کی تعداد ۳۰ کروڑ تھی اور آزادی کے تیس سال بعد یہ تعداد بڑھ کر ۴۵ کروڑ ہو گئی۔ جہاں ریاستی حکومتیں اپنے بجٹوں میں تعلیم کے لئے کل بجٹ کی ۲۰ فیصد رقم مختص کرتی ہیں، وہاں مرکز صرف ایک فیصد رقم مختص کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ساری دنیا میں کل ان پڑھ لوگوں میں سے ۴۰ فیصد لوگ ہندوستانی ہیں۔ اتنی پسماندگی کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے تعلیم کو اعلیٰ ترین ترجیح دی اور گزشتہ آٹھ برسوں میں اسے اس میدان میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ دوسری ریاستوں کے لئے ایک مثال ہے۔ بائیں محاذ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ تعلیم کو مقبولِ عام بنا دیا جائے اور اسے زندگی سے وابستہ کر دیا جائے۔

ریاستی حکومت نے ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۱۲۰۰ پرائمری اسکول اور ۲۵۰ جونیئر ہائی اسکول قائم کئے۔ ۸۵-۱۹۸۴ء کے آخر میں اس ریاست میں ۵۰۰۰۰ پرائمری اسکول جن میں ۱۵ر۸۷ لاکھ بچے زیر تعلیم ہیں۔ ۳۸۸۵ جونیئر ہائی اسکول اور ۵۶۵۵ ہائی اسکول تھے۔ ۸۵-۱۹۸۴ء میں جونیئر ہائی اور ہائی اسکولوں میں زیر تعلیم طلباء اور طالبات کی تعداد ۳۶ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں پرائمری اسکولوں میں ۱۲۰۵۰ اساتذہ اور ثانوی اسکولوں میں ۸۰۰۰ اساتذہ کے لئے آسامیاں قائم کی گئیں اور اس سلسلہ میں اخراجات کے لئے بجٹ میں گنجائش رکھی گئی۔ اسکولوں کی عمارتوں کی مرمت / تعمیر کے کام پر ۲۳ر۲ کروڑ روپئے سے زیادہ روپئے خرچ [illegible]

مغربی بنگال میں پرائمری اور ثانوی اسکولوں میں ۶ تا ۱۱ سال کے زیر تعلیم بچوں کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء، ۸۰-۱۹۷۹ء، [illegible] ۸۲-۱۹۸۱ء، ۸۳-۱۹۸۲ء، ۸۴-۱۹۸۳ء اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں علی الترتیب ۵۹ لاکھ، ۶۹ر۶۳ لاکھ، ۶۵ر۶۵ لاکھ، ۶۹ر۷۶ لاکھ، ۱۳ر۷۰ لاکھ، ۷۵ر۳۲ لاکھ اور ۱۵ر۷۸ لاکھ تھی اور اس عرصہ میں ۱۱ تا ۱۴ سال کے زیر تعلیم طلباء کی تعداد علی الترتیب [illegible] لاکھ، ۸۴ر۱۲ لاکھ، ۳۳ر۱۸ لاکھ، ۱۰ر۱۹ لاکھ، ۵۰ر۲۱ لاکھ، ۸۵ر۲۳ لاکھ اور ۲۲ر۲۶ لاکھ تھی۔

منصوبہ بندی کمیشن سے مشورہ کرنے کے بعد [illegible] کے لئے ۶ تا ۱۱ سال کے ۳۳۰۰۰ طلباء اور ۱۱ تا ۱۴ سال کے [illegible] طلباء کے اسکولوں میں داخلہ کی گنجائش رکھی گئی۔ درحقیقت پرائمری (یعنی ابتدائی) تعلیم کے میدان میں ۱۹۹۰ء کے لئے جو کل ہند نشانہ مقرر کیا گیا تھا مغربی بنگال اس نشانہ تک پہنچ چکا ہے۔

۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کے تعلیمی برسوں میں نصاب کی ۵۲ کتابیں شائع کی گئیں اور انہیں اس ریاست کے پرائمری اسکولوں کے ۸۳ لاکھ طلباء کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ ایک تجویز یہ ہے کہ اس مد پر ۶ کروڑ روپئے خرچ کئے جائیں۔ اس سلسلہ میں بھی انتظامات کئے گئے ہیں کہ بنگلہ میں کتابیں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہندی، اردو، نیپالی اور سنتھالی (الچیکی رسم الخط) میں بھی کتابیں شائع کی جائیں۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ۸۶-۱۹۸۵ء کے مالی سال کے دوران کلاس III سے کلاس V تک کے لئے ہندی، اردو، نیپالی اور سنتھالی زبانوں میں ۱۰ نئی کتابیں شائع اور تقسیم کی جائیں۔

تغذیہ اسکیموں سے فی الحال تقریباً ۲۹ لاکھ طلباء فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں اس اسکیم کو از سر نو مرتب کیا جائے اور جہاں ممکن ہو سکے ایک مرکزی باورچی خانہ سے پکی غذائیں تقسیم کی جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سی۔ اے۔ آر۔ ای تغذیہ اسکیم کو بھی اس ریاست میں روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ نیز بڑھاوا پروگرام کے تحت مقامی [illegible] ریاستی سطح پر اسپورٹس اور کھیل کے فروغ کے لئے [illegible]

گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حکومت اس بات کی کوشش کرے گی کہ سہولیات یافتہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی طالبات کو اور ۴۰ فیصد عام طالبات کو اسکول یونیفارم سپلائی کیا جائے۔

مدرسہ تعلیم: مغربی بنگال میں دو طرح کے مدرسے ہیں (۱) جونیر ہائی اور (۲) ہائی مدرسہ۔ تعلیمی حیثیت سے مدرسے ثانوی اسکولوں کے مساوی ہوتے ہیں۔ سنہ ۸۵-۸۶ء کے دوران دس جونیر ہائی مدرسے کو تسلیم کرنے اور ۳۰ جونیر ہائی مدرسہ کو ہائی مدرسہ میں تبدیل کرنے کی ایک تجویز حکومت کے زیر غور ہے۔ مفت مدرسہ تعلیم کو رائج کرکے اور وقت کی ضرورتوں کے مطابق نصاب پر نظر ثانی کرکے ریاستی حکومت نے مدرسہ تعلیم میں ایک بنیادی تبدیلی لائی۔ مغربی بنگال مدرسہ تعلیم بورڈ کو ایک خود اختیار ادارہ میں تبدیل کرنے کے لئے حسب ضروری اقدامات کئے گئے ہیں۔

ثانوی اسکول: گزشتہ سال (۸۴-۸۵ء) میں ثانوی اسکولوں میں زیر تعلیم طلبار کی تعداد بڑھکر تقریباً ۳ لاکھ ہوگئی۔ سنہ ۸۲-۸۳ء اور ۸۴-۸۵ء کے دوران ۵۰۰ نئے ثانوی اسکول قائم کئے گئے اور ۴۰۰ اسکولوں کو ثانوی اسکولوں میں تبدیل کردیا گیا۔ ۸۰۰۰ مزید اساتذہ کے لئے اسامیاں تیار کی گئیں۔ بجٹ میں اس مد کے تحت حسب ضروری گنجائش رکھنے کی ایک تجویز ہے تاکہ اس کام میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

اعلیٰ ثانوی تعلیم: اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے طلبار کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۸۴-۸۵ء میں ۱۰۰۰۰ سے زیادہ فاضل طلبار کا اعلیٰ ثانوی اسکولوں میں داخلہ ہوا۔ نیز اس دوران ۴۳ نئے اعلیٰ ثانوی اسکول قائم کئے گئے۔

معذوروں کیلئے تعلیم: ریاستی حکومت کا یہ عزم مصمم ہے کہ اس ریاست کے معذور بچوں کو مناسب تعلیم دی جائے۔ اس سلسلہ میں ایک جدید تعلیمی نظام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ سنہ ۸۴-۸۵ء میں دو

نئے اداروں کو حکومت کے زیر سرپرستی لایا گیا اور مزید دو نئے اداروں کو تسلیم کرلیا گیا۔

لائبریری خدمات: لائبریری خدمات کے معیار کو بلند کرنے کے لئے حکومت کی ایما پر اکتوبر سنہ ۱۹۸۲ء میں ایک سیمینار منعقد ہوا۔ کلیمپونگ میں نومبر سنہ ۱۹۸۳ء سے ایک لائبریری خدمات تربیتی مرکز (سرٹیفکیٹ کورس) چالو کردیا گیا۔ بانی پور جنتا کالج میں اس طرح کا ایک اور مرکز چالو کیا گیا۔

غیر رسمی تعلیم: تعلیم کو عام کردینے کی جو اسکیم ہے، غیر رسمی تعلیم اسی کا ایک جزو ہے۔ سنہ ۸۴-۸۵ء تک ریاستی حکومت نے تقریباً ۱۸۰۰۰ غیر رسمی تعلیمی مراکز کھولے۔ ان مراکز میں تقریباً ۵۶ر۴ لاکھ افراد، جن میں تقریباً ۲ لاکھ عورتیں شامل ہیں، تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اس اسکیم کے لئے نصاب مرتب کرلیا گیا ہے اور دیہی اور شہری علاقوں کے لئے کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں آئندہ سیشن سے قبل تقسیم کردی جائیں گی۔ غیر رسمی تعلیم کی کوالیٹی میں بہتری لانے کے لئے نگرانی کے کام کاج کے انتظامیہ کو ریاست اور ضلع کی سطح پر مستحکم بنایا گیا ہے۔ ضلع سطح کمیٹیوں کی اس طرح تشکیل کی گئی ہے کہ ان میں پنچایتوں اور مقامی باڈیز کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ غیر رسمی تعلیم کے معلموں کی تربیت کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

بقیہ: امداد باہمی

کے مزدوروں کی ۷۰ صنعتی کوآپریٹیو سوسائٹیاں ہیں۔ جون سنہ ۸۴ء تک ۴۵۰ پرائمری ہاؤزنگ کوآپریٹیو سوسائٹیاں رجسٹرڈ کی گئیں۔ اس سلسلہ میں انتظامات کئے گئے ہیں کہ ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں کوآپریٹیو کے ممبروں کی تربیت حاصل کرنے کی سہولتیں فراہم ہوں۔ ❖❖❖

ہمارے پاؤں میں تم نے تو زنجیر ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتۂ مہر و کرم چھوٹا

وحشت کلکتوی

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

اعلیٰ التعلیم

قوم کی ترقی میں تعلیم ایک نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے اپنے دور حکومت کے آٹھ برسوں میں اس خصوصی تعلیمی پالیسی کو روبہ عمل لاکر سارے ملک میں معیاری تعلیم کی ایک انوکھی مثال پیش کی۔ اس لئے ریاستی حکومت تعلیم کو غیر پیداواری سیکٹر نہیں سمجھتی اور اسی لئے ہر سال میں تعلیم کی مد پر ریاستی بجٹ میں مختص رقم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

سنہ ۸۳-۸۴ء میں تعلیم کے لئے بجٹ میں ۲۱۸ کروڑ روپے مختص کئے گئے اور اس مد پر سنہ ۸۴-۸۵ء میں ۴۵۹ کروڑ روپئے اور سنہ ۸۵-۸۶ء میں ۵۲۰ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔ ہر سال ریاستی بجٹ کا تقریباً ۲۳ فیصد حصہ تعلیم کے لئے مختص کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے مرکزی حکومت تعلیم پر اپنے سالانہ بجٹ کی صرف ایک فیصد رقم مختص کرتی ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مرکز نے تعلیم کے سلسلے میں گاندھی جی کے اصول کو کتنا پیچھے پھینک دیا ہے۔ گاندھی جی نے یہ کہا تھا کہ تعلیم کے لئے کل بجٹ کے تخمینہ کی ۱۰ فیصد رقم مختص کرنی چاہئے۔

سازگار ماحول کی غیر موجودگی میں تعلیم کی ترقی کے امکانات روشن نظر نہیں آتے۔ اس ریاست میں سنہ ۱۹۷۷ء تک تعلیمی ماحول میں افراتفری چھائی ہوئی تھی۔ پوری فضا میں ڈسپلن کا فقدان تھا اور امتحانات میں نقل کرنا ایک عام بات بن چکی تھی۔ سماج دشمن عناصر نے تمام تعلیمی اداروں کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا۔ بائیں محاذ حکومت نے اپنے آٹھ سال کے دورِ حکومت میں تعلیمی اداروں کو اس افراتفری کے ماحول سے نجات دلائی۔ اب ساری ریاست میں تعلیم حاصل کرنے کی ایک فضا چھا گئی ہے۔ اس کے لئے طلباء اساتذہ اور دیگر ملازمین کو مخصوص کردار ادا کرنا پڑا۔ حال ہی میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ ان میں سے ایک طبقہ کے لوگ، اپنے سیاسی مقاصد کے پیش نظر اس صورتحال کو بگاڑنا چاہتے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت کو اس بات پر یقین کامل ہے کہ طلباء، اساتذہ اور اسٹاف کے زیادہ تر افراد جو تعلیمی اداروں میں افراتفری برپا کرنے کے خلاف ہیں، متحد طور پر منتشر کرنے والی ان طاقتوں کی کوششوں کو ناکام بنا دیں گے۔

گزشتہ چند برسوں سے اس بات کی عکاسی کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ نام نہاد دانشوروں کا ایک خاص طبقہ ہی اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں مناسب ہدایت دے سکتا ہے۔ کالجوں کی انتظامیہ کمیٹیاں، یونیورسٹیوں کے سنیٹس وغیرہ جیسے ادارے تو نام نہاد دانشوروں کے دیوان خانے بن چکے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت نے ان نام نہاد لوگوں کی جگہ۔ ان اداروں کی انتظامی کمیٹیوں کو عالموں اور دانش وروں کے منتخب نمائندوں سے پُر کردیا۔ ان اداروں میں طلباء، اساتذہ، اسٹاف اور مزدوروں اور کسانوں کے لئے بھی نمائندگی کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ منتخب نمائندوں کو اعلیٰ تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی کے سینیٹ کے جتنے ممبر ہوتے ہیں ان میں ۵۷ فیصد منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ گزشتہ آٹھ برسوں سے بائیں محاذ حکومت تعلیم کے انتظامیہ کو جمہوری بنانے کی کوششیں کر رہی ہے۔

دوسری طرف مرکزی حکومت تعلیم کے میدان میں مرکزیت کے فروغ کی کوششیں کرتی ہے۔ حال ہی میں لوک سبھا نے وشوبھارتی یونیورسٹی ایکٹ کو پاس کیا۔ اس ایکٹ کے تحت اس یونیورسٹی کے انتظامیہ کے ممبروں کو مرکزی حکومت منتخب کرکے بھیجے گی۔

بائیں محاذ حکومت، اپنے محدود وسائل کے باوجود تعلیم کو بامعنی اور اہم بنانے کی کوششیں کر رہی ہے۔ بعض شعبوں میں تعلیم کو روزگار سے وابستہ کردیا گیا ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کو عملی طور پر کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ یہ بائیں محاذ حکومت ہی ہے جس نے تعلیم کو سماجی ضرورتوں کے ساتھ وابستہ کرنے کی کوششیں کیں۔ اس لئے سائنسی اور تکنکی تعلیم پر خصوصی زور

(باقی صفحہ ۹ پر)

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

پناہ گزینوں کی امداد و بحالی

۱۹۴۷ء میں تقسیم کے بعد سے بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) سے ہندستان میں آنے والے پناہ گزینوں کی تعداد تقریباً اسی لاکھ تھی۔ ان اجڑے اور بے گھر لوگوں کی بحالی کا مسئلہ گو آج بھی تشنہ حل ہے۔ اگرچہ بائیں محاذ حکومت کے اختیارات بہت ہی محدود ہیں اور پناہ گزینوں کی بحالی کے سلسلے میں مرکزی حکومت کا جو رویہ ہے، اس کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے اس سلسلے میں کچھ حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

۱۹۷۷ء میں مختلف ہومس میں رہنے والے پناہ گزینوں کی تعداد ۸۴۰۰ سے زیادہ تھی۔ اس میں گزشتہ برسوں میں ۴۷۰۰ پناہ گزینوں کو بحال کر دیا گیا اور اب تقریباً ۳۶۰۰ پناہ گزیں ان ہومس میں رہتے ہیں۔

کیمپوں میں رہنے والے پناہ گزیں خاندانوں کی بحالی کی راہ میں دو اہم دشواریاں حائل ہیں (۱) قطعات آراضی کی حصولیابی میں تاخیر اور (۲) شہری قطعات آراضی (انتہائی حد اور کنٹرول) ایکٹ ۱۹۷۶ء۔ اس ایکٹ نے قطعات آراضی کی حصولیابی کے کام کو مزید پیچیدہ اور سست رفتار بنا دیا۔ اس کے باوجود گزشتہ برسوں میں ۵۰۰۰ خاندانوں کو بحال کر دیا گیا۔ ۱۹۵۱ء سے قبل کے دنوں میں ۱۴۹ کالونیوں کو تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن گزشتہ سات برسوں میں ان میں ۶۰۷ کالونیوں کو تسلیم کرنے کے کام کو مکمل کیا جا سکا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۰ء سے مغربی بنگال میں زبردستی قبضہ کی جانے والی ۸۰۰ کالونیاں عالم وجود میں آئیں۔ ان کالونیوں کو قانون کے تحت زیر قبضہ رکھنے کے لئے بائیں محاذ حکومت مرکزی حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہاں کالونیوں کے قطعات آراضی کو حاصل کرنے۔ اس کے نتیجہ میں مرکز نے اب تک صرف ۱۷۵ کالونیوں کے سلسلہ میں منظوری دی ہے۔ باقی کالونیوں کے سلسلہ میں مرکز نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ مذکورہ ۱۷۵ کالونیوں میں سے ۸۲ کالونیوں کی حصولیابی کے لئے حسب ضروری احکامات جاری کر دئے گئے ہیں۔ دیگر کالونیوں کے لئے بھی مناسب اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

پناہ گزینوں کو رہائشی قطعات آراضی کے سلسلہ میں ملکیت کے حقوق کے کاغذات دینے کے سلسلہ میں گزشتہ برسوں میں خصوصی سب رجسٹرارس کی تقرری کی گئی۔ اب تک ۲۶۰۰۰ سے زیادہ قطعات آراضی کے حقوق کے کاغذات تقسیم کئے گئے اور ان سے اٹھارہ لاکھ پناہ گزیں مستفید ہوئے۔ آج تک ریاستی حکومت نے ۳۰۰ سے زیادہ پناہ گزینوں کو "خاص زمین" پر بحال کر دیا۔ انہیں ان قطعات آراضی کے لئے ۹۹۹ سال کا اجارہ دیا گیا۔

پناہ گزینوں کی کالونیوں کی ترقی کی راہ میں قطعات آراضی کی کمی بڑی سد راہ ہے۔ سی ایم ڈی اے کے حلقہ عمل میں فی نقطہ ترقیات خرچ ۲۰۰۰ روپیہ اور سی ایم ڈی اے کے باہر کے علاقوں کے لئے ۱۷۰۰ روپیہ مقرر کیا گیا، جبکہ ۷۶-۱۹۷۵ء کے جدول کے مطابق شرحیں ۴۵۶۰ روپئے ہوں گی۔ اور پھر ۸۱-۱۹۸۰ء کے جدول کے مطابق یہ شرح میں بڑھ کر ۷۵۰۰ روپئے ہو جائیں گی۔ بدقسمتی سے مرکزی حکومت نے اخراجات کے لئے ایک واجب اور قابل عمل حد مقرر کرنے کے سلسلے میں سخت رویہ کو اپنایا اور اس نے مضافاتی علاقوں میں کالونیوں کی ترقی کے لئے کام کاج کو بند کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ ان باتوں کے باوجود ریاستی حکومت نے گزشتہ برسوں میں اس کام کے لئے ۲ کروڑ سے زیادہ روپئے خرچ کئے۔ ان چھوٹے چھوٹے علاقوں، جو چاروں طرف سے بنگلہ دیش سے گھرے ہوئے ہیں، میں آباد پناہ گزینوں کے تقریباً ۹۳۶ خاندانوں کو اضلاع کوچ بہار، جلپائی گوڑی اور مغربی دیناج پور میں پھر سے آباد کر دیا گیا۔ اس کام پر ۷۵ء۷۹ لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔

گزشتہ برسوں میں پناہ گزینوں کے علاقوں میں اسکولوں، کالجوں، کلبوں، امداد باہمی سوسائٹیوں وغیرہ معاملات کو زمین کے دستاویز دیئے گئے۔

ہوسس میں مستقل رہائش کرنے والوں کے علاوہ دیگر خاندانوں کو جنہیں [stain obscures word] بحال کیا جائے گا، جو سنہ ۱۹۷۲ء سے فی کس ۳۵ روپے (بچوں کے لئے ۳۰ روپے) فی ماہ بطور "دول" دیئے گئے۔ یکم نومبر سنہ ۱۹۸۴ء سے بلا لحاظ بچہ اور بالغ فی ماہ "دول" (زر نقد اور خشک راشن) کی رقم کو بڑھا کر ۸۵ روپیہ کر دیا گیا۔ فی کس بھتہ بھی ۳۵ روپے سے بڑھا کر ۸۵ روپے کر دیا گیا۔ ان فاضل اخراجات کے لئے ہر سال ۱۰ر۵ لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی۔

ہوسس کے تحت پیداوار مراکز سے ہوسس میں رہنے والوں میں ایک سال میں تین بار دھوتی، ساڑھی اور بچوں کی پوشاک تقسیم کی جاتی ہے۔ ہوسس میں رہنے والے پناہ گزینوں میں سے ۲۰۰ ایک فرد کے خاندان رہتے ہیں۔ رضامند پناہ گزین خاندانوں کی بحالی کے لئے حال ہی میں ایک پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا گیا۔ اس پروجیکٹ کے تحت ان خاندانوں کو جو ہوسس چھوڑ کر اپنے طور پر دیگر جگہوں میں واقع مکانات میں منتقل ہو جانا چاہتے ہیں انہیں اس سلسلے میں ۵۰۰۰ روپے بطور عطیہ دیئے جاتے ہیں۔ اس پروجیکٹ کو پناہ گزینوں نے کافی سراہا۔

بائیں محاذ حکومت پناہ گزینوں کے عرصہ دراز کے مطالبات کو قبول کرنے کے لئے حکومت ہند سے مسلسل درخواست کرتی جا رہی ہے۔ ان کے مطالبات یہ ہیں کہ (۱) لازمی مکانات کی تعمیر قرض (۲) پیشہ ورانہ قرض (۳) پناہ گزین تجارتی بحالی بورڈ کے دیئے گئے کاروباری قرض (۴) بڑے کاروبار کے لئے بحالیاتی مالیاتی انتظامیہ کے دیئے گئے قرض وغیرہ کی ادائیگی سے انہیں معاف کر دیا جائے۔ آٹھویں مالیاتی کمیشن سے بھی اس سلسلہ میں گزارش کی گئی۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ اس سلسلہ میں کمیشن کی سفارشات کو مرکز نے تسلیم کر لیا ہے۔

شروع شروع میں حکومت ہند پناہ گزینوں کی امداد و بحالی کے شعبہ کے وزیر کے رضاکار عطیہ فنڈ میں ایک لاکھ روپیہ دیا کرتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس عطیہ کی رقم میں کمی ہوتی گئی اور سنہ ۱۹۷۱ء میں عطیہ دینے کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن بائیں محاذ حکومت ہنگامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس فنڈ کی ضرورت سے چشم پوشی نہیں کر سکی۔ اس لئے اس نے اس فنڈ کے لئے سالانہ ۲۵۰۰۰ روپے دینے کی منظوری دی تاکہ اخراجات کچھ حد تک پورے کئے جا سکیں۔

پناہ گزینوں کی سماجی۔ معاشی بحالی کے سلسلے میں یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ مسٹر مکھرجی کمیٹی کی سفارشات کو پایہ تکمیل تک پہونچایا جائے۔ اس کام کے لئے ۵۰ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی۔ پہلے دور میں تو مندرجہ ذیل مسائل کو فوری طور پر حل کرنے کی ضرورت ہے:

(۱) سنہ ۱۹۵۰ء کے بعد سے قائم کردہ تمام کالونیوں کو قانونی شکل دے دی جائے۔

(۲) بڑھتی ہوئی قیمتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کالونیوں کے فی قطعہ بہتری کے لئے اخراجات کا تخمینہ لگایا جائے۔

(۳) ہوسس اور سابق کیمپوں میں رہنے والے پناہ گزین خاندانوں کی بحالی کے لئے فراہم کردہ مالی امداد میں اضافہ کیا جائے۔

(۴) اقلیتوں کے چھوڑے ہوئے گھروں میں رہنے والے پناہ گزینوں کی بحالی کے لئے حسب ضرورت رقم بطور عطیہ دینے کی منظوری دی جائے۔

بقیہ: اعلیٰ تعلیم

دیا گیا ہے۔ آئندہ سال دو تکنیکی تعلیمی ادارے ایک کونٹائی میں اور دوسرا رائے گنج میں کھولے جائیں گے۔ ان تعلیمی اداروں میں نئے نئے موضوعات جیسے ماہی پروری کی بابت تعلیم و تربیت دی جائے گی۔

اس بات کی کوشش کی جا رہی ہیں کہ سنہ ۱۹۸۹ء تک کلیانی میں یا سالٹ لیک کلکتہ میں اس ریاست کا پانچواں انجینئرنگ کالج قائم کیا جائے۔ یکم جون سنہ ۱۹۸۵ء میں رسمی طور پر ودیا ساگر یونیورسٹی چالو کر دیا گیا ہے۔ سارے ہندوستان میں یہ واحد یونیورسٹی ہے جہاں غیر روایتی تعلیم دی جائے گی۔

اس ریاست میں اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لئے بائیں محاذ حکومت کی پرخلوص کوششیں رجعت پسندوں کے لئے درد سر بن چکی ہیں۔ اس لئے وہ سب حکومت کی کوششوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے جھلا کر شور و غل مچا رہے ہیں۔ لیکن ہمارا عزم مصمم ان لوگوں کو مایوس بنا دے گا اور آخر میں وہ بھی دیگر لوگوں کی طرح ریاستی حکومت کی اپنائی پالیسیوں اور پروگراموں کی تائید کرنی شروع کر دیں گے۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن انتخاب سنہ ۱۹۸۵ء

کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے ۱۴۱ وارڈس میں کونسلروں کے انتخاب کے لئے ۳۰ رجون ۱۹۸۵ء کو شہر میں عام انتخابات ہوئے۔ انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے لئے ۲۸۱۸ پولنگ اسٹیشن قائم کئے گئے تھے جہاں حکومت مغربی بنگال کے ۱۲۵۰۰ ملازمین اور افسروں نے پولنگ بوتھ میں بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دئے۔ ان ۱۴۱ وارڈس میں ووٹروں کی کل تعداد ۲۴۹۹۴۰۱ ہے جن میں ۱۸ تا ۲۰ سال کے ۷۴۱۲۸ ووٹرس شامل ہیں۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن کا انتخاب ۱۶ سال کے بعد ہوا۔ اس سے قبل ۱۹۶۹ء میں کارپوریشن کا انتخاب ہوا تھا۔ اس وقت اس کے صرف ۱۰۰ وارڈس تھے۔ لیکن ۱۹۷۲ء میں میونسپل باڈی کو معطل کر دیا گیا تھا۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے چیف الیکشن آتھوریٹی شری بی۔ جی۔ راؤ نے بتایا کہ اس انتخاب میں ۶۵۲ امیدوار کھڑے ہوئے جن میں ۴۳ عورتیں تھیں۔

اتوار یعنی ۳۰ رجون کو کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے لئے پولنگ ۷½ بجے صبح سے شروع ہوئی اور مسلسل ۲½ بجے سہ پہر تک جاری رہی۔ ۱۴۱ وارڈوں میں کم و بیش ۶۰ فیصد ووٹروں نے ووٹ ڈالے۔

اسی دن ، ۳۰ رجون ۸۵ء کو ووٹ ڈالنے کے وقت کے خاتمہ کے بعد یعنی ۲½ بجے سہ پہر کے بعد ہر بوتھ میں شام کے ۴½ بجے سے ووٹوں کی گنتی کا کام شروع ہو گیا اور یہ کام کم و بیش ۹ بجے رات تک جاری رہا۔ ہر بوتھ میں گنتی کے بعد ووٹنگ کا نتیجہ تیار کیا گیا۔ پھر اس پر اس بوتھ کے پریسائیڈنگ افسر اور امیدواروں کے نامزد نمائندوں نے دستخط کئے۔ اس کے بعد اس نتیجہ کو پریسائیڈنگ افسر نے اپنے علاقے کے ریٹرننگ افسر کے پاس بھیج دیا۔ اس مقصد کے لئے کلکتہ کارپوریشن کے کل علاقہ کو ۱۴ خطوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر خطے کی ذمہ داری ایک ریٹرننگ افسر کو سونپی گئی تھی۔ ہر ریٹرننگ افسر کو اپنے اپنے وارڈ کے ووٹنگ کے نتائج کا اعلان کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس طرح سرکاری طور پر یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو ریٹرننگ افسروں نے ووٹنگ کے نتائج کا اعلان کر دیا۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۳۰ رجون کو سہ پہر ساڑھے چار بجے رائٹرس بلڈنگس کلکتہ میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ کلکتہ کارپوریشن کا انتخاب مجموعی طور پر پُرامن طور سے گزر گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ بارش کے باوجود کافی تعداد میں لوگوں نے ووٹ ڈالے۔ انہوں نے پُرامن انتخابات کے لئے انتظامیہ، پولس، پولنگ افسروں اور عوام کو مبارکباد دی۔ وزیر اعلیٰ نے لوگوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مغربی بنگال کی روایات کا احترام اور تحفظ کرتے ہوئے کارپوریشن انتخابات کے دوران آزادانہ اور بلا خوف و خطر اپنے جمہوری حقوق کا استعمال کیا۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے انتخابات کے نتائج اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں۔ (کامیاب امیدواروں کے نام کے اوپر ستارہ کا نشان دیا گیا ہے)۔

وارڈ نمبر، امیدواروں اور پارٹی کے نام	حاصل کردہ ووٹوں کی تعداد	امیدوار	ووٹ	امیدوار	ووٹ
		★ جمل کرشنا پال، آر ایس پی	۸۶۰۸	★ شیبو دے، فارورڈ بلاک	۷۱۵۳
		۱۵۔ ستیہ دھن ساہا، کانگریس آئی	۵۰۰۵	۳۰۔ سکولال بسواس، کانگریس آئی	۵۳۴۹
		تپن گانگولی، آر ایس پی	۳۸۴۴	★ اروپ کمار چندر، سی پی آئی ایم	۵۵۳۷
۱۔ دیویتے بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۸۰۱۵	۱۶۔ ★ بولائی چندر داس، کانگریس آئی	۳۱۰۰	۳۱۔ ★ پریس چندر پال، کانگریس آئی	۵۹۱۵
★ سوشیل کمار پال، کانگریس آئی	۹۸۱۸	پریتی چٹرجی، سی پی آئی ایم	۱۵۹۰	کمل مکھرجی، سی پی آئی	۴۰۰۹
۲۔ اپتا گوسنترا، کانگریس آئی	۷۸۷۴	۱۷۔ کارتک باسو، سی پی آئی ایم	۴۶۷۶	۳۲۔ اجیت پال، سی پی آئی ایم	۵۸۲۷
★ دینندرا ناتھ گھوش، سی پی آئی ایم	۱۰۶۸	★ بن کرشنا بوس، کانگریس آئی	۵۱۹۰	★ پرانوب بوس، کانگریس آئی	۶۴۰۳
۳۔ ملیا مترا، کانگریس آئی	۷۲۱۱	۱۸۔ ارون کمار چھاپا، کانگریس آئی	۳۵۹۳	۳۳۔ ★ پرادیپ کمار سرکار، کانگریس آئی	۷۳۰۲
★ ستیہ بنرجی، سی پی آئی ایم	۹۷۲۹	★ کرشنا سرکار، سی پی آئی ایم	۳۹۱۰	بمل کانتی گوہا، سی پی آئی ایم	۵۲۹۳
۴۔ ارون بہادر ٹی، کانگریس آئی	۷۴۱۱	۱۹۔ پوتر موہن رے، کانگریس آئی	۳۹۱۰	۳۴۔ انیل کمار مکھرجی، کانگریس آئی	۴۵۷۴
★ رتھندر کمار گھوش، سی پی آئی ایم	۸۵۲۱	★ بشوارنجن بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۴۷۳۰	★ سیلن دے، فارورڈ بلاک	۵۳۹۴
۵۔ جیا رائے، سی پی آئی ایم	۴۰۰۸	۲۰۔ ★ جادب مکھرجی، کانگریس آئی	۴۶۸۵	۳۵۔ ★ پرسنا چٹرجی، سی پی آئی ایم	۸۱۵۲
★ سمندرا مکھرجی، کانگریس آئی	۵۵۱۲	ستیہ سادھن مکھرجی، سی پی آئی ایم	۳۱۸۳	مرنال کانتی بوس، کانگریس آئی	۶۴۶۳
۶۔ ★ داروغہ سنگھ، کانگریس آئی	۳۳۶۳	۲۱۔ ★ نور میول بسواس، سی پی آئی ایم	۴۶۳۴	۳۶۔ جیجل کمار گھوش، سی پی آئی	۱۶۸۱
دلیش پریا رائے چودھری، سی پی آئی ایم	۲۱۸۵	نول کشور تیواری، کانگریس آئی	۲۸۳۲	★ شیب کمار کھنہ، کانگریس آئی	۳۷۳۸
۷۔ ★ سرشیل چٹرجی، سی پی آئی ایم	۴۷۱۲	۲۲۔ رچنے اپادھیائے، کانگریس آئی	۲۱۵۴	۳۷۔ ★ ڈاکٹر کرشنا پرشاد گھوش	
اکھرتے بھٹاچاریہ، کانگریس آئی	۲۹۰۱	★ سنیت لال جین، بی جے پی	۲۵۹۲۰	(آزاد، بائیں محاذ کی حمایت کردہ)	۳۷۰۵
۸۔ کمار دت، فارورڈ بلاک	۳۷۶۵	۲۳۔ اوم پرکاش پوددار، کانگریس آئی	۴۹۲۳	کمیتیش چودھری، کانگریس آئی	۳۵۱۳
★ نیپال چندر اسیل، کانگریس آئی	۳۸۶۲	★ شیام سندر گوئنکا، بی جے پی	۵۴۱۲	۳۸۔ نملا دے، سی پی آئی ایم	۵۰۱۴
۹۔ ★ امر بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۴۵۸۱	۲۴۔ ★ سمیر کمار ساہا، کانگریس آئی	۳۵۹۱	★ سوپن دت، کانگریس آئی	۶۰۰۲
تارک بنرجی، کانگریس آئی	۴۴۱۰	سمریندرا مکھرجی، فارورڈ بلاک	۱۲۰۹	۳۹۔ ★ اختر حسین رامی، کانگریس آئی	۲۵۹۱
۱۰۔ ★ پرینیدر موہن گپتا، سی پی آئی	۴۳۵۸	۲۵۔ ★ سنجے بخشی، کانگریس آئی	۵۱۵۳	رئیس احمد جعفری، سی پی آئی ایم	۲۲۳۸
میلان کمار دے، کانگریس آئی	۳۴۸۸	رادھے شیام بھاوسنگھ، فارورڈ بلاک	۲۶۱۴	۴۰۔ ★ آشا موہانی، کانگریس آئی	۶۴۷۳
۱۱۔ ★ آنند راناتھ گھوش، کانگریس آئی	۴۵۷۵	۲۶۔ ★ تلک چندر داس، کانگریس آئی	۷۰۳۸	بریندرا کرشنا دا، آر ایس پی	۴۰۱۴
پرونب کمار مجمدار، فارورڈ بلاک	۲۲۲۴	سنیل کمار بنرجی، سی پی آئی ایم	۴۲۳۶	۴۱۔ ★ انل کمار شرما، کانگریس آئی	۳۰۶۹
۱۲۔ ★ پریتوش کمار بوس، کانگریس آئی	۴۰۵۲	۲۷۔ ★ راج کشور گپتا، کانگریس آئی	۴۴۸۶	ڈاکٹر ارمیش چندر، آزاد	۲۴۳۴
رام پرشاد چٹرجی، سی پی آئی ایم	۲۸۴۲	چندی مکھرجی، سی پی آئی ایم	۳۸۹۲	۴۲۔ ★ اوم پرکاش پوددار، کانگریس آئی	۲۷۹۲
۱۳۔ ★ لٹن بیرا، سی پی آئی ایم	۵۱۴۷	۲۸۔ سواگتو بنرجی، کانگریس آئی	۴۶۵۱	سنگت رام اگروال، بی جے پی	۳۳۸۱
دیپک رائے چودھری، کانگریس آئی	۴۵۰۸	★ جوہر گپتا، سی پی آئی ایم	۵۰۲۳	۴۳۔ محمد جلیل، سی پی آئی ایم	۱۴۶۰
۱۴۔ زیبن ساہا، کانگریس آئی	۲۶۵۲	۲۹۔ شیخ نور الانصار، کانگریس آئی	۳۰۴۴	★ سورمل بھیم سریا، کانگریس آئی	۲۵۳۰

۴۴- * [?]، سی پی آئی ایم	۲۰۰۶
* جگدیش چندر مشرا، کانگریس آئی	۹۱۰۳
۴۵- * دیپک [?]گن، کانگریس آئی	۲۸۶۷
ستیہ پرشاد سنگھ، بی جے پی	۹۲۹
۴۶- * [?] رام کرپا، کانگریس آئی	۲۵۴۰
دیا شنکر داس، سی پی آئی ایم	۱۶۷۳
۴۷- * شنکر برمان، کانگریس آئی	۵۵۶۹
رنجیت کمار گھوسل، فارورڈ بلاک	۱۹۳۳
۴۸- جگن ناتھ دے، فارورڈ بلاک	۲۲۶۹
* نیاس کمار رائے، کانگریس آئی	۷۴۸۸
۴۹- * نرنجن رائے، کانگریس آئی	۵۲۴۷
امل پرشاد رابا، سی پی آئی ایم	۴۱۴۱
۵۰- * پردیپ کمار گھوش، کانگریس آئی	۶۶۱۶
کمالیندو گھوش، سی پی آئی ایم	۲۵۹۰
۵۱- * اوتپل ساہا، کانگریس آئی	۴۳۷۸
گنیش چندر دھر، آر ایس پی	۳۷۲۲
۵۲- * شرما [?] ساہا، کانگریس آئی	۴۴۷۶
شیام سندر گپتا، لوک دل	۲۷۹۸
۵۳- * امل دت، کانگریس آئی	۵۶۱۳
چندن کمار سنہا، سی پی آئی ایم	۳۳۶۴
۵۴- * روح القدس، آزاد	۵۶۴۹
ابو سفیان، سی پی آئی ایم	۴۳۰۷
۵۵- * اروند کمار داس، کانگریس آئی	۶۳۴۶
پنچ کمار گھوش، آزاد	۲۹۹۷
۵۶- * سکھن پرشاد اگروال، کانگریس آئی	۶۰۳۷
* [?] داس گپتا، سی پی آئی ایم	۶۳۱۴
۵۷- * امر جیتی چودھری، کانگریس آئی	۵۳۸۵
* پرنا چکرورتی، سی پی آئی ایم	۵۹۱۰
۵۸- * [?] چندر [?]، کانگریس آئی	۸۰۱۲
* سید محمد، سی پی آئی ایم	۹۴۸۸

۵۹- کرتی وال بھٹاچاریہ، کانگریس آئی	۶۴۵۳
* شانتا گھوش، سی پی آئی ایم	۹۱۴۴
۶۰- * ممتاز عالم، کانگریس آئی	۴۰۲۸
رنجن کمار بوک، سی پی آئی ایم	۳۹۴۴
۶۱- * سلطان احمد، کانگریس آئی	۵۰۸۰
محمد اشتیاق احمد، سی پی آئی ایم	۲۵۸۸
۶۲- * جان محمد، کانگریس آئی	۴۳۰۵
سید سفیان احمد، سی پی آئی ایم	۲۱۱۱
۶۳- * دھریندر ناتھ باسو، کانگریس آئی	۲۷۱۳
مرلی موہن بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۱۴۸۹
۶۴- بی ار جان، کانگریس آئی	۳۶۰۳
* اجے کمار دیب، سی پی آئی	۳۸۱۱
۶۵- گنگا پال رائے، کانگریس آئی	۴۵۰۳
* پی رتن سنہا، آر ایس پی	۶۳۸۲
۶۶- وریندر کمار گھوش، کانگریس آئی	۵۶۸۹
* [?] گو، سی پی آئی ایم	۷۶۲۴
۶۷- نالنیا چندر دت، کانگریس آئی	۶۲۵۴
* سوپن چکرورتی، سی پی آئی ایم	۸۲۸۰
۶۸- * رتیندر ناتھ بوس، کانگریس آئی	۴۶۴۵
بمل رائے چودھری، سی پی آئی ایم	۳۶۴۴
۶۹- چندرا عالم، سی پی آئی ایم	۲۴۴۴
* سکھ دیو چکرورتی، کانگریس آئی	۴۴۵۵
۷۰- * دیپندر [?] داس، کانگریس آئی	۴۷۱۸
پراتوش دت، سی پی آئی ایم	۴۴۴۲
۷۱- * پرتما شرا رائے چودھری، کانگریس آئی	۵۵۱۴
مکھن لال چٹرجی، سی پی آئی ایم	۴۴۷۰
۷۲- * سمیر بخشی، کانگریس آئی	۵۷۹۴
تپا مترا، آزاد	۴۴۶۴
۷۳- * انل کمار مکھرجی، کانگریس آئی	۶۵۴۵
رشندرا رائے چودھری، سی پی آئی ایم	۴۸۰۸

۷۴- * [?]، کانگریس آئی	[illegible]
پریم سنگھانی، فارورڈ بلاک	۲۱۷۳
۷۵- رشیدہ اسرائیل، کانگریس آئی	۱۴۱۱
* ظہور الحق، سی پی آئی ایم	۳۷۷۶
۷۶- * بادل کرشن پال، کانگریس آئی	۴۲۷۴
سنیل کمار باسو، سی پی آئی ایم	۲۸۸۵
۷۷- گیان بنرجی، کانگریس آئی	۳۷۳۹
* محمد الیاس اصلاحی، فارورڈ بلاک	۴۴۶۵
۷۸- حبیب الرحمٰن، کانگریس آئی	۲۴۶۸
* محمد یعقوب، فارورڈ بلاک	۳۸۵۸
۷۹- * دلشنگار یادو، کانگریس آئی	۳۰۵۵
رشنو پد گھوش، آزاد	۹۸۶
۸۰- * رام پیارے رام، کانگریس آئی	۴۵۴۱
شیام سندر مسرا، سی پی آئی ایم	۱۹۵۶
۸۱- سریندر ناتھ داس، کانگریس آئی	۵۲۷۴
* سنیل کمار سرکار، سی پی آئی	۵۹۰۷
۸۲- ششیر مکھرجی، کانگریس آئی	۵۰۷۵
* مونی سانیال، سی پی آئی	۸۰۶۰
۸۳- * دلیپ مجمدار، کانگریس آئی	۴۲۲۳
سنیال سین، سی پی آئی ایم	۳۰۰۶
۸۴- * انوپ چٹرجی، کانگریس آئی	۳۲۱۳
رام کرشنا مترا، سی پی آئی ایم	۳۰۳۶
۸۵- * لکشمی نارائن گھوش، کانگریس آئی	۳۹۸۱
چمن لال گنگولی، فارورڈ بلاک	۲۳۰۱
۸۶- * درگا پرشاد مکھرجی، کانگریس آئی	۳۶۸۴
تپن کمار بوس، سی پی آئی ایم	۲۵۵۷
۸۷- * نریندر چٹرجی، کانگریس آئی	۳۳۱۵
کمال گنگولی، سی پی آئی	۲۰۲۴
۸۸- * سرادیش داس، سی پی آئی ایم	۲۲۸۵
ابھیک کمار بنرجی، کانگریس آئی	۳۹۵۹

۸۹۔ *جیوتر موئے چٹرجی، سی پی آئی ایم	۴۹۲۲
سدیر کمار چٹرجی، کانگریس آئی	۳۸۰۰
۹۰۔ *دیبی پرشاد چٹرجی، کانگریس آئی	۲۴۸۴
بھاسکر داس گپتا، سی پی آئی	۲۳۶۵
۹۱۔ جیتیندر مکھرجی، کانگریس آئی	۵۴۰۷
*بادل گوہا، سی پی آئی	۶۶۰۱
۹۲۔ *دلیپ کمار رائے، سی پی آئی	۴۴۸۷
ساہا دیب چٹرجی، کانگریس آئی	۴۱۱۷
۹۳۔ *پران شنکر ساہا، سی پی آئی ایم	۶۷۰۳
محمد کالو شکر، کانگریس آئی	۵۱۹۲
۹۴۔ *پرودیپ مکھرجی، آر ایس پی	۳۹۹۹
دیو یندر بسواس، کانگریس آئی	۳۵۴۰
۹۵۔ ابھادت، کانگریس آئی	۴۵۵۲
*سنجوئے بنرجی، سی پی آئی ایم	۵۸۷۹
۹۶۔ *گولیندو سوم، سی پی آئی ایم	۶۳۲۷
نیرین چودھری، کانگریس آئی	۵۸۳۵
۹۷۔ اشوک کمار ساہا، کانگریس آئی۔	۵۱۹۵
*شانتی رنجن باگل، سی پی آئی ایم	۶۹۴۳
۹۸۔ امولیہ رنجن گھوش، کانگریس آئی	۳۷۲۴
*ارچنا بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۶۱۱۹
۹۹۔ اشیش بھٹاچاریہ، کانگریس آئی	۳۳۲۵
*بسوانند داس گپتا، آر ایس پی	۵۳۰۷
۱۰۰۔ *بدھا دیو بوس، سی پی آئی ایم	۴۸۵۰
موہن بہادر، کانگریس آئی	۳۷۶۴
۱۰۱۔ گوپی ناتھ گھوش، کانگریس آئی	۴۶۷۰
*دیوا بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۷۱۵۴
۱۰۲۔ *سومیندر ناتھ باسو، سی پی آئی ایم	۵۴۰۴
ہرادھن سرکار، کانگریس آئی	۳۲۱۷
۱۰۳۔ گوپی کرشنا [illegible] کانگریس آئی	[illegible]
*نیرن موئے [illegible]	[illegible]

۱۰۴۔ جیوتی پرشاد داس ٹھاکر، کانگریس آئی	۵۳۲۴
*مایا چرن چکرورتی، سی پی آئی ایم	۵۷۴۰
۱۰۵۔ گوپال کرشنا دے، کانگریس آئی	۳۴۴۶
*سوشیل چکرورتی، سی پی آئی ایم	۵۰۶۲
۱۰۶۔ ربندر ناتھ چکرورتی، کانگریس آئی	۲۹۵۴
*جادب دے، آر ایس پی	۳۷۹۶
۱۰۷۔ *گنیش گوہا ٹھاکرتا، سی پی آئی ایم	۴۶۹۰
منورنجن نشکر، کانگریس آئی	۲۸۷۰
۱۰۸۔ *امل مجمدار، سی پی آئی ایم	۲۳۲۰
دلیپ کمار منڈل، کانگریس آئی	۱۱۳۸
۱۰۹۔ اتین رائے چودھری، کانگریس آئی	۲۱۶۴
*کانتی بھوشن گانگولی، سی پی آئی ایم	۴۴۴۴
۱۱۰۔ *اوجل چٹرجی، سی پی آئی ایم	۲۱۷۸
جوار داس، کانگریس آئی	۱۴۵۵
۱۱۱۔ *دھریندر ناتھ گھوش، سی پی آئی ایم	۵۱۴۹
ایس آر چندرا چکرورتی، کانگریس آئی	۲۱۹۴
۱۱۲۔ بنکم چندر گوہا، کانگریس آئی	۳۵۲۷
*پروسانتو داس گپتا، فارورڈ بلاک	۴۶۲۸
۱۱۳۔ *اجیت کمار چکرورتی، سی پی آئی ایم	۵۰۵۴
سوجیت برن چکرورتی، کانگریس آئی	۳۹۱۴
۱۱۴۔ اجیت سین گپتا، کانگریس آئی	۳۷۲۸
*امل مترا، سی پی آئی ایم	۷۰۵۴
۱۱۵۔ سوشیل سرکار، کانگریس آئی	۴۴۲۷
*گوپال چندر گھوش، سی پی آئی ایم	۶۲۹۸
۱۱۶۔ *دھرم داس ادھیکاری، سی پی آئی	۵۰۰۴
مدن گوپال سرکار، کانگریس آئی	۴۱۲۱
۱۱۷۔ مراری موہن دت، سی پی آئی ایم	۳۹۰۸
*سوبین داس گپتا، کانگریس آئی	۴۲۸۸
۱۱۸۔ اجیت بنرجی، سی پی آئی ایم	۴۴۶۴
*دلشی پریو بوس، کانگریس آئی	۵۱۹۱

۱۱۹۔ بکاش چودھری، سی پی آئی ایم	۴۱۷۸
*بھولا ناتھ مکھرجی، کانگریس آئی	۴۰۱۴
۱۲۰۔ امل چکرورتی، کانگریس آئی	۴۴۴۶
*گوپال بنرجی، سی پی آئی ایم	۴۲۸۶
۱۲۱۔ اندراجیت مجمدار، کانگریس آئی	۴۷۵۳
*رتین داس شرما، سی پی آئی ایم	۵۴۱۶
۱۲۲۔ *جناردن بسواس، سی پی آئی ایم	۵۵۲۲
سودھانسو بمل داس گپتا، کانگریس آئی	۳۳۰۰
۱۲۳۔ شری کمار رائے چودھری، کانگریس آئی	۴۱۵۰
*سمر رائے چودھری، سی پی آئی ایم	۵۵۷۱
۱۲۴۔ *کیسٹو سرکار، سی پی آئی ایم	۴۹۴۵
بلوب داس، کانگریس آئی	۴۷۰۷
۱۲۵۔ دھن جئے دت، کانگریس آئی	۵۸۳۵
*شبھ ناتھ موتی لال، سی پی آئی ایم	۶۷۹۹
۱۲۶۔ امل کمار لاہری، سی پی آئی	۴۰۵۸
*بھبیندرا ناتھ رائے چودھری، کانگریس آئی	۵۱۱۵
۱۲۷۔ بسوا ناتھ مجمدار، کانگریس آئی	۳۶۹۴
*نرمل مکھرجی، سی پی آئی ایم	۶۱۵۴
۱۲۸۔ *رتنا رائے مجمدار، سی پی آئی ایم	۵۷۲۵
سادھنا چٹرجی، کانگریس آئی	۴۴۳۷
۱۲۹۔ پرانوب کمار دت، کانگریس آئی	۵۵۵۴
*نکلیندر بھٹاچاریہ، سی پی آئی ایم	۶۴۴۰
۱۳۰۔ کارتک گوہا رائے، آر ایس پی	۴۹۴۳
*دلیپ مکھرجی، کانگریس آئی	۵۱۱۱
۱۳۱۔ *رادھا رمن گھوش، کانگریس آئی	۵۴۷۶
ربیش بنرجی، سی پی آئی ایم	۴۹۴۹
۱۳۲۔ الوک رائے چودھری، سی پی آئی ایم	۵۳۶۹
*سورن چٹرجی، کانگریس آئی	۵۹۳۷
۱۳۳۔ *شیب نارائن سنگھ، کانگریس آئی	۵۰۰۹
پنک کنتایہ مجمدار، سی پی آئی ایم	۴۸۵۶

۱۳۴۔	ناصر علی، کانگریس آئی	۴۴۰۶
	٭ سلطان حسین، آزاد	۴۸۵۰
۱۳۵۔	محمد ایوب انصاری، کانگریس آئی	۲۶۳۲
	٭ شہزادہ، آزاد	۵۰۲۴
۱۳۶۔	دلیپ سین، سی پی آئی ایم	۴۱۳۲
	٭ یمن بنرجی، کانگریس آئی	۴۴۳۲
۱۳۷۔	رفیق مستانہ، کانگریس آئی	۲۲۷۹
	٭ عبدالمنان، سی پی آئی	۳۰۹۰
۱۳۸۔	عبدالمعبود، کانگریس آئی	۳۳۷۱
	٭ عبدالخالق، آزاد	۳۳۸۲
۱۳۹۔	حیدر علی، کانگریس آئی	۲۸۴۱
	٭ غلام رسول منڈلی، سی پی آئی ایم	۵۰۸۶
۱۴۰۔	٭ عبدالعلی، سی پی آئی ایم	۳۰۹۹
	معین الحق چودھری، کانگریس آئی	۳۰۲۸
۱۴۱۔	٭ اناتھ بندھو مائیتی، کانگریس آئی	۳۰۶۲
	انجلی بھوشن رائے چودھری، سی پی آئی	۲۶۰۳

کلکتہ میونسپل کارپوریشن چناؤ ۱۹۸۵ء کے نتائج
پارٹی پوزیشن

کل نشستیں۔ ۱۴۱ ٭ اعلان ۔ ۱۴۱

بایاں محاذ ـــــــــ ۷۱

سی پی ایم ـــ ۵۰
سی پی آئی ـــ ۷
آر ایس پی ـــ ۶
فارورڈ بلاک ـــ ۵
آزاد ـــ ۳
(بایاں محاذ کے حامی)

کانگریس آئی ـــــــــ ۶۷
بی جے پی ـــــــــ ۲
آزاد ـــــــــ ۱

سرکاری خبریں

مغربی بنگال نرسنگ کاؤنسل کو عطیہ

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال نرسنگ کاؤنسل کو ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ۲۶۰۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی۔

پچھم بنگو آیوروید پریشد کو عطیہ

ریاستی حکومت نے پچھم بنگو آیوروید پریشد کو ۸۶-۸۵ء میں اپنے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ۱۲۰۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی۔ اس طرح رواں مالی سال میں اس مقصد کے تحت اس پریشد کو کل ۱۷۰۰۰ روپئے دئے گئے۔

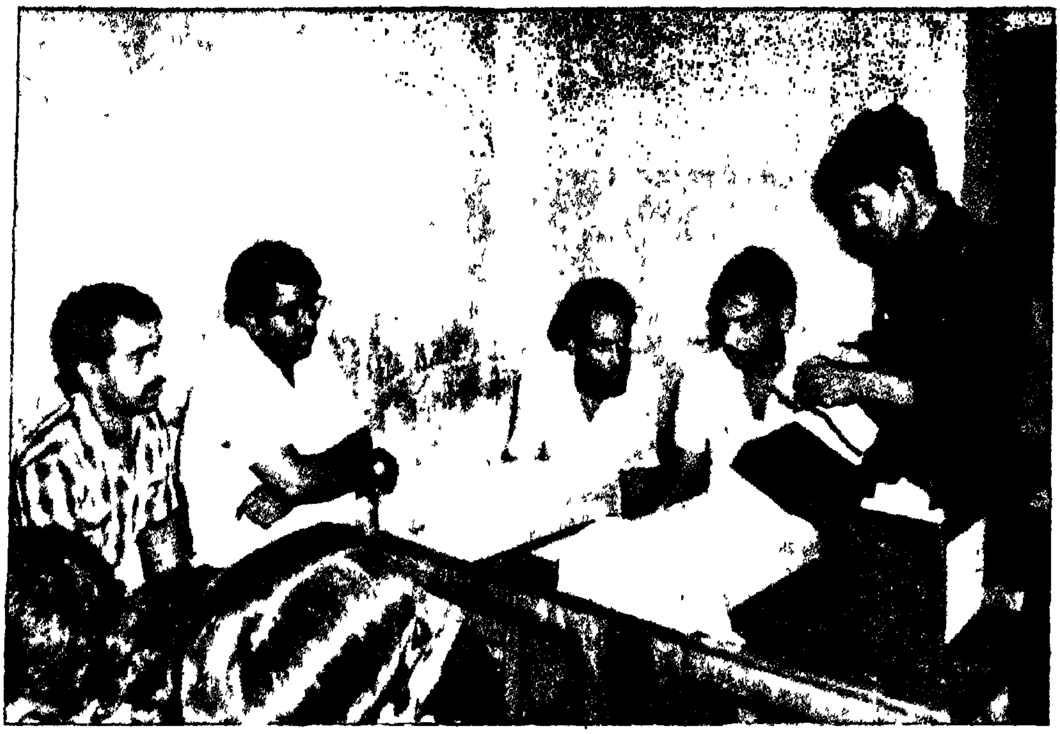
شیڈولڈ ٹرائب طلباء کی رفاہ کے لئے عطیہ

ریاستی حکومت نے ۸۶-۸۵ء کے دوران ثانوی سطح میں زیر تعلیم شیڈولڈ ٹرائب طلباء کو ٹیوشن فیس کے علاوہ دیگر لازمی اخراجات کے سلسلے میں کل ۳۱۲۵۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

بقیہ : پنچایت

پنچایتوں نے بہت اہم خدمات ادا کیں۔
اختتام میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ پنچایت نظام نے عوام میں بیداری کی لہر پیدا کر دی۔ اس سے قبل یہ بات ناپید تھی جو

[redacted]



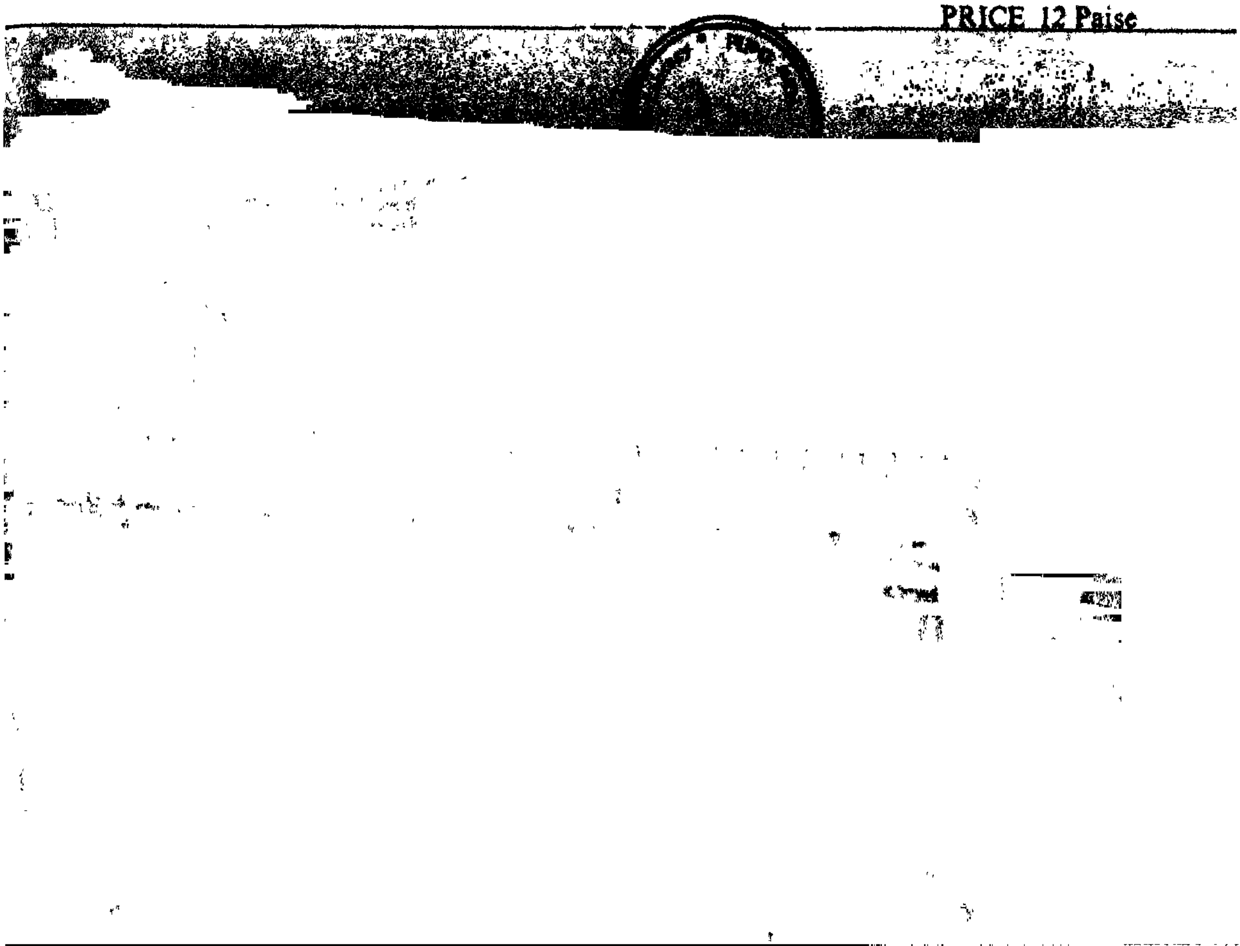
حالیہ کلکتہ میونسپل کارپوریشن انتخابات کے دوران کلکتہ میں ووٹ ڈالنے کے ڈولبوتھا اور پرکما رٹولی میں اور نیچے کولوٹولہ گرجا گھر کے پاس کے مناظر ـــــــــــــ تصویریں : از اجیت داس



گول ٹولے حیر ج

MAGHREBI BANGAL
15 July 1985

Postal Regd. No. WB/CC—52
Vol. 32 No. 14
PRICE 12 Paise



سلی گوڑی "کنچن جنگا اسٹیڈیم" جس کا ۴ر جولائی ۱۹۸۵ء کو افتتاح کیا گیا۔
تصویر: از اجیت داس

[illegible]itor : Pritindra [illegible] Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam.
by the Information [illegible] ent, Govt. of West Bengal and Printed
[illegible] 00 004.



پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پربھنی بھٹا چاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

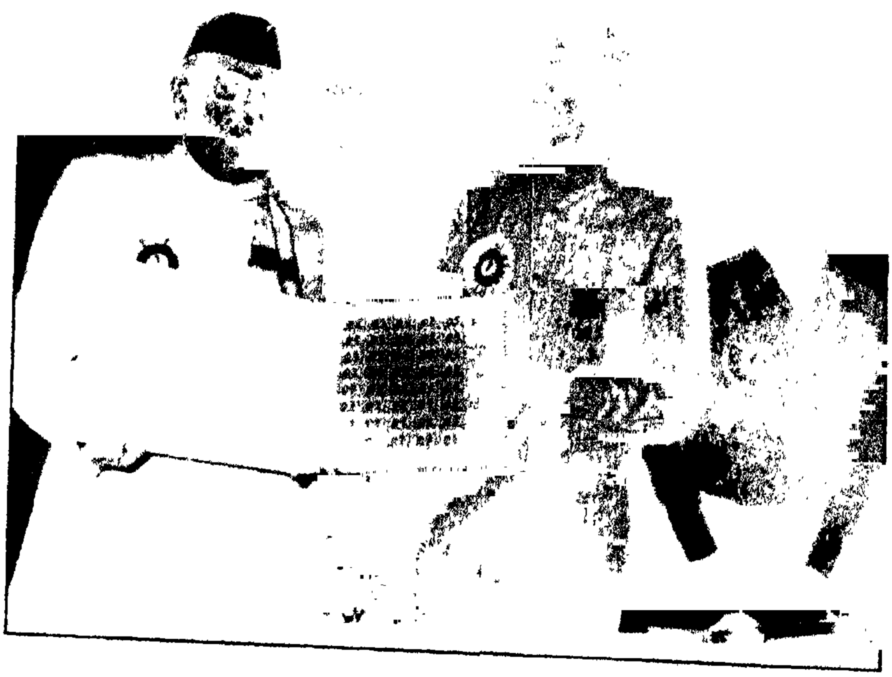
جلد نمبر ۳۲ ★ یکم اگست ۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۵

شرح خریداری

قیمت : بارہ پیسے فی پرچہ ۔ سالانہ : تین روپئے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر این مکھرجی روڈ ۔ کلکتہ ۱ ۷۰۰۰



شری اوما شنکر دکشت، گورنر، مغربی بنگال ۲۲ جولائی ۸۵ء کو ماربل ہال، راج بھون، کلکتہ میں مرکزی وزیر شری رام نیواس میردھا اور مغربی بنگال کے وزیر میونسپل اور شہری ترقیات شعبہ، شری پراشانت سور (تصویر میں دائیں طرف) کی موجودگی میں دیش پریو جتیندر ناتھ موہن سین گپتا اور نیلی سین گپتا کی یادگار اسٹامپ کا اجرا کرتے ہوئے۔

اطلاعات و ثقافتی امور

پہلے تو ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی پالیسیوں، بیانات، پروگرام اور انکی تکمیل کی بابت لوگوں کو اطلاعات فراہم کرے۔ اس شعبہ کی سرگرمیوں کو مندرجہ ذیل شاخوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
اطلاعات و تعلقات عامہ، فلم، ثقافت، زبان اور آثارِ قدیمہ۔

دیہی اطلاعات:

بائیں محاذ کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے مضافاتی اطلاعات خدمات پر خصوصی زور دیا گیا۔ چھٹے منصوبہ کے دوران بلاک سطح پر ورکروں کے لئے ۹۰ آسامیاں پیدا کی گئیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں ہر بلاک میں اس طرح کے ایک ورکر کی تقرری کی جائے۔ ایک پروجیکٹ یہ تھا کہ چھٹے منصوبہ کے عرصے میں ہر ضلع اور سب ڈویژن شہر میں ایک ایک مرکزِ اطلاعات کھولا جائے۔ اور اب اس معینہ مدت میں اس کام کو مکمل کر لیا گیا ہے۔

مضافاتی علاقوں میں اطلاعات کی فراہمی اور اشاعت کے لئے تعلقات عامہ کے مختلف واسطوں کو روبہ کار لایا جارہا ہے۔ فی الحال سارے مغربی بنگال میں اس شعبہ کے تحت ۱۰۸ سماعی۔ بصری یونٹیں کام کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ اس طرح کی دو یونٹیں دہلی مرکزِ اطلاعات میں بھی ہیں۔ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں ان یونٹوں کے پرانے ساز و سامان کو بدل دیا جائے گا اور ساکت یونٹوں کو گشتی یونٹوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

دیہی ریڈیو پروگرام کے تحت اب تک ۳۵۴۹ ریڈیو سٹ اور ۲۹۷ ٹی وی سٹ بھی تقسیم کئے گئے۔ مزید ۱۲ ٹی وی کا سیٹ نصب کر دئے جائیں گے۔ اس پروجیکٹ کے تحت ایک تجویز یہ ہے کہ سنہ ۸۶-۸۵ء میں مزید ۳۰۰ ریڈیو سٹ اور ۳۰ ٹی۔ وی سٹ سپلائی کئے جائیں۔

نمائش

سنہ ۸۵-۸۴ء میں اس شعبہ کی نمائش شاخ نے اس ریاست کے اندر اور باہر کے علاقوں میں ۵۸ نمائشیں منعقد کیں۔ نئی دہلی میں گزشتہ سال کے بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال کے پویلین کی پریس اور لوگوں نے بڑی تعریف کی۔ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں دہلی کے پراگتی میدان میں مغربی بنگال کا ایک مستقل پویلین تعمیر کیا جائے گا۔ اس دوران قطعاتِ آراضی حاصل کر لئے گئے ہیں اور وہاں تعمیراتی کام شروع کر دیا گیا ہے۔
ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں سلی گوڑی میں مرکز اطلاعات کے آڈیٹوریم اور عمارت کی تعمیر کا کام شروع کیا اور اب یہ کام قریب الاختتام ہے۔ نئی دہلی کے علاوہ مدراس، بھوبنیشور اور اگرتلہ میں ہمارے مراکزِ اطلاعات کام کر رہے ہیں۔

اشتہارات

اطلاعات کی فراہمی اور اشاعت کے میدان میں اشتہارات بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اشتہارات کی تقسیم کے سلسلے میں ہم معروضی پالیسی کو اپناتے ہیں اور جمہوری طریقہ کار کو روبہ عمل لاتے ہیں۔ ریاستی حکومت نے چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات کی بابت معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی ہے اور اس کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں اشتہارات کی تقسیم کی پالیسی مرتب کی گئی ہے۔

رسالے اور جریدے

حکومت کے رسالے، جریدے اور پمفلٹس، کتابچہ وغیرہ

سب اسی شعبے کے ذریعہ شائع کئے جاتے ہیں۔ اسی شعبہ کے تحت چھ مختلف زبانوں میں چھ رسالے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف زبانوں میں مختلف موضوعات پر بھی پمفلٹس، کتابچہ وغیرہ شائع کئے جاتے ہیں۔

بسومتی کارپوریشن کی مالی حالت بتدریج بہتر ہوتی جارہی ہے۔ سال ۸۳-۸۴ء میں اس کے ذمہ ۱۱۶۱۴۰۰ روپئے قرض تھا جو کم ہو کر ۸۵-۸۶ء میں ۸۹۰۰۰۰ روپئے ہو گیا۔ سرکاری کام کاج میں بنگلہ زبان کو تیزی سے رائج کرنے کے لئے اب تک ۱۰۳ ٹائپ رائٹرس مشین مختلف شعبوں میں تقسیم کئے گئے۔ یہ کام ایک پروجیکٹ کے تحت کیا جارہا ہے اور اس پروجیکٹ کے تحت ہر بلاک دفتر کو کم از کم ایک بنگلہ ٹائپ رائٹرس مشین سپلائی کی جائے گا۔ اس سے قبل ۲۰۰ ٹائپ رائٹر مشینیں مختلف شعبوں کو سپلائی کی گئی تھیں۔ بنگلہ اصطلاحات کے چھٹے حجم کا دوبارہ اشاعت کا کام قریب الاختتام ہے۔

اس شعبہ کے تحت اردو میں خط و کتابت کرنے کے لئے تین اردو سیل قائم کئے ہیں تاکہ ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی کافی آبادی ہے، سرکاری کام کاج میں زیادہ سے زیادہ اردو استعمال کرنے کی سہولتیں فراہم ہوں۔

فلم

مغربی بنگال کی سینما صنعت جن دشواریوں سے دوچار ہے، ان پر قابو پانے کے لئے بائیں محاذ حکومت چند برسوں سے بہت سارے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے کوششیں کر رہی ہے۔ ان منصوبوں میں حکومت کے ذریعہ فلموں کی تیاری، پرائیویٹ پروڈیوسروں کی بنائی ہوئی فلموں کے لئے عطیات دینے کا منظوری، رنگین فلم تجربہ گاہ کا قیام، کلکتہ فلم مرکز کا قیام، سینما ہال وغیرہ کی تعمیر کے لئے عطیات دینے کا انتظام اور دیگر کارگزاریاں شامل ہیں۔

پوری لمبائی کی تقریباً تمام فلمیں جنہیں حکومت نے پروڈیوس کیا ہے اب مکمل ہو چکی ہیں۔ لیکن دستاویزی اور نئی فلمیں اس سال تیار کی گئیں اور ۳۰ دستاویزی اور دو نئی فلموں کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ان فلموں کی تیاری کا کام گزشتہ سال سے شروع کیا گیا تھا۔

مغربی بنگال فلم ترقیات کارپوریشن، جو ایک عوامی ادارہ ہے اس کے تحت رنگین فلم تجربہ گاہ کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس دوران چار فلموں میں "چھ کچھ"، "اگر بیا جودھ"، "دخل" اور "پراگتی ہاسک" کو اس ادارہ کے تحت کاروباری نمائش کے انتظامات کئے گئے ہیں۔

کلکتہ فلم مرکز کی تعمیر کا کام اب قریب الاختتام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ موجودہ مالی سال کے دوران چالو ہو جائے۔ اس مرکز میں فلموں کو محفوظ رکھنے، فلم پر تحقیق کرنے اور فلم لائبریری اور دیگر متعلقہ سہولتیں فراہم ہوں گی۔ یہاں فلموں کی نمائش بھی کی جائے گی۔ اس حکومت کی تیار کردہ "بھومبول سردار" کو، جو بچوں کی فلم ہے، بچوں کی بہترین فلم کا قومی ایوارڈ ملا۔ اس فلم کو حال ہی میں برلن فلم فیسٹیول میں بھی دکھایا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں تیار کردہ تین برسوں میں تین فلموں یعنی "دخل"، "چوکھ" اور "بھومبول سردار" کو بہترین فلموں کے لئے صدر کے سنہرے تمغات ملے۔

ثقافت

ثقافتی امور کے پروگراموں کی تکمیل پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس بات کے پیش نظر ایک شعبہ کے تحت ایک الگ ثقافتی شاخ کام کر رہی ہے۔ بنگلہ بولنے والے لوگوں کی ثقافت کے فروغ پر زور دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقوں کے لوگوں اور قبائلیوں کی ثقافت اور زبان کے فروغ کو بھی مساوی اہمیت دی گئی ہے۔

ہر سال ڈرامہ، جاترا، گیت، ناچ، لوک ثقافت، آرٹ اور سنگ تراشی کے میدانوں میں سرگرم عمل اور تخلیقی اداروں کو گرانٹ دئے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں صحت مند ثقافت کی تیز تر ترقی ہوئی ہے۔ تھیٹر جماعتوں کو نہ صرف رعایتی شرحوں پر ریاستی حکومت کے زیر انتظام عوام تھیٹر ہال کو استعمال کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں،

میونسپل ٹیکس کے سلسلے میں ان کے لئے رعایت برتی جاتی ہے۔

نئے اور عمر رسیدہ ادیبوں کو مالی امداد فراہم کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی لکھی کتابیں شائع کرا سکیں۔ چند مشہور آنجہانی ادیبوں کی لکھی نایاب کتابوں کو اس پروجیکٹ کے تحت شائع کیا جا رہا ہے۔

کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں آرٹ گیلری کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔ مشہور آرٹسٹوں کی بنائی ہوئی تصویروں کو حاصل کرنے کا کام جاری ہے۔ حاستی رائے آرٹ گیلری کی سائنسی طریقہ سے دیکھ بھال کی جا رہی ہے۔ نئے آرٹسٹوں کی بنائی تصویروں اور سنگ تراشی کی نمائشیں کی جاتی ہیں اور ان کے درمیان مقابلہ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

موسیقی اور رقص کے فروغ کے لئے ریاستی سنگیت اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔ کل بنگال موسیقی مقابلہ، آرٹ کے کام کرنے کے ورکشاپ وغیرہ کا انتظام کرانے کے ساتھ ساتھ، تحقیقی پروگرام، مستقل گیلریوں اور اسٹوڈیو کا قیام، اسی طرح کے متعلقہ کام کاج کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ اس دوران لائبریری چالو ہو گئی ہے۔

کلکتہ اور اضلاع میں لوک تہواروں اور ورکشاپ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ بہالا، کلکتہ میں ایک لوک ثقافت مرکز کھولا گیا ہے۔ قبائلی ثقافت کے دو مراکز، ایک جھاڑگرام میں اور دوسرا سوری میں، کھولے گئے ہیں۔ قبائلی لوک تفریح سیکشن جھاڑگرام میں گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔

الغامات

آرٹ، سنگ تراشی، موسیقی اور ڈرامہ کے میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دینے کے لئے ہر سال دس ہزار روپئے کی مالیت کے ابنندرا، علاء الدین اور دینابندھو الغامات دئے جاتے ہیں۔ ان انعامات کے علاوہ بہترین ڈرامے اور جائزہ کے لئے ۱۵ انعامات دئے جاتے ہیں۔ گریش چندر اور مدھوسدن کے نام پر رکھے نام کے دو تھیٹر، ایک کلکتہ کے باگ بازار میں اور دوسرا بودھ پور پارک میں قائم کئے جا رہے ہیں۔

نیپالی اکیڈیمی

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں ایک نیپالی اکیڈیمی قائم کی گئی ہے۔ نیپالی بولنے والے لوگوں کے لئے آرٹ، ادب اور ثقافت کی تحقیق کے کام میں یہ اکیڈیمی کافی اہم خدمات انجام دے رہی ہے۔ ہر سال یہ اکیڈیمی نیپالی زبان میں چند کتابیں شائع کرتی ہے۔ سنہ ۱۹۸۴ء میں اس اکیڈیمی کی شائع کردہ ایک کتاب کو مرکزی اکیڈیمی ایوارڈ ملا۔ نیپالی زبان میں نظم، ڈرامہ، آرٹ اور موسیقی میں مشہور نیپالی شاعر "بھانو بھکت" کے نام پر رکھے ایوارڈ اور دیگر نیپالی اکیڈیمی ایوارڈس دئے جاتے ہیں۔

لوک تفریح سیکشن میں وسعت پیدا کی جا رہی ہے۔ کلکتہ مرکز میں اس سیکشن میں موسیقی اور ڈرامہ کے ایک یونٹ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ایک جائزہ یونٹ بھی بہت جلد قائم کیا جائے گا۔ سلی گوڑی میں بھی ایک یونٹ قائم کیا گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں موسیقی اور ڈرامہ، یونٹ نیپالی زبان میں گیت اور ڈراموں سے لوگوں کی ثقافتی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے۔

آثار قدیمہ

اس شعبہ کے زیر انتظام آثارِ قدیمہ کی نظامت نے بانکوڑہ، پرولیا اور مدناپور میں آثارِ قدیمہ کے لحاظ سے اہم جگہوں کی کھدائی کی اور وہاں بہت سی چیزیں انہیں ملیں۔ ضلع مالدہ کے تراؤ علاقہ کے نزدیک کھدائی پر سولہویں صدی کے بہت سے برتن اور آثارِ قدیمہ کی دیگر چیزیں ملیں۔ آثارِ قدیمہ کی بہت ساری پرائیویٹ گیلریوں کو چلانے کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ +++

یونانی ادویہ کے کاؤنسل کو عطیہ

حکومتِ مغربی بنگال نے مغربی بنگال کے یونانی ادویہ کے ریاستی کاؤنسل کو سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء میں اپنے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۱۵۰۰۰ روپے دینے کی منظوری دی۔

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

اصلاحاتِ آراضی

بائیں محاذ حکومت نے گوناگوں اور منظم دیہی ترقی کی ایک جامع پالیسی کو اپنایا ہے اور اس پالیسی میں اصلاحاتِ آراضی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

بلاشبہ اس سے قبل اصلاحاتِ آراضی قانون رائج تھا اور اس میں قطعاتِ آراضی کی انتہائی حد، بے زمین کسانوں اور مزدوروں کے درمیان فاضل قطعاتِ آراضی کی تقسیم کے سلسلے میں گنجائش رکھی گئی ہے لیکن ان دفعات کو کبھی بھی مناسب طور پر روبہ عمل لایا نہ گیا۔ گزشتہ آٹھ برسوں سے بائیں محاذ حکومت اس قانون کی دفعات کو صحیح معنوں میں روبہ عمل لانے کے لئے پرخلوص کوششیں کیں۔ اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کام کے لئے پنچایتوں کی سرگرم شرکت اور کسانوں کی تنظیموں کے تعاون حاصل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ بے زمین کسانوں کے درمیان فاضل زمینوں کی تقسیم اور برگداروں کے تحفظ کے لئے ایک پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس پروگرام کی دیگر خصوصیات میں اس ریاست میں انتہائی حد سے زیادہ فاضل زمین کو حکومت کے زیرِ ملکیت لانا، ان کسانوں، جنہیں فاضل قطعاتِ آراضی دیئے گئے ہیں اور برگداروں کے درمیان کھیتی باڑی کرنے کے حسبِ ضروری سامان کی تقسیم، انہیں کاشتکاری کے لئے قرض دینا اور دیہی علاقوں کے غریب لوگوں کو رہائش کے لئے جو قطعاتِ آراضی دیئے گئے تھے، ان کے حقوقِ ملکیت بھی انہیں دے دینا، وغیرہ شامل ہیں۔

بائیں محاذ حکومت کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ قانون کے ذریعہ اس ریاست میں انتہائی حد سے زیادہ قطعاتِ آراضی کے حقوق ملکیت حکومت کو حاصل ہو جائے۔ اس سے قبل بہت سارے زمینداروں نے اس قانون میں جو خامیاں ہیں، ان کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوششیں کیں، اور انہوں نے قانونی حد سے زیادہ قطعاتِ آراضی اپنے نام منتقل کر دے۔ ریاستی حکومت پنچایتوں کے سرگرم تعاون کیساتھ ایسی فاضل زمینوں کی تلاش کر رہی ہے، اور ایسی فاضل زمینوں کے مالکوں کے خلاف قانونی اقدامات کر رہی ہے۔

ان قطعاتِ آراضی کی، جن پر حکومت کو حقِ ملکیت حاصل ہو چکا ہے، تقسیم کے لئے اس بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ ایسے قطعاتِ آراضی کو صحیح معنوں میں بے زمین لوگوں کے درمیان تقسیم کیا جائے تاکہ وہ خود۔انحصار بن سکیں۔ اگر یہ کسان حکومت کی طرف سے دیئے گئے قرض اور زراعتی ساز و سامان کے ذریعہ اچھی فصل کی کاشت کر سکیں تو اس سے غذائی اجناس کی پیداوار میں کچھ حد تک اضافہ ہو سکتا ہے۔ ریاستی حکومت نے پنچایتوں کے سرگرم تعاون کے ساتھ ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء تک ۸٫۰۳ لاکھ قطعاتِ آراضی، جن پر اسے حقوقِ ملکیت حاصل ہو چکے تھے، تقسیم کئے۔ تقریباً ۱۵٫۹۶ لاکھ بے زمین کسانوں کو ایسے قطعات ملے اور قطعات پانے والوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے تقریباً ۵۵ فیصد لوگ ہیں۔

اس پروگرام میں برگداروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے اور اس بات کا خیال رکھنے کے لئے کہ برگدار بلا خوف و خطر کاشتکاری کے کام کو جاری رکھ سکیں، اقدامات کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ۱۹۷۸ء سے برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کرنے کے کام کو اعلیٰ ترین ترجیح دی گئی ہے۔ اب یہ کام نظامِ بندوبست کا جزو لاینفک بن چکا ہے۔ "آپریشن برگہ" پروگرام کے ذریعہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء تک کل ۱۳٫۱۷ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے۔ نیز آئی آر ڈی پی، این آر ای پی وغیرہ کی مختلف اسکیموں کے ذریعہ ان برگداروں کو بہت ساری سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ انہیں بنکوں سے قرض فراہم کئے جاتے ہیں، انہیں زرعی ساز و سامان فراہم کئے جاتے ہیں۔ انہیں [illegible] ۱۹۶۹ء میں اسی طرح کے صرف قطعات [illegible]

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

فراق کا عشق

محمد انور الدین — پی ایچ ڈی، سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

غزل اردو شاعری کی اہم ترین صنف ہے۔ عشق غزل کا خاص موضوع رہا تھا اور ہے۔ دیگر مضامین کو بھی غزل میں بالعموم عشق ہی کی لفظیات کے سہارے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے باوجود اردو میں صحت مند، پاکیزہ اور سچی عشقیہ شاعری کی بڑی کمی محسوس ہوتی رہی ہے۔ اس معاملے میں ہمارے شاعر افراط و تفریط کا شکار بنے رہے۔ انہوں نے عشق کو یا تو اتنا مثالی بنا دیا کہ اس کا رشتہ جنس سے باقی نہیں رہا یا پھر بہت ہی بھونڈے پن سے سستے قسم کے جنسی جذبات کے اظہار پر اتر آئے۔ اکثر شعراء کا عشق افلاطونی تھا۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقدر میں دائمی ہجر لکھا لاتے تھے۔ وہ عمر بھر صرف محبوب کا پرتو ہی دیکھتے رہے اور ان کی ساری زندگی شوق کی تمہید باندھتے ہی گزری۔ جن شاعروں نے عشق کے معیار کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا کبھی کبھی اس درجہ پستی پر اتر آئے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

قدما اور متاخرین کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے جب ہم فراق تک پہونچتے ہیں تو اچانک ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم ایک بند کمرے کی گھٹن سے نکل کر ایک میدان میں آ گئے ہیں جہاں خوشگوار ہوائیں چل رہی ہیں۔ فراق کی شاعری ایک ایسا چشمہ ہے جو روایتی عشق کی گولائیوں سے پاک ہے۔ اس شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم ایک ایسی دنیا میں پہونچ جاتے ہیں جہاں نہ صرف عشق نما محبوب کی خونخواریاں ہیں اور نہ رقیب سیاہ کار کی ستم کاریاں۔ یہاں نہ ابدی ہجر ہے اور نہ دائمی فراق۔ یہ وہ دنیا ہے جس میں ہم آپ سماجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے جنسی اور حیاتیاتی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ اپنی تہذیب اور کلچر کو پروان چڑھاتے ہیں۔

فراق کی شاعری میں عشق کا محرک جنسی جذبہ ہے جو ارتفاع پاتے ہوئے ذہنی سطح پر پہونچ جاتا ہے۔ اس عشق کی پہلی منزل محبوب کے حسن کی قدروں کا احساس ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں اردو شاعروں کے قدم اکھڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بقول فراق ؎

حسن کو ایک حسن ہی سمجھے نہیں اور اے فراق
مہرباں نامہرباں کیا کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

حسن کی بوقلموں کیفیات کا ادراک اردو شاعری میں کم یاب ہے۔ فراق کی شاعری میں یہ کیفیات اپنے ہزار شیوؤں کے ساتھ نمایاں ہوئی ہیں۔ بالخصوص لمسی کیفیات کا اظہار اردو کی جمالیاتی شاعری کو فراق ہی کی دین ہے۔ جمالِ یار کا مشاہدہ فراق نے اپنی آنکھ سے کیا ہے اس لیے ان کی تشبیہات میں ندرت اور تازگی ہے۔

فراق کی مختصر آپ بیتی ان کے مکاتیب کی صورت میں ہم تک پہونچی ہے جس میں ان کی ازدواجی زندگی اور معاملاتِ عشق پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ فراق نے عشق اور عشقیہ شاعری کے بارے میں اپنے نظریات کو اپنے تنقیدی مضامین میں واضح کیا ہے۔ تحریروں کو پڑھنے کے بعد جب ہم ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی فکر و عمل میں بہت زیادہ یگانگت نظر آتی

ہے۔ اس مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ فراق اور متقدمین کے عشق میں چند بنیادی باتوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قدیم متغزلین شعراء کا محبوب بیشتر ایک خیالی پیکر تھا اور ان کی عشق کی واردات بیشتر محض تخیل کی اختراع تھیں۔ اگر ایسا نہیں تھا تو وہ کوئی پردہ نشیں دوشیزہ یا بازاری طوائف تھی۔

فراق کا محبوب ان سب سے مختلف ہے۔ وہ ایسی دوشیزہ یا دوشیزائیں یا شادی شدہ عورتیں ہیں جو مختلف زمانوں میں شاعری کی زندگی میں داخل ہوئیں۔ کسی سے ان کا سرسری یا عارضی ربط رہا اور کوئی طویل عرصہ تک اس کے دل و دماغ پر چھائی رہی۔ ایک سے زیادہ عشق اور لوگوں نے بھی کئے ہوں گے کیوں کہ فطرتاً ایسا ہونا ممکن ہے اور ہوتا ہے لیکن رواتی احتساب سے بچنے کے لئے انہوں نے اس کا اعتراف کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ فراق نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیوں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی دانست میں جسم اور روح کا فطری مطالبہ تھا۔ اسی لئے وہ محبوب سے بھی وفا کے طالب نہیں ہوتے۔ اس زاویۂ نظر نے فراق کے عشقیہ جذبات میں ایک طرح کا توازن پیدا کر دیا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار اسی متوازن جذبہ کے آئینہ دار ہیں ؎

بہت بڑھا کے نہ کر شکوہ تلون سے
ارے مزاجِ محبت کو بھی قرار نہیں

تجھے گھاٹا نہ ہونے دیں گے کاروبارِ الفت میں
ہم اپنے سر ترا اے دوست ہر نقصان لیتے ہیں

ہماری ہر نظر تجھ سے نئی سوگند کھاتی ہے
تو تیری ہر نظر سے ہم نیا پیمان لیتے ہیں

عشق کی خود تنقید اور محبوب سے اپنائیت کا یہ احساس اردو شاعری میں مشکل ہی سے ملے گا۔ بلکہ شاعر اس کے برخلاف اپنے محبوب سے یکطرفہ وفاداری کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ فراق نے وفاداری کے یکطرفہ تصور کی بنیاد ہی کو اکھاڑ کر پھینک دیا ہے جس پر غزل کی نام نہاد عشقیہ شاعری کی عمارت کھڑی کی گئی تھی۔ وہ میر ہوں یا غالب ان کے ہاں اس قسم کے اشعار میں محبوب کی تصویر نظر آتی ہے ؎

بغل میں غیر کی آج آپ سوئے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو!
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے

فراق کے عشق میں اس قسم کی بے حیائی کہیں نہیں ملے گی۔ ان کی غزلوں کو پڑھ جائیے آپ رقیب کا دور دور تک نشان نہیں پائیں گے۔ غالب کا عشق خواہش کی حد سے آگے بڑھنے نہیں پایا۔ یا ان کی خود پرستی نے انہیں اس قابل نہیں رکھا کہ ڈٹ کر عشق کر سکیں۔ فراق کا حال ان سب سے مختلف ہے۔ وہ محبوب کے وصال سے شادکام ہوئے ہیں لیکن وصال کے بعد قربت میں نئے فاصلے نکل آئے، محبوب کو پا کر بھی نہیں پا سکے فراق کی حیات کا بڑا المیہ ہے ؎

تری قربتیں بھی ہیں دوریاں یہ کرشمۂ کشش بدن
چہ قیامتے کہ نمی رسی ز کنار من بکنار منی

اس منزل پر انہیں حسن ایک فریبِ نظر معلوم ہونے لگتا ہے اور عشق کی پرچھائیاں بن کر رہ جاتا ہے ؎

جلوۂ لیلیٰ ہو لے دل یا جنونِ قیس ہو
حسن بھی پرچھائیاں ہے عشق بھی پرچھائیاں

حسن و عشق کی عارضیت کے اس احساس نے اس المیہ کے کرب کو اور بڑھا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصل کے لمحے بھی ان کے لئے ہلاکِ جاں بن گئے۔

وصال اس سے میں چاہوں کہاں یہ دل میرا ؎
یہ رو رہا ہوں کہ کیوں اس کو میں نے دیکھا تھا

یہ سوز و سازِ نہاں تھا، وہ سوز و سازِ عیاں
وصال و ہجر میں بس فرق تھا تو اتنا تھا

اس نقطے پر پہونچ کر فراق کا عشق جنس کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے اور ذہنی سطح سے پرواز کر کے تخیل کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ اس پر شاعر کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے ؎

کہیں یہی تو نہیں کاشفِ حیات و ممات
یہ حسن و عشق بظاہر ہیں بے خبر پھر بھی

اس کا جواب پانے کے لئے وہ خودشناسی کے راستے پر چل پڑتا ہے ؎

چھوڑ وفا و جفا بحثیں اپنے کو پہچان اے عشق
غور سے دیکھ تو سب دھوکا ہے کیسی وفائیں کیسی جفا

اس تلاش و جستجو کے نتیجہ میں اسے عشق کی حیثیت اور اس کی خفتہ صلاحیتوں کا ادراک ہوتا ہے ؎

عشق بھی اہلِ طریقت میں ہے ایسا تھا خیال
عشق ہے پیرِ طریقت مجھے معلوم نہ تھا

ہر سعی ہر عمل میں محبت کا ہاتھ ہے
تعمیرِ زندگی کے نہ سمجھو کچھ محرکات

اور جب عشق اپنی حقیقت کو جان لیتا ہے تو حیات و کائنات کے اسرار خود اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں ؎

کبھی ہو سکا تو بتا دوں گا تجھے رازِ عالمِ خیر و شر
کہ میں رہ چکا ہوں شروع سے گہے ایزد و گہے اہرمن

فراق نے اس مقام پر پہونچ کر بھی اپنے عشق کی تصور گری نہیں کی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی جو روایات اردو غزل کے مزاج میں رچ بس گئی ہیں فراق ان سے دامن نہیں بچا سکے ہیں۔ مثلاً

سازِ وہ قطرے قطرے میں درد وہ ذرے ذرے میں
یاد تیری کسے نہ تھی درد تیرا کہاں نہ تھا

کس کے پاؤں کی چاپ ہے دنیا
کون ہے صبحِ ازل سے خراماں

بظاہر ہمارے کان اشعار میں وہی وحدت الوجود کا نغمہ سنتے ہیں لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک نیا راگ ہے۔

ان اشعار میں خطاب صوفیا کے حسنِ حقیقی سے نہیں بلکہ گوشت پوست کے انسان سے ہے جس سے شاعر محبت کرتا ہے۔ حسینِ ازل کا اشارہ اسی محبوب کی طرف ہے۔ اس معمے کو حل کرنے کے لئے اس غیر اسلامی تصوف یا فلسفے سے رجوع کرنا ہوگا جس میں مادے کو بھی ازلی و ابدی سمجھا گیا ہے۔

فراق کا حسینِ ازل یہی مادی حسن ہے جس کی جلوہ آرائیاں لامحدود انتہا اور لافانی ہیں۔ اب ذرا اس شعر پر غور کیجئے ؎

یہ کائنات نہیں تیرے سوا لیکن
یہ تیری ذات نہیں یہ تری صفات نہیں

اس شعر میں جو خیال باندھا گیا ہے وہ تصوف کے نظریہ کی ضد ہے۔ فراق کے عشق کی یہ صفت ارضی ہے مابعد الطبیعاتی نہیں ہے۔ یہ عشق وہ ہے جو انسان کو زمین کی ہر چیز سے پیار کرنا سکھاتا ہے اور خیر و شر کی اخلاقی قدروں سے انکار کرتا ہے۔ ان کی شاعری کی جڑیں اس زمین میں پیوست ہیں۔ مٹی کی سوندھی سگندھ انہیں آفتاب و ماہتاب کی کرنوں کے جمال و جلال سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی لئے وہ جانِ بہار پر نظر پڑنے کے بعد سنگیت کی سرحدوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سنگیت جو ارضیت کی بھی علامت ہے اور جو ازلی و ابدی نغمہ سرمدی تک بھی پہنچاتی ہے۔

(بشکریہ: "آندھرا پردیش")

بقیہ : شیڈیولڈ کاسٹ و شیڈیولڈ ٹرائب

دی جا سکے۔ اس طرح بالآخر حکومت نے سنتالی لوگوں کی ایک بڑی پرانی تمنا پوری کی ہے۔

قبائلی لوگ اکثر بہت ساری توہمات اور برے رسوم کی پیروی کیا کرتے تھے۔ موجودہ حکومت توہم پرستی کو دور کرنے کے لئے کوشاں ہے اور اس سلسلے میں ادبی تنظیمات کے ذریعہ ان لوگوں کے درمیان اچھی باتوں کو فروغ دے رہی ہے۔

ابھی حکومت نے قبائلی ثقافت اور انکی تفریحات میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ ایک ثقافتی تحقیقی ادارہ کا قیام کلکتہ میں عمل میں آچکا ہے اور جھارگرام میں ایک لوک تفریحی شاخ حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔ ٭٭

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

بجلی

گزشتہ چند برسوں سے بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لئے مغربی بنگال ریاستی بورڈ کے بہت سارے تکنکی اور غیر تکنکی افراد مثبتی کردار ادا کر رہے ہیں۔ حالیہ برسوں میں ریاست مین بجلی کی صورتحال میں بہتری ہوتی ہے۔ گزشتہ بارہ مہینوں میں لوڈ شیڈنگ کے واقعات کم ہو گئے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کو اچھی حالت میں رکھنے کے تے برف گھروں اور آبپاشی کے لئے حسب ضروری بجلی سپلائی کی جارہی ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ دو برسوں میں مزید بہتری ہوگی۔ بجلی پیدا کرنے والی اور تقسیم کرنے والی یونٹوں کے کام میں رکاوٹوں کو انتہائی حد تک کم کرنے کے لئے حسب ضروری اقدامات کئے گئے ہیں۔ سابق حکومت اس ریاست میں بجلی کے بحران کے لئے ذمہ دار رہے۔ پانچویں دہائی کے عرصہ میں بجلی کی پیداوار کے میدان میں مغربی بنگال سب سے آگے تھا لیکن بعد کے برسوں میں وہ ساتویں نمبر پر آگیا اور اس کی وجہ مرکز کی تفریق کی پالیسی اور سابق ریاستی حکومت کی دوراندیشی کی کمی تھی۔ کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن سے ۴۰ سالہ پرانے بوئیلروں کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ہی اس عرصہ میں ایک جدید بجلی پروجیکٹ قائم کیا گیا۔ مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کو کبھی بھی اسباب کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ کلکتہ کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے کافی بجلی پیدا کرے۔ اس کے نتیجہ مین بجلی کی مانگ اور سپلائی کے درمیان حائل خلیج وسیع ہوتی گئی اور اس کی وجہ سے لوڈ شیڈنگ ہونے لگا۔

بائیں محاذ کی کاوش ہائے پیہم

سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ (ڈبلو۔ بی۔ ایس۔ ای بی) اور کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (سی ای ایس سی) کی بجلی کی مشترکہ پیداوار صرف ۱۰۶۲ میگاواٹ تھی اور سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں انکی مشترکہ پیداوار بڑھکر ۲۰۸۳ میگاواٹ ہوگئی۔ یعنی اس عرصہ میں اس ریاست مین بجلی کی پیداوار میں ۱۰۲۱ میگاواٹ کا اضافہ ہوا۔ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ڈبلو۔ بی۔ ایس۔ ای۔ بی، سی ای ایس سی اور ڈی۔ پی۔ ایل نے مشترکہ طور پر ۷ ۳۸۰ لاکھ یونٹ بجلی پیدا کیا اور آج یہ تینوں ۷۶ ۴۰ لاکھ یونٹ بجلی پیدا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ڈی وی سی کی بجلی پیداوار ۵۱۹۱۰ لاکھ یونٹ سے بڑھکر ۶۵۰۰۷ لاکھ یونٹ ہو گئی۔

سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء سے سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے درمیان بجلی پیدا کرنیوالی مندرجہ ذیل یونٹیں چالو ہوگئیں:

گیس ٹربائین	۲۰×۵ میگاواٹ	=	۱۰۰	میگاواٹ
سنتالڈیہہ	۱۲۰×۲ میگاواٹ	=	۲۴۰	میگاواٹ
بی۔ پی۔ ٹی۔ ایس	۱×۲۱۰ میگاواٹ	=	۲۱۰	میگاواٹ
کولاگھاٹ	۱×۲۱۰ میگاواٹ	=	۲۱۰	میگاواٹ
جلڈھاکہ	۲×۴ میگاواٹ	=	۸	میگاواٹ
ٹیٹاگڑھ	۴×۶۰ میگاواٹ	=	۲۴۰	میگاواٹ

مندرجہ ذیل یونٹیں سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء سے بجلی پیدا کرنے کا کام شروع کردیں گی۔

فراکا۔ ۱×۲۱۰ میگاواٹ = ۲۱۰ میگاواٹ
(اسکا ایک تہائی میگاواٹ بجلی مغربی بنگال کے لئے ہوگی)
چھوٹا ہائیڈرل پروجیکٹ — ۸۰ میگاواٹ مغربی بنگال
ڈی۔ پی۔ ایل — ۱×۲۱۰ میگاواٹ = ۱۲۰ میگاواٹ

زیر تعمیر پروجیکٹ:

کولاگھاٹ دوسری یونٹ — صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ
یہ یونٹ جنوری سنہ ۱۹۸۶ء سے چالو ہو جائے گی۔
کولاگھاٹ تیسری یونٹ — صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ
یہ یونٹ دسمبر سنہ ۱۹۸۶ء سے چالو ہو جائے گی
کولاگھاٹ کا دوسرا دور — تین یونٹیں، ہر ایک کی صلاحیت ۲۱۰ میگا ہوگی، سنہ ۱۹۹۰ء تک چالو ہو جائیں گی۔

تمام کا دوسرا دور — ۴ یونٹیں، ہر ایک کی صلاحیت ۵ر۱۲ میگاواٹ ہوگی، ۱۹۹۰ء تک مکمل ہو جائیں گی۔

اس کے علاوہ پانچ چھ چھوٹی پن بجلی پروجیکٹوں کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ سال سے مرکزی حکومت کی پالیسی کی وجہ سے کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے جنوبی بجلی گھر، جس کی صلاحیت ۲ × ۶۰ = ۱۲۰ میگاواٹ ہوگی، کی تعمیر کا کام شروع نہیں کیا جا سکا۔

مرکزی حکومت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی

مستقبلی بجلی منصوبہ بندی کمیٹی، نے کلکتہ اور مغربی بنگال میں بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کا جائزہ لینے کے بعد اس بات کے خدشے کا اظہار کیا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں مغربی بنگال میں ۱۱۰۰ میگاواٹ بجلی کی کمی ہوگی۔ اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل پروجیکٹس، جنہیں پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داری ریاست نے لی ہے، ابھی بھی مرکزی حکومت کے زیر غور ہے لیکن اس سلسلہ میں مخصوص فیصلہ سے اس ریاست کو آگاہ نہیں کیا گیا۔

(۱) دھوم ڈانگی، ضلع مدنا پور میں تاپ بجلی گھر (تھرمل پاور اسٹیشن) جس کی صلاحیت ۲۴۰ میگاواٹ ہوگی۔

(۲) ساگردیگھی، ضلع مرشدآباد میں تاپ بجلی پلانٹ جس کی صلاحیت ۲۰۰ میگاواٹ ہوگی

(۳) بکریشور، ضلع بیربھوم میں تاپ بجلی پلانٹس، یہاں تین پلانٹس ہوں گے اور ہر ایک کی صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ ہوگی۔ اس طرح کل صلاحیت ۶۳۰ میگاواٹ ہوگی۔

(۴) تیستا پروجیکٹ ریزروائر کے پاس پن بجلی پلانٹ، جس کی صلاحیت ۵ر۶۶ میگاواٹ ہوگی۔

(۵) رمام پن بجلی پروجیکٹ کے پہلے دور کے پلانٹس جن کی صلاحیت ۲ × ۱۵ = ۳۰ میگاواٹ ہے۔

۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۳ء کے درمیان ان بجلی پروجیکٹوں کی بابت تجاویز مرکزی حکومت کے پاس داخل کی گئی تھیں۔

بجلی کی ترسیل اور تقسیم کا نظام

بجلی کی پیداوار میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ بجلی کی ترسیل اور تقسیم کے کام میں بھی مشکلات کا اور بھی اضافہ ہو گیا۔ گرچہ ۱۰-۱۵ سال قبل ہی چند بڑے اور چھوٹے تحتی بجلی گھر تعمیر کرنی ضروری تھی تاہم یہ کام وقت پر نہیں کیا گیا۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں بہت سارے تحتی بجلی گھر تعمیر کئے گئے تاکہ بجلی کی ترسیل اور تقسیم کے کام میں آسانی ہو اور یہ کام ابھی تک جاری ہے۔ ڈبلو۔ بی۔ ایس۔ ای۔ بی نے وقت پر دو بڑے تحتی بجلی گھروں، ایک جیرٹ میں اور دوسرا بیرپاڑہ میں، کی تعمیر کا کام مکمل کر دیا۔ ترسیل اور تقسیم کے منتقص نظام کی وجہ سے بعض علاقوں میں بجلی کے تار کے ٹوٹ جانے اور بجلی کی طاقت سے وابستہ مسائل زیادہ تعداد میں رونما ہو رہے ہیں۔

توڑپھوڑ کے کام کی روک تھام

بجلی کی پیداوار اور تقسیم کے نظام کو بہتر طور پر روبہ عمل لانے کے لئے بہت سخت ڈسپلن کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ بہت سارے اقدامات کو روبہ عمل لاکر اس میدان میں ڈسپلن کو برقرار رکھنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ بدعنوانی کی روک تھام کرنے کے لئے ایک وسیع اور جامع پروگرام زیر عمل ہے اور تقریباً ۳۰/۴۰ افسروں، انجینیروں اور اسٹاف کے ممبروں کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی ہے۔ دیگر افراد کے خلاف تفتیش کا کام جاری ہے۔

مضافات میں بجلی کی سپلائی کا مسئلہ

دیہی علاقوں میں بجلی کی سپلائی کے میدان میں مغربی بنگال پیچھے رہ گیا ہے۔ ۱۹۷۷ء تک صرف ۱۱۰۰۰ موضعات کو بجلی سپلائی کی گئی۔ ان ۱۱۰۰۰ موضعات میں سے کم از کم ۱۰۰۰ گاؤں میں بجلی کے کھمبے، بجلی کے تار اور ٹرانسفارمر کا اب نام و نشان تک نہیں ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ آٹھ برسوں میں ۲۷۰۶۹ موضعات کو بجلی فراہم کی ہے اور کم گہرے ٹیوب ویلوں کو چلانے کے لئے ۲۹۹۰۲ پمپ سیٹوں کو برقیایا گیا ہے۔ اس سال بھی ریاستی حکومت نے ایک پروگرام کو اپنایا جس کے

سے تحت مقامی پنچایتوں اور عوام کے نمائندوں کی مدد اور تعاون سے مزید ۳۰،۰۰۰ موضعات اور ۱۵۰۰۰ پمپ سیٹس کے لئے بجلی سپلائی کی جائے گی۔

دیہی علاقوں میں بجلی کے تار، ٹرانسفارمر وغیرہ کی چوری

ہر سال کروڑوں روپئے کی مالیت کی بجلی کے تار اور دیگر آلات چرا لئے جاتے ہیں۔ بجلی کی چوری کی وجہ سے ٹرانسفر چھوٹے چھوٹے سرکٹ میں کام کرتے ہیں۔ اس ناگفتہ بہ کام کی پولس انتظامیہ اور پنچایت کی مدد سے اور تعاون سے کچھ حد تک روک تھام کی گئی ہے۔ اسے ابھی تک مکمل طور سے ختم نہیں کیا جا سکا۔ بجلی کی صورتحال میں بہتری لانے کے لئے مالی دشواریاں بھی سدراہ ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود حکومت نے بجلی کی پیداوار میں اضافہ کے کام کو اہم ترین ترجیح دی ہے۔ ۷۸-۷۹ء میں بجٹ میں، بجلی کی مد پر ۸۱ر۴۹ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔ پھر بتدریج اس رقم میں اضافہ ہوتا گیا اور مالی دشواریوں کے باوجود موجودہ مالی سال میں بجلی کی مد پر ۱۸۰ کروڑ روپئے منتقل کئے گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کو ہر سال ۱۰۰ کروڑ روپے بطور امداد فراہم کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس بورڈ کو ہر سال ۵۰ تا ۶۰ کروڑ روپئے کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس بورڈ کو ۵ کروڑ روپئے فراہم کئے گئے تاکہ یہ بورڈ تنخواہ کمیشن کی سفارشات کے مطابق بورڈ کے افسروں، انجینئروں اور اسٹاف کی تنخواہوں میں جو اضافہ ہوا ہے، اسے پورا کر سکے۔ بدعنوانی کو نیست و نابود کر کے، اوور ٹائم بلوں میں اور غیر ضروری اخراجات میں کمی کر کے اس بورڈ کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کئے جا رہے ہیں لیکن ان کے باوجود رفتار ترقی حسب خواہ نہیں ہے ÷÷÷

کیننگ میں سڑک کی بہتری

کیننگ میں ندی کے کنارے واقع سڑک کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے مستحکم بنانے کے کام کے لئے ریاستی ترقیات اور منصوبہ بندی شعبہ نے ۸۳۴۲۵ روپئے دینے کی منظوری دی۔

بقیہ : اصلاحات اراضی

کاشتکاروں کو قرض فراہم کئے گئے جبکہ ۸۴-۸۵ء میں قرض کی سہولتوں سے تقریباً ۳ لاکھ افراد مستفید ہوئے۔

۱۹۷۵ء میں رہائشی قطعات آراضی کی حصولیابی ایکٹ کے نفاذ کے بعد سے تقریباً ۹۸ر۱ لاکھ لوگوں کو ان قطعات اراضی کے جہاں وہ رہتے ہیں، حقوق ملکیت دے دئے گئے۔ عرصہ دراز تک مسلسل کوششیں کرنے کے بعد ریاستی حکومت کو شہری علاقوں میں ۱۲ر۱۰ لاکھ مربع میٹر فاضل قطعات آراضی کے حقوق ملکیت حاصل ہو گئے۔

پرولیا اور اسلام پور سب ڈیویژنوں میں آراضی کے ریکارڈس میں قبائلیوں کے ناموں اور دیگر تفاصیل کی بابت تصحیح کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ کام جاری ہے اور اس کے اختتام کے بعد قبائلیوں کو ان قطعات آراضی کے، جہاں وہ رہتے ہیں، حقوق ملکیت دے دئے جائیں گے۔

مغربی بنگال ۳۴۰۰ تحصیلدار اور تحصیل کے چپراسی ہیں جنہیں پورے وقت کے سرکاری ملازمین کی طرح تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ یکم جولائی ۸۲ء سے ۵۸ سال سے کم عمر تحصیلداروں اور ۶۰ سال سے کم عمر تحصیل چپراسیوں کو ریاستی حکومت نے لینڈ اسسٹنٹ چپراسی اور نائٹ گارڈس کی تقرری دی ÷÷

بقیہ : شہری دفاع

	شہری دفاع کی مد پر	ہوم گارڈ کی مد پر
۱۹۷۹-۸۰	۳۳۴۳۰۰۰۰ روپے	۲۸۸۹۱۰۰۰ روپئے
۱۹۸۰-۸۱	۴۰۴۱۴۰۰۰ روپئے	۳۱۸۴۹۰۰۰ روپئے
۱۹۸۱-۸۲	۴۴۵۷۰۰۰۰ روپئے	۳۵۴۲۳۰۰۰ روپئے
۱۹۸۲-۸۳	۵۲۶۳۲۰۰۰ روپئے	۵۳۲۸۲۰۰۰ روپئے
۱۹۸۳-۸۴	۵۷۶۱۰۰۰۰ روپئے	۶۵۱۸۹۰۰۰ روپئے
۱۹۸۴-۸۵	۷۶۳۴۹۰۰۰ روپئے	۸۳۵۵۲۰۰۰ روپئے

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

شہری دفاع

موجودہ شہری دفاع کے نظام کو حکومت ہند نے ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۶۸ء میں شہری دفاع آئین کے مطابق مرتب کیا ہے۔ اس نظام کو کچھ اس انداز سے ترتیب دیا گیا تھا کہ یہ دفاع کا ایک مستقل لازمی جزو بنا رہے لیکن فنڈ کی قلت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس تنظیم کو ایک رضاکار تنظیم کی طرح منظم کیا گیا ہے۔

اقتدار میں آنے کے بعد بایاں محاذ حکومت نے اس تنظیم میں مزید بہتری لانے کے لئے متعدد اہم اقدامات کئے ہیں۔

ملک کے مختلف علاقوں میں علیحدگی پسند یا رجعت پسند طاقتیں سرگرم عمل ہیں۔ مزید برآں چند پڑوسی ممالک اپنی فوجی طاقت کو مضبوط بنا رہی ہیں۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بایاں محاذ حکومت نے اس ملک کی سرحد پر مناسب شہری دفاعی انتظامات کو حسب ضروری سامان سے لیس کرنے کا عزم کیا ہے۔ اپنے محدود مالی وسائل کے باوجود اس حکومت نے اس ریاست کی محافظت کی خاطر شہری دفاع کے نظام کو مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ شہری دفاع کے کارکنان متعدد شہری دفاعی مشق مثلاً دشمن کے حملے کے وقت خبرداری کا سگنل دینا، آگ بجھانے میں شریک ہونا، فرسٹ ایڈ دینے کی تربیت دینا، لوگوں کو بچا نکال لے آنے کے کام میں شرکت کرنا، سیلاب و خشک سالی جیسے ہنگامی حالات میں لوگوں کی رہائی کے کام کرنا، وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں۔

گزشتہ آٹھ برسوں میں گیارہ ہزار سے زائد مرد اور عورتوں نے شہری دفاع تربیت حاصل کی۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں سیلابی حالات کے انسداد کے لئے ایک نیا آبی سیکشن کھولا گیا ہے اور اس سیکشن نے گزشتہ چار برسوں میں ایک زبردست کارنامہ صرف بنگال ہی ریاست میں نہیں انجام دیا ہے بلکہ آسام اور اڑیسہ جیسی پڑوسی ریاستیں بھی اس سے مستفید ہوئی ہیں۔ ان ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ نے شہری دفاع کے کردار کو کافی سراہا۔ مغربی بنگال کے عوام اپنی آبی قوت پر کافی فخر کرتے ہیں جو حقیقت میں ہندوستان میں بے مثال ہے۔

مغربی بنگال میں جب لوگ آنت اور دماغی بیماریوں سے بری طرح پریشان تھے تو شہری دفاع کے کارکنندگان مریضوں کی تیمارداری کے لئے آگے بڑھے۔ امن و امان کے دوران اس ریاست کے شہری دفاع نظام کی یہ خدمات واقعی قابل تعریف ہیں۔

اس ریاست میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے لوگوں کی مدد کرنے میں ہوم گارڈس بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ کلکتہ اور اضلاع میں خلوص اور اعتماد کے ساتھ اپنے کام میں مشغول ہیں۔ ریاست کے چند علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے انکی موجودگی اب لازمی بن گئی ہے۔

ہوم گارڈس میں سے ایک اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران ہی انتقال کر گیا تھا۔ اس غم زدہ خاندان کے افراد کو ایک ہزار سے ۱۵ ہزار تک کی رقم بطور عطیہ دی گئی۔ اب ہوم گارڈس باضابطہ اپنی وردیوں میں نظر آتے ہیں۔ ہوم گارڈوں کو اس ریاست میں روزانہ ۱۶ روپئے ۱۱ پیسے بطور بھتہ ملتے ہیں جو ہندوستان کے سارے ریاستوں میں ہوم گارڈوں کو روزانہ ملنے والے بھتہ سے بہت زیادہ ہے۔

المختصر بایاں محاذ حکومت اپنی اس کوشش کو کامیاب بنانے میں لگی ہوئی ہے کہ شہری دفاع کے کارکنندگان و رضاکار سماج کے اہم جزو بن جائیں۔

اپنے محدود مالی وسائل کے باوجود شہری دفاع کے لئے حکومت مغربی بنگال کے بجٹ میں مختص کردہ رقم کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

	شہری دفاع کے مد میں	ہوم گارڈ کے مد میں
۷۹-۱۹۷۸ء	۳۰۳۷۳۰۰۰ روپئے	۲۶۳۵۲۰۰۰ روپئے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

شیڈیولڈ کاسٹ اور شیڈیولڈ ٹرائب کی رفاہ

ہمارے ملک کے بیشتر افراد جو غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں، شیڈیولڈ کاسٹ اور شیڈیولڈ ٹرائب ہیں۔ بایاں محاذ حکومت نے محسوس کیا کہ جب تک ان استحصال شدہ اور غربت کے مارے لوگوں کو کچھ سہولتیں فراہم نہ کی جائیں گی اس وقت تک یہ لوگ ملک کی مربوط ترقی کی راہ میں اوروں کے برابر شانہ بشانہ نہ چل سکیں گے۔ اور اسی لئے حکومت نے ان کی بہتری کے لئے مختلف منصوبوں اور پروگراموں کو روبہ عمل لایا ہے۔ درج ذیل اخراجات کی فہرست سے ان پس ماندہ لوگوں کے لئے موجودہ حکومت کے کئے گئے ترقیاتی کام کا اہمیت عیاں ہوجائے گی۔

سال		اخراجات
۱۹۵۶-۵۷ء	————	۵۵۲۳... روپئے
۱۹۷۶-۷۷ء	————	۵۸۸..... روپے
۱۹۸۴-۸۵ء	————	۴۲۹۲۱۹... روپے

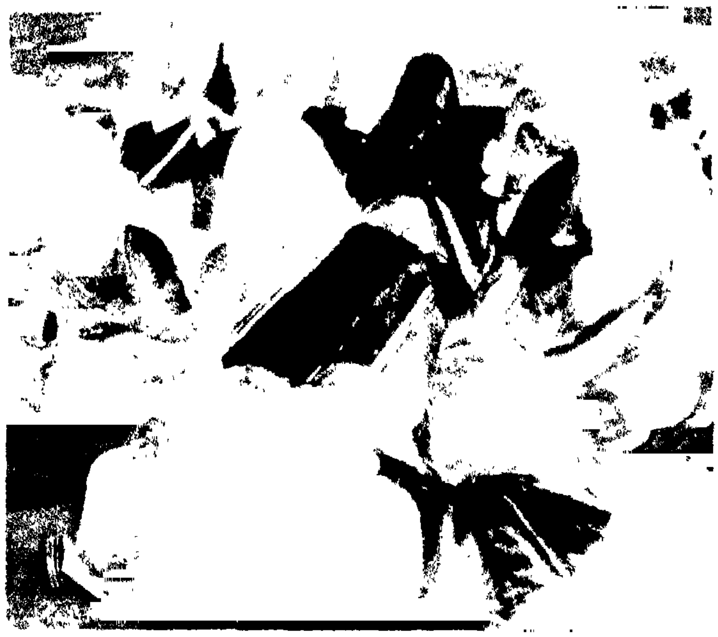
اس کثیر رقم کا ایک بڑا حصہ انکی تعلیم کے فروغ کیلئے خرچ کیا جا چکا ہے۔ نتیجہ کے طور پر شیڈیولڈ کاسٹ لوگوں کی خواندگی کی شرح ۱۹۷۱ء میں ۸۰ر۱۷ فیصد سے بڑھکر ۱۹۸۱ء میں ۳۷ر۲۴ فیصد ہوگئی اور شیڈیولڈ ٹرائب کے سلسلے میں یہ اسی مدت میں ۹۲ر۸ فیصد سے بڑھ کر ۲۱ر۱۳ فیصد ہوگئی۔ یہ لوگ بارہ کلاس تک مفت تعلیم کے سلسلے میں بایاں محاذ حکومت کی پالیسی سے بھی کافی مستفید ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیہی علاقوں کے غریب طلباء کو اسکولی تعلیم کی سہولت فراہم کرنے کے لئے انہیں ۲۰ روپے فی کس ایک امدادی بھتہ دینے کی منظوری بھی دے دی گئی ہے۔ بایاں محاذ حکومت کے دوران طلباء کے ہوسٹل کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ان کی رہائش گاہ کو وسعت دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہوسٹل میں مقیم پسماندہ طبقوں کے طلباء کے وظیفہ میں بھی اضافہ ہوا۔ حکومت نے کلکتہ کے قریب السٹاڈانگہ میں مضافات سے شہر آئے ہوئے اعلی تعلیم پانے والے طلباء کے لئے بھی ایک ہوسٹل تعمیر کیا ہے اور اسی مقصد کے تحت لڑکیوں کے لئے بھی ایک ہوسٹل زیر تعمیر ہے۔

پس ماندہ طبقوں میں ملازمت کے مواقع کے فروغ کے لئے حکومت نے دو تربیتی مراکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جہاں امیدواروں کو (مسابقتی) امتحانات کے لئے تعلیم دی جائے گی۔ حکومت کی سطح پر شیڈیولڈ کاسٹ لوگوں کے روزگار کی شرح ۱۹۷۷ء میں ۲ر۶ فیصد سے بڑھکر ۱۹۸۱ء میں ۱۲ فیصد ہوگئی ہے۔ اور شیڈیولڈ ٹرائب کے سلسلے میں یہ اسی مدت میں ۷ر۱ فیصد سے بڑھکر ۵ر۲ فیصد ہوگئی ہے۔

حکومت نے اس بات کی بھی سہولت پیدا کی ہے کہ خود مشغلے کے لئے پس ماندہ طبقوں کے نوجوانوں کو مالیاتی کارپوریشن سے کم اور متوسط میعاد کے قرض دئے جائیں اور اس سلسلے میں مغربی بنگال نے ہندوستان کی دوسری تمام ریاستوں پر سبقت لے لیا ہے۔ اب تک ۷۷ کروڑ سے زائد روپے انہیں دئے جا چکے ہیں۔

مغربی بنگال کی قبائلی ترقیات کوآپریٹیو کارپوریشن جو بنیادی طور پر قبائلی فرقوں کے ممبروں پر مشتمل ہے مختلف طریقوں سے متعدد کثیر المقاصد کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعہ ان لوگوں کو مالی اور تکنیکی امداد فراہم کرتی ہے۔ یہ ایک نئی اسکیم ساتویں منصوبہ کے دوران کارپوریشن ۲۷ نئی صنعتی یونٹیں قائم کرنے کی بات پر غور کر رہی ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ یہ جب چالو ہو جائیں گی تو یہ لوگوں کو بڑی بھاری تعداد میں روزگار کے مواقع بڑی حد تک فراہم کریں گی۔ بایاں محاذ حکومت نے "اول چیکی" رسم الخط کو تسلیم کر لیا ہے اور سنتھالی طلباء کے درمیان اس رسم الخط میں کتابیں شائع کر کے تقسیم کی ہیں تاکہ انہیں انکی مادری زبان میں

(باقی صفحہ ۹ پر)



سماجی رفاہ۔ عورتوں کو سلائی اور کشیدہ کاری کی تربیت دی جارہی ہے۔



مغربی بنگال میں ماہی گیری

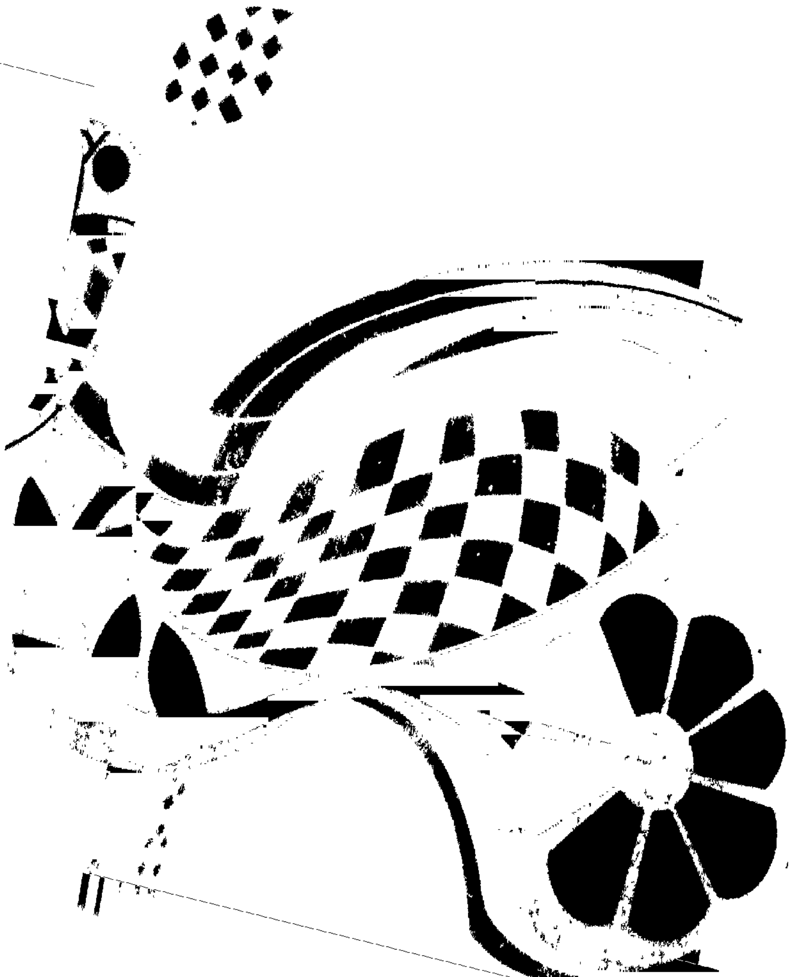
1st AUGUST 1985

Postal Regd. No. WB/CC—52
Vol. 32 No. 15
PRICE 12 Paise



شری کانتی لبواس، وزیر تعلیم حکومت مغربی بنگال، ۲۲ر جولائی ۸۵ء کو گریٹ ایسٹرن ہوٹل کے رجنی گندھا ہال میں
نصاب سے متعلق ایک علاقائی سیمنار میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔ تصویر از : مدھوسدن گھوش

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam.
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed
S. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پردیپ بھٹاچاریہ

مدیر : [illegible] راناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ☆ یکم ستمبر ۱۹۸۵ء ☆ شمارہ نمبر ۱۷

شرح خریداری

سالانہ [illegible] روپے [illegible] شمارے کی قیمت : [illegible]

[illegible] کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



حال ہی
میں ضلع
مغربی دیناج
پور میں
نوجوانوں
طلباء تہوار
کے موقع پر
منعقدہ
نمائش
کا
منظر

قومی یکجہتی کو برقرار رکھنا اور اسے فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

"عظیم مجاہدین کی بے لوث خدمات اور قربانیوں سے ہمیں آزادی ملی ۱۹۴۷ء سے ہم لوگ مغربی بنگال میں جمہوری اداروں کو مستحکم بنانے کے لیے ضروری اقدامات کر رہے ہیں۔ قومی یکجہتی کو برقرار رکھنا اور اسے فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے" وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی ایک نشری تقریر میں یہ باتیں کہیں۔ وزیر اعلیٰ کی یہ تقریر ۱۵ راگست ۸۵ء کی شام کو آل انڈیا ریڈیو، کلکتہ اور دوردرشن سے نشر کی گئی تھی۔ انکی اس تقریر کا متن درج ذیل ہے :

ملک کی آزادی کی ۳۸ ویں سالگرہ کے موقع میں مجھے اپنے عوام کے لئے نیک خواہشات کے اظہار کرنے میں دلی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ آج کے دن ہمیں اس بات کا بھی موقع ملتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں ہم خلوص کے ساتھ عظیم مجاہدین کے ایثار کو یاد کریں کیوں کہ ان کی بے لوث خدمات اور قربانیوں سے ہی ہمیں آزادی ملی ہے۔ آج ہمیں اس بات کا عہد کرنا چاہئے کہ ان ہستیوں نے جن کارہائے عظیم کے لئے جدوجہد کی تھی انہیں ہم پایۂ تکمیل تک پہونچائیں۔

سیاسی آزادی کی حصولیابی بذاتِ خود مقاصد کا اختتام نہیں ہے۔ قوم کو ان تمام باتوں سے خود کو آراستہ کر لینا چاہئے کہ ہمارے آزاد سیاسی نظام کو اہم اور نمایاں کام کاج کے لئے بروئے کار لایا جا سکے۔ ہمارے وفاقی جمہوری سیاسی نظام کا انحصار مرکز اور ریاستوں کے درمیان صحیح تعلقات اور سوجھ بوجھ پر ہے۔ اس نظام کو بہتر طور پر روبہ عمل لانے کے لئے ملک کے تمام علاقوں کے لوگوں کو درمیان اتحاد اور تعاون کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ ملک کو کمزور بنانے والی سرگرم طاقتوں کو سب سے الگ تھلگ کر کے انہیں قوم کی وحدت اور سالمیت کے مفاد کی خاطر مکمل طور پر شکست دینی چاہئے۔ گزشتہ سال وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل سے ملک کو شدید نقصان پہونچا۔ ان کے قتل کے پیچھے جو پلاٹ ہے اسے کھوج نکالنا چاہئے تاکہ ملک کے اندر اور باہر رجعت پسند عناصر کی شناخت کی جا سکے کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے ہی ہماری جمہوریت اور خود مختاری کو مسلسل خدشہ لاحق رہتا ہے۔ ہماری تاریخ کا موجودہ دور ہم سبھوں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ ہم قومی ڈھانچہ کو مستحکم بنانے کے لئے اپنی چوکسی کی سرگرمیوں کو اور بھی تیز کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارے عوام کے جمہوری حقوق اور شہری آزادی کو کسی طرح سے محدود نہ بنایا جائے بلکہ انہیں اور بھی وسعت دی جائے۔

ہمیں اس بات سے مسرت حاصل ہوئی کہ ملک کی بنیادی اور بھاری صنعتوں نے حالیہ برسوں میں نمایاں ترقی کی ہے۔ آج ہندوستان بجا طور پر اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس کے پاس بہترین انجینئر، سائنسداں اور تکنیکی افراد ہیں۔ لیکن یہ افسوس کی بات ہے کہ آزادی کے بعد ۳۷ سال کا عرصہ گزر چکا لیکن اب تک معاشی محاذ میں ملک کی رفتار ترقی میں تیزی نہیں آئی۔ ہمارے عوام کی بڑی اکثریت آج بھی ضروریات زندگی کی بہت سی چیزوں سے محروم ہیں، حالانکہ اب تک ایسی چیزیں انہیں فرا

چاہئیں امیروں اور غریبوں کے درمیان بڑھتا ہوا اختلاف اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری ہماری معاشی منصوبہ بندی کی اہم ناکامیوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ ہمارے عوام کی اکثریت کی ضروریات زندگی کی بنیادی ضرورتیں ابھی تک پوری نہیں کی گئیں۔ مسلسل پنجسالہ منصوبوں سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوسکے۔ اس کی وجوہ معیشت میں ڈھانچہ جاتی تبدیلیاں لانے کے لئے ترجیحات میں غلطیاں اور مقاصد کی کمی ہیں۔ چونکہ ساتواں منصوبہ مرتب کیا جا رہا ہے، اس لئے اب ہمارے منصوبہ مرتب کرنے والوں کے لئے یہ لازمی بن چکا ہے کہ وہ نئے سرے سے صورت حال کا جائزہ لیں اور ترجیحات کو پھر سے مرتب کریں۔ بہت عرصہ قبل ہم نے گزشتہ مرکزی بجٹ کی بابت اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا کہ ہماری عام معیشت پر اس بجٹ کا ناموافق اثر پڑے گا اور اس سے عام لوگوں کے مفادات بری طرح متاثر ہوں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس صورت حال کو فی الحال زیر غور رکھا جائے گا۔ دولت کے ارتکاز، غربت اور جہالت کو دور کرنے کی جدوجہد کو اور بھی مرکوز طور پر جاری رکھنا چاہئے اور سرگرمیوں کے تمام شعبوں میں روزگار کے کافی مواقع پیدا کرنے کے لئے اور بھی بہت سارے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ نوجوان طاقت کی جھنجھلاہٹ کو بھی دور کرنا چاہئے۔ اور اس کے لئے انہیں بسر اوقات کے لئے روزگار اور دیگر سہولتیں فراہم کرنی چاہئیں۔ ان نوجوانوں کی اسپورٹس اور ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت ایک سماجی ضرورت ہے۔ گرچہ اصلاحات آراضی کی بابت بڑی بڑی باتیں کہی جاتی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ملک کے بہت سارے علاقوں میں اس سلسلے میں کوئی خاص قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اگر اس پروگرام پر زور دیا جائے تو سارے ہندستان میں لوگ اس سے کافی مستفید ہوں گے۔ دیہی غریب لوگوں کی قوت خرید میں بہتری ہونے کے ساتھ دیہی علاقوں کے مناظر میں کافی تبدیلیاں رونما ہوں گی اور ان کا صنعتی سیکٹر پر اچھا خاصا اثر پڑے گا۔

بلاشبہ مغربی بنگال کے عوام کی بیداری اور شعور خراج تحسین کے مستحق ہیں کیوں کہ لوگوں نے جمہوری نصب العین کو اپنایا۔ مختلف ذات پات، مذہب اور زبان کے لوگ سب ایک ساتھ رہتے ہیں اور زندگی کے حسب معمول کام کاج میں مصروف ہیں۔ ہماری حکومت گمراہ عناصر پر کڑی نظر رکھتی ہے تاکہ وہ اس ریاست میں زندگی کے تیز بہاؤ میں خلل ڈالنے کے لئے اپنے بدنما سر نہ اٹھا سکیں۔

۱۹۷۷ء سے ہم لوگ مغربی بنگال میں جمہوری اداروں کو مستحکم بنانے کے لئے تمام ضروری اقدامات کر رہے ہیں۔ پنچایتوں، میونسپلٹیوں اور کارپوریشنوں کے لئے انتخابات ہوئے تاکہ جمہوری لامرکزیت قائم کی جا سکے اور یہ لامرکزیت تمام سطحوں پر عوام کے حقوق اور سہولتوں کی ضمانت کی متلاشی ہوتی ہے۔ کلکتہ کے شہریوں کو بہت دنوں کے بعد کلکتہ میونسپل کارپوریشن میں اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کے لئے ووٹ ڈالنے کے مواقع فراہم کئے گئے۔ لوگوں کو بہتر خدمات فراہم کرنے کے لئے اس ریاست کے مختلف جمہوری اداروں کو مستحکم بنا دیا گیا ہے۔ ہم نے اس بات پر زور دیا کہ پنچایتوں کی سرپرستی میں دیہی ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لایا جائے۔ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اس کے ساتھ اس بات کی بھی مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں کہ شہری آبادی کو اور بھی زیادہ سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اس ریاست میں صنعتی صورت حال میں کافی بہتری ہوئی ہے اور اب یہاں چند جدید صنعتی پروجیکٹوں پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ہماری بہترین کوششوں کے باوجود شہری سیکٹر میں سرگرمیوں کے چند شعبے مسائل اور مشکلات سے دوچار ہیں۔ بہت ہی اہم بات یہ ہے کہ مغربی بنگال میں حکومت اور لوگوں کے درمیان بہت ہی قریبی ربط و ضبط قائم ہے۔ حکومت کو عوام کی مکمل تائید حاصل ہے۔

چونکہ ہمارے ملک میں تمام صحیح انداز فکر کے لوگ ہمارے ملک کی وفاقیت کی شان و شوکت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے وہ سب اس بات کے خواہاں ہیں کہ مرکز۔ ریاست تعلقات کی راہ میں جتنی توڑ مروڑ اور کمی پیدا ہوئی ہے اسے دور کر دیا جائے۔ مختلف مسائل پر ثنا بر پانے کے لئے مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات اور وسائل کی از سر نو تقسیم کافی معاون ثابت ہوگی۔ چونکہ ہماری منزل اور ہمارا نشانہ ایک مستحکم اور متحدہ

ہندستان ہے اس لئے خود اعتمادی اور سماجی انصاف کی ضمانت دینی ہوگی۔ کوئی بھی آزاد ملک بہت دنوں تک باہر کی طاقتوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ ایک ملک میں، جو اپنی خود اعتمادی کے پروگراموں کو بر سرِ عمل لانے میں ناکام رہتا ہے، نو سامراجی طاقتیں داخل ہو جاتی ہیں۔

لوگوں کے درمیان معاشی فرق ایک ترقی پذیر ملک کے لئے ایک اہم رکاوٹ ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ تمام سماجی ذات پات اور فرقوں کے لوگوں کے درمیان انصاف کی تقسیم ہو۔ ہمارے ملک میں ذات پات کے تنازعات ڑے ہمارے پر رونما ہو رہے ہیں، اور یہ بات ہم سبھوں کے لئے باعثِ تشویش ہے۔ سماجی پس ماندگی کو دور کرنے اور علاقوں کے درمیان معاشی عدم توازن کو ختم کر دینے سے اس صورتحال میں یقیناً بہتری ہوگی۔ ہمارے جمہوری نظام میں تخویف پسندی کی کوئی جگہ نہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مختلف جماعتوں اور فرقوں کے لوگوں کے درمیان سوجھ بوجھ اور میل ملاپ کی فضا قائم ہے۔ قومی یکجہتی کو برقرار رکھنا اور اسے فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہمیں اس بات کو ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ آئیے ہم سب مل کر ایک ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر کام کریں تاکہ پوری قوم کے لئے ہم ترقی اور خوشحالی کو اجاگر کر سکیں ٭٭٭

تحقیقاتی پروجکٹس کے لئے ریاستی امداد

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال سائنس اور ٹکنالوجی کمیٹی کو اس کے دو تحقیقاتی پروجکٹس "سٹالائٹ ڈاٹا کے ذریعہ ۲۴ پرگنہ اضلاع میں واقع مشرقی ہگلی کی ندیوں میں جمی ہوئی ریت کی شرح کا جائزہ" اور "دارجلنگ میں واقع ہمالیہ کا ماحول، معیشت انسان اور اس کی جائے پیدائش میں تبدیلی" کے لئے ۲۱ء۲ لاکھ روپئے بطور امداد دینے کی منظوری دے دی ہے ٭٭٭

بائیلر سازی کیلئے غیر ملکی تکنیکی معلومات کی فراہمی

جو حضرات بائیلر سازی کے لئے غیر ملکی تکنیکی معلومات فراہم کرنے کے لئے خواہشمند ہیں انہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ نقشے، سامانوں کی تفصیلات، خاکے وغیرہ بائیلر سازی کی منظوری کے سلسلے میں چیف انسپکٹر آف بائیلرس، حکومتِ مغربی بنگال، نیو سکریٹریٹ بلڈنگ، کلکتہ۔ ۱ کو جمع دے دیں۔ ہندستانی بائیلرس قانون ایکٹ ۱۹۵۰ کے تحت یہ لازمی قرار پاتا ہے کہ بائیلر سازی کے کام کے شروع ہونے سے بہت پہلے ہی اس طرح کی منظوری حاصل کر لینی چاہئے ٭٭٭

ایک یا دو اسٹار ہوٹلوں کیلئے ریاستی وضاحت کمیٹی

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال میں واقع ہوٹلوں کو ایک اور دو اسٹار پر منقسم کرنے کے سلسلہ میں شعبۂ سیاحت کے سکریٹری کی سربراہی میں ایک ریاستی وضاحت کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ ماضی میں حکومتِ ہند بھی اس امر کو اپنا چکی ہے۔ بہرکیف حکومتِ ہند کے شعبۂ سیاحت دو سے زائد اسٹار والے ہوٹلوں کی وضاحت کی طلبگار درخواستوں پر غور کرے گا۔

ایک اسٹار اور دو اسٹار کے تحت ہوٹلوں کے لئے درخواست کے فارم اور اس سلسلہ کے دوسرے کاغذات سیاحت کے ڈائرکٹر اور ممبر سکریٹری کے دفتر، ریاستی وضاحت کمیٹی، شعبہ سیاحت، ۲ برابورن روڈ، کلکتہ۔ ۱ میں دستیاب ہیں ٭٭٭

صنعت وحرفت

جب ملک آزاد ہوا تھا اس وقت ہندستان کی صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ریاستوں میں مغربی بنگال کا نام سر فہرست تھا، لیکن بعد کے برسوں میں مغربی بنگال کی یہ حالت برقرار نہ رہی اور پانچویں دہائی کے شروع سے ہی تنزلی کا دور شروع ہوگیا، اس صنعتی تنزلی کے بہت سارے اسباب ہیں۔ مساوی کرایہ اور خام اشیاء کی بہت زیادہ قیمت اسکیم پر مرکزی حکومت عمل پیرا ہے اور جس کی وجہ سے صنعتوں کے لئے خام اشیاء کے سلسلے میں مشرقی ہندستان کی تمام ریاستوں کے ساتھ امتیاز برتا گیا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر میں صنعت کاروں کا مغربی بنگال میں کمائے نفع کی کچھ رقم کو اس ریاست میں نئی سرمایہ کاری اور اپنی اپنی یونٹوں کو جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے خرچ کرنے میں پس و پیش کرنا، اس ریاست میں اہم صنعتوں مثلاً الیکٹرونکس اور پیٹرو۔کیمیکلس میں سرمایہ کاری کرنے سے مرکزی حکومت کا انکار، گرچہ اب تک حکومت نے حال ہی میں دو پروجیکٹوں یعنی دانکونی میں کوئلہ گیس پروجیکٹ اور فالتا میں برآمدات پروسیسنگ علاقہ میں سرمایہ کاری کی، اس ریاست میں صنعتوں کو ریلویز اور دیگر مرکزی ایجنسیوں کی طرف سے دیے گئے آرڈرس میں کمی کرنے کی قصداً کوشش، بہت سارے مواقع میں مغربی بنگال میں صنعتوں کے لئے لائسنس دینے سے مرکزی حکومت کا انکار اور یہاں کی صنعتوں کو مالی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے سرد مہر رویئے، یہ تمام باتیں موجودہ صنعتی صورتحال کے لئے ذمہ دار ہیں۔

مغربی بنگال میں صنعتوں کو تباہ کرنے کے لئے اس طرح سے قصداً کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن اس ریاست کی بائیں محاذ حکومت نے ان تمام باتوں کو چپ چاپ برداشت نہیں کیا۔ اس ریاست میں بائیں محاذ حکومت کو برسر اقتدار آتے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔ اس عرصہ میں اس نے اس ریاست میں صنعتی تنزلی کے اس رجحان کو نہ صرف روکا بلکہ صنعتی ترقی کے لئے اس نے بہت سارے اقدامات بھی کئے۔ کئی برسوں کے سکوت کے بعد اس ریاست میں صنعتیں اب ترقی کی راہ پر آہستہ آہستہ گامزن ہوتی جا رہی ہیں۔

اگر گذشتہ چند برسوں کے اعداد و شمار پر غور کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ اس ریاست میں صنعتیں ترقی کے راستہ پر آگے بڑھتی جا رہی ہیں، اگرچہ ان کی رفتار کچھ سست ہے۔ سرمایہ کاری کی رقوم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بڑھاوا اسکیم ۱۹۸۴ء بہت ساری صنعتوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور صنعتی لائسنسوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن نے اس ریاست میں صنعتوں کے لئے سنہ ۸۴-۸۳ء میں ۲۰ر۰۲ کروڑ روپئے اور سنہ ۸۵-۸۴ء میں ۲۳ر۰۶ کروڑ روپئے فراہم کئے۔ بڑھاوا اسکیم کے تحت سنہ ۸۴-۸۳ء میں ۱۶ر۴ کروڑ روپئے اور سنہ ۸۵-۸۴ء میں ۲۰ر۷ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ ہندستان کے صنعتی ترقیات بینک نے دوسری بار مالی سہولتیں فراہم کرتے ہوئے صنعتوں کو سنہ ۸۴-۸۳ء میں ۲۹ر۵ کروڑ روپئے اور سنہ ۸۵-۸۴ء میں ۱۰ر۷ کروڑ روپئے فراہم کئے۔ صنعتی لائسنس کی تعداد میں سنہ ۱۹۸۳ء کے مقابلہ سنہ ۱۹۸۴ء میں ۱۰ فیصد اضافہ ہوا اور صنعتی منظوری کی تعداد سنہ ۸۳ء میں ۲۲۴ تھی جو بڑھ کر سنہ ۱۹۸۴ء میں ۲۵۰ ہو گئی۔

اِس سال ۱۴ / مئی کو کمپنیوں کے ڈبلیو ای بی ای ای ایل گروپ کے فلپس اور اسی طرح کی دو اور یونٹوں کی ایک بڑی الیکٹرونکس صنعت کا افتتاح کیا گیا۔ نیز ۲۲ / مئی مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن کے پیٹرو کیمیکلس ڈویژن اور شری آر۔ پی۔ گوئنکا اور ان کے بیٹے شری سنجیو گوئنکا کے درمیان ہلدیہ پیٹرو کیمیکلس کے لئے ۵۴۹ کروڑ روپئے کے مشترکہ سیکٹر کے لئے معاہدہ ہوا۔ ان دونوں باتوں کی وجہ سے اب یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ریاست اب یقینی طور پر صنعتی احیاء کی راہ پر گامزن ہو چکی ہے۔

سالٹ لیک، کلکتہ میں الیکٹرونکس صنعت اور ہلدیہ میں پیٹرو کیمیکلس صنعت کے لئے مغربی بنگال کے لوگوں نے بہت عرصہ تک انتظار کیا اور انہیں اس بات کی امید تھی کہ مرکزی حکومت ان دونوں پروجیکٹوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گی لیکن مرکز نے ان پروجیکٹوں کے سلسلہ میں کچھ نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔ اس لئے اس ریاست کے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ یہ پروجیکٹس تشنۂ تکمیل رہ جائیں گے اور بائیں محاذ کے لئے مغربی بنگال کے خلاف مرکز کا امتیاز صرف مہم چلانے کا موضوع بن کر رہ جائے گا۔ اس پس منظر میں جب انہیں یکایک یہ بات معلوم ہوئی کہ مرکز کے عدم تعاون کے باوجود ان دونوں پروجیکٹوں نے حقیقت کے جامے پہن لئے ہیں تو انہیں تعجب تو ہوا، لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ بائیں محاذ حکومت نے اس کام کو کر دکھایا۔ پہلے دور میں سالٹ لیک میں ۴۰ ایکڑ قطعات اراضی الیکٹرونکس کی صنعتوں کے لئے مخصوص کر دئے گئے۔ یہاں چند یونٹوں نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہت ساری یونٹوں کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ اس کمپلکس کے کل قطعات اراضی صنعتی یونٹوں کو دے دئے گئے ہیں۔ دوسرے دور میں سالٹ لیک کے ۱۳۹ ایکڑ قطعات اراضی الیکٹرونکس صنعت کے لئے مختص کئے گئے۔ یہاں قطعات اراضی کو الاٹ کرنے، عمارتوں کی تعمیر وغیرہ کا کام بہت جلد شروع کر دیا جائے گا۔ قومی اور غیر ملکی اور غیر مقیم ہندوستانی کاروباریوں نے

اس کومپلکس کا خیر مقدم کیا۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ یہ کومپلکس بہت ہی جلد ترقی کرے گا اور سارے ملک میں سب سے بہترین الیکٹرونکس کومپلکس بن جائے گا۔ اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ نہ صرف کلکتہ میں بلکہ اضلاع میں بھی ایسے الکٹرونکس کومپلکس قائم کئے جائیں۔

ہلدیہ میں نظر ثانی کردہ پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ میں سرمایہ کاری کے لئے ۵۴۹ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔ اس پروجیکٹ سے ۲۵۰۰ افراد کو براہ راست روزگار فراہم کیا جائے گا، لیکن اس کی معاون صنعتوں میں تقریباً دو لاکھ افراد کے لئے روزگار فراہم کرنے کے امکانات کافی روشن ہیں۔ اس پروجیکٹ کے لئے ریاستی حکومت نے اب تک تقریباً ۵ر۵ کروڑ روپئے خرچ کئے۔ اس بات کا امید کی جاتی ہے کہ ڈیڑھ سال کے اندر اس پروجیکٹ کی چند یونٹیں چالو ہو جائیں گی اور تقریباً ۵ سال کے عرصہ میں اس پروجیکٹ کا کام مکمل ہو جائیگا

فالتا میں برآمدات پروسیسنگ علاقہ، جس پر تیزی سے کام ہو رہا ہے، کے ساتھ ساتھ الیکٹرونکس اور پیٹروکیمیکلس کے پروجیکٹوں نے مغربی بنگال میں صنعتی فضا کو جلا بخشی۔ اور اب کاروباری، یہاں کاروبار کرنے کے لئے آرہے ہیں۔

اس ریاست میں صنعت کاری کے میدان میں ان نئے ترقیاتی اقدامات کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ بائیں محاذ حکومت کی صنعتی پالیسی کی بابت وضاحت کے ساتھ کچھ کہا جائے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ بائیں محاذ حکومت عوامی سیکٹر کو اہمیت نہیں دیتی۔ حکومت تو عوامی سیکٹر کی حامی رہی ہے۔ ۱۳ صنعتی یونٹوں کی ذمہ داریاں مرکزی حکومت نے سنبھالیں اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں ریاستی حکومت کو سونپی گئیں۔ ان میں تین یونٹوں یعنی ایلسن ڈسٹیلریز، شری سرسوتی پریس اور نیشنل آئرن کو ریاستی حکومت نے قومیا لیا۔ لیکن اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اس ملک کے اقتصادی و سماجی ڈھانچہ میں آج ریاست میں عوامی سیکٹر اداروں کی توسیع کے امکانات بہت محدود ہیں۔ ریاستی حکومت کے محدود وسائل ہیں اور اس ریاست میں عوام

کی فلاح و بہبود کے اخراجات کے لئے بہت سارے ترجیحی سیکٹر جیسے صحت عامہ، تعلیم، آبپاشی، سڑکوں کی تعمیر، بجلی وغیرہ ہیں۔ ان کے بعد صنعت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ عوامی سیکٹر کی توسیع کے لئے بجٹ کی تائید کے ساتھ اس طرح کے ایک بڑے پروگرام کو روبہ عمل لایا جائے بلاشبہ بنک اور دیگر مالیاتی ادارے اس سلسلہ میں مثبتی خدمات فراہم کر سکتے ہیں کیوں کہ وہ مالی امداد فراہم کر سکتے ہیں لیکن بدقسمتی سے مغربی بنگال میں ان اداروں سے ہماری صنعتوں کے لئے کافی رقوم فراہم نہیں کی جاتیں۔ اس طرح کی ایک عجیب و غریب صورتحال میں یہاں صنعت کے لئے صرف پرائیویٹ سیکٹر، اگر وہ چاہے تو کچھ کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے بائیں محاذ حکومت پرائیویٹ سیکٹر کی ہمت افزائی کرنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ وہ آگے بڑھے اور یہاں سرمایہ کاری کرے۔

سماجی ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ریاستی حکومت دستیاب پرائیویٹ سیکٹر کے شرکت داروں کے ساتھ مشترکہ سیکٹر پروجیکٹوں میں شامل ہو رہی ہے۔ یہ بائیں محاذ حکومت کے لئے ایک نیا تصور نہیں ہے۔ یہ اس پالیسی پر شروع ہی سے یعنی ۱۹۷۷ء سے گامزن ہے۔ ایکٹ وکس میں دیبل۔ نکو اور گوئنکا کے ساتھ ہلدیہ پیٹرو کیمیکلس ایسے مشترکہ سیکٹر کے پروجیکٹوں کی حالیہ مثالیں ہیں۔ مشترکہ سیکٹر میں شرکت کے معنی یہ نہیں کہ حکومت نے پوری ذمہ داری پرائیویٹ انتظامیہ پر چھوڑ دی۔ ٹیکو اور گوئنکا کے ساتھ مشترکہ سیکٹر پروجیکٹوں میں ریاستی حکومت نے اس طریقہ سے شرکت کی کہ ریاستی حکومت کمپنی کے کل سرمایہ کا ۲۶ فیصد فراہم کرے گی، پرائیویٹ پارٹی ۲۵ فیصد اور باقی ۴۹ فیصد حصص کھلے بازار سے حاصل کئے جائیں گے۔

بائیں محاذ حکومت اس ریاست کے صنعتی میدان میں غیر ملکی کمپنیوں یا کثیر الاقوام کارپوریشنوں کے کھلے داخلہ کے خلاف ہے۔ لیکن اعلیٰ ٹکنالوجی کے میدان میں جہاں دیسی کاروباری آگے نہیں بڑھتے، وہاں غیر ملکی کمپنیوں کی محدود طور پر اور بلاشبہ ان پر عاید شرائط کے مطابق، شرکت ممکن ہے۔ ان کمپنیوں سے

یہ شرط خاص طور پر وابستہ ہے جنہوں نے کافی حد تک خود کو ہندوستانی بنا لیا ہے۔

اس ریاست کی پاٹ، سوتی کپڑے، کیمیاوی اشیاء، انجینئرنگ اور چائے کی روایتی اور پرانی صنعتوں کو جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے ایک مرکوز پروگرام کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا بھی نہ کر سکیں تو دیگر ریاستوں کی ایسی جدید طرز پر ڈھالی گئی صنعتیں ہمیں بازار سے باہر دھکیل دیں گی۔ اس سے صنعتیں بیمار ہوتی جائیں گی اور عام طور پر مندے کا دور شروع ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں کمپیوٹرس کے استعمال کی ہمت افزائی کی جانی چاہئے۔ لیکن اگر مدت یا کمپیوٹر کے استعمال سے چھنٹائی شروع ہو جائے تو ہم یقیناً اس کے استعمال کے خلاف ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ریاستی حکومت کے زیر انتظام بہت سارے عوامی اداروں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ان یونٹوں کی حالت تو شروع ہی سے ابتر تھی۔ لیکن اس سلسلے میں ریاستی حکومت خاموش نہیں رہ سکتی۔ ریاستی حکومت جدید طریقہ کار کو اپنا کر، ٹکنالوجی میں بہتری لا کر اور مصنوعات میں تنوع پیدا کر کے ان یونٹوں کو چالو رکھنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ایسی یونٹیں نفع بخش طریقے سے اپنے اپنے کاروبار کو جاری رکھ سکیں۔ ان یونٹوں کو موثر طور پر چلانے کیلئے عوامی اداروں کے ورکروں کو بھی ایک مخصوص ذمہ داری نبھانی پڑتی ہے۔

اس ریاست میں صنعتی بیماری اب ہمارے لئے ایک شدید مسئلہ بن چکی ہے۔ بہت ساری چھوٹی، متوسط درجہ کی اور بڑی صنعتی یونٹیں یا تو بیمار پڑی ہیں یا بند ہو چکی ہیں۔ صرف مغربی بنگال ہی اس مسئلہ سے دوچار نہیں ہے بلکہ یہ کل ہند مسئلہ ہے۔ لیکن ہم اس مسئلہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہاں بھی بیماری کے لئے اہم ذمہ داری مرکز پر عاید ہوتی ہے۔ مساوی کرایہ، مرکزی ایجنسیوں سے دئے جانے والے آرڈرس میں کمی، صنعتوں کو بروقت مالی رقوم فراہم کرنے میں بنکوں اور مالیاتی اداروں کی ناکامی اس بیماری کے لئے ذمہ دار ہیں۔ مزید برآں کاروباریوں کے مابین تنازعات، انتظامیہ کی کوتاہی، محنت کاری کے طریقہ

سکار کو اپنانے میں اور ٹکنالوجی کو بہتر بنانے میں ناخبر بھی ایسی بیماری کے لیے ذمہ دار ہیں۔ مرکزی حکومت نے بیمار یونٹوں کے مسائل کی دیکھ بھال کرنے اور انہیں حل کرنے کے لئے آئی۔ آر۔ سی۔ آئی (اب آئی۔ آر۔ بی۔ آئی) کی تشکیل کی تھی، لیکن اس ادارہ کی کارگزاری بھی مایوس کن رہی۔

ان بیمار صنعتی یونٹوں کی احیائے نو کے لئے بائیں محاذ حکومت نے اپنے محدود اختیارات کے تحت، جو کچھ ممکن ہو سکا کیا۔ ریاستی حکومت نے جن یونٹوں کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں ان میں سے چند یونٹوں کو قومیا لیا ہے اور اسی طرح کی دیگر یونٹوں کو بھی قومیانے کے لئے وہ تیار ہے، لیکن ان یونٹوں کو قومیانے کے لئے مرکزی حکومت نے بڑی کڑی شرط عاید کر دی ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ ایسی یونٹوں کو قومیانے کے لئے ریاستی حکومت کو، ان یونٹوں کی ذمہ داری، ان کے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل اور بعد میں بنکوں اور دیگر مالیاتی اداروں سے جو قرض تھے ان کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی لینی ہوگی۔ ریاستی حکومت تو اس بات پر رضامند ہے کہ اس دن سے جب اس نے ان یونٹوں کے انتظامیہ کے ذمہ داریاں سنبھالی ہیں، ایسی یونٹوں کے قرض کی ادائیگی کی وہ ذمہ داری سنبھال لے گی اور ایسی حالت میں معاوضہ بھی ریاستی حکومت دینے کو تیار ہے، لیکن پرائیویٹ سیکٹر کی ایسی یونٹوں کے مالکوں کے قرض کی ذمہ داری ریاستی حکومت کیوں قبول کرے گی۔

اس ریاست میں عام طور پر صنعتی حالت میں بہتری کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سیکٹر کی چند پارٹیاں کچھ بیمار اور بند صنعتی یونٹوں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے آگے بڑھی گئی۔ ان میں سے چند یونٹیں تو کو آپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعہ چلائی جا سکتی ہیں، اور ایسی سوسائٹیاں خود ان یونٹوں کے ورکر ہی قائم کریں گے۔

چوں کہ اس ریاست میں صنعتی فضا سازگار ہوتی جا رہی ہے اس لئے یہ ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ہم تمام ممکنہ طریقوں سے صنعتی رفتار کو تیز تر کر دیں۔ اگر اس ریاست میں صنعتوں کی تعداد میں پھر اضافہ ہوگا تو اس سے پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ اس کی وجہ سے ہماری معیشت کی رفتار ترقی تیز ہو جائیگی اور اس طرح ہم بہت حد تک اپنے بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کر سکیں گے ٭٭٭

بہادری کیلئے "۱۹۸۴" گورنر میڈل

مغربی بنگال کے گورنر نے ہگلی میں واقع کمال پور گاؤں کے شیخ زین العابدین کو نمایاں بہادری اور ایثار پر ۱۹۸۴ء کا فائر بریگیڈ کا رمکھرجی سلور میڈل سے نوازا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۸۴ء کو شیخ زین العابدین نے مقامی لوگوں کی مدد سے ہگلی میں واقع کمال پور گاؤں کے قریب ایک بس کھڈ میں گر جانے کے باعث ۶ عدد لاشوں اور اس میں پھنسے لاتعداد گھایل مسافروں کو نکالا لیکن ایسا کرتے ہوئے خود ان کا دایاں ہاتھ بری طرح زخمی ہو گیا۔ ان کے داہنے ہاتھ کی انگلیاں مفلوج ہو گئیں اور طبی طور پر انہیں معذور قرار دے دیا گیا۔ اپنی جان کو زبردست خطرہ میں ڈال کر شیخ زین العابدین کی یہ بے مثال بہادری اور اعلیٰ انسانی قدریں قابل ستائش ہیں ٭٭

بقیہ، تعمیرات عامہ (سڑک)...

افتادہ علاقوں میں بھی مکانات کی تعمیر سے متعلق پروجیکٹس پر کام ہو رہا ہے۔

کلکتہ میں چند مکانات کی تعمیر سے متعلق پروجیکٹس کافی مشہور ہیں۔ اور کامیاب بھی ہیں مثلاً کرونا موئی، سالٹ لیک (کل ۱۸۶۴ فلاٹ) پرباجال، سالٹ لیک (دوسرا ۲۲۶۴ فلاٹ اور مکانات)، گولف گرین (۱۴۱۸ فلاٹ اور مکانات)

خوراک اور رسد

شعبۂ خوراک اور رسد کا اہم کام عوام میں مناسب قیمت اور کم سے کم مانگ کی بنیاد پر چاول، گیہوں، چینی اور مصارف کی چند ضروری چیزوں کی مسلسل سپلائی کا انتظام کرنا ہے اور اس بات کی دیکھ بھال کرنا ہے کہ تقسیم کا نظام تیزی سے جاری ہے یا نہیں۔

۱۹۷۷ء سے قبل ریاست کی ۲۰ فیصد آبادی قانونی راشننگ نظام کے تحت تھی۔ اس نظام کے تحت چینی، چاول اور گیہوں سپلائی کئے جاتے تھے۔ مضافات میں جزوی راشننگ علاقوں میں ان اشیاء کی سپلائی شاذ و نادر کی جاتی تھی۔ بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد مصارف کی چودہ ۱۴ لازمی اشیاء کی راشننگ کی سفارش کی۔ اس حکومت نے دال، کھانے کا تیل، نہانے اور دھونے کا صابن، جنتا ساڑی، کاپی، ماچس، موم بتی، مسالے سفوف، کراسن تیل، سیمنٹ (محصول شدہ) وغیرہ کی تقسیم کے نظام کو نہ صرف قانونی راشننگ کے علاقوں میں بلکہ جزوی راشننگ کے علاقوں میں بھی رائج کیا۔ اس ریاست کو بہت ساری لازمی اشیاء کی باضابطہ سپلائی کے لیے مرکز اور دوسری ریاستوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جب کبھی فوڈ کارپوریشن آف انڈیا ان ضروری اشیاء کی سپلائی ٹھیک وقت پر دینے میں ناکام ہوتا ہے اور یہ سپلائی ریلوے نظام کی غفلت اور لاپروائی کا شکار ہوتی ہے تو تقسیم کا نظام بھی اس سے جزوی طور پر متاثر ہوتا ہے۔

۱۹۷۷ء تک اس ریاست کی ۶۰ فیصد آبادی کے پاس راشن کارڈ تھے۔ ان مذکورہ تقریباً ہر شخص کے پاس راشن کارڈ ہے [illegible] عوام راشن کی حصولیابی کی سہولتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔

اس بات کے پیش نظر کہ مضافاتی بنگال کے دور افتادہ علاقوں کے عوام عوامی تقسیم نظام کی سہولتوں سے مستفید ہو سکیں، بائیں محاذ حکومت نے ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی کی سطح پر مستقل ادارہ قائم کیا اور میونسپلٹیوں کی سطح پر اسٹینڈنگ کمیٹی کی تشکیل کی۔ مزید برآں یہ حکومت فروری ۱۹۸۴ء سے مناسب قیمت پر کھانے کے تیل تقسیم کر رہی ہے۔ چوں کہ اس کی نہ صرف مضافاتی علاقوں میں بلکہ شہری علاقوں میں بھی بہت زیادہ مانگ ہے۔

عوامی تقسیم کے نظام کے ذریعہ ۱۹۸۲ء میں ۲۸ لاکھ ٹن، ۱۹۸۳ء میں ۲۹ لاکھ ٹن اور ۱۹۸۴ء میں ۲۲ لاکھ ٹن غذائی اجناس تقسیم کی گئیں۔ تقسیم کاری کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے شعبۂ خوراک و رسد کے تحت "مغربی بنگال لازمی اشیاء سپلائی کارپوریشن" کی تشکیل کی گئی۔ اس کارپوریشن کے ذریعہ چاول، دال، کھانے کا تیل، سیمنٹ اور نمک جیسے لازمی اشیاء کی تقسیم کی گئی۔ اس کارپوریشن نے ریپ سیڈ تیل صاف کرنے کا ایک کارخانہ اور ایک پیکنگ پلانٹ یونٹ قائم کیا۔ ریاستی حکومت کے زیر اختیار چند اداروں میں سے ایک یہ ادارہ ہے جو منافع پر چل رہا ہے۔

میزان

خوراک اور رسد ایک نظر میں

		۱۹۷۶-۷۷ء		۱۹۸۵-۸۶ء
۱۔ سالانہ بجٹ۔	-	۱۶۹۱۱۹۰۰۰ روپئے	-	۳۲۳۴۶۰۰۰۰ روپئے
۲۔ قانونی راشن دکانوں کی تعداد	-	۲۷۱۴	-	۲۷۳۱
۳۔ جزوی راشن دکانوں کی تعداد	-	۱۵۰۴۹	-	۱۶۰۰۰
۴۔ عوامی تقسیم کے نظام کے ذریعہ تقسیم کردہ اناج کی مقدار۔		۱۶۱۲۵۰۰ (میٹرک ٹن)	-	۲۲ لاکھ میٹرک ٹن
۵۔ کھانے کے تیل کی سپلائی۔		۸۰۰ میٹرک ٹن	-	———
۶۔ کراسن تیل	———	۳۴۹۴۱۰ میٹرک ٹن	-	۲۷٫۵ لاکھ میٹرک ٹن (۱۹۸۴ء میں)
۷۔ چینی	———	———	-	۲٫۹۸ لاکھ میٹرک ٹن (۱۹۸۴ء میں)

مرکزی حکومت کی پالیسی کے تحت لازمی اشیاء اور پٹرول کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ فوڈ کارپوریشن آف انڈیا بھی اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے چاول اور گیہوں کی قیمتوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت حال کے تحت ریاستی حکومت نے ایک کروڑ روپئے کا نقصان برداشت کرنے کے باوجود راشننگ کے تحت چاول اور گیہوں کی قیمتوں میں کم از کم اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مرکزی حکومت کے منصوبے اور پالیسی پر ہی قیمتوں کے اشاریہ کے اتار چڑھاؤ کا انحصار ہے۔ اس لئے بائیں محاذ حکومت نے مرکزی حکومت سے لازمی اشیاء کے لئے کل ہندستان قیمت تعین کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس لئے مرکزی حکومت کو چاہئے کہ وہ تمام ریاستی حکومت کو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری امداد فراہم کرے۔

آج بھی مغربی بنگال میں روزمرہ کی ضروری چیزوں کی قیمتیں ملک بھر میں سب سے کم ہیں، اور اس سلسلے میں ریاست مغربی بنگال وسیع پیمانے کے منظم عوامی تقسیم کے نظام، جو دور افتادہ مضافاتی آبادی کی ضروریات کو پورا کر رہا ہے، پر ناز کر سکتی ہے۔ عوامی تعاون کے بغیر حکومت کے لئے قیمتوں کی سطح کو برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے ٭٭٭

"مغربی بنگال" کے ۱۵ اگست کے شمارے میں صفحہ ۵۱ پر ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب کی جو غزل شائع ہوئی تھی اس کا مطلع دراصل یوں ہے ۔

تھی صدائیں کتنی پہ ہر صدا مرے سامعے سے گزر گئی
مگر اک صدا جو الم کی تھی وہی معتبر تھی ٹھہر گئی

مطلع میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے لفظ "سامعے" کی جگہ "سامع" چھپ گیا تھا۔ ——— اڈیٹر

تعمیرات عامہ (سڑک) کی سرگرمیاں

بایاں محاذ حکومت مغربی بنگال میں اپنے اقتدار کے آٹھ سال پورا کر چکی ہے۔ چھٹا منصوبہ امسال اختتام کو پہونچا اور ساتویں منصوبہ کی ابتدا ہوئی۔

ابتدا ہی میں یہ بات واضح ہوجانی چاہیئے کہ یہ حکومت پہلے ہی سے مالی دشواریوں کا شکار رہی ہے۔

اس کے باوجود چھٹے منصوبے کے اختتام پر پکی سڑکوں کی مجموعی لمبائی بڑھ کر ۱۴۲۰۰ کیلومیٹر ہوگئی۔ علاوہ ازیں قومی شاہراہ عام کی مجموعی لمبائی ۱۴۴۶ کیلومیٹر ہوگئی ہے۔ تمام راہوں کے علاوہ چند بڑے، متوسط درجے اور چھوٹے پل بھی بایاں محاذ حکومت کے گذشتہ آٹھ برسوں کے دوران تعمیر کئے گئے۔

ضلع کوچ بہار میں تعمیر کردہ اہم پلوں میں سے چند یہ ہیں: نرگھٹ پل ہلدی ندی پر (مانگینی سیتو)، کوٹھی گھاٹ پل سبز نار بکھاندی پر (سیدھو کانو/برسا سیتو) اور پنچانن سیتو منسائی ندی پر۔

حکومت مغربی بنگال نے آر۔ ایل۔ ای۔ جی۔ پی اور این۔ آر۔ ای۔ پی کے تحت مختلف علاقوں میں سڑکوں کی بہتری کے لئے بڑے پیمانے پر پروگرام کو روبہ عمل لایا ہے۔

چونکہ شمالی بنگال میں آمد و رفت کی دشواریاں ہیں اس لئے یہاں علیحدگی پسندی کے رجحانات پنپ رہے ہیں۔ اسی لئے اس علاقے میں بہتر رسل و رسائل کی سہولتوں کی ضرورت ہے۔ شعبۂ تعمیرات عامہ (سڑک) اس معاملے میں آگے بڑھ رہا ہے۔ دھرلا ندی پر ایک پل بڑی تیز رفتاری سے تعمیر کیا گیا ہے اور وہاں چند مزید متوسط اور چھوٹی جسامت کے پل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

بایاں محاذ حکومت نے ریل لائن کے کراسنگ کے اوپر سے پل کی تعمیر کے لئے منصوبہ تیار کیا ہے جس سے آمد و رفت میں سہولت ہوگی۔ بردوان کے قریب قومی شارع عامہ کی ایک چھوٹی سڑک (By Pass) کی بھی تعمیر کی گئی۔ ایک دوسری چھوٹی سڑک شانتی پور شہر کے باہر بھی تعمیر کی گئی۔

بایاں محاذ حکومت کے آٹھ سال کے مکمل ہوجانے پر عوام کی فلاح و بہبود کے لئے شعبہ تعمیرات عامہ کی کارگذاریوں کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے

(الف) دفاتر (انتظامیہ کے مکانات)

۱۔ شعبۂ تعمیرات عامہ کی عمارت بردھان نگر (۱۳۴ لاکھ روپئے)

۲۔ علی پور میں آٹھ منزلہ عمارت کے لئے کھودی گئی بنیاد پر چار منزلہ عمارت کی تعمیر بھوانی بھون (۸۸ لاکھ روپئے)

۳۔ نمبر ۱ بارنوک پیلیس میں کثیر المنزلہ دفتر کی عمارت کی تجویز (تقریباً ۳ کروڑ روپئے)

(ب) مہمان خانے

۱۔ گورنمنٹ سرکٹ ہاؤس
۱/۹، ہنگر فورڈ اسٹریٹ
کلکتہ۔ ۱۷ (۵۰ لاکھ روپئے)

۲۔ گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس
۲، کڈ اسٹریٹ
کلکتہ۔ ۱۷ (ایک کروڑ روپئے)

۳۔ نیو بنگا بھون۔ زیر تعمیر
۳، ہیلے روڈ
نئی دہلی (۲ کروڑ روپئے)

(ج) تعلیم و ثقافت کے مراکز

۱۔ بدھان چندر لائبریری اور
جہا جاتی سدن سے منسلک ایئر کنڈیشن آڈی ٹوریم
۳، رمتر الین
کلکتہ (۱۱ لاکھ روپئے)

۲۔ کلکتہ یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ
جو آگ لگ کر تباہ ہو گیا تھا (۵۲ لاکھ روپئے) کی مکمل احیا نو

(د) مکانات کی تعمیر

شعبۂ تعمیرات عامہ کے افسران و ملازمین کے لئے کلکتہ
اور مختلف اضلاع میں تقریباً ۱۰۰ مکانات کی تعمیر (۶۰ لاکھ روپئے)

(ہ) سڑکیں اور پل

سڑک

۱۔ سریا کی سڑکوں کی بہتری اور کلکتہ سے ۲۴ پرگنہ میں
واقع ہلدیا تک کے براہ راست آمد و رفت کے لئے برائے
حیک ناگر اہمی ا ہیچ سروس (اسٹیمر) کا آغاز (۱۸ لاکھ روپئے)

۲۔ ۲۴ پرگنہ میں واقع گھوشن پاڑہ روڈ کی مرمت اور بہتری
(۱۵ لاکھ روپئے)

۳۔ بردوان کٹوا روڈ کی بہتری (۲۰ لاکھ روپئے وغیرہ)

پُل

۱۔ مرشدآباد ضلع میں بھگوان گولا لال گولا رگھوناتھ گنج شاہراہ
پر کھر کھری پل۔ زیر تعمیر (۳۶ لاکھ روپئے)

۲۔ بیربھوم ضلع میں دیرکا۔ بل ھر پور روڈ پر برہمنی پل
(۱۴ لاکھ روپئے)

(و) قومی سربراہ، انقلابی شخصیت، شہید، سیاسی مصلح، مصنف، ڈرامہ نگار یادگار پروجیکٹ

نصب کردہ مجسموں کی فہرست

۱۔ ڈاکٹر بی سی رائے — بی۔ بی۔ ڈی۔ باگھ
۲۔ ماتنگینی ہازرا — کلکتہ میدان
۳۔ ہیمنت کمار باسو — کلکتہ میدان
۴۔ راش بہاری بوس — سریندر ناتھ پارک۔ ایسپلینیڈ
۵۔ شہید کی یاد میں مینار — راجہ سبودھ ملک اسکوائر
کلکتہ۔ ۱۲
۶۔ سرت چندر چٹرجی — مکوند پارک۔ ہوڑہ اسٹیشن
۷۔ بنوئے بوس، بادل گپتا، دینیش گپت — بی۔ بی۔ ڈی باگھ
۸۔ گوسٹھو پال — کلکتہ میدان

زیر تعمیر مجسمے

۱۔ چارلی چپلن
۲۔ جے پرکاش نرائن
۳۔ ڈاکٹر شیاما پرکاش مکھرجی

مکانات

جب بایاں محاذ حکومت مغربی بنگال میں ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آئی تو یہاں مکانات کے مسئلے بڑے گمبھیر تھے۔ سرکاری افسران کو جن کی منتقلی مضافات میں ہوئی تھی رہائش کا ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہوتا تھا۔ سرکاری ملازمین کے لئے مالی ۷۷-۱۹۷۶ء سے دوران ۵۱۰ فلاٹ اور سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران ۵۴۳ فلاٹ تعمیر کئے گئے۔ مزید برآں کم آمدنی اور متوسط آمدنی والے اشخاص کو کرایہ دینے کے لئے ۳۷۶ اور ۱۹۰ فلاٹ تعمیر کئے گئے تھے۔ اسی دوران آسنسول شہر کو رقبہ کے لحاظ سے بڑھا دیا گیا۔ اور بستی ترقیاتی پروجیکٹ کے تحت ہیلیا میں ۲۰۸ فلاٹ تعمیر کئے گئے۔ صنعتی مزدوروں کی رہائش کے لئے ۲۳۶ فلاٹ کی تعمیر کی گئی اور اس سلسلے میں تعمیرات پر ۲۷ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔ مالی دشواریوں کی وجہ سے تعمیرات ہمیشہ اپنے نشانہ تک نہیں پہنچ پاتیں۔ عمارتوں کو تعمیر کرنے کے ساتھ ساتھ شعبۂ مکانات دمدم، راجرہاٹ، ہیلیا کے جنوب میں جونکا اور رنچ بچ میں جیشن تلہ میں چھوٹے شہروں کی تعمیر کے لئے منصوبے مرتب کر رہا ہے۔

شدید مالی دشواریوں کے باوجود حکومت کی یہ تجویز ہے کہ آئندہ سال غریب لوگوں کے لئے ۱۷۳۵ مکانات تعمیر کئے جائیں۔

شعبہ مکانات زمین اور تعمیر کردہ مکانات کی فروخت کرنے میں بھی مشغول ہے۔ ہیلیا میں ۱۹۲ تعمیر کردہ مکانات فروخت ہو گئے تھے۔ ہیلیا میں واقع پر بروٹی میں سرکاری ملازمین کو قطعات اراضی فروخت کئے جا رہے ہیں۔ یہ شعبۂ مکانات کی تعمیر کے لئے قرض دیتا ہے۔ چائے باغات کے جیسے مزدوروں کو بھی یہی سہولتیں دی جاتی ہیں۔

متوسط اور کم آمدنی والے افراد کو قرض بھی دئے جاتے ہیں۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ۸ کروڑ ۶۰ لاکھ روپئے انہیں بطور قرض دئے جا چکے ہیں۔ اسی دوران کم اور متوسط آمدنی کے افراد نے حکومت کی مدد سے ۶۲۰۵ مکانات تعمیر کئے۔

مغربی بنگال مکانات بورڈ

مغربی بنگال مکانات بورڈ مغربی بنگال اور کلکتہ کے مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے سنہ ۱۹۷۲ء میں قائم کیا گیا۔

شروع میں حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ مکانات نے کئی ایک تعمیر کردہ مکانات پروجیکٹس کو بورڈ کے ہاتھوں منتقل کر دیا تھا اور بورڈ نے ان کی تقسیم کی ذمہ داری سنبھالی ان میں سے چند اہم نام لابانی، اندرلوک، سرکشا وغیرہ ہیں۔ بہت ہی جلد اس بورڈ نے مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں اپنے پروجیکٹس کو روبہ عمل لانا شروع کر دیا ہے۔ اس نے کم اور متوسط آمدنی والے افراد کے لئے مکانات کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی۔ اب تک یہ مجموعی طور پر ۱۴۵۰۰ مکانات، فلاٹ اور قطعات اراضی تقسیم کئے۔ ان میں سے بیشتر مکانات حکومت ہند کی ایک تنظیم ایچ۔یو۔ڈی۔سی۔او کی طرف سے عطا کئے گئے قرض سے تعمیر کئے گئے تھے۔

فی الحال مکانات بورڈ ہر سال ۱۵۰۰ سے ۲۰۰۰ تک مکانات تعمیر کرتا ہے۔

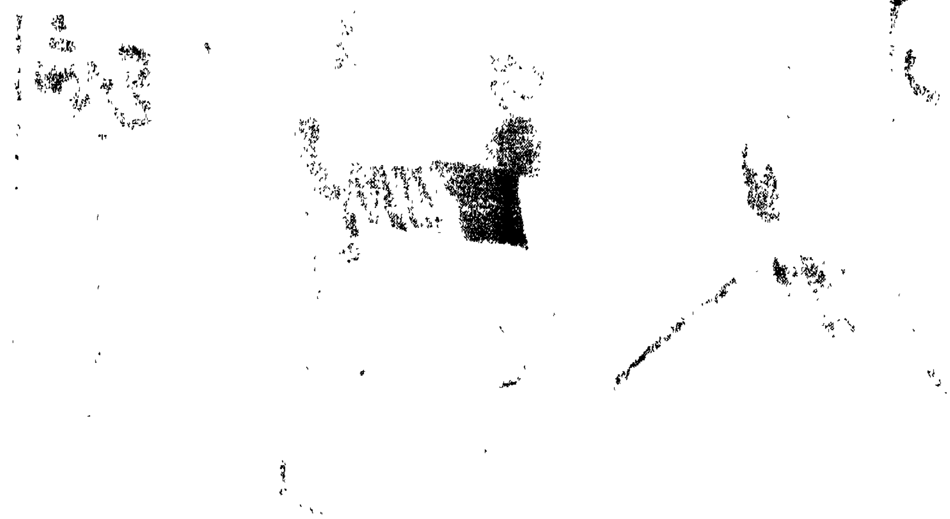
شروع میں مکانات بورڈ کی سرگرمیاں کلکتہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں تک ہی محدود تھیں۔ لیکن جلد ہی اس کی سرگرمیاں کو بڑھا کر آسنسول، کلیانی پور، درگاپور اور سلی گوڑی کے علاقوں تک پھیلا دیا گیا ہے۔

کلکتہ سے قریب ہیلیا سرسونا میں ۱۰۰ ایکڑ قطعات اراضی پر ایک چھوٹا سا جدید شہر آباد ہو چکا ہے۔ نئے شہر سلی گوڑی کے قریب دیب گرام میں تعمیر کیا جا رہا ہے جس میں عوام کی معاشی بدحالی سے متاثر لوگوں کے لئے خصوصی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ متعدد مکانات سے متعلق نئے پروجیکٹس کو کرنا، دانکونی، رشرا اور کلیانی میں پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ دارجلنگ، جلپائی گوڑی اور مغربی دیناج پور جیسے دور

(باقی صفحہ ۹ پر)

MAGHREBI BANGAL
1st SEPTEMBER 1985

Postal Regd. No. WB/CC
Vol. 32 No. 17
PRICE 12 Paise



دالسے بی بی کرشنگر میں منعقدہ ایک تقریب میں گرمیوں کا ناچ



تنتری دستکروں کے تیار کردہ کپڑے اور پوشاک

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : [illegible] [illegible]
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by [illegible]
Printers. 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700004.

MAGHREBI BANGAL
1st SEPTEMBER 1985

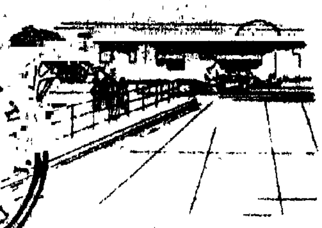
Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol. 32 No. 17
[illegible] Paise

شہری علاقوں [illegible] ترقی [illegible] رفتار

● ۱۱۰ [illegible] منتخب [illegible] کے انتخابات [illegible]
۱۲ نئی میونسپلٹیاں قائم [illegible] ریاست میں ۱۱۳ میونسپلٹیاں [illegible]
● ۱۰ اعلان کردہ علاقوں اور شہری کمیٹیوں کی تعداد [illegible] میں [illegible] اب ۱۱۳ [illegible]
میونسپلٹیاں قائم [illegible]



● کلکتہ کارپوریشن [illegible] اضافہ، پینل اسکیم، ماسٹر پلان اسکیم، انجینئرنگ اسکیم [illegible] جیسی
سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ۲۸ [illegible] کے درمیان سیاسی وجوہ سے [illegible]
گیا تھا، پھر [illegible] بحال کر دیا گیا [illegible] میونسپلٹیوں کو اپنی مالی [illegible]
کروڑ سے زیادہ روپے بطور ریاستی امداد فراہم [illegible] تک کے پانچ برسوں میں کلکتہ کارپوریشن کی اندرونی
آمدنی ۳۲ و ۸۹ کروڑ روپے تھی اور ریاستی امداد کے تحت ۴۴ و ۴۳ کروڑ روپئے دے گئے۔ بائیں محاذ کے دور
حکومت میں اندرونی آمدنی اور ریاستی امداد کی رقوم [illegible] بالترتیب ۴۴ و ۲۰۵ کروڑ روپے اور ۹۹ و ۱۲۴ کروڑ
روپے ہو گئیں۔ [illegible] کے دوران کلکتہ کارپوریشن کے کل اخراجات ۹۹ و ۹۰ کروڑ روپئے کے تھے۔ گذشتہ آٹھ
برسوں میں یہ اخراجات بڑھ کر ۳۱ و ۳۳۱ کروڑ روپئے ہو گئے۔ یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ گذشتہ ۱۹۷۷-۷۶ کے
[illegible] ترقیات کے لئے ریاستی امداد [illegible] فراہم کئے گئے تھے۔ موجودہ ریاستی حکومت
[illegible] کی رقم بڑھ کر ۲۲ و ۲۵ کروڑ روپئے ہو گئی۔



● میونسپل [illegible] خدمات کی تیز تر فراہمی کے لئے کلکتہ کارپوریشن میں وائرلیس کا انتظام قائم کیا گیا ہے۔
● گذشتہ [illegible] برسوں میں کلکتہ میں پینے کے پانی کی سپلائی میں ۶ کروڑ گیلن کا اضافہ کیا گیا۔ گارڈن ریچ پانی سپلائی
پروجیکٹ سے [illegible] ۲ کروڑ گیلن پانی سپلائی کیا جا رہا ہے۔ ٹالا میں دو نئے پمپس نصب کئے گئے۔ اوکلینڈ اسکوائر
[illegible] زیادہ سے زیادہ پانی سپلائی کرنے کے لئے پمپنگ اسٹیشن چالو کئے گئے۔

گذشتہ ۸ برسوں میں شہری ترقی کیلئے بائیں محاذ حکومت کی کئے گئے اقدامات



● کلکتہ میں بستیوں کی ترقی اور بہتری کے [illegible] مکمل ہو چکے ہیں۔ ان اقدامات سے بستیوں میں
رہنے والے کل [illegible] لاکھ لوگوں میں سے [illegible] لاکھ لوگ مستفید ہوئے۔ باقی [illegible] لاکھ لوگوں کے لئے بستیوں کی
بہتری اور ترقی کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔
● جدید ساز و سامان اور گاڑیوں کی مدد سے [illegible] صفائی کا کام [illegible] تیزی سے کیا جا رہا ہے۔
● کلکتہ میں ماحولیاتی آلودگی کو دور کرنے کے لئے [illegible] اسکیم [illegible] عمل [illegible]

● [illegible] ٹریفک سگنل نصب کر دیئے گئے ہیں۔ [illegible] پولیس [illegible]
[illegible] لوگوں کی آمد و رفت کے لئے [illegible]



● دوسرے [illegible] کی تعمیر کا کام [illegible] مکمل ہونے [illegible] اسٹیشن [illegible]
[illegible] دیا گیا۔
● کلکتہ میں [illegible] کی [illegible] جدید بنا دیا گیا ہے۔ کلکتہ میں تمام [illegible] میں
وائرلیس [illegible]
● گندے پانی [illegible] کو صاف کرنے کے [illegible] اور اس مد
کے تحت ۹ کروڑ روپے [illegible] کئے گئے۔

[illegible] مغربی بنگال


مغربی بنگال
آزادی نمبر
۱۹۸۵ء

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

"آزادی نمبر"

مدیر اعلیٰ : پربین بھٹاچاریہ

مدیر : رمیندرا ناتھ دت

مدیر معاون :

جلد نمبر ۳۳ ★ ۱۵ اگست ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۶

شرح خریداری

اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۲۵ پیسے

سالانہ : ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر این مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



شری گیانی ذیل سنگھ، صدر جمہوریہ، کلکتہ [illegible] کے موقعہ پر منعقدہ ایک تقریب میں۔ تصویر میں صدر کے دائیں طرف [illegible] شری [illegible] اور [illegible] عامر شری اسیر [illegible] بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

تابِ سخن

ہند صدیوں کی غلامی سے تو آزاد ہوا
تم بھی آزاد ہوئے، اہلِ وطن سے پوچھو
غنچۂ گل کے چٹکنے کی صدا تو آئی
پھول بھی کوئی کھلا شاخِ چمن سے پوچھو
آج ذرات کے سینے میں اندھیرا تو نہیں
جگمگاتی ہوئی نوخیز کرن سے پوچھو
اب تو پیاسا سرِ ساحل نہیں مرتا کوئی
موجۂ گنگ و لبِ رودِ جمن سے پوچھو
اب تو محفل میں نہیں طورِ زباں بندی کا
رنگ خاموشیٔ اربابِ سخن سے پوچھو
آج تو زہر بھرے جام نہ پینے ہوں گے
شدتِ تشنگیٔ کام و دہن سے پوچھو
اب تو پیدا نہیں منصورِ بغاوت کوئی
منتظر مرحلۂ دار و رسن سے پوچھو
کل کے وعدے کہیں شرمندۂ ایفا تو نہیں
سادگی ہائے بُتِ وعدہ شکن سے پوچھو
اس زمیں پر بھی کسی روز شفق پھوٹے گی
دوستو! خاکِ شہیدانِ وطن سے پوچھو

جاں نثار اختر

شریمتی بیتمیکا بوس

نیل درپن : ایک ڈرامہ جس نے آزادی کے بیج بوئے

نیل درپن بنگلہ ادب کا ایک انوکھا ڈرامہ ہے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی بھی ڈرامے میں بھارتی سرزمین پر سرمائے اور محنت کے درمیان جدوجہد کو اتنی صحت اور حقیقت سے ساتھ بیان نہیں کیا گیا۔ شونا تھ شاستری کے الفاظ میں نتیجہ یہ ہوا کہ اس ڈرامے نے بنگال میں بڑا اضطراب پیدا کر دیا۔ ندیا، جیسور اور مالدہ میں نیل کے کاشتکاروں کے خلاف کسانوں کا انقلاب جس نے حکومت بنگال کو ۱۸۶۰ء میں کسانوں کے استحصال اور ان پر مظالم کی جانچ کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کمیشن نے جس کی صدارت جسٹس شٹن کار نے نیل کی کاشت کو ختم کرنے کی سفارش کی تھی۔ لیکن درحقیقت نیل کی کاشت کاری کمیشن کی سفارشات شائع ہونے کے بعد بتدریج ختم ہونے لگی۔

نیل درپن ڈرامہ دینا بندھو مترا نے اپنے ڈھاکہ کے قیام کے دوران لکھا تھا۔ یہ ڈرامہ ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ اس وقت بنگال میں ڈراموں کی کل تعداد صرف ۳۵ تھی۔ ان میں سے گیارہ ڈرامے سنسکرت سے اور ایک انگریزی سے ترجمہ کئے گئے تھے۔ تیرہ ڈرامے سماجی موضوعات پر تھے۔ پانچ ڈرامے دیومالائی مضمون پر مبنی تھے اور باقی پانچ ڈرامے متفرق موضوعات پر تھے۔

جب نیل درپن شائع ہوا تو اس پر مصنف کا نام نہیں تھا۔ دینا بندھو نے جو اس وقت سرکاری ملازم تھے شاید یہ بہتر خیال کیا ہو کہ ڈرامہ کے مصنف کے طور پر اپنا نام ظاہر نہ کریں۔ کیوں کہ یہ ڈرامہ آزادی کے لئے بنگال کی جدوجہد پر ایک تبصرہ تھا۔

ڈرامہ نیل درپن فنی نقطۂ نگاہ سے ایک شاہکار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیوں کہ اس میں گہرائی کی کمی ہے۔ پھر بھی اس ڈرامہ میں نوبن مادھو کے کنبے کی تباہی کو، جو ڈرامے کا اصل موضوع ہے، سادھو چرن کے کنبے پر ہونے والی مصیبت کے ساتھ ساتھ حقیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ڈرامے کی کامیابی کا راز سماج کے نچلے طبقے کے بعض کرداروں، نیل کے ایک کاشتکار روگ صاحب کا کشیترامنی کے ساتھ زنا بالجبر، کسانوں کی زمین سے محبت، توری کی بہادری اور ان سے بڑھکر کشیترامنی جیسے دیہاتی لوگوں کی عامیانہ زبان کو پیش کرنے میں مضمر ہے۔ ان چیزوں نے ڈرامے کو حقیقی اور جاندار بنا دیا ہے۔

نیل درپن کا انگریزی میں ترجمہ ایک شاعر مائیکل مدھو سودن دت نے عیسائی پادری جیمز لانگ کی ایماء پر کیا۔ مئی ۱۸۶۱ء میں انگریزی ترجمہ شائع ہونے کے فوراً بعد اخبار "انگلش مین" اور "بنگال ہرکارہ" کے مدیران بہت زیادہ مشتعل ہو گئے۔ کتاب کے ناشر مسٹر کلیمنٹ ہنری مینوئل کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ لیکن پادری لانگ نے کلکتہ میں سپریم کورٹ کو بتایا کہ ہنری مینوئل نہیں بلکہ وہ خود نیل درپن کی اشاعت کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ مینوئل کو دس روپئے جرمانہ کی ادائیگی پر رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد پادری لانگ کے خلاف مقدمے میں سپریم کورٹ کے مسٹر جسٹس ویلز نے اپنے فیصلے میں لانگ کو مجرم قرار دیا اور اسے ایک ماہ قید اور ایک ہزار روپئے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ فیصلے کے فوراً

بعد بنگلہ میں "مہابھارت" کے مصنف کالی پرسنا سنگھ نے عدالت
میں ہی جرمانے کی نقد ادائیگی کردی اور راجہ چندر پرتاپ سنگھ
نے مسٹر لانگ کی طرف سے تمام عدالتی اخراجات برداشت کئے۔

فیصلہ سننے کے بعد مسٹر لانگ نے کہا کہ "میرا ضمیر مجھے مجرم ٹھہرا رہا ہے کسی اخلاقی جرم یا کسی ایسے جرم کے لئے نہیں جو اس زبان کا مستحق ہو جو جیوری کو پیش کردہ استغاثہ میں استعمال کی گئی ہے۔ اگر یہ تصنیف ہتک عزت ہے تو کسی بھی سماجی برائی کو جو ذات پات کی ہو یا کثرت ازدواج کی، کلین برہمنوں کی ہو یا انہوں کی تجارت کی باعث ہتک عزت قرار دیا جانا چاہئے۔ اور اس طرح اخلاقی سماجی اور مذہبی اصلاح کی عظیم تصانیف کی بھی جانچ پڑتال کی جانی چاہئے۔" مسٹر لانگ کے تاریخی بیان کا بنگال کے دانشوروں اور زمینداروں نے خیر مقدم کیا۔ راجہ بہادر رادھا کانتو دیب، راجہ بہادر کالی کرشنا، راجہ نریندر کرشنا، بابو رام ناتھ ٹیگور اور کلکتہ کے ۲۰۰ دیگر بڑے شہریوں نے مسٹر لانگ کو لکھا "آپ نے نیل درپن کے ترجمے کی اشاعت کے سلسلے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ ہندستانی زبانوں کی مطبوعات کے مواد کے بارے میں یوروپی ذہن کو آگاہ کرانے کی اہمیت کے متعلق آپ کے اعلیٰ عقائد کے عین مناسب ہے اور ہم اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کے اس قابل تعریف کام پر اخبارات میں جو تلخ بحث چھڑ گئی ہے اس سے ہمیں بہت رنج اور افسوس ہوا ہے۔ ہم اعتماد کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نیل درپن نیل کی کاشت سے متعلق اس ملک کے لوگوں کے احساسات کا حقیقی آئینہ ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپکی کوششوں کی جو کھلی نکتہ چینی ہوئی ہے وہ محض مفاد پرست لوگوں کی مخالفت کا نتیجہ ہے"

بنکم چندر چٹرجی کے قول کے مطابق بنگال ہمیشہ دینا بندھو مترا کا ممنون رہے گا کہ انہوں نے بے یارو مددگار زرعی کارکنوں پر نیل کے کاشتکاروں کے انسانیت سوز مظالم کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ شری مترا کو ندیا اور جیسور کے اضلاع کے دوروں کے درمیان نیل کے کاشتکاروں کی طرف سے کسانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے متعلق براہ راست معلومات حاصل ہوئیں۔ مظالم کی داستانوں سے ان کا دل درد اٹھا اور آخر کار دینا بندھو نے نیل درپن لکھنا شروع کیا۔ درحقیقت ضلع ندیا میں [illegible] کی شکستہ حالی نیل درپن ڈرامے کی بنیاد ہے۔

ڈاکٹر ہیمندر ناتھ داس گپتا نے لکھا ہے: "دراصل ڈرامے کی کشیترامنی کوئی اور نہیں ہے بلکہ ہردمنی جو ندیا کی ایک کسان لڑکی تھی جس کا شمار کرشنگر کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں ہوتا تھا اور جسے آرچی بالڈ ہیاڑیوں میں کچی کٹا کارخانے کے انچارج جیوڈ صاحب کے پاس بھجوا دیا گیا تھا جہاں اس برآمدے کے کمرے میں اس لڑکی کو رات دیر تک رکھا گیا نیز امر نگر کا رحمدل مجسٹریٹ کوئی اور نہیں ہے بلکہ عظیم ماہر علم ہیئت کا پوتا مسٹر ڈبلیو ہارشیل ہے۔

۱۸۵۷ء میں ملک نے آزادی کی پہلی لڑائی دیکھی۔ اس کے صرف تین برس بعد ہی دینا بندھو مترا نے ڈرامہ نیل درپن لکھا جبکہ وہ انسپکٹنگ پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے ملازمت میں تھے۔ چونکہ یہ ڈرامہ بنگالی روشن خیال طبقے کی قوم پرستی کے جذبے کا مثبت ثبوت ہے۔ اسی جذبے کا اظہار راجہ بہادر رادھا کانتو دیب اور دوسروں کی طرف سے پادری لانگ کو لکھے گئے مذکورہ خط سے ہوتا ہے۔ دراصل آزادی کی جنگ میں دانشوروں نے پرولتاریوں کے ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر لڑائی لڑی۔

اس بات سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ نیل درپن ہمارے "انکل ٹام کا کیبن ہے۔" ٭٭٭

بقیہ: ترقی پسند ادب ....

کو حالات کے مطابق منظم کرسکیں۔ جدیدیت نوازی اگر چاہیں تو احساس کمتری کا اور ادب برائے ادب کی محدودیت سے ابھر کر ترقی پسند تحریک کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں اردو زبان و ادب سے متعلق ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کو یہ ذمہ داری اٹھا لینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے تاکہ وہ ادب سے تعلق رکھنے والی مختلف تنظیموں اور افراد کو پوری سرگرمی سے ایک مرکز پر اکٹھا کرسکیں اور حیات و کائنات کے ان ارتقائی تصورات کی تکمیل ہوسکے جس کے لئے ترقی پسند ادب کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور جس کی ضرورت بحالات موجودہ محسوس کی جارہی ہے۔

(بشکریہ حیات ۵ ۹۴)

سردار جعفری

غزل

صبح کے اجالے پر رات کا گماں کیوں ہے
جل رہی ہے کیا دنیا، چرخ پہ دھواں کیوں ہے

قطرہ ہائے شبنم ہیں یا لہو کی بوندیں ہیں
رنگ و نور کا دامن آج خونچکاں کیوں ہے

خنجروں کی سازش پر کب تلک یہ خاموشی
روح کیوں ہے یخ بستہ، نغمہ بے زباں کیوں ہے

قافلے بھٹکتے ہیں منزلِ تمنا پر !
عشق کیوں ہے سرگرداں، حسن بے نشاں کیوں ہے

راستے نہیں چلتے، صرف خاک اڑتے ہیں
کارواں سے آگے بھی گردِ کارواں کیوں ہے

تم تو گھر سے نکلے تھے جیتنے کو دل سب کا
تیغ ہاتھ میں کیوں ہے، دوش پر کماں کیوں ہے

اک جہاں میں شہرت ہے تم بڑے مسیحا ہو
پھر یہ شاہراہوں پر درد کی دکاں کیوں ہے

فرش ہو کہ عرش اے دل یہ جبیں نہیں جھکتی
راہِ سرفروشی میں سنگِ آستاں کیوں ہے

یہ ہے بزمِ مے نوشی اس میں سب برابر ہیں
پھر حسابِ ساقی میں سود کیوں زیاں کیوں ہے

★

اقبال کا تصورِ آزادی

شاہ مصباح الدین شکیل

اقبال دورِ انحطاط کا نہیں آغازِ بیداری کا شاعر ہے اسی لئے اس کے پاس غالب اور داغ کی نشاط انگیزی، حالی کا مورخانہ انداز یا اکبر کی قدامت پرستی نہیں، اس کے پاس روحِ عصر ہے، مقصدیت ہے اور فکر کی گہرائی ہے۔ جوں جوں اس کی نظر بلند ہوتی گئی اور فکر مرتب ہونے لگی تو اس کے فکری سانچوں میں ایک فطری تبدیلی رونما ہوئی۔ داغ کا شاگرد غزل کے پرانے دبستان سے دامن بچا کر چلا تو کبھی حالی نے اور کبھی اکبر نے روکا۔ بالآخر اسے بھرتری ہری، گوئٹے، برگساں، ہمانٹ، ابن عربی اور رومی جیسے رازداں ملے اور پھر اس نے وہ منزلیں طے کیں جو ایک جبریل صید اور یزداں شکار اہل نظر کا مقدر ہوتی ہیں۔ اقبال بھی ان دانشوروں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جو کائنات کے مربوط نظامِ حیات کے تحت اپنے اپنے وقت پر پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کے ان عظیم انسانوں میں چاہے وہ مذہبوں کے داعی ہوں یا صاحبانِ علم و فن، جذبۂ حریت و تسخیرِ حیات کا احساس بہت نمایاں ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے انکی فکر و نظر کی رسائی کا اندازہ خاصے کی چیز ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان کی قد آور شخصیت کے جوہر کھلتے ہیں اور انکی عظمت کا معیار قائم ہوتا ہے۔

اقبال کا احساسِ حریت اور تصورِ آزادی کا تجزیہ کرنے کے لئے اس کے ذہنی پس منظر پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بادی النظر میں اس کے کلام کے مختلف ادوار کے تدریجی ارتقاء میں ایک تضاد سا معلوم ہوگا۔

سر شیخ عبدالقادر کے حوالے سے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ابتدائی مشق کو چھوڑ کر اقبال کے اردو کلام، بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے ہی شروع ہوتا ہے۔ سنہ ۹۹-۱۸۹۸ء کے لگ بھگ وہ پہلی مرتبہ لاہور کے مشاعروں میں دیکھے گئے اور انہی دنوں ایک ادبی مجلس میں شریک ہونے لگے جس میں لاہور کے اونچے علمی طبقے کے افراد شریک ہوا کرتے تھے۔ یہیں انہوں نے اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھکر سنائی جو کچھ ہی دنوں بعد 'مخزن' کے پہلے شمارے میں نکلی اور ہندستان کے طول و عرض میں شاعر کی ذہانت کا ڈنکا پٹ گیا۔

جب اقبال نے شعر کہنا شروع کیا تو اس میں شک نہیں کہ ہندستان میں داغ کا طوطی بولتا تھا۔ لیکن آزاد کی کوششوں سے سنہ ۱۸۷۴ء میں نئے طرز کے مشاعرے کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ حالی کا مسدس قبولیتِ عام کے معیار پر پورا اتر چکا تھا۔ اکبر اپنے خاص رنگ میں سماجی اور سیاسی مسائل پر کھل کر تنقید کرنے لگے تھے۔ سر سید کی تحریر اور تقریر نے ذہن و فکر کے گھور اندھیاروں کو دور کرنے میں بڑا کام کیا۔ ادھر سنہ ۱۸۳۳ء میں لارڈ مکالے کی اسکیم کے مطابق ولیم بینٹنگ کے ہاتھوں مغربی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا۔

دوسری جانب شاہ ولی اللہ اور راجہ رام موہن رائے کی تعلیمات کا رنگ ابھی تازہ تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی کشمکشِ آزادی، دماغوں سے محو نہ ہوئی تھی۔ کانگریس کی بنیاد پڑے پندرہ سال کا عرصہ گذر چکا تھا اور سریندر ناتھ بنرجی، دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتہ اور بدرالدین طیب جی کی کوششوں سے ہماری سماجی زندگی ایک نیا روپ دھار رہی تھی۔ گوکھلے کی گھن گرج سے ایوانِ حکومت میں ایک غلغلہ پیدا ہو رہا تھا اور سماج کی رگ و پے میں جوش و خروش

کی ہیم لہریں ابھر رہی تھیں۔ کچھ یہ ذہنی پس منظر تھا جب بقول میتھیو آرنلڈ ہماری دنیا ایک نئے تمدن کے جنم کا درد محسوس کر رہی تھی۔ اس فضا میں اقبال نے آنکھیں کھولیں تو "فصیلِ کشورِ ہندوستان" ہمالہ اس کی چشمِ بینا کو سراپا تجلی نظر آنے لگا اور اس نے آبِ رودِ گنگا کو گواہ بنا کر صدائے دردِ بلند کی ؎

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے

ادراک کی یہ چبھن، اس کے ذوقِ آگہی کے لئے ایک مہمیز تھی۔ جس نے بالآخر اس سے کہلوایا

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

اب یہ شعر کا اعزاز کچھ اس انداز میں ظاہر ہونے لگا ؎

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

اس کے بعد شاعر کے لب پر

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"

کا ترانہ ہے اور پھر ہندستانی بچوں کا قومی گیت، جس نے اس کی فکر کے سانچوں میں ایک نئے شعور کا ہیولیٰ کھڑا کیا۔ یہ کم و بیش وہ زمانہ ہے جب ہوم رول لیگ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں کانگریس اپنے بنیادی نظریے میں حالات کے تقاضوں کے ساتھ مناسب تبدیلیاں کر رہی ہے۔ گو کھلے ملک کی آزادی کی تحریک میں سرِ بکف طول و عرضِ ہمالہ میں سرگرداں ہیں۔ ابھی ۱۹۰۶ء کا وہ وقت نہیں آیا ہے جب کانگریس کے پلیٹ فارم سے پہلی مرتبہ برطانوی سامراج کو ایک بڑا کھلا چیلنج دیا جائے۔ ابھی محبِ وطن گوکھلے کی زبان سے نوآبادیاتی درجے کا مطالبہ ہونے والا ہے اور اقبال سرشار کر رہے ہے ؎

[illegible]

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اب [illegible]ر آتا ہے کہ بنارس اور علی گڑھ کی قومی درسگاہیں برگ و بار لا چکی ہیں۔ تلک، مسز اینی بیسنٹ، موتی لال نہرو، سی آر داس اور مہاتما گاندھی ملکی سیاست پر اپنی جگہ بناتے جا رہے ہیں۔ علی برادران ساتھ ہیں۔ سیاسی بحران کے نتیجے کے طور پر مکمل سوراج کا عزم بیباکانہ ظاہر ہوا۔ ادھر اسپنسر اور مِل کی تعلیمات نے حریت اور آزادی کی قندیل روشن کی۔ اس دوران اقبال یورپ ہو آئے۔ وطن لوٹے تو برطانوی سامراجیت کے بوجھ تلے دم توڑتے ہوئے سماج کے توسط سے، دنیا کے آگے انہوں نے اپنی فکر و نظر کی بساط کا ایک ایک گوشہ وا کرنا شروع کر دیا ؎

(۱) غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

(۲) نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

(۳) ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

اقبال کے ذہنی پس منظر کے سلسلے میں جن تحریکوں اور واقعات کا سرسری تذکرہ کیا گیا ہے، شاعر نے ان کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

شمس العلماء میر حسن کی مشرقیت اور پروفیسر آرنلڈ کی مغربیت طرزِ فکر کے امتزاج سے جو انداز نظر پیدا ہو سکتا تھا اسے ذہن میں رکھئے اور پھر اقبال جیسے دانشور کی بے پناہ ذہنی تڑپ اور [illegible] کا اندازہ لگائیے پھر پیامِ مشرق، اسرارِ خودی اور جاوید نامہ [illegible] اقبال کے [illegible] اردو اور کیا فارسی [illegible] ساری ہے۔ کہیں [illegible] لگتا ہے، کہیں شعر کے [illegible] ہے [illegible]

اور صورت ہو۔

"ارمغانِ حجاز" میں ایک مقام ہے جہاں قبرِ ابلیس سے
سے مخاطب ہے ۔

آہ ظالم تو جہاں میں بندۂ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوزناک
تیری میت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردۂ ناموس چاک
الحذر محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سرافیل، اے خدائے کائنات اے جانِ پاک

شعریت اور نغمگی کے ساتھ ساتھ طنز و استہزا کی یہ راش خراش دلوں کو جھنجوڑ کر رکھ دینے والا اندازِ سخن، اس کے فتراکِ تصورِ حریت کا وہ بے پناہ تیر ہے جو زندہ روح ہی پر نہیں بلکہ جسدِ بے روح پر بھی کارگر نظر آتا ہے۔ اقبال کے پاس ضرب کاری کے لیے کئی وار ہیں ۔

نے نصیب مار و کژدم، نے نصیب دام و دد
ہے فقط محکوم قوموں کے لئے مرگِ ابد
بانگِ اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

اقبال طرح طرح سے ہمارے قلب و دماغ کو صیقل کرتا ہے،
کبھی کہتا ہے ۔

غلامی کیا ہے ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

یا پھر ۔

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
[illegible] و پرسوز و طربناک
[illegible] دم روشن

وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک
اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضمحل
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

اقبال کے تصورِ آزادی میں نہ انقلاب کی کھوکھلی نعرہ بازی ہے اور نہ قنوطیت کا احساس۔ ماحول کو بدلنے کے لئے وہ دہشت پسندی یا تباہی کے طوفان کو بھی دعوت نہیں دیتا۔ اس کے تصورِ آزادی میں فکر کی گہرائی عقل کا شعور و احترامِ آدمیت کا جذبہ ہر جگہ ملحوظ ہے ۔

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

آزادی کی صبح

گجر بجنے سے پہلے کا دھندلکا
شفق بے رنگ
لہو کے سرخ چھینٹوں سے ابھی ناآشنا ہے

بہت مسرور ہیں ہم
ہمیں مسرور رہنے کی دوائیں دی گئی ہیں
یقیں ـــــ لیکن بہت گہرا یقیں ہے
کہ جب وہ صبح
اجلی نرم دھوپوں میں نہا کر
اپنی باہنیں وا کرے گی
ہم اپنے سارے دکھ بھولیں گے
اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑیں گے
وہ صبح
شاید ایسی ہی اک صبح ہوگی

* * * *

حیدر آصف

غزل

تھی صدائیں کتنی یہ ہر صدا مرے سامع سے گزر گئی
مگر اک صدا جو اَلم کی تھی وہی معتبر تھی ٹھہر گئی

جنہیں ناز اوجِ نظر پہ تھا، تھے ستارے جن کی کمند میں
وہ اسیرِ حدِ نظر ہوئے، درِ دل تلک نہ نظر گئی

نہ بلندیوں میں نہ پستیوں میں سما سکی وہ خلش جسے
کسی آشنا کی تلاش تھی تو حصارِ دل میں اتر گئی

سرِ راہ اہلِ فراق میں رہی شام تک یہی گفتگو
وہ ستارے رات کے کیا ہوئے جنہیں ڈھونڈنے کو سحر گئی

وہی ظلمتوں کی ہیں یورشیں، وہی جبر و جور کی سطوتیں
کہیں گل ہے شمعِ یقین کی، کہیں آبروئے بشر گئی

وہ ہوائے کوچۂ یار جو مرے حوصلوں کی تھی ہمسفر
کہیں دردِ بن کے چمک اٹھی، کہیں شعلہ بن کے بکھر گئی

ڈاکٹر عبدالرؤف

ایک نقطۂ نظر

خوش سرحدی

ترقی پسند ادب اور مقصدیت

یوں تو ہر دور میں یہ سوال بنیادی طور پر شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کے سامنے موجود رہا ہے کہ ادب کا کوئی خاص مقصد بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ سوسائٹی کے لئے ادب کا کوئی افادی پہلو ہے یا متعین کیا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ آج بھی ادب کی بے مقصدیت کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ادب کو نظریاتی شکنجوں میں جکڑ کر "محدودیت" کی جسارت کرنا ادبی گناہ سے کم نہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہی سوال ہر زمانے میں نئے نئے روپ بدل کر اہلِ فکر کو گھورتا رہا ہے۔ حالانکہ یہ سوال نہ تو کبھی ادب کی تخلیق کاروں نے اٹھایا، اور نہ ہی ان قارئین کرام نے جو ہمیشہ مطالعۂ ادب سے استفادہ کرنے کے خواہش مند رہے ہیں، اور جو کہ بقدرِ استعداد سخن فہم اور ادب شناس بھی ہیں۔

چوں کہ ادب کسی نہ کسی طرح معاشرے کے ہر طبقہ کی ترجمانی یا عکاسی کرتا ہے، اس لئے ہر مکتبۂ خیال کے نقادوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ادب کے مختلف پہلوؤں سے اپنے معتقدات کے مطابق بحث کرتے رہیں۔ اس سے کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہو جاتا ہے کہ ادیب و شاعر کی توجہ عصری تقاضوں کی ان گہرائیوں کی طرف مبذول ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی جو اس کی نگاہوں سے کسی نہ کسی طرح اوجھل رہ گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ صحت مندانہ اور دیانت دارانہ تنقید سے اسے حالات کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ اپنی فکری صلاحیتوں کے لئے نئے نئے راستے متعین کرنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ اس مقام پر اگر یہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ جب شاعر و ادیب کے ادراک و شعور پر عوامی زندگی اور اس کے مسائل کے بھید کھلنے لگتے ہیں تو وہ اجتماعی فلاح و بہبود کی ان حدوں کی طرف بڑھنے لگتا ہے جن کا ڈانڈا منزلِ مقصود کی متناسب رفعتوں سے جا ملتا ہے، لیکن منزلِ مقصود کی ان بلندیوں تک پہنچنے کے لئے فن کار کو "ادب برائے ادب" سے "ادب برائے زندگی" کی ان دشوار گزار اور گھٹن گھاٹیوں سے لازمی طور پر گزرنا ہوگا جو بتدریج ترقی و ارتقار کے لئے ناگزیر قرار دی جا سکتی ہیں۔

ادب برائے زندگی

آج سے کم و بیش ۵۰ برس پہلے "ادب برائے زندگی" کا نعرہ لگایا ضرور گیا تھا مگر ۱۹۳۵ میں اس کی گونج صاف صاف سنائی دینے لگی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اب آزادی کی جدوجہد اپنے شباب پر تھی اور اس میں انقلابی دھمک بھی سنائی دینے لگی تھی۔ عام لوگ بڑی تیزی کے ساتھ حالات سے متاثر ہو رہے تھے اور اردو ادب آزادی پسندوں کے دوش بدوش قید و بند اور دار و رسن کے ان تلخ فرائض کے لئے عوام کو سامراج کے خلاف للکار رہا تھا جو غیر ملکی غلامی اور اس کی ذلیل کر دینے والی برائیوں کا قدرتی ردِ عمل ہوتے ہیں۔ تاریخ ادب گواہ ہے کہ یہ نعرہ اس وقت بلند ہوا، جب آزادی پسند تحریکوں نے سیاسی اور سماجی

لحاظ سے آزادی کی قومی سطح پر اولین اہمیت کا فیصلہ کیا کیونکہ آزادی کے لئے بغیر غلامی کی ان ناپاک گرفتوں سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں تھا، جو ہندستانی ادب و فن کے لئے بھی اتنی ہی مہلک ثابت ہورہی تھیں جتنی کہ معاشرے کی سیاسی، اقتصادی، تمدنی ارتقا و تکمیل کے لئے!۔ ہندوستان میں دوسری بھاشاؤں کے ساتھ ہی سے پہلے اردو زبان و ادب نے عصری تقاضوں کے مدنظر پوری بے باکی اور جاں نثارانہ خلوص کے ساتھ "انقلاب زندہ باد" کا وہ غیرفانی نعرہ دیا جس نے دیش کے اندر اور باہر رہنے والے ہندستانیوں کے انفرادی و اجتماعی جذبات میں سرکشی و نافرمانی کا وہ طوفان بپا کر دیا جس نے سامراجی طاقتوں کے وجود کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ ادھر:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

کا ولولہ انگیز نغمہ فضاؤں میں لہرایا اور ادھر وطن کے سرفروش سر ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں نکل آئے۔ ہتھکڑی اور بیڑیوں کی جھنجھناہٹوں سے فضائے ہند گونج اٹھی۔ دار و رسن کے مناظر نے آزادی کے متوالوں کے گرم لہو کو تحریک عطا کی۔ کشمیر سے بنگال کی کھاڑیوں تک اور کنیا کماری سے "باب خیبر" تک انقلاب زندہ باد کا وہ صداقت پسندانہ نعرہ گونج اٹھا جس نے عوامی بیداری کو پورے دیش میں آزادی و حریت کی روح بنا کر رکھ دیا تھا۔ اجتماعی جد و جہد کی وہ عالم کہ ہر طرف "بھارت چھوڑو" کی بربریت شکن آوازیں عوام کو جھنجھوڑنے لگیں۔ عام لوگ مذہب و ملت کے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر بڑھ چڑھ کر قربانیاں دینے کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئے۔

تاریخی صداقت

اگر تاریخی صداقتوں کا تجزیہ کیا جائے تو اردو شعر و ادب کے ان کرشموں اور کارناموں سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو ۳۶-۱۹۳۵ سے ۱۹۴۷ تک ترقی پسند ادب کے علم برداروں کے انقلابیانہ و باغیانہ نعرہ و آہنگ سے معرضِ وجود میں آئے اردو ادب کا یہ وہ زندہ و متحرک دور تھا جبکہ اردو ادب اور خاص طور پر ترقی پسند ادب حیات و کائنات کے متنوع مسائل سے نہ صرف جرأت مندانہ انداز میں نبرد آزما تھا بلکہ اپنے اساسی فرائض کو بھی پوری صلاحیت سے ادا کرنے میں مصروف تھا۔ اگر اس کی زیادہ تر توجہ عصری مسائل پر، جن میں سیاسی تقاضوں کی تکمیل کو ترجیح دی گئی تھی مرکوز رہی کیونکہ اس ہنگامی دور میں آزادی کا موضوع خاص و عام کے لئے اتنی اہمیت حاصل کر چکا تھا جس سے کسی صورت میں اور کسی سطح پر بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔ آزادیٔ وطن سے متعلق تمام تصورات و نظریات عوام کے لئے قومی ضرورت اور وطنی اہمیت کا روپ دھارن کر چکے تھے اور اس محاذ پر دین دھرم کے پجاری، آستک اور ناستک یعنی کافر و دین دار، امیر و غریب، پڑھے لکھے اور ان پڑھ گویا ہر طبقہ کے لوگ متحد ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ شعراء و ادباء خواہ وہ کسی بھی سیاسی نکتۂ نظر یا مذہبی معتقدات سے وابستہ تھے، آزادیٔ وطن کے لئے عوامی سطح پر سامراجی قوتوں کے خلاف لڑتے دکھائی دیتے تھے۔

اگرچہ کچھ ایسے اہل قلم نے (جو اپنے مفاداتِ مخصوص سے بالاتر ہونے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے) عام لوگوں کو غلط راہ پر ڈالنے کے لئے یہ غلط فہمی پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کہ موجودہ ترقی پسند تحریک نے اردو زبان و ادب کو اشتراکی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی سازش کر رکھی ہے اور اس کو اس کی بنیادی خصوصیات سے بتدریج محروم کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے تاکہ نظریاتی طور پر ایسے ادب کی تخلیق کی جائے جو کمیونسٹ نظریے کی اہمیت و فوقیت کے لئے ثبوت مہیا کر سکے۔ ان مفاد پرستوں کا ایک زوردار اعتراض یہ بھی تھا کہ ترقی پسند اشتراکی سیاست کا زرخرید مبلغ یا پرچارک ہے۔ حالانکہ حقیقت اس سے قطعی برعکس تھی۔ ذاتی تجربہ و مشاہدہ کے تحت مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی جھجک نہیں کہ محض چند ایک ادیبوں اور شاعروں کو چھوڑ کر سیکڑوں فن کار ایسے تھے جنہیں اشتراکی نظریات یا کمیونزم سے کوئی سیاسی

لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن وہ حسن و قبح کے معیار پر ترقی پسند نظریوں کے
جواز کا فیصلہ جرأت اور آزادی کے ساتھ کر سکتے تھے۔ انہیں
سامراجی نظام کی استحصال پسندانہ حکمت عملی اور بدترین غلامی کی
بیڑیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا جو جذبہ درکار تھا، وہ ترقی پسند ادب
ہی دے سکتا تھا۔ درحقیقت ترقی پسند ادب کا مقصد و مدعا بھی
یہی تھا۔ حالات نے ترقی پسند ارباب قلم کو حقیقت پسندانہ جذبات
سے یہاں تک سرمست و سرشار کر دیا تھا کہ ان کی تخلیقات نظم
و نثر کو حیات و کائنات کے رشتوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کسان، مزدور، محنت کش اور پسماندہ عوام اہم موضوعات
بنکر ابھرے اور لوٹ کھسوٹ، جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ جبر و
استحصال کے خلاف ان کا خوددار قلم پرچم بغاوت بن کر ہر طرف
لہراتا دکھائی پڑتا تھا۔ اگر اس زمانے کے ادب و صحافت کا مطالعہ
کیا جائے تو یہ سچائی پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ مخالف سامراجی طاقتوں
اور ان کے معاون ادیبوں اور شاعروں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے کہ
سرکاری طاقت سے رجعت پسندوں کے لئے مصروف پیکار رہے کہ
جنگ آزادی میں بھی ترقی پسند ادب اتنا ہی کارآمد و مفید ثابت
ہو رہا ہے جتنا وہ اپنے تعمیری طریقہ کار سے امن و سلامتی کے دور میں
اصلاح و بہبود کے نئے سماج کی رہنمائی کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ ترقی
پسند ارباب فکر اس زمانے میں بھی بخوبی جانتے تھے کہ صالح اور
صحت مند ادب نہ تو کسی مخصوص نظریے کا ڈھنڈورچی یا پرچارک
ہوتا ہے، نہ ہی کسی خاص عقیدے کا مبلغ و منادی — اور اب بھی
جبکہ آزادی آنے کے بعد بھی ایک ترقی پسند اہل قلم کو ادب کی ان
ثابت قدروں کا احساس ہے، جو زندگی کی روح کو ابدیت اور دوام
عطا کرتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے اس دور ابتلا میں
لسانی محاذ پر بھی ادبی لڑائی کے انوکھے کارنامے کئے جا رہے تھے۔
ہندوستان کی زبانیں وقت اور حالات کے تحت اپنی وحدیت کے
اظہار کے لئے ایک دوسری زبان پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش
کر رہی تھیں لیکن اردو زبان اس میدان میں سب سے آگے رہ کر
نمایاں فرائض ادا کر رہی تھی کیوں کہ ترقی پذیر راہوں سے ہو کر وہ
زبان کی ان بلندیوں تک بڑھ تیزی سے پہنچ رہی تھی جہاں سے مستقبل

کے تقاضوں کی جھلک صاف صاف نظر آ سکتی تھی۔ جب کہ رجعت پسند
ان سے دوسری بھاشاؤں کا ادب محروم تھا۔ مسلمانی ادب کے نمائندے
اگرچہ سستے نعروں اور افترا پردازی سے کتنے ہی ہنگامے بپا کرتے
رہے لیکن زبان و ادب کی ترقی اور اعلیٰ مقصدیت کے خلاف وہ
اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ترقی پسند ادب نے آمرانہ
سازشوں کے باوجود اپنے ہنگامی مسائل سے نپٹنے کے علاوہ ان
اساسی فرائض سے بھی عہدہ برآ ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جن کا
براہ راست تعلق زندگی کی ابدی صداقتوں کے فروغ عرفان ذات کے
حصول اور نظام کائنات کی تکمیل سے رہا ہے۔ اس میں ذرا بھی
شک کی گنجائش نہیں کہ وہ ادب جو عصری تقاضوں اور اپنے عہد
کے مطالبوں کو سمجھنے کا شعور نہیں رکھتا اور ہر سطح پر عرفان ذات
اور حیات و کائنات کے رموز سے وابستگی حاصل کرنے میں مددگار
ثابت نہیں ہو سکتا، وہ ادب کے اعیار و ارتقا کی اس کسوٹی پر
کھرا نہیں اترتا جو ترقی پسند قدروں کے لئے ضروری سمجھی گئی ہے۔ حقیقتاً
زندگی اپنی حسین و جمیل قدروں کا اظہار صرف ادب کے وسیلے سے کر
سکتی ہے۔ گویا ادب بلکہ اعلیٰ ادب، حیات و کائنات کے جمالیاتی
پہلوؤں کی حسین انداز میں نمائندگی کرنے کا بھی حقدار ہو سکتا ہے
اور یہی وہ خوبی ہے جس سے ترقی پسند ادب کی مقصدیت اور
افادیت واضح کرنے میں کوئی خامی آڑے نہیں آ سکتی۔ ہر شاعر و
ادیب اگر ترقی پسندی کی حقیقت و اصلیت کو سمجھ جائے تو وہ زندگی
کی تہہ در تہہ گہرائیوں میں جھانک کر پورے یقین و اعتماد کے ساتھ
فیصلہ دے سکتا ہے کہ اگر زندگی بے مقصد و بے مدعا نہیں ہو سکتی
تو پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ متحرک زندگی کی نمائندگی کے دعوے
دار ترقی پسند ادب کا کوئی خاص مقصد و مدعا نہیں ہے۔ البتہ اگر
ادب مادی مفاد حاصل کرنے میں پیچیدگیوں میں الجھ جائے اور
غیر معیاری سطح پر اتر کر کام کرنے لگے تو شک نہیں کہ ایسا ادب انحطاط
پذیر اور زوال آمادہ ادب بن کر رہ جائے گا جس سے کوئی بھی
فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ ترقی پسند ادیب و شاعر موضوعات کے
انتخاب، ترتیب و تہذیب کے فرائض اور اسلوب بیان و نگارش کے
واسطہ سے نئے معنوی و لسانی تجربے اور تجزیے کر کے فن و ادب کے تخلیقی

مراتب و معیار سے دار بنانے کے ان متقاضات کی طرف پیش قدمی کرتا ہے جو عوامی ادب کی روح کا مقدر تسلیم کئے گئے ہیں۔ اگر ارتقا نواز ادب ان خصوصیات سے اظہار کے عمل کو مناسب رفتار نہ دے سکے تو وہ محض صحافیانہ تحریر و تقریر کا ادنیٰ سا جیسا بن کر رہ جائے گا۔ جس سے اول تو عوام متاثر نہ ہو سکیں گے اور اگر ہوئے بھی تو وہ اثر ناپائیدار، وقتی اور غیر حقیقی ہوگا جس سے نہ تو تخلیق کار مطمئن ہو سکتا ہے اور نہ قاری۔ جب تک کوئی فن کار اپنے دور کی مجموعی زندگی سے گہرا تعلق پیدا نہیں کر لیتا اس وقت تک اسے روح کی لطیف پہنائیوں اور داخلی کیفیتوں کی آفاقیت کا عرفان نہیں ہو سکتا۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ "صحافت کی ترقی اور شان تاثر کاروں کی غیر جانب داری میں مضمر ہے" جب کہ ادب بلکہ جائز ادب داخلی کیفیتوں کے محاسن سے غیر جانب داری کا اعلان نہیں کر سکتا۔ اس کے سامنے حیات و کائنات سے حقیقی وابستگی کے وہ مسائل ہوتے ہیں جن کی گہرائیوں میں جانے کے لئے خلوص مندانہ طرفداری کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہو سکتی۔ اس مقام پر ادیب و تخلیق کار کی روح فن کی لطافتوں سے جتنا ہم آہنگ ہوگی اتنا ہی اس کی تخلیقات میں تسخیر و تاثر کا عمل تیز ہوگا اور یہ ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جو محض ترقی پسند فن کار کی روح میں پرورش پاتا ہے جس سے معاشرے کو نہ صرف حیات و کائنات کے رشتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ اسے مکمل سکون، مستانہ تحریک اور فطری مسرت دوام بھی نصیب ہوتا ہے۔ ماضی قریب کی تاریخی حقیقت ہے کہ ترقی پسند تحریک کے پرچم تلے اردو ادب نے آزادی وطن کا مقدس فریضہ کو اپنے ذمہ بہت پر قبول کر کے مجاہدانہ انداز میں پورا کیا۔ اور عصری تقاضوں کی تکمیل کے لئے اپنی فنی توانائی وقف کر کے ثابت کر دیا کہ

"عشق زندہ ہے، جنوں زندہ ہے، فن زندہ ہے"

آزادی کے بعد

لیکن حصول آزادی کے بعد ترقی پسند ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کی وہ تاریخ تسلیم جو کبھی "اعلائے کلمۃ الحق" کی علمبردار تھی آزاد ہندوستان کے تعمیری مطالبوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکی۔ شاید اس لئے کہ وہ اس مہم کے لئے پوری طرح تیار نہ تھی۔ نتیجہ یہ کہ وہ تھوڑے عرصے میں بکھر گئی اور یہ حادثہ اس وقت ہوا جب کہ اس تنظیم کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت تھی۔ جوں کہ ترقی پسند تحریک نے اپنی با عمل زندگی میں بہت بڑے سماجی، ادبی اور سیاسی انقلاب میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ جمہوریت، سوشلزم (سماج واد) اور سیکولرزم کے لئے راہیں متعین کی تھیں۔ مذہبی منافرت، صوبائی تعصب، لسانی نازعات اور ادبی مناقشات کا قلع قمع کیا تھا۔ وقت و حالات کے مطابق جبر و تشدد، قید و بند، تحریر و تقریر کی پابندیوں سے ذہنی انتشار کی تباہ کاری اور فن و ادب کے جمالیاتی نیز روحانی پہلوؤں کو سنوارنے نکھارنے میں ہر طرح کی صعوبتوں کو خوش آمدید کہا تھا۔ اس لئے کہ برطانوی محکومیت و مغلوبیت سے بہر صورت نجات حاصل کی جائے اور اس تاریخی نصب العین کو حاصل کرنے میں اسے کامیابی بھی ملی۔ سیاسی اور سماجی آندولنوں میں اس کا برابر حصہ رہا ہے۔ اگر عہدِ جہدِ آزادی کے اس زمانے کی یاد کو دل و دماغ میں تازہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ترقی پسند اردو ادب نے "جنگ آزادی کو جو توانائی بخشی اردو ادب کا مورخ اسے ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ بھی کہنے کی اجازت دیجئے کہ اردو زبان کا مورخ ہی نہیں بلکہ دانشور یہ بحیثیت ہندوستانی ہر ایک مورخ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ جہد آزادی و انقلاب سے متعلق انقلابی تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے تو آج بھی ہند و پاک کے عوام اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرحوم شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی کی مختصر نظم پر انہیں جیل کی سزا ہو گئی تھی اور پشاور کے جلسہ عام میں اسی نظم کے صرف ایک بند کو گا کر پڑھنے والے ایک انقلابی کو جوش مرحوم سے بھی زیادہ یعنی تین برس کی قید سخت کی سزا سنائی گئی تھی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ترقی پسند شعرا و ادیبوں کی منظوم و غیر منظوم تخلیقات سے وطن بھر میں وہ ہنگامہ و غلغلہ بپا ہوا تھا کہ ارباب اقتدار بد حواس ہو گئے تھے۔ کتنا کاری ہے جلیانوالہ باغ کا جرم فروشی نا فرمانی و عدم تعاون کی وہ بے پناہ لہر اٹھی کہ جس کو دبانے کے لئے سامراجی

بعد میں لیگیوں نے شرم و حیا اور تہذیب و اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر وہ بزدلانہ ہتھکنڈے استعمال کئے تھے جو کسی مہذب حکومت کے شایانِ شان نہیں ہو سکتے۔

پشتو ادب میں

شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں بھی جہاں ہر تحریک امن اور عدم تشدد کے اصولوں کے تحت چلائی جا رہی تھی پشتو اور اردو کے ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کو بخشا نہیں گیا۔ میں اس زمانے میں ترقی پسند مصنفین کی انجمن کا جنرل سکریٹری تھا۔ جب کہ میری کچھ نظموں کے سلسلے میں مجھ پر پانچ سال تک تحریر و تقریر کی پابندی عائد کی گئی۔ میرے ساتھ جناب حسین بخش کوثر، شورش کاشمیری (مرحوم) فنا سرحدی مرحوم، بخشی منظر چند ودید ایڈیٹر ہفتہ وار "رائے عامہ" پشاور اور مرحوم رام سرن نگینہ بھی سرکاری جبر و استبداد کا نشانہ بنے۔ ترقی پسند اردو ادب کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ ہندوستان کے اہلِ سیاست کی اکثریت، مفکروں، دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں کا بہت بڑا طبقہ نظریاتی اختلافات کے باوجود جنگ آزادی کے محاذ پر تا آخر متحد اور اکٹھا رہا۔ بقول مرحوم مخدوم محی الدین ؎

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

لیکن آزادی کے آنے پر تقسیم وطن کی صورت میں ان ادیبوں اور شاعروں نے جن کے ہاتھوں میں برسوں شعر و ادب کی باگ ڈور رہی انسان اور انسانی قدروں کی بے حرمتی، اخلاقی و سماجی تقدیس کی پامالی اور جذبات و احساسات کے وحشیانہ قتل کے روح فرسا نظارے دیکھے تھے۔ اس بے پناہ کرب و اندوہ کا احساس کیا ہوگا جو ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے دور میں شاید میر و غالب اور ان کے دیگر معاصرین کے حصے میں آیا تھا۔ اس زمانے کے عوام اور آزادی پسندوں نے دین و دھرم کے نام پر بربریت کا وہ ننگا ناچ دیکھا تھا جس کے تصور سے بھی شرم آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی اعتماد کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں اور اجتماعیت کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں۔ اسی جنگ میں عوام کا ہار کر دیگر وجوہات سے قطع نظر بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان رہنماؤں کے پاس ترقی پسند ادب کی طرح عوام کی تنظیم کے لئے مثبت ذرائع نہیں تھے اور کوئی ایسی ادبی تحریک نہیں تھی جو ذہنی اور نفسیاتی طور پر خلوص و اعتماد کی بنیادوں پر عوام کو پوری طرح متحد رکھ سکتی اور شکست کے بعد ادیب، شاعر ذہنی انتشار کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

احساسِ تنہائی

انفرادی تحفظ، ذاتی مفاد اور احساسِ تنہائی کی ٹیسیں ان مایوس فن کاروں کا مقدر بن کر رہ گئیں۔ میر و غالب جیسے عظیم شاعر و ادیب بھی یاس و قنوط کا مہلک وار نہ جھیل سکے اور باطنی شکست و ریخت، بیکسی و تنہائی اور حیرت و خود احتسابی کے سوگ میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ میر مرحوم اس سوگ کا اعادہ یوں کرتے ہیں ؎

گلی گلی آباد تھی جن سے کہاں گئے وہ لوگ
دہلی اب کے ایسی اجڑی گھر گھر پھیلا سوگ
سہمے سہمے بیٹھے ہیں راگی اور فنکار
بھور بھئے اب ان گلیوں میں کون سنائے جوگ

مرحوم میر نے دہلی کے حالات کا ماتم یوں بھی کیا ہے جہاں تنہائیاں سر پھوڑ کے رہ جاتی ہیں۔ ان مکانوں میں عجب لوگ رہا کرتے تھے۔

مرحوم غالب نے بھی شکست و ریخت کے ماحول ہی میں شاید کہا تھا ؎

رہئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑئیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

شاید ڈیڑھ صدی کے بعد ایک بار پھر تاریخ نے خود کو دہرایا

ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کر رہ جانے کے باوجود نئی نسل کا فن کار اپنی "انا" کی لاج رکھتے ہوئے کہہ اٹھتا ہے ؎

موجۂ اشک سے بھیگی نہ کبھی نوکِ قلم
وہ انا تھی کہ کبھی دردِ نہاں کو لکھا

عالمِ حیرت و استعجاب میں تو میف تبسم کا یہ سوال بھی جواب چاہتا ہے، فرماتے ہیں ؎

چراغ تھا تو کسی طاق ہی میں جلتا رہتا
یہ کیا کیا کہ حوالے مجھے ہوا کے کیا

غالباً غالبؔ سے سو سوا سو سال بعد مظفر حنفی نئے انداز میں کہتے ہیں ؎

کس جگہ رہتے کہاں دن کاٹیے کیا کیجیے
گاؤں میں گھبراہٹ ہے شہر میں کم ہے ہوا

میرؔ مرحوم نے دل کے زخموں کو کرید کرید کر دہلی کی تباہی و بربادی پر آنسو بہائے لیکن ایک نئے شاعر جمال احسانی صاحب فرماتے ہیں ؎

چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا
یہ سانحہ مرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا

ادبی استقام اور فنی خامیوں کے باوجود جدید شاعر اور ادیب بھی اسی طرح حالات کا ماتم گزار دکھائی دیتا ہے جیسے میرؔ و غالبؔ یا ان کے اور معاصر خواہ ان کا تعلق نثر سے تھا یا نظم سے۔ کم و بیش ایک سے حالات میں وہ بھی ایک سی بات کہتے رہے۔ انتہائے ناامیدی میں غالبؔ نے "دلِ بے مدعا" پر شکر و امتنان کا اظہار کیا ہے اور عہدِ حاضر میں رشید افروز نے اسی کیفیت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے ؎

مانگ لیتا ہوں دعا عادت ہے
ورنہ اس دل کی طلب کچھ بھی نہیں

استادِ گرامی حضرت سیماب اکبرآبادی مرحوم نے تغیر پذیر عوامل کے نتائج و تاثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے صحیح فرمایا ہے کہ ؎

گھٹا گھٹا سا دھواں ملے گا اڑی اڑی خاک سی ملے گی
میں جس فضا سے گزر چکا ہوں فضا تمہیں بھی وہی ملے گی

ترقی پسند تحریک کے برعکس جدیدیت پرست ادیبوں اور شاعروں نے شکست خوردگی اور محرومی کے عالم میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی تغیر و انقلاب کا ناگزیر نتیجہ ہے، اگرچہ اس سے انفرادی یا اجتماعی طور پر معاشرے کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، لیکن جدید ادب کے علم برداروں نے یہ دعویٰ ہی کب کیا ہے؟ وہ تو ادب اور مقصدیت کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں تاہم اپنے "ادب برائے ادب" کے نصب العین میں بھی شاید ان کو کامیابی نہ مل سکے گی۔

ماضی سے رشتہ

کیوں کہ یہ بات اس وقت تک پوری نہ ہو سکے گی جب تک یہ لوگ ماضی کی ادبی روایات، حال کے تقاضوں اور مستقبل کی واضح پرچھائیوں کو اپنے تخلیقی عمل کا حصہ بنانے سے جھجکتے رہیں گے۔ ادبی گٹھ جوڑوں سے دھن دولت اور مخصوص طبقوں میں محدود شہرت و مرتبہ تو حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن ادبی عظمتوں کی ابدیت حاصل نہیں کی جا سکتی اور معاشرے کو اجتماعی فلاح و بہبود کے اس مقام پر نہیں پہونچایا جا سکتا جو ترقی پسند ادب سے وہ چاہتا ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کچھ شاعروں اور ادیبوں نے سماجی مقصدیت اور اجتماعی افادیت کو محض ادبی ترقی کے مفروضہ پر قربان کر کے موجودہ نسل کو اس عظیم ادبی ورثہ سے محروم کر دیا ہے جس سے موجودہ حالات میں حتی الامکان استفادہ کر سکتی تھی جو ہر زمانے میں صحیح و صالح ادب کا نصب العین رہا ہے۔ یوں تو جدیدیاتی تنقیدوں میں تاریخی اور سماجی برتری کو فنی عظمت کے برابر کہا گیا ہے لیکن جدیدیت نوازوں کے عملی تجربے سے نتائج اس کے برعکس نکلے جس سے نہ صرف سماج بلکہ ترقی پسند یا جدید ادب دونوں باہمی رنجش و انتشار اور سکر و جمود کا نشانہ بن کر رہ گئے ہیں۔ اگرچہ جدید ادب کی تو اس ضمن میں پہلے بھی خاص اہمیت نہیں تھی لیکن ترقی پسند ادب تو ایک عوامی تحریک کی صورت اختیار کر چکا تھا جس کے ایک بہت بڑے اور سماجی و ادبی دشمن کے لئے بے حد ضرورت تھی۔ ماضی میں ہم (ترقی پسندوں) سے یقیناً غلطیاں ہوئی ہیں جن سے ہمیں اجتماعی استفادہ کرنے کا شاہراہیں مل سکتی ہیں بشرطیکہ ترقی پسند تحریک کے پیچھے کچھ نوجوان شاعروں ادیبوں [illegible] اسی تحریک

غزلیں

فاروق شفق

مرے خوابوں کی یہ وادی نہیں ہے
یہاں کوئی بھی فریادی نہیں ہے

چلو واپس چلیں دنیا میں اپنی
اب آگے کوئی آبادی نہیں ہے

بدن سے بات ہوتی ہے بدن کی
یہاں آنکھوں کو آزادی نہیں ہے

یہ اڑتے بھاگتے رنگین بادل
یہاں لمحوں کی بربادی نہیں ہے

بہت کچھ دیکھنا باقی ابھی ہے
نئی راہوں کا وہ عادی نہیں ہے

اندھیری شب میں رستہ کس سے پوچھیں
کہیں جنگل میں شہزادی نہیں ہے

قریب و دور کہیں دھوپ ہے نہ سایہ ہے
نہ جانے اس نے مجھے کس جگہ بلایا ہے

گواہی کیلئے کافی ہیں گھر کی دیواریں
بچا بچا کے دیا رات بھر جلایا ہے

امید، یاس، اداسی، ملال، محرومی
ذرا سے گھر کو ہم نے بہت سجایا ہے

ہمیں زمانے میں شاید وہ خوش سمجھتا ہے
اسی لئے ہمیں اس نے بہت ستایا ہے

وہی اک اپنے لئے مہربان سایہ تھا
سیاہ آندھی نے جس پیڑ کو گرایا ہے

یہ خواب خواب سی خوشبو کہاں سے در آئی
مرے اندھیروں کو کس نے گلے لگایا ہے

علامہ شبلی نعمانی

محمد شاکر خان، جے پور

شبلی ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو نثر نگاری میں منطق، فلسفہ، تاریخ اور علم کلام کو داخل کیا۔ چنانچہ شبلی بیک وقت مورخ، شاعر، مولوی، فلسفی سبھی کچھ نظر آتے ہیں۔ انکی پیدائش ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی ـــــ جب کچھ استعداد آگئی تو اس وقت کے مشہور معلم مولانا محمد فاروق چریاکوٹی سے عربی علم و ادب کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد رام پور، لاہور، سہارن پور اور لکھنو کا سفر اختیار کرتے رہے جہاں پر بہترین اور لائق اساتذہ سے حدیث اور فقہ کی بھی تعلیم حاصل کی۔

علم دین حاصل کرنے کے بعد اعزہ و احباب نے دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی اصرار کیا۔ چنانچہ شبلی نے اپنی فطری ذہانت سے کام لیا اور وکالت کا امتحان پاس کیا اور وکالت بھی کی۔ لیکن علم و ادب کے ذوق نے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ گھر بیٹھ کر ہی ادبی مشاغل کو نصب العین بنالیا۔ علی گڑھ میں ۱۸۸۲ء میں شبلی کی ملاقات سر سید احمد خاں سے ہوئی اور شبلی کی بے پناہ لیاقت کا اندازہ انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں کرلیا۔ لہذا شبلی کو فارسی کا پروفیسر مقرر کردیا۔ شبلی کو درس و تدریس کا بڑا ہی شوق تھا۔ ان کو یہ جگہ بہت پسند آئی اور ساتھ ہی ساتھ علی گڑھ کی پرکیف اور پر علم فضا میں شبلی کے ادبی ذہن کی نشوونما بھی ہوئی۔

شبلی نے کتابوں کا ایک ذخیرہ لکھ چھوڑا ہے۔ جن میں چند کافی مشہور بھی ہیں۔ الفاروق، المامون، شعر العجم، سیرت النبیؐ، موازنۂ انیس و دبیر کافی شہرت کے حامل ہیں۔ ان کتابوں کے مواد کے لئے انہیں مصر، شام اور قسطنطنیہ کا سفر بھی اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ شبلی کی تصانیف میں مصری اور شامی تہذیب اور قدروں کی کافی جھلک ملتی ہے۔ ۱۸۹۸ء میں سر سید کا انتقال ہوگیا اور شبلی نے علی گڑھ کو خیرباد کہا۔ اور اپنے وطن اعظم گڑھ چلے آئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد سید علی بلگرامی نے شبلی کو حیدرآباد جانے پر مجبور کیا۔ یہاں وہ چار برس تک رہے اور یہاں اپنے قیام کے دوران انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ "الکلام" "موازنۂ انیس و دبیر" "الفاروق" وغیرہ حیدرآباد میں قیام کے دوران کی تصانیف ہیں۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی زبوں حالی دیکھ کر شبلی مجبوراً حیدرآباد سے مستعفی ہوکر لکھنؤ آگئے اور اس درس گاہ کی خدمت کرنی شروع کردی۔ دراصل شبلی نے علی گڑھ اور حیدرآباد کو چھوڑ کر ندوہ کی دنیا اس لئے آباد کی تھی کہ علماء کی معاصرانہ چشمک اور تنگ نظری ختم ہو۔ مگر آخر میں یہاں کے لوگوں کو بھی تنگ دل، تنگ نظر، تنگ خیال پاکر ۱۹۱۲ء میں ندوہ کو بھی خیرباد کہا اور اعظم گڑھ میں دار المصنفین کی بنیاد ڈالی جس کا یہ مقصد تھا کہ صحت مند ادبی اور مذہبی رجحان رکھنے والے مصنفوں کی ایک عمدہ جماعت تیار ہوجائے۔ اپنے اس عظیم تعمیری مقصد میں شبلی کو کافی کامیابی حاصل ہوئی۔ ان کے لائق شاگرد سید سلیمان ندوی نے شبلی کی آرزوؤں کو اور بھی فروغ دیا۔

آج شبلی کی مقبولیت ہندستان اور اس کے باہر بھی ہو رہی ہے۔ آج ان کی خدمات کا سبھی معترف ہیں۔ شبلی کی ہمہ گیر طبعیت نے تنقید، سیرت نگاری، شاعری۔ غرض ہر میدان میں تیزی و یکسانی ہے۔ مگر تاریخ ایک ایسی سنگلاخ وادی ہے

جہاں اچھے اچھے قدم لغزش کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ شبلی بھی بحیثیت مورخ کامیاب نہ ہو سکے۔ حالانکہ وہ مورخ کے [illegible] سے بھی مشہور ہیں۔

تنقید نگاری میں آپ کا اسلوب بیان نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ہے۔ طرزِ استدلال پر اتنا عبور ہے کہ حقیقت خود بخود شہادت کے لئے سامنے آجاتی ہے۔ فنِ تنقید کو انہوں نے اردو ادب میں بہت فروغ دیا۔ اس کے اصول و ضوابط بھی آپ نے مرتب کئے۔ حالی نے جو اصولِ فن متعین کئے تھے شبلی نے ان میں اضافہ بھی کیا اور انہیں بنیاد بنا کر سر بہ فلک محل تیار کیا۔

شبلی کی طرزِ تحریر سادہ اور سلیس ہے۔ مضامین زیادہ تر خشک رہتے ہیں لیکن مضامین کی خشکی دور کرنے کے لئے تشبیہات و استعارات سے کافی کام لیتے ہیں۔ سرسید اور حالی کی طرح انگریزی الفاظ خاص کر استعمال نہیں کرتے بلکہ روزمرہ کے اور عام پسند الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب دلائل پیش کرتے ہیں تو عربی فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ شبلی کی عبارت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تحریر میں تقریر کا مزہ ہوتا ہے۔ وہ کافی متانت اور سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔ شبلی کی ہی وہ ادبی شخصیت ہے جو کہ نہ لکھنوی ہے نہ دہلوی۔ لیکن پھر بھی دنیائے ادب ان کی تحریر کو سند کی حیثیت دیتی ہے۔ آج شبلی کی طرزِ تحریر کا کافی شہرہ ہے اور ان کی طرزِ نگارش کی تقلید بھی ایک فن ہے۔

شبلی کی تحریر میں صفائی اور سادگی بدرجہ اتم موجود ہے لیکن ایسی سادگی نہیں کہ ادبی چاشنی ہلکی پڑ جائے۔ ادبیت ان کی تحریر کا خاص جوہر ہے۔ فارسی کے عالم متبحر ہونے کے باعث فارسی کی نادر تراکیب جابجا ملتی ہیں۔ مگر نذیر احمد اور آزاد کی طرح وہ فارسیت کے عادی نہیں اور نہ ہی فرحت اللہ بیگ کی طرح مغلق اور ادق الفاظ سے سیدھی سادی باتوں کے بیان میں روڑے اور پہاڑ کھڑا کرتے ہیں۔ حالی بغیر انگریزی الفاظ کے ایک جملہ بھی لکھنا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ اس زیادتی سے ان کی تحریر میں رکاکت آجاتی ہے۔ شبلی نے بھی انگریزی اور مغلق الفاظ استعمال کئے ہیں مگر حتی الوسع احتراز کیا ہے۔

شبلی کی تحریریں فنی و ادبی محاسن بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ یہ خامیاں شعوری اور غیر شعوری ہیں۔ جیسے الفاظ کی تکرار، تضاد وغیرہ نظریاتی چیزیں ہیں مگر جوش و خروش کے عالم میں جذبات سے برانگیختہ ہو جاتے ہیں اور اس سیل زدہ موج میں ایسی رکیک اور نادرست باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو ان کو زیب نہیں دیتیں اس کا اعتراف خود انہوں نے اکثر و بیشتر بڑی صداقت سے کیا ہے +++

بقیہ : فاشزم کے ......

مستحکم اور منظم گھریلو محاذ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ بہترین فوج کو بھی، اور انقلابی کام کاج میں مصروفِ عمل لوگوں کو بھی دشمن فوراً ختم کر دے گا، اگر انہیں مناسب ہتھیار سپلائی نہ کئے جائیں، انہیں خوراک و رسد فراہم نہ کئے جائیں اور انہیں تربیت نہ دی جائے"۔ روس کے گھریلو محاذ نے اس سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ روس کی صنعت اور کاشتکاروں نے مسلح افواج کو وہ تمام چیزیں فراہم کیں جو جنگ کو جیتنے کے لئے ضروری تھیں۔

دوسری عالمی جنگ کے ختم ہوئے آج چالیس سال ہو چکے ہیں۔ اس جنگ کے تجربات سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اشتراکیت اندر سے جنم لیتی ہے اسے باہر سے لادا نہیں جا سکتا۔ اسی دنیا کی مسلح طاقت بھی اشتراکیت کو تباہ نہ کر سکی۔ اس جنگ میں جرمنی اور جاپان کی شکست نے نو آبادیاتی نظام کے قلعہ کو ڈھا دیا۔ فاشزم کی شکست نے سرمایہ دارانہ ملکوں میں عوام کے دلوں میں ایک نئی جوت جلا دی، اور آج وہاں مزدور اور محنت کش طبقے کی تحریکیں آگے بڑھ رہی ہیں۔ بہت سارے محکوم ممالک نے برسوں کی غلامی کے بعد آزادی حاصل کر لی۔ یہ جنگ اشتراکیتی سماجی نظام کے لئے ایک آزمائش تھی جس نے تمام میدانوں۔ معاشی، سیاسی، تصوراتی اور فوجی، میں فاشسٹ سامراجی نظام پر اشتراکیتی سماجی نظام کی برتری ثابت کر دی +++

صحت عامہ اور خاندانی رفاہ

بائیں محاذ نے گزشتہ آٹھ برسوں میں صحت عامہ کے بہت سارے اقدامات کئے۔ ان اقدامات کے تحت دیہی صحت عامہ کو ترجیح دی گئی، امراض کی روک تھام کرنے کیلئے اقدامات پر زور دیا گیا۔ ایسے اقدامات کئے گئے کہ ہر شخص کو ابتدائی علاج و معالجہ کی سہولتیں فراہم ہوں اور ان پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لئے کثیر المقاصد صحت عامہ ورکروں کی نئی بھرتی اور تربیت کے انتظامات کئے گئے۔ نیز لوگوں سے سرگرم تعاون سے صحت عامہ کے ایک زبردست پروگرام کے لئے ایک تحریک شروع کرنے پر زور دیا گیا۔

صحت عامہ خدمات کو بہتر طور پر روبہ عمل لانے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے جن میں چند یہ ہیں۔ مختلف پرائیویٹ ہسپتالوں کے انتظامیہ کی ذمہ داری ریاستی حکومت نے سنبھالی۔ بہت سارے ریاستی عام ہسپتال قائم کئے گئے۔ ضلع اور سب ڈویژنل ہسپتالوں میں بستروں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ ہسپتالوں کے ایمرجنسی وارڈوں کو اور بھی بہتر بنایا گیا۔ آوٹ ڈور مریضوں کے علاج کے لئے آوٹ ڈور ڈیپارٹمنٹ کو کھلا رکھنے کے اوقات میں اضافہ کیا گیا۔ کلکتہ کے میڈیکل کالج ہسپتال میں بستروں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اور یہاں بہتر اور جدید طبی آلات اور مشینیں فراہم کی گئیں، نیز ایمرجنسی وارڈوں کو وسیع بنا دیا گیا اور اس میں بہتری لائی گئی۔ سرکاری ہسپتالوں میں ایکس رے شعبہ کو دن رات کھلا رکھا جاتا ہے اور یہاں خون بینک قائم کئے گئے اور امراض دل کے لئے تشخیص کا نیا نظام جاری کر دیا گیا ہے۔ کلکتہ کے ہر وارڈ میں تدارکی اقدامات اور ابتدائی علاج کے سلسلے میں شہری صحت عامہ اسکیم کو جلد ہی جاری کر دیا جائے گا۔

ملیریا کا قلع قمع کرنے کے پروگرام پر حسب خواہ زور دیا گیا ہے۔ ان علاقوں میں جہاں اکثر ملیریا پھیل جاتا ہے، اس بات کی گوناگوں کوششیں کی گئیں کہ اس مرض کی تشخیص کی جائے اور اس کا علاج کیا جائے نیز دور افتادہ دیہاتوں میں پنچایتوں کے ذریعہ جراثیم کش ادویہ چھڑکی جائیں اور مریضوں کے درمیان ادویہ مفت تقسیم کی جائیں۔

جراثیم کی قلع قمع کرنے کی تنظیم کے تحت جذام کے شکار ۷۰ فیصد مریضوں کو لایا گیا، نیز پرولیا ضلع کی پوری آبادی کو کثیر ادویہ اسکیم کے تحت لایا گیا۔

وزیر اعلیٰ کی چیئرمین شپ کے تحت تکمیلی کمیٹی (جزام) قومی جذام تدارک اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے کام میں سرگرم عمل ہے۔ دق کی روک تھام کرنے کے لئے اسینہ کی بیماری کے علاج کے شفاخانے چند ضلع اور سب ڈویژنل مراکز صحت میں کھولے گئے۔ قومی فائیلیریا روک تھام اسکیم کے تحت کونٹائی، مدنا پور، بانکوڑا، برہم پور، سوری، بول پور، درگا پور، بج بج، وشنو پور اور انگلش بازار میونسپل شہروں کے تقریباً ۱۴ لاکھ قبائلیوں کو لایا گیا۔

اجتماعی صحت عامہ فروغ پروجیکٹ کے تحت مضافاتی علاقوں میں ۲۰۰۰۰ تربیت یافتہ صحت عامہ رہنما اب کام کر رہے ہیں۔ ہر گاؤں کے لئے ایک ہیلتھ انسپکٹر کی بہت ہی جلد تقرری کی جائے گی۔ یہ رہنما صحت نگراں مراکز اور

لوگوں کے درمیان ربط و ضبط کو برقرار رکھنے میں گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حاملہ عورتوں کی جانچ کے لئے فیلڈ ورکرس مقرر کئے جائیں گے۔ دیہی دائیوں کی تربیتی اسکیم کو بہت جلد جاری کر دیا جائے گا تاکہ بچے جنتے وقت ہر ماں کو تربیت یافتہ عورت دائیوں کی مدد فراہم ہو۔

خاندانی رفاہ پروگرام کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے مغربی بنگال کو حکومتِ ہند کی طرف سے ایک کروڑ روپے کا دوسرا انعام ملا۔ فی الحال ریاستی حکومت خاندانی رفاہ کیمپس قائم کرنے اور پنچایتوں، رضاکاروں اور جمہوری تنظیموں کے ذریعہ ایسے کیمپوں کی مزید توسیع کرنے کے ساتھ ساتھ، شادی شدہ جوڑوں کو اس بات کی ہدایت دیتی ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے لئے جدید طریقہ کار کو اپنائیں۔ ندیوں سے بھرے سندربن کے علاقوں میں دو اسٹیمروں کو چالو کر دیا گیا ہے۔ ان اسٹیمروں میں خاندانی رفاہ اور بچوں کی رفاہ کے پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لئے اور دیہی بنگال کے دور افتادہ علاقوں میں مختلف امراض کی کھوج لگانے کے لئے حسبِ ضروری آلات اور ساز و سامان رکھے گئے ہیں۔ خاندانی رفاہ پروگرام کے تحت ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۴۴۵۵۱ ۳ افراد کو اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۴۲۱۱۷ افراد کو لایا گیا۔ اس سلسلے میں انتھک محنت کی جا رہی ہے کہ سن ۲۰۰۰ء تک خاندانی منصوبہ کے نشانہ کو پورا کر لیا جائے۔

اس سال ۹۰-۱۹۸۵ء کے عرصہ کے لئے مغربی بنگال کے لئے ۱۰۶ کروڑ روپے کے منصوبہ بنام "ہندستان کی آبادی پروجیکٹ" کو منظوری دی گئی۔ اس منصوبہ کے تحت اضلاع بانکوڑا، بیربھوم، بردوان اور پرولیا کو لایا گیا۔ اس منصوبہ کا مقصد یہ ہے کہ دیہی علاقوں میں صحت عامہ کو فروغ دیا جائے اور اضلاع میں مناسب طبی دیکھ بھال کے لئے تنظیمی ڈھانچہ کو مستحکم بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی طبی اور نیم طبی ورکروں کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ سی، ایم، ڈی، اے کے علاقے کی بستیوں میں رہنے والوں کے لئے ریاستی حکومت نے سی ایم ڈی اے کی امداد و تعاون سے ایک اور پروجیکٹ سی۔ یو۔ ڈی۔ پی۔ ۳ کو روبہ عمل لایا ہے تاکہ بستی باشندوں کو بھی سہولتیں فراہم ہوں۔

مغربی بنگال میں ہر پنچایت کمیٹی کے علاقہ میں ۱۰ تا ۲۰ بستروں پر مشتمل ایک ابتدائی مرکز صحت اور ۲ تا ۱۰ بستروں پر مشتمل دو یا تین ذیلی مراکز صحت قائم کرنے کے نشانہ کو پورا کر لیا گیا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۴ء تک ریاستی حکومت نے ۲۹ ابتدائی مراکز صحت، ۷۰ مراکز صحت اور ۱۸ مضافاتی اسپتال اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۱۴۸۹ تحتی مراکز قائم کئے۔ اس طرح اب مغربی بنگال میں کل ۶۰۰ تحتی مراکز صحت ہیں۔ سارے مغربی بنگال میں مراکز صحت کی تعداد سن ۱۹۷۶ء میں ۲۰۵۸ سے بڑھ کر سن ۱۹۸۴ء میں ۷۱۵۶ اور دیہی اور شہری علاقوں میں ہسپتالوں کی تعداد ۱۹۷۶ء میں ۳۴۴ سے بڑھ کر ۱۹۸۴ء میں ۴۰۲ ہو گئی۔

۱۹۷۶ء میں تمام ہسپتالوں میں بستروں کی کل تعداد ۵۲۶۲۴ تھی جو بڑھ کر آج ۶۲۷۵۰ ہو گئی۔

میڈیکل کورس کے پوسٹ گراجویٹ دور میں منتخبہ امیدواروں کو فی ماہ ۶۵۰ روپئے بطور اعزازی مشاہرہ دئے جاتے ہیں۔ انہیں اپنے اپنے کالجوں اور ہسپتالوں میں ایک الگ شفاخانہ بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

ہومیوپیتھی میڈیکل کورس میں مزید بہتری لانے کے لئے ریاستی حکومت نے تین ہومیوپیتھی کالجوں کے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں نیز ادویہ پر کنٹرول ایکٹ کے تحت آیورویدک اور یونانی علاج و معالجہ کو بھی لایا گیا ❖❖❖

جھاڑگرام پانی کی سپلائی

جھاڑگرام سب ڈویژن کے گوپی بلبھ پور بلاک کے پانچ گرام پنچایت علاقوں میں ٹیوب ویل بٹھانے کے لئے ریاستی حکومت نے ۴۲ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی۔ گرام پنچایت ہے [illegible] سارا، پالم پور اور [illegible]



فاشزم پر فتح کے چالیس سال

از: نکولائی لے تخونوف

آج چار دہائی کا عرصہ گزر چکا جب دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر فاشزم پر روس اور دیگر محبان آزادی کو فتح حاصل ہوئی تھی۔

یہ فتح ۲۰ ویں صدی کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ سوویت کے عوام نے دنیا کی پہلی سوشلسٹ ملک کی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھا اور یورپ اور دیگر براعظموں کے ملکوں کو فاشزم کی غلامی سے نجات دلائی۔ اس جنگ کے نتائج کا عالمی ترقی کے دھارے پر بہت ہی گہرا اثر پڑا۔ قومی اور سماجی آزادی کے سلسلے میں جدوجہد کرنے والے لوگوں کے لئے سازگار ماحول پیدا ہو گئے۔ ساری دنیا میں جمہوریت اور امن و امان کی طاقت مستحکم ہو گئی۔ ایک عالمی اشتراکیتی نظام نمودار ہوا اور اب یہ نظام کامیابی کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

دوسری عالمی جنگ میں جرمن اور جاپان کی شکست نے ساری دنیا میں قومی آزادی کی ایک لہر پیدا کر دی جس نے سامراجیت کے نوآبادیاتی نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ کالونیائی حکومتوں کے کھنڈرات سے بہت ساری نئی ریاستیں نمودار ہوئیں۔

نازیوں نے دھوکہ دے کر ہمارے ملک پر حملہ کیا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ حملہ کر کے ملک جلد سے جلد فتح کر لے، سوویت روس کے علاقے اور مادی وسائل پر قبضہ کر لے، اشتراکیتی نظام کو تباہ و برباد کر دے اور لاکھوں روسیوں کو ختم کر دے یا غلام بنا لے۔ ہٹلر کے دماغ میں عالمی برتری کا جنون چھایا ہوا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ روس کو تباہ و برباد کرنے کے بعد برطانیہ کی نوآبادیتوں پر پورب میں ہندوستان تک اور جنوب میں مصر تک قابض ہو جائے اس کے بعد جزائر برطانیہ اور ممالک متحدہ امریکہ کے علاقوں پر قبضہ کیا جائے۔

چونکہ جرمن نازی ازم کے عالمی تسلط کی راہ میں سوویت روس ہی اہم رکاوٹ تھا اس لئے سوویت روس کو اس جنگ میں ہٹلر فاشزم کا نشانہ بننا پڑا۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ ہٹلر نے ۸۵ لاکھ فوجیوں میں سے ۵۵ لاکھ فوجیوں کو مشرقی محاذ یعنی روس میں لا کھڑا کر دیا تھا۔ جرمن افواج کے پاس ۴۰۰۰ ٹینک، ۷۰۰۰ سے زیادہ بندوق اور کارتوس اور تقریباً ۵۰۰۰ لڑاکو ہوائی جہاز تھے۔ یہ تو جرمن۔ روس محاذ میں تھا جہاں بہت ساری بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں، لیکن یہاں ماسکو، لینن گراڈ اور اسٹالن گراڈ میں، کرسک اور دنیا ئی پر یا کیلورشیا میں یوکرائن میں، بالٹک ملکوں میں، وسٹولا اور اوڈر میں جرمن افواج کو شکست در شکست ہوئی اور پھر برلن میں شکست نے جرمن کی کمر مکمل طور پر توڑ دی۔ دوسری عالمی جنگ میں ۷۸۳ فاشسٹ بلاک ڈویژن کو تباہ کر دیا گیا ان میں ۶۰۷ ڈویژن کو لال فوج نے نیست و نابود کر دیا۔ اس جنگ میں ۱۳۶ لاکھ جرمن مارے گئے جن میں سے ایک کروڑ جرمن صرف روس۔ جرمن محاذ پر مارے گئے۔

فاشزم پر فتح کے سلسلے میں روس نے جو گرانقدر خدمات انجام دیں ان سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ اور بقول ونسٹن چرچل "یہ روسی فوج ہی تھی جس نے جرمن کی جنگی مشینوں کے

انتظار کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔

سوویت عوام ایک مشترکہ دشمن فاشسٹ جرمن سے خلاف ممالک متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دیگر ملکوں کی جدوجہد کو سراہتے ہیں اور فاشزم کے خلاف جنگ میں ان ملکوں نے سوویت روس کو جو فوجی امداد فراہم کی، اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سوویت عوام ہٹلر کے خلاف یوگوسلاویہ کے عوام کی آزادی کی فوج، پولینڈ کی عوامی فوج، زیکوسلواکیہ، بلگاریہ، رومانیہ اور ہنگری کی مسلح یونٹوں، البانیہ کے عوام کی آزادی کی فوج، فاشزم کا مقابلہ کرنے والے زمین دوز جماعتوں کی کاوش ہائے پیہم کو بھی سراہتے ہیں۔

اس فتح کی چالیسویں سالگرہ مناتے ہوئے ہم سب فاشزم کے خلاف جنگ کرنے والے ان تمام سورماؤں کو یاد کرتے ہیں، جو آج یا تو زندہ ہیں یا مر چکے ہیں۔ عوام کے دل و دماغ میں انکے جرأت مندانہ کارناموں کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔

سوویت روس کے عوام کو فتح سے ہمکنار ہونے کیلئے سخت جدوجہد کرنا پڑی۔ یہ جنگ توران کے لئے زندگی اور موت کی جدوجہد تھی۔ روس پر حملہ کرنے سے قبل ہٹلر نے کافی تیاری کرلی تھی اور بہت بڑی فوج تیار کی تھی۔ جرمنی میں اور جرمن کے زیر قبضہ ملکوں میں تقریباً ۶۵۰۰ پلانٹس اور کارخانوں میں فوجی ہتھیار اور سازوسامان تیار کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ نازیوں کی ذیلی افواج بھی تھیں، جو وقت پر نازیوں کی مدد کرسکتی تھیں۔ جرمنی نے روس پر یکایک حملہ کردیا، اس وقت جرمنی کی فوجی طاقت زیادہ تھی جگہ جگہ جرمن کو کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے شروع شروع میں جرمنی افواج کو روس کے خلاف جنگ میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور دشمن روس کے اندرونی علاقوں میں داخل ہوگئے۔ برلن میں تو خوشیاں منائی گئیں کہ اب ماسکو اور لینن گراڈ پر ہٹلر کا قبضہ ہو جائے گا اور لال فوج اب چند دنوں کی مہمان ہے۔ لیکن ہوا کیا؟ کیا روس میں ہٹلر کو کامیابی حاصل ہوئی؟ نہیں۔ شروع شروع میں ہٹلر کی فوجیں روس میں داخل ہوگئیں اور بہت سارے علاقوں پر قابض ہوگئیں لیکن اس کے بعد ان فوجوں کو اسی راستے سے جس سے وہ روس میں داخل ہوئی تھیں واپس آنا پڑا اور آخر میں نازی فوج لال فوج کے وار کو برداشت نہ کرسکی اور پاش پاش ہوگئی۔

لیکن سوویت عوام کی فتح کا راز کیا تھا۔ یہ راز تو اس حقیقت میں پوشیدہ تھا کہ گزشتہ عالمی جنگ سوویت لوگوں کے لئے بہت ہی اہم اور مقدس جنگ تھی۔ وہ سب اپنے اشتراکیتی وطن کا دفاع کر رہے تھے، اسی لئے ان لوگوں نے اس جنگ کو حب الوطنی کا عظیم جنگ قرار دیا۔

اشتراکیت اور اپنے وطن کی دفاع کے تصور نے میدان جنگ اور گھریلو محاذ، دونوں نے عظیم سورماؤں کو جنم دیا۔ روس کے لوگ — اسکی بحری اور بری افواج، اس کے کارخانوں کے مزدور، کسان اور دفاتر کے ملازمین — سبھوں کا ایک ہی مقصد تھا کہ دشمن کو شکست دی جائے اور اپنے مادر وطن اور اپنے طرز زندگی کی حفاظت کی جائے۔

فاشزم پر فتح نے دنیا کی پہلی اشتراکیتی ریاست کی، جو اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء میں عالم وجود میں آئی، ناقابل تسخیر طاقت کو اجاگر کر دیا۔ سوویت حکومت تو صحیح معنوں میں عوام کی اور عوام کے لئے حکومت تھی اور اسی لئے بہت ہی جلد اس عظیم ملک کو ایک وسیع جنگی کیمپ میں تبدیل کرنا ممکن ہوسکا۔ روس پر جرمنی نے جب حملہ کیا، اس کے ٹھیک نویں دن پر یعنی یکم جولائی سنہ ۱۹۴۱ء کو ۵۰ لاکھ لوگوں کی فوج تیار کی گئی۔ بہت سارے نئے فوجی ڈویژن قائم کئے گئے۔ لگ بھگ ۲۰ لاکھ لوگ عوامی فوج میں شامل ہوگئے، اور جب یہ جنگ ختم ہوئی تو اس وقت روسی فوجیوں کی تعداد ۱۱۰ لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔

فاشزم کے خلاف جنگ اشتراکیت کی تمام قدروں کے لئے ایک سخت آزمائش تھی اور اس آزمائش میں روس کی افواج اور لوگ پورے اترے۔ جن جن علاقوں میں جرمنوں نے قبضہ کرلیا تھا، وہاں کے لوگ، کارخانوں کے مزدور، کسان، اساتذہ، ڈاکٹر اور مذہبی رہنما سب سر سے کفن باندھے میدان جنگ میں کود پڑے۔ اس وقت حملہ آوروں کے پاؤں کے نیچے کی زمین درحقیقت جلنے لگی۔

بقول لینن "جنگ میں مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں ایک

باقی صفحہ ۱۹ پر

میں پہنچ رہے تھے جاتا تھا کر دوسری عالمی جنگ میں بہت سے ہندوستانی جوان مارے گئے تھے اور مرمانسک میں دفن کیے گئے تھے۔ ان کے بارے میں کچھ باتیں میں نے پہلے سنی تھیں اور کچھ جنگ کی یادوں سے متعلق کتابوں میں پڑھی تھیں لیکن میرا ذہن اس سلسلے میں کچھ صاف نہیں تھا کیونکہ یہ مجھے بڑی عجیب سی بات لگتی تھی۔ خیال میں وہ علاقہ کا محاذ برف کے شدید طوفان اور زنگ کی سردیوں اور ہندوستان کے لوگ۔ کچھ جوڑ بیٹھتا نہیں تھی۔

حقائق کو جاننے کے لئے میں نے مرمانسک کا ارادہ کر لیا۔ یہ ایک شہر ہے جسے سوویت شمال بعید کی راجدھانی کہا جاتا ہے نیچی پہاڑیوں پر آباد یہ قصبہ خلیج کے مشرقی ساحل پر ۲۰ کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔

اپنے ساتھی الیکساندر خارپودسکی کے ساتھ جو ایک ڈیزائن انجینیر اور مرمانسک علاقہ کے قدیم باشندے ہیں اور جن سے میرا تعارف ... میں ہوا تھا، بڑی تیزی سے راستے کے نشیب و فراز سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ۵۵ برس کی عمر ہونے کے باوجود خارپودسکی میں بلا کی قوت تھی۔

اور قوت رکھنے والے ہی لوگ تھے جنہوں نے جنگ کے زمانے میں مرمانسک کو ایک قلعے کی شکل دے دی تھی۔ دشمنوں نے اس پر کئی مرتبہ قبضہ کرنے کی کوشش کی اور تابڑ توڑ حملے کرلیں لیکن ہر بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر قبضہ نہ کر سکے تو فاشسٹوں نے اسے ہوائی حملے کے ذریعے برباد کر دینے کا فیصلہ کیا اور اندھا دھند بمباری کرنے لگے۔ تباہی کا اندازہ کچھ اعداد و شمار سے لگتا ہے۔ مرمانسک پر ۷۹۲ بار ہوائی حملے ہوئے جن میں ایک لاکھ ۸۵ ہزار بم برسائے گئے۔ مرمانسک اسٹالن گراد کے بعد دوسرا شہر بنتا ہے جس پر فی مربع میٹر کے لحاظ سے سب سے زیادہ بم گرائے گئے۔ اوسطاً مرمانسک کے ہر شہری کے حصے میں ۲۱ کلو گرام بارود اور ۷ آتشیں بم آئے۔ ہر وہ چیز جو جلائی جا سکتی تھی خاکستر کر دی گئی۔ سرزمین مرمانسک خون سے رنگ دی گئی تھی لیکن اس نے ہتھیار نہیں ڈالے اور اس فاشزم کے خلاف عظیم جنگ کی تاریخ میں اسے ایک قابل فخر مقام حاصل ہے۔

"آخر کار ہم پہنچ ہی گئے" خارپودسکی نے ایک اور چڑھائی طے کرنے کے بعد کہا یہ زیلیونی چوٹی کا ہموار سرا تھا جس پر مرمانسک کا مشہور الیوشا واقع ہے جو ایک سوویت سپاہی کا شاندار مجسمہ ہے۔

"یہاں سے ہم میدان جنگ کا پورا منظر دیکھ سکتے تھے"، اس نے کولا خلیج کے حد نظر تک پھیلے منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لنکاسٹر" نامی جہاز، وہاں ایک گودی پر لنگر انداز تھا۔ مرمانسک میں یہ جہاز برطانیہ سے ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو سامان لے کر آیا تھا جس کے عملے میں بہت سے ہندوستانی سپاہی بھی شامل تھے۔ لنکاسٹر جہاز کے علاوہ ۱۴ جہاز اور بھی تھے۔ وہ ہزاروں لاکھوں ٹن سامان لاتے تھے۔ ان میں طیارے، ٹینک، چھوٹے ٹینک، توپ کے گولے، طرح طرح کے خام مال اور کھانے پینے کی چیزیں ہوتی تھیں۔ اس وقت حلیفوں کے درمیان (برطانیہ، سوویت یونین اور امریکہ) ہونے والے باہمی رسد کی فراہمی کا معاہدہ عمل میں آ چکا تھا۔ خارپودسکی نے بتایا۔

"۱۹۴۲ء کا سال خاص طور پر صبر آزما سال تھا" خارپودسکی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جاڑے بھر اور موسم بہار میں بھی مسلسل ہوائی حملے ہوتے رہے تھے اور ہمیں برستے ہوئے بموں کے درمیان صبح سے رات تک کام کرنا پڑتا تھا۔ برف بستہ خلیج میں مہینوں جہاز جمع ہو گئے تھے۔ ہر جگہ پگھلی ہوئی برف اور سرنگیں تھیں۔ اسی وجہ سے لنکاسٹر کو ۱۰ دن بعد یعنی ۲۱ مارچ کو لنگر انداز ہونے کا موقع ملا۔

"جہاز سے بمباری کے دوران آگ اور گولیوں کی بوچھار کے درمیان سامان اتارا گیا۔ ۲۴ مارچ کو زبردست ہوائی حملے میں کئی بم برطانوی جہاز پر گرے

"زخمیوں کو فوراً نیوی کے اسپتال میں لے جایا گیا۔ شہر کی کچھ بچی کھچی عمارتوں میں سے ایک میں اسپتال بنایا گیا تھا۔

کسی کو نہیں بھولے، کچھ بھی نہیں بھولے

وائی۔ ماکاریچ

۱۹۴۲ء میں ہٹلری بمباروں نے مرمانسک کو قریب قریب تباہ کر دیا تھا۔

اب یہ ایک اسکول ہے۔ زخمی ہونے کے بعد
کئی غیر ملکی جانبازوں کو یہاں اسپتال
جو بعد میں ٹھیک ہو گئے اور اپنے
پیروں پر کھڑے ہو گئے۔ لیکن ان میں سے
کچھ ایسے تھے جنہیں ڈاکٹر نہ بچا سکے۔ ان میں
دس سپاہیوں کے ہندوستانی بھی
تھے، یہ خیال پریشان کن تھا۔
یہ ہندوستانی جانباز کون تھے
جو اپنے وطن کے ساحلوں سے اتنی دور چلے
آئے تھے؟ کیا وہ واقعی ہندوستانی تھے؟
انہیں کہاں دفن کیا گیا؟

ضلع کے طبی کارکن رجسٹریشن اور فہرست
مرتب کرنے والے دفتر میں ہم نے جنگ کے
زمانے کا ایک چارٹ دیکھا جس میں مرمانسک
قبرستان میں غیر ملکی سپاہیوں کے دفن ہونے
کی جگہ دکھائی گئی ہے اور تصویروں کا ایک البم
بھی جس میں قبروں کی اصل تصویریں شامل تھیں
جہاں ہندوستانی سپاہیوں کے

(بائیں) آج کا مرمانسک۔
۵ لاکھ کی آبادی کا یہ شہر سوویت یونین کے
شمال کا ایک بڑا صنعتی مرکز اور
سوویت یونین کی ایک مشہور بندرگاہ۔

(سب سے نیچے)
مرمانسک کی ایک خاص شاہراہ۔

متعلق اور ان دستاویزات کی تحقیقات کی تھی جو
ہم پاس جاکر نشان بتا دیا تھا جو قبروں
کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس پر کسی نے
انگریزی میں لکھا تھا "ہندوستانی بحری
رجسٹر ہے" عبارت لکھی ہوئی تھی: "مرمانسک
کے برطانوی قبرستان میں الگ الگ
۲۷ قبریں تھیں۔ یہاں دفن ہیں دو امریکہ
کناڈا اور پولینڈ کے دو سپاہی، ایک
چینی، ۷ ہندوستانی اور ۱۲ برطانوی
سپاہی۔" اور ان ۲۷ ناموں کی فہرست درج
تھی۔ خار پوسکی کے ساتھ میں قبرستان کے
دوسرے حصے میں سات ہندوستانی جہازرانوں
کی قبروں پر حاضر ہوا۔ راستے میں میں نے اپنے
ہم سفر کو ان دستاویزات کے بارے میں
بتایا جو مجھے ملے تھے۔ انہوں نے جواب
میں کہا: "دروازہ ایک بڑا محراب ہے جو قدرتی
رنگ سے رنگا ہے۔ کتنی زندگیاں قربان کی گئی
تھیں۔ ان کے پاس دو سکھ اور
کتنی قسمت کے ناشکری سے گذرتا چلا جاتا ہے
ہیں، یہ تو عجیب بات ہے۔"

ہماری کار قبرستان کے دروازے
کی طرف بڑھ گئی۔ ہم لوگ صاف ستھرے
راستے پر مڑے جہاں قبروں پر سبزہ اگا ہوا تھا
ہر طرف گہرا اطمینان سکوت سا طاری تھا اور
خار پوسکی دھیمی آواز میں بتا رہے تھے: "یہاں
دو کناڈا کے سپاہی، دو امریکی ہیں اور یہ
پولینڈ کے لوگ..." آخر کار ہم تھوڑا
دائیں جانب گھومے اور قبروں کی صورت
میں مٹی کے ڈھیر دیکھے جن پر پھول رکھے ہوئے
تھے۔ ہر قبر پر سنگ مرمر کا کتبہ تھا جس پر
اردو اور انگریزی میں یہ عبارت تحریر
تھی۔ میں نے ایک ایک قبر پر سے کتبہ کو
تحریر کیا ہے۔

عزت اللہ
فائرمین
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۲۱ سال۔

اختر علی
گریسر
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۳۰ سال۔

فرزند علی
فائرمین
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۲۹ سال۔

کریم اللہ
فائرمین
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۲۹ سال

عرفان اللہ
فائرمین
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۳۲ سال

وحید اللہ
فائرمین
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۲۵ سال۔

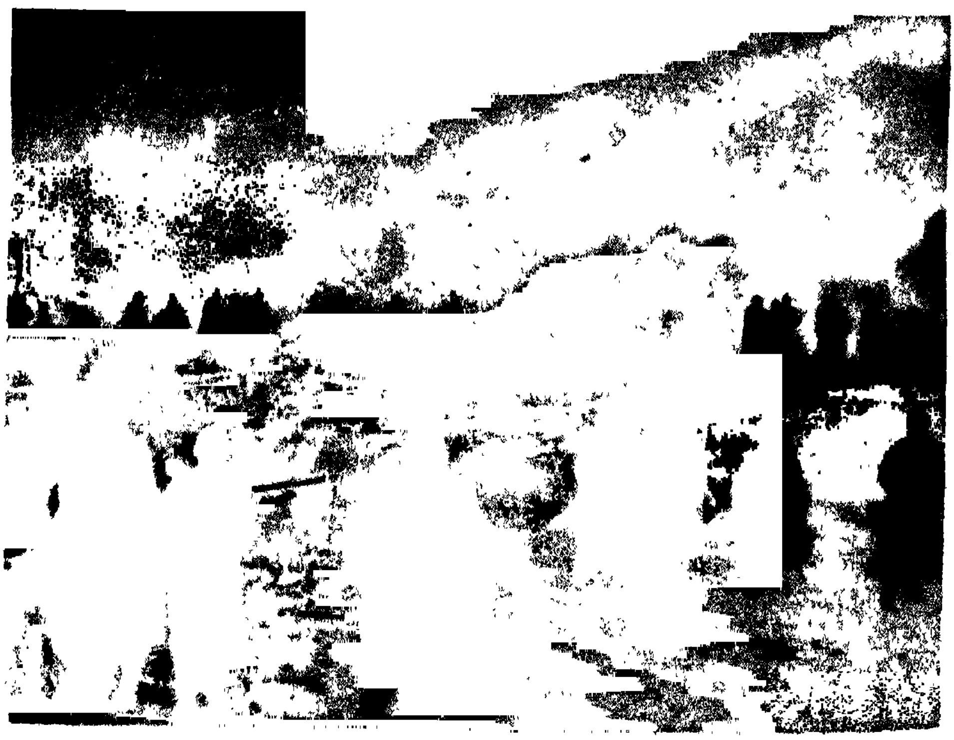
شریف اللہ
فائرمین
"ایس۔ایس۔ لنکاسٹر محل"
۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء، عمر ۲۷ سال۔

ہم نے ان کی قبروں پر سرخ اور گلابی
پھول چڑھائے جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔
یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ ابدی نیند
سو رہے ہیں۔ خار پوسکی نے خاموشی توڑتے ہوئے
کہا: "یہ معصوم اور بہادر لوگ فاشزم کے خلاف
ہماری جنگ میں ہمارے سچے دوست تھے۔ یہی
وجہ ہے کہ یہ لوگ آج بھی ہماری یادوں میں زندہ ہیں
اور اسی لئے لوگ ان کی قبروں پر حاضری دینے آتے ہیں۔"

(دائیں) یوم فتح کے موقع پر مرمانسک کے باشندے شہر کے قبرستان میں جاکر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔
(بائیں) کچھ جہازران اور الیکسانڈر خار پوسکی ہندوستانی جہازرانوں کی قبروں پر۔
(نیچے) لنکاسٹر محل نامی جہاز کے ہندوستانی جہازرانوں کی قبروں پر سنگ مرمر کے کتبے لگے ہیں جن پر ان کے نام درج ہیں۔



دوسری عالمی جنگ — روس جرمن محاذ پر



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of G[illegible]

MAGHREBI BANGAL
15th AUGUST 1985
Postal Regd. No. WB/CC-32
Vol. 32 No. 16
PRICE 25 Paise

یومِ آزادی کا عہد

مجاہدینِ آزادی اور شہیدوں کی عظیم قربانیوں اور خود فراموشیوں کے نتیجہ میں آج کے دن ۳۸ سال قبل ہندوستان نے آزادی حاصل کی تھی۔ اس عظیم برصغیر کے لئے جہاں مختلف ذات پات اور عقیدے کے لوگ آباد ہیں، اتحاد کو منزلِ مقصود بنانے کا اسی دن سے غریبی اور محرومی سے ملک کے عوام کو آزاد کرانے کی جدوجہد بھی شروع ہوئی۔ افتراق اور فرقہ واریت کی ناپاک طاقتیں ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہیں اور ملک اور اس کے عوام کی سالمیت اور یک جہتی کو خطرے میں ڈال رہی ہیں۔

ان پالیسیوں جن پر بائیں محاذ حکومت گامزن ہے کے نتیجے میں مغربی بنگال ان تفریق پسند قوتوں کے خطرہ سے آزاد ہے۔

بھائی چارگی اور اتحاد کی اس فضا میں آئیے ہم سب اس بات کا عہد کریں کہ ہم تمام ذات، مذاہب اور زبانوں کے بھائیوں کے ہاتھوں سے ہاتھ ملا کر نئے مغربی بنگال کو عالمِ وجود میں لائیں گے۔ ہمارے محدود وسائل اور بہت ساری مشکلات کے باوجود حکومت اور عوام کی مرکوز کوششوں کے ذریعہ آئیے ہم سب غربت سے نجات، سبھوں کے لئے بہتر صحت، نئی صنعتوں کا قیام، عوام میں تعلیم کی اشاعت اور قومی اتحاد اور صحت مند ثقافت کو برقرار رکھنا، جیسے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوشش کریں۔ یہی ہمارا یومِ آزادی کا عہد ہے۔

حکومت مغربی بنگال



پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ ستمبر ۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۸

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : ۱۲ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱



شری پروبھاش پھودیکار، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور، ۱۳ اگست ۸۵ء کو لے ٹی آئی، سالٹ لیک کلکتہ میں انفارمیشن افسروں کے لئے مرکوز تربیتی مرکز میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔

میرٹھ کیس اور ہندوستان میں آزادی کی تحریک

—— از: ایس ۔ اے ۔ ایم ۔ حبیب اللہ وزیر شعبہ عدلیہ و قانون ساز، مغربی بنگال

برٹش حکومت نے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیان کمیونسٹوں کے خلاف مسلسل پانچ مقدمے دائر کئے۔ یہ تمام مقدمے ان ہندوستانی انقلابیوں کے خلاف تھے جو افغانستان اور سوویت یونین سے واپس آئے تھے۔ برٹش حکومت کو تاشقند، افغانستان اور ایران میں انقلاب دشمن لوگوں اور ان کے ایجنٹس سے یہ خبر موصول ہوئی تھی کہ مشرقی ہندوستان اور دیوبند کے دارالعلوم کے بہت سارے انقلابی سابق طلبا اور اساتذہ کو، جو عدم تعاون تحریک میں شرکت کرنے کے بعد افغانستان کے لئے روانہ ہوئے، ان کے ایجنٹوں نے قتل کر دیا۔ لیکن چند طلبا اور اساتذہ روسی ترکمانیہ اور خاص طور پر تاشقند پہونچ گئے۔ وہاں ان لوگوں نے روسی انقلابیوں سے ملاقات اور بات چیت کی پھر چند دنوں کے بعد وہ ہندوستان واپس آگئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں کمیونسٹ خیالات کا پرچار کیا جائے اور کمیونسٹ خیالات سے سرشار لوگوں پر مشتمل انقلابی پارٹی منظم کی جائے۔ اس خبر کے پاتے ہی برٹش حکومت نے ان نوجوان انقلابیوں کو سخت ترین سزا دینے کی کوشش کی۔ ان میں سے چند مقدموں، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، میں برٹش حکومت کو کامیابی حاصل ہوئی، کیونکہ اس حکومت نے ان انقلابیوں کو، قبل اس کے کہ وہ ہندوستان کی مزدور تحریک اور آزادی کی تحریک کو بڑھاوا دیں، گرفتار کر لیا اور انہیں سخت سے سخت سزائیں دیں۔ کانپور بولشیویک سازش کیس ۱۶ مارچ ۱۹۲۴ء کو شروع کیا گیا اور ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو میرٹھ کیس کے ملزموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس عرصہ میں یہ بات برٹش حکومت کے لئے درد سر بن چکی تھی کہ ملک کی قومی تحریک اور بہت ساری انقلابی تنظیموں کی تحریکیں بولشیویک خیالات کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں۔ ۲۱ مئی ۱۹۲۹ء کو حکومت ہند کے اس وقت کے ہوم سکریٹری نے صوبائی حکومتوں کو ایک ایمرجنسی سرکلر دیا جس میں یہ باتیں درج تھیں "ہندوستانی انقلابی اور کمیونسٹ دونوں متحدہ طور پر ایک ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ صورت حال خطرناک ہے اس بات کی کوششیں کی جانی چاہئیں کہ ایسی طاقتوں کو فروغ حاصل نہ ہو۔" حکومت، چند انگریز مصلحین، قومی اور ٹریڈ یونین مصلحین کو فکر لاحق ہوگئی اور انہوں نے اعلانیہ طور پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مزدوروں کی تحریک سے کمیونسٹوں کو الگ کر دیا جائے۔ ان باتوں کے باوجود ۱۹۲۷ء میں، جب شپرجی سکلت والا جو برٹش پارلیامنٹ کے ممبر تھے اور ایک کمیونسٹ لیڈر بھی ہندوستان آئے تو ان کا لوگوں نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔ انہوں نے سامراجیت کے خلاف اور کسانوں اور مزدوروں کی جد و جہد اور کمیونسٹ تصورات پر جو تقریریں کیں، ان سے ہندوستان میں کمیونسٹ تحریک کی بابت غلط پروپیگنڈے کا خاتمہ ہو گیا اور نیشنلسٹ ورکروں اور انقلابیوں کے درمیان کمیونزم کے تصورات کو [illegible] حاصل ہوا۔ پھر جب ۱۹۲۷ء میں نیشنل کانگریس کی [illegible] منعقد ہوئی تو وہاں بھی کمیونسٹوں کی سرگرم کوششوں کے [illegible] مکمل آزادی کی قرارداد منظور کی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں سارے ملک میں عام ہڑتال ہوئی۔ اس ہڑتال [illegible] کشی مطالبات کے لئے جد و جہد عیاں ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ محنت کش طبقہ سیاسی جد و جہد کے راستہ

پر گامزن ہو چکا ہے۔ اس موقع پر انتظامی اصلاحات کے لئے سائمن کمیشن کو ہندوستان بھیجا گیا۔ اس کمیشن کا پورے ملک نے بائیکاٹ کیا۔ کمیونسٹوں نے بھی لوگوں کا ساتھ دیا۔ سکلت والا کے دورہ اور سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کرنے کے نتیجہ میں جو واقعات رونما ہوئے انہیں برٹش حکمرانوں اور چند قومی رہنماؤں نے پسند نہیں کیا۔ بنگال، اتر پردیش اور پنجاب کے انقلابیوں کے درمیان کمیونزم مقبول ہوتا جا رہا تھا۔ اس لئے حکومت نے ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو کمیونسٹوں اور ٹریڈ یونین کے سربراہوں کو گرفتار کر لیا، اس کے بعد ہی میرٹھ کیس شروع کر دیا گیا۔ بمبئی، کان پور، کلکتہ اور لاہور سے تقریباً ۳۱ انقلابیوں کو گرفتار کر کے میرٹھ میں لایا گیا۔ گرفتار شدگان میں مہاراشٹر کے سچیتا نند اوشنو گھاتے، ایس تارام سوالارام میراز کار، کیلاش نلکینتھ موگلیکر، آر۔ ایس۔ نیمبکر، ایس۔ اے ڈانگے، جی۔ ایم۔ ادھیکاری، ایم۔ جی۔ ڈیسائی، ڈی۔ آر۔ تھینگدی، لکشمن راؤ کدم، ایچ۔ ایس۔ جھابوالا، اے۔ اے۔ آلوے، جی۔ آر۔ کاسلے، بنگال کے مظفر احمد، شمس الہدیٰ، دھارانی گوسوامی، گوپن چکرورتی، گوپال بساک، رادھا رمن مترا، کیشوری لال گھوش، شیب ناتھ بنرجی اور اتر پردیش کے پی۔ سی۔ جوشی، آیودھیہ پرشاد، گنگوری شنکر، وشوا ناتھ مکھرجی، دھرم بیر سنگھ اور پنجاب کے سوہن سنگھ جوش، عبدالمجید، شوکت عثمانی، کیدار ناتھ سہگل تھے۔ ان کے علاوہ دو برٹش شہری فلپ اسپرٹ اور بن براڈلے بھی تھے جو کمیونسٹ اور ٹریڈ یونین تحریک کو منظم کرنے کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ پھر کے۔ ہچنسن کو گرفتار کر کے انہیں زیر سماعت قیدیوں میں شامل کر دیا گیا۔ چند دنوں کے بعد ان ۳۲ افراد کے مقدموں کو عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ زیر سماعت عرصہ میں ڈی۔ آر۔ ٹھینگڈی کا انتقال ہو گیا۔ کیشوری لال گھوش، شیب ناتھ بنرجی اور گورکھپور کے ڈاکٹر وشوا ناتھ بنرجی کو بلا شرط رہا کر دیا گیا۔ عدالتی کارروائی ساڑھے تین سال تک جاری رہی۔ ۲۷ افراد کو تین سال سے عمر قید کی سزا دی گئی۔ مظفر احمد واحد شخص تھے جنہیں عمر قید کی سزا دی گئی۔ اپیل کرنے پر مظفر احمد، شوکت عثمانی اور فلپ اسپرٹ کے علاوہ باقی دیگر قیدیوں کو بلا شرط رہا کر دیا گیا کیوں کہ انہیں زیر حراست رکھنے کی مدت سزا کی مدت سے زیادہ ہو گئی تھی۔ اسپرٹ کو دو سال کی اور باقی افراد کو تین سال کی قید کی سزا دی گئی۔

میرٹھ کا اثر

میرٹھ کیس کے ذریعہ برٹش حکومت کو کچھ فوری کامیابی حاصل ہوئی۔ نو بیدار مزدوروں کی تحریک کو ایک جھٹکا لگا کیوں کہ مزدوروں کے سربراہوں کو زیر حراست رکھ دیا گیا۔ یہ تحریک نہ صرف کمزور ہو گئی بلکہ تقسیم کرنے والی طاقتیں بھی اس میں گھس آئیں۔ سنہ ۳۰-۳۲ء کے دوران سربراہی کی کمی کی وجہ سے محنت کش طبقہ آزادی کی تحریک میں اپنا مناسب کردار ادا نہیں کر سکا، لیکن برٹش حکومت کا ایک مقصد پورا نہ ہو سکا۔ حکومت کمیونسٹوں کو ان کے ہم وطنوں اور قومی تحریک سے الگ کرنا چاہتی تھی۔ عدالتی کارروائی میرٹھ میں ہوئی۔ کلکتہ، بمبئی یا کانپور میں نہیں ہوئی، کیوں کہ برٹش حکومت یہ چاہتی تھی اور اس نے اس بات کی کوشش بھی کی کہ قیدیوں کو اور ان کے کیسوں کو مناسب پرچار سے محروم رکھا جائے اور جیوری یعنی منصفوں کی انصاف کرنے سے روک تھام کی جائے۔ سرکاری وکیل لینگ فورڈ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ "مجرمین درحقیقت قوم دشمن عناصر ہیں۔ جس انقلاب کے لئے انہوں نے سازش کی تھی وہ قوم دشمن انقلاب تھا، اور موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس اور گاندھی جی کی بابت ان انقلابیوں کے خیالات اچھے نہیں ہیں۔ انہیں ملک سے محبت نہیں ہے۔ یہ سب خطرناک بولشویکس ہیں۔" لیکن اس کیس کا بنیادی نقطہ برٹش کے خلاف سازش تھا۔ زیر سماعت قیدیوں کا نظریہ یہ تھا کہ خواہ ان کا طریقہ کار کچھ بھی کیوں نہ ہو، برٹش حکومت نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور ان پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ ملک سے برٹش راج کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ گرچہ لوگوں نے

اس سازش میں عملی طور پر شرکت نہیں کی، تاہم انہوں نے زیر سماعت قیدیوں کی پوری تائید کی۔ موتی لال نہرو بذات خود میرٹھ میں قیدیوں کی امداد کمیٹی کے صدر بن گئے۔ بمبئی کے مشہور وکیل کے۔ اے۔ نریمن اور محمد کریم چھاگلہ، جو بعد میں آزاد ہندوستان کے وزیر تعلیم بنے، ملزموں کی تائید کی۔ اس طرح کمیونسٹوں کو عوام سے الگ تھلگ کرنے کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ برطانیہ میں مزدوروں کی تحریک نے ہندوستانی ملزموں کی تائید میں آواز اٹھائی۔ رومانڈ رولانڈ جیسے مفکروں نے ہندوستان میں برٹش حکومت کے اصل چہرے کو بے نقاب کر دیا۔ تین برطانوی شہریوں کو زیر حراست رکھنے کی وجہ سے ہندوستان میں برٹش سامراجیوں کو بہت ناموافق صورت حال کا مقابلہ کرنا پڑا۔ رجنی پام دت نے اپنی کتاب "انڈیا ٹوڈے" (آج کا ہندوستان) میں یوں لکھا: "یہ حقیقت کہ برٹش محنت کش طبقہ تحریک کے تین نمائندوں کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی گئی اور انہیں بھی ہندوستانیوں کے ساتھ ساتھ جیل میں بھیج دیا گیا، مزدوروں کی بین الاقوامی اتحاد کی ایک تاریخی مثال ہے۔"

سب سے اہم بات یہ ہے کہ میرٹھ کے ملزمین کے کیا خیالات تھے اور انہوں نے کیا کہا۔ ہندوستان میں برٹش حکومت کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے ان کی للکار اور بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی تائید میں ان کے بیانات نے ہندستان میں برٹش سامراجیت کی سازش کو بے نقاب کر دیا۔ قیدخانہ کے اندر اور باہر لوگوں نے کمیونزم کا مطالعہ کرنا اور کمیونزم کی بابت پوچھ گچھ کرنی شروع کر دی۔ اس کے بعد ہندستان کے تمام صوبوں میں انقلابی افراد کمیونزم کی طرف مائل نظر آنے لگے۔ نیز قیدخانے میں قیدیوں نے کمیونسٹ مطمح نظر کی بابت کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور انہوں نے خود کو کمیونسٹ تنظیموں سے وابستہ کر لیا۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میرٹھ کیس نے ہندستان میں کمیونسٹ اصولوں کے پرچار کے لئے ایک مستحکم بنیاد فراہم کی۔

۱۹۳۷ء کے آخر میں حکومت ہند کے انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے ہندستان میں حالیہ کمیونسٹ سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں یہ ذکر کیا کہ ان لوگوں نے میرٹھ سازش کیس کی بھی گفت و شنید کی۔ انہوں نے اس وقت تک کی کمیونسٹ تحریک کو تین ادوار میں منقسم کر دیا۔ پہلا دور کانپور سازش کیس سے قبل کی تحریک سے، دوسرا دور میرٹھ کیس اور کانپور کیس کے درمیانی عرصہ سے اور تیسرا دور میرٹھ کیس اور اس کے بعد کے عرصہ سے وابستہ تھا۔ اس رپورٹ میں تیسرے دور کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ گرچہ کمیونسٹ پارٹی کو میرٹھ کیس سے عارضی طور پر ایک جھٹکا لگا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرٹھ کیس کے ذریعہ کمیونسٹ پارٹی کو وسیع تجربہ حاصل ہوا اور یہیں دوسرا دور ختم ہوا اور تیسرا دور شروع ہوا۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد کلکتہ کے ۲.۷ لاکھ پاٹ مزدوروں نے ہڑتال کی اور اس کے ساتھ ہی دیگر صنعتوں میں مزدوروں کی ہڑتال کو بڑھانے کی کوششیں کی گئیں۔ کانپور شہر، بمبئی شہر اور اترپردیش اور پنجاب میں مزدوروں اور کسانوں کی جدوجہد تیزی سے پھیل گئی۔ یہ تمام باتیں مذکورہ رپورٹ میں درج تھیں۔ اس رپورٹ میں یہ بات بھی درج ہے کہ "بنگال اور اترپردیش کے سابق انقلابی کمیونزم کا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔" رپورٹ میں اسے خطرناک صورتحال کہا گیا ہے۔

رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ انقلابی سرگرمیوں کے میدان میں کمیونسٹ اصولوں اور طریقہ کار کو اپنایا جا رہا ہے۔ اور دہشت پسندی کی جگہ عوامی تائید کو منظم کیا جا رہا ہے اور ان باتوں سے عام رجحانات کا اظہار ہوتا ہے۔★

میرٹھ کیس کا اثر صرف انقلابیوں تک محدود نہیں رہا۔ تیسری دہائی کے عرصے میں کمیونزم کے تصورات طلبا، نوجوان، کسان، مزدور، ادیب اور فن کاروں کے درمیان پھیل گئے۔ کل ہند طلباء فیڈریشن، کل ہند کسان سبھا، ترقی پسند مصنفین کی ایسوسی ایشن وغیرہ میرٹھ سازش کیس کے اثرات کے نتیجے میں عالم وجود میں آئے۔ میرٹھ کیس کے ذریعہ برٹش سامراجیوں کو صرف عارضی طور پر کامیابی حاصل ہوئی لیکن تاریخ شاہد ہے کہ برٹش حکومت کو اسکے مخالف نتیجے کا سامنا کرنا پڑا۔

★ ہندستان میں کمیونزم - غیر شائع شدہ دستاویزات - شری سوبودھ رائے کی مرتب کردہ۔

بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

ماحولیات

شعبۂ ماحولیات ، ماحولیاتی آلودگی کی روک تھام ، ماحولیاتی تحفظ پر مشتمل ترقیاتی کاموں سے وابستہ اقدامات کی رہنمائی اور ان میں تال میل قائم کرنے کے لئے جون ۱۹۸۲ء میں "نوڈل" شعبہ کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ یہ شعبہ باضابطہ ماحولیاتی پروگرام سے متعلق مطالعہ و تحقیق کے کاموں پر ریاستی حکومت کو مشورہ دینے کے لئے مختلف تربیتی مراکز کے ممتاز ماہرین کی شمولیت سے ایک "ماحولیاتی مطالعہ مشاورتی کمیٹی" کی تشکیل کر چکا ہے۔

یہ شعبہ مندرجہ ذیل تنظیموں کی کارگزاریوں کی دیکھ بھال کرتا ہے :

(i) مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ
(ii) چڑیا خانے
(الف) علی پور کا چڑیا خانہ
(ب) دارجلنگ کا پدماجا نائیڈو ہمالیائی چڑیا خانہ پارک
(iii) بوٹانیکل گارڈن

لائیڈ بوٹانک گارڈن ، دارجلنگ

مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ ، پانی (آلودگی کا تدارک اور روک تھام) ایکٹ ۱۹۷۴ء ، ہوا (آلودگی کا تدارک اور روک تھام) ایکٹ ۱۹۸۱ء اور پانی (آلودگی کا تدارک اور روک تھام) سیس ایکٹ ، ۱۹۷۷ء وغیرہ کی دفعات کے تحت فرائض انجام دیتا ہے۔

اگرچہ ریاستی آلودگی کنٹرول بورڈ ، ہوا کی فراہمی (آلودگی کا تدارک اور روک تھام) ایکٹ ۱۹۸۱ء کی دفعات کے تحت فرائض انجام دیتا ہے۔ تاہم ایسے کام کو ایکٹ کے تحت انجام دینے کے قابل بنانے کے لئے ریاستی بورڈ کی از سرِ نو تشکیل کی گئی ہے۔ اسموک نیوسنس انسپکٹریٹ کو جس پر بنگال اسموک نیوسنس ایکٹ ۱۹۰۵ء کی نظامت کی ذمہ داری تھی ، یکم دسمبر ۸۴ء سے مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ میں ضم کر دیا گیا ہے تاکہ یہ بورڈ کو ہوا آلودگی ایکٹ کے تحت کام کرنے کے لائق بنا سکے۔ گرچہ یہ وقتی طور پر قائم رہے گا اور یہ بنگال اسموک نیوسنس ایکٹ کے ان واقعات کو جو سنٹرل ایئر پولوشن ایکٹ کے برخلاف نہیں ہیں ، پایہ تکمیل تک پہونچائے گا — دو برسوں میں کئے گئے مختلف اقدامات کی کچھ اہم خصوصیات درج ذیل ہیں :

صنعتوں سے آلودگی

اس شعبہ نے ریاستی حکومت کے تحت مختلف شعبوں ، جو صنعت و حرفت ، معدنیات ، زراعت ، آراضی ، جنگلات چھوٹے بڑے شہر کی ترقی سے وابستہ ہیں ، کے لئے رہنما اصول مرتب کئے۔ صنعتوں سے ہوا اور پانی میں آلودگی کو ریاستی آلودگی کنٹرول بورڈ کنٹرول کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے ۷۷۸ یونٹوں کو اجازت دے دی ہے کہ وہ صنعتی کوڑا کرکٹ کو دریا میں بہا دیں یا کنوئیں اور زمین دوز نالیوں میں پھینک دیں۔ ان یونٹوں میں ایسی یونٹیں بھی شامل ہیں جنہوں نے حکومت سے اس کام کے لئے دوسری بار بھی رضامندی حاصل کی۔

۴۴ کیسوں کو اس سلسلے میں منظوری نہیں دی گئی۔ ان میں ۸۵-۱۹۸۴ء کے ۵۲ کیس شامل ہیں۔ کثیف آلودگی کے ذرائع کی شناخت کی جا چکی ہے اور ۲۴ صنعتوں میں جزوی یا کلی طور سے آلودگی کو دور کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ۸۵-۸۴ء میں مزید ۵۲ صنعتوں کو اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اس آلودگی کو دور کرنے کے لئے اپنے یہاں مشین نصب کریں۔ ۸۵-۸۴ء دھوئیں کے اخراج کو ختم کرنے کے لئے میں ۱۱ یونٹوں نے چمنیوں کی مرمت کا کام مکمل کر لیا ہے۔ اسی عرصے میں مزید ۳۴ یونٹوں کے لئے منصوبوں کی منظوری دے

(باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

دی گئی ہے۔

آلودگی کنٹرول بورڈ گزشتہ ۴ برسوں سے پانی کی آلودگی کی سطحوں کا تعین کرنے کے لئے ہگلی اور چوانی ندیوں کی باضابطہ جانچ کر رہا ہے۔ دیدگاپور۔ آسنسول صنعتی علاقوں کی آلودگی پر ایک مدلل رپورٹ شائع کی گئی ہے۔ ہلدیہ پر آلودگی کی مدلل رپورٹ زیر ترتیب ہے۔

بھوپال کے حادثات کے فوراً بعد آلودگی کنٹرول بورڈ نے چھوٹے بڑے کارخانوں کو جو کیمیائی اشیا رکھا دیں، جراثیم کش ادویہ وغیرہ تیار کرتے ہیں، ہوشیار کر دیا گیا ہے۔ کارخانوں کے ڈپٹی چیف انسپکٹر، میڈیکل انسپکٹر صنعتوں کے نظامت سے اسسٹنٹ ڈائریکٹر (کیمیکل انجینئر) مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ کے ایک نمائندے اور شعبۂ زراعت کے ایک افسر پر مشتمل ایک ٹیم کی تشکیل کی گئی ہے جن کا کام جراثیم کش ادویہ کی مختلف یونٹوں کا مشترکہ طور پر معائنہ کرنا اور انہیں اگلے اقدامات کے لئے مشورہ دینا ہے۔ اس ٹیم نے باضابطہ بہت ساری یونٹوں کا معائنہ کیا ہے اور ان یونٹوں کو اگلے اقدامات کے سلسلے میں سفارشات پیش کیں۔ ان اداروں کے سلسلے میں جہاں خطرات کا اندیشہ لاحق ہے، تحفظ کے اقدامات کے لئے ریاستی سطح پر اقدامات کرنے کے منصوبے تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ یہ اعلیٰ سطحی کمیٹی صنعت و حرفت، محنت، ماحولیات کے شعبوں کے سکریٹریوں، صحت خدمات کے ڈائریکٹر، صنعتوں کے ڈائریکٹر، چھوٹی صنعتوں کے ڈائریکٹر، مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ کے چیئرمین، مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ کے ممبر سکریٹری، کارخانوں کے چیف انسپکٹر اینڈ سرکل کے ایکسپلوسیوز کے ڈپٹی کنٹرولر پر مشتمل ہے۔ مغربی بنگال میں ماحولیات کی بابت ایک رپورٹ کا مسودہ شائع کیا گیا ہے۔

گاڑیوں سے آلودگی

گاڑیوں کے ہارن کی زوردار آواز اور ان کے کالے دھوئیں پر کنٹرول کرنے کے لئے منظم مہم چلائی جا رہی ہے۔ اب تک ۱۷۶ گاڑیوں کے خلاف کالے دھوئیں نکالنے اور ممنوع ہارن بجانے کے سلسلے میں کارروائی کی گئی ہے۔

ماحولیاتی اطلاعات

ماحولیاتی تعلیم پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے کئی ایک رضاکار تنظیموں کو مالی امداد فراہم کی گئی ہے۔ شعبۂ جنگلات کی اشتراکیت سے درخت اگانے کے کام کو روبہ عمل لانے کے لئے گرام سبھاؤں اور تعلیمی اداروں کی مدد کرنے کے لئے ایک خصوصی پروگرام کو اپنایا گیا ہے۔ مشرقی کلکتہ میں چمڑہ سازی صنعت کے ماحولیاتی اثرات، عظیم تر کلکتہ شہر میں زمین دوز پانی کی حالت، کلکتہ میں عمل کرنے کے مخصوص تالابوں میں پانی کی کوالیٹی کا مطالعہ کرنے کے کام اور ساحلی معاشی نظام کے تحت، مٹی۔ پودے تعلقات کے اور دیگھا میں ہوا اور ریت کے اڑنے کے طبعی۔ کیمیاوی مطالعہ کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

کلکتہ میں ۹ علاقوں میں عوامی بیت الخلا کی تعمیر و مرمت کے لئے کلکتہ میٹروپولیٹن ڈیولپمنٹ اتھورٹی کو فنڈ فراہم کر دیا گیا ہے۔

بوٹانیکل گارڈن اور چڑیا خانے

علی پور چڑیا خانے کے لئے ایک جدید طرز کا جانور۔۔۔ ہسپتال کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔ دارجلنگ کے پدماجا نائیڈو چڑیا خانے میں قدرتی مناظر کو برقرار رکھنے کے اقدامات کئے گئے ہیں اور دوسرے سیر بینوں کے لئے سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ سائبیریا کے شیروں کا ایک جوڑا موجودہ اسٹاک میں اضافہ کرنے کے لئے باہر سے منگوایا گیا ہے۔ دارجلنگ کے چڑیا خانے میں بھی تحقیق اور افزائش کے لئے شمال کے ٹھنڈے علاقوں سے چینوں کو جلد لایا جائے گا۔ لائیڈ بوٹانیکل گارڈن کے گرم گھروں اور پودوں کے گھروں کی مرمت

نقل وحمل کے نظام میں بہتری

مغربی بنگال میں اور خصوصاً اس کے اہم مرکزی شہر کلکتہ میں نقل وحمل کے لئے گاڑیوں کی کمی کافی عرصہ سے محسوس کی جارہی ہے۔ حکومت مغربی بنگال نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ نقل وحمل کے نظام میں موجودہ کمی کو دور کرکے اپنے محدود وسائل کے ساتھ جہاں تک ممکن ہوسکے مسافروں کی دشواریوں کو دور کیا جائے۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں نقل وحمل کے مسئلوں کو حل کرنے کے لئے موجودہ حکومت نے بہت سارے اقدامات کئے ہیں۔ گرچہ بڑھتی ہوئی آبادی اور دیگر متعلقہ باتیں موجودہ نقل وحمل کے نظام پر کافی شدید دباؤ ڈال رہی ہیں، تاہم موجودہ حکومت کی تمام تر کوششوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں کچھ قابل تحسین ترقیاتی کام کئے گئے ہیں۔ حکومت کے مستقبل کے پروجیکٹس بلاشبہ اس سلسلہ میں حسب خواہ نشانے تک پہونچنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

ہم لوگ کلکتہ اور اس کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں میں نقل وحمل کے نظام کو بہتر بنانے کے سلسلے میں دور دراز کے گاؤں میں رہنے والے لوگوں کی، جنہیں کلکتہ اور دیگر صنعتی شہروں میں ملازمت اور دیگر کام کاج کے لئے آنا پڑتا ہے، ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوشش کر رہے ہیں۔

۶۶۰ بسیں آجکل روزانہ کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی ایجنسیوں کے تحت ۷۴ روٹوں پر چل رہی ہیں۔ ان میں سے ۵۳۰ نئی بسیں موجودہ حکومت نے کلکتہ شہری نقل وحمل پروجیکٹ کے تحت حاصل کی ہیں۔ ہر روز ۱۵۰ بسیں لمبی مسافت والی ۵۶ روٹوں پر چلتی ہیں اور اس سلسلہ میں کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی بسوں کی تعداد کو بڑھاکر ۲۹۵ کردیا گیا ہے۔ شہری علاقوں میں نئی بس کی روٹوں کی پیشکش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے تین نئی بس سروسیں شروع کی گئی ہیں علاوہ ازیں دوسری نئی بس سروس کلکتہ سے رائے دیگھی کے لئے چالو کی گئیں۔

نارتھ بنگال اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن اور درگاپور اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان نقل وحمل کی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان دو کارپوریشنوں کے تحت چلنے والی بسوں کی تعداد میں نمایاں طور پر اضافہ ہوا ہے اور مزید اضافوں کی باتیں زیر غور ہیں۔ نارتھ بنگال اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ۴۵ بسوں کے لئے چیسس (Chassis) خریدیں اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران موجودہ بسوں کو مضبوط بنانے کے لئے اس نے ایک سو نئی بس چیسس خریدنے کا منصوبہ بنا لیا ہے۔

ایس۔ ٹی۔ سی اور سی۔ ٹی۔ سی کی خدمات کے علاوہ پرائیویٹ بسوں نے بھی کلکتہ اور اضلاع میں نقل وحمل کے سلسلہ میں کافی اہم خدمات انجام دئے ہیں۔ مثلاً گزشتہ برسوں میں کلکتہ کے لئے ۱۱۳۳ پرائیویٹ بسوں اور ۵۱۶ منی بسوں کے سلسلہ میں پرمٹس دی گئی ہیں۔ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران آر۔ٹی۔ لے

کلکتہ علاقہ (جن میں ۲۴ پرگنہ بھی شامل ہے) بسوں کی آمدورفت کے سلسلے میں ۲۷ نئی روٹوں کو منظور کرلیا ہے۔ مستقل پرمٹ ۶۲۴ پرائیویٹ بسوں اور عارضی پرمٹ ۷۷ پرائیویٹ بسوں کے لئے جاری کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ۹۵ عارضی پرمٹ مینی بسوں، ۸۶ عارضی پرمٹ ٹیکسی گاڑیوں اور ۳۴۵ عارضی پرمٹ آٹو رکشا کے لئے گزشتہ مالی سال میں جاری کئے گئے ہیں۔ ان اعداد میں مزید اضافہ کی گنجائش تھی مگر قانونی چارہ جوئی اور ہائی کورٹ کے جاری کئے گئے حکم امتناعی کی وجہ سے ایسی کارروائی نہیں کی جا سکی۔

ضلعوں میں بھی مخصوص جگہوں پر جانے والی گاڑیاں اور ان مخصوص علاقوں میں چلنے والی مینی بسوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً ۲۰ عارضی اور ۱۶ مستقل پرمٹ مخصوص گاڑیوں اور ۸۴ عارضی اور ۴ مستقل پرمٹ مینی بسوں کے لئے جلپائی گوڑی ضلع میں جاری کئے گئے ہیں۔ بردوان ضلع میں ۴۷۵ عارضی اور آٹھ مستقل مخصوص گاڑیوں کے پرمٹ اور ۵۶۰ عارضی اور ۲۵ مستقل مینی بسوں کے پرمٹ جاری کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایس۔ ٹی۔ اے نے ریاست میں مخصوص گاڑیوں کی ۸ بین علاقائی مخصوص روٹوں کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس نے مندرجہ ذیل روٹس کے لئے پرمٹ دینے کے سلسلے میں درخواستیں طلب کی ہیں :

(الف) : بنگال اور اڑیسہ کے درمیان اسٹیٹ گاڑیوں کے لئے ۱۱ بین الریاستی اور مخصوص روٹوں اور

(ب) : بنگال اور بہار کے درمیان اسٹیٹ گاڑیوں کے لئے ۹ بین الریاستی روٹ۔

کلکتہ سے سلی گوڑی تک کے روٹوں پر آمدورفت کے لئے ۲۰ ایئر کنڈیشن بسوں سے متعلق درخواستیں طلب کی گئی ہیں۔

مسافروں کی سہولتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مخصوص ضلعوں میں بتدریج بس اسٹانڈ قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے سیوڑی، بولپور، ماتھا بھانگا، طوفان گنج اور پرولیا کے بس اسٹانڈ اب تک بن کر تیار ہو چکے ہیں اور تھکونیا (بردوان)، کنٹوا، چوچڑا، آرام باغ، کرشنا نگر، بنادیپ، رانا گھاٹ، جھاڑگرام اور باگنان (ہوڑہ) میں بس اسٹانڈ کے تعمیری کام اب بھی جاری ہیں۔ بولپور اور کنٹوا کے بس اسٹانڈ کو توسیع کرنے کے لئے اور رامپور ہاٹ اور کنتائی میں نئے بس اسٹانڈ کی تعمیر کی تجویز حکومت کے زیر غور ہے۔

نومبر ۱۹۸۴ء سے فروری ۱۹۸۵ء تک کی مدت کے دوران کلکتہ میں دھوئیں کے نکاس / ائیر ہارن کے استعمال کی جانچ پڑتال کے لئے اور موٹر وہیکل ایکٹ / قانون کی خلاف ورزی کی روک تھام کے لئے کچھ خصوصی پروگرام کا انتظام کیا گیا ہے۔ ان تمام اقدامات کے نتیجہ کے طور پر ٹیکس، فیس، جرمانے وغیرہ کے ذریعہ گزشتہ مالی سال کے دوران کل ۳۲ کروڑ روپے وصول کئے گئے۔

کلکتہ ٹراموے کمپنی کی انتظامیہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد موجودہ حکومت مختلف طریقوں کو اپنا کر اسکی خدمات کو روز بروز بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ نئی ٹرام گاڑیاں حاصل کرکے اور بہت سی پرانی ٹرام گاڑیوں کی مرمت کرکے موجودہ حکومت نے ٹرام میں سفر کرنے والے لوگوں کی بہتری کے لئے بہتر سہولتیں فراہم کی ہیں۔

سڑکوں میں گاڑیوں کی آمدورفت میں بہتری لانے کی ہم کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کریں اس سے صرف سطحی بہتری ہو سکتی ہے کیوں کہ عظیم تر کلکتہ کے علاقوں میں گاڑیوں کی آمدورفت کے لئے سڑکوں کا مجموعی رقبہ بہت ہی کم ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے یہاں ہگلی ندی ہے جو کلکتہ اور ہوڑہ کی گھنی آبادی والے علاقوں سے ہو کر گزرتی ہے۔ اس آبی راہ / نالوں کو اس سے پہلے کام میں لانے کے لئے کوئی بھی منظم کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ہم لوگوں نے ایک منصوبہ بند پروگرام پر کام شروع کر دیا ہے۔ اس کے تحت اندرون ریاست ندیوں اور دریاؤں کی آبی راہوں کو بہتر بنایا جا رہا ہے تاکہ لوگوں کو نقل و حمل کے لئے ایک معاون ذریعہ حاصل ہو۔

تین مسافر فیری سروسیں جو اب تک کچھ عرصہ سے ہوڑہ سے آرمینین گھاٹ، ہوڑہ سے چاند پال گھاٹ اور ہوڑہ سے سوابازار ہو کر باغ بازار کے درمیان چل رہی ہیں۔ عوام کی

ہمت افزائی کی وجہ سے کول گھاٹ اور فیرلی پلیس کے مقامات پر فیری کے رکنے کے لئے گھاٹ کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے اور ان جگہوں سے فیری (اسٹیمر) کی آمد و رفت شروع ہو چکی ہے۔ ہگلی ندی سے اس پار فیری کی خدمات سے مستفید ہونے والے مسافروں کی تعداد یومیہ ۳۰ ر۱ لاکھ تک پہونچ گئی ہے۔ اب ہم لوگ بھیڑ کی کمی کرنے کے لئے چاندپال گھاٹ اور ہوڑہ ریلوے اسٹیشن پر بھی ایک اور فیری گھاٹ کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ اس سال مذکورہ بالا جگہوں میں مزید سہولتوں کی فراہمی کے لئے جیٹی تعمیر کئے جائیں۔ اس کے پیچھے ہم لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ ہگلی ندی کے آر پار نذیر گنج / مٹیا برج سے کھنیشور / بیلور تک ایک دوسرا نقل و حمل کا راستہ تعمیر ہو۔ اس سلسلہ میں ضروری اقدامات کئے گئے ہیں۔

اس شعبہ کی اندرونی آبی نقل و حمل شاخ کی جہاز رانی سیل نے سندربن کے علاقوں میں ۱۸ اہم جیٹیوں کی تعمیر کی ذمہ داری لی ہے جس کے تحت مسافروں کو ان جگہوں پر جہاں اسٹیمر / لانچ وغیرہ ہی آمد و رفت کے واحد ذرائع ہیں وہاں اترنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

موم (ٹرانسپورٹ) ڈیپارٹمنٹ کے تحت بہالا میں واقع ہوائی جہاز اڑانے کی تربیت دینے والا ادارہ اس ریاست کے نوجوان مرد اور عورتوں کو ہوائی جہاز اڑانے کی تربیت دیتا ہے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران اس تربیت گاہ سے ۱۰ر۷ افراد نے ہوائی جہاز اڑانے کی تربیت پائی ہے۔

میٹرو ریلوے اور سرکلر ریلوے کی تکمیل سے پیدا ہونے والے مواقع کے مکمل استعمال کے لئے ایک اسکیم لندن ٹرانسپورٹ انٹرنیشنل کے تعاون سے اسٹیٹ بس / پرائیویٹ بس اور ٹرام کے روٹوں کی تجدید اور بہتری کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اہم شاہراہوں مثلاً دمدم روڈ اور بی۔ ٹی روڈ کو وسیع کرنے اور مسافروں کی شیلٹر کی تعمیر اور گاڑیوں کے رکنے کے مقامات پر دیگر سہولتوں کا انتظام وغیرہ کلکتہ شہری نقل و حمل پروجیکٹ میں ہی شامل ہیں۔

آزادی کے بعد پہلی مرتبہ الٹا ڈانگا سے بی بی ڈی باغ اور ایسپلینڈ تک ٹراموینہ کو وسعت دینے والی ایک نئی اسکیم کو ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران روبہ عمل لانے کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ مندرجہ بالا روٹوں پر ٹرام کی آمد و رفت شروع ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے سالٹ لیک کے لوگوں کو آفس آنے میں کافی آسانی ہوئی ہے۔ ۸۶-۱۹۸۵ء مالی سال کے دوران بہالا سے جوکا تک دوسری توسیعی اسکیم کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ یہ اسکیم دو سال کی مدت میں پایۂ تکمیل تک پہونچ جائے گی۔

الٹا ڈانگا بس ٹرمینس کا جو سی یو ڈی پی کی نگرانی میں تعمیر ہوا ہے ۱۰ر جولائی ۱۹۸۴ء کو افتتاح کیا گیا ہے۔ کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن اس ٹرمینس سے کچھ طویل فاصلہ کی بس سروسیں چالو کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔

حال ہی میں ایک مشاہدہ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ کلکتہ کے اکثر و بیشتر بس اسٹاپ سگنل غیر واضح ہیں یا پھر دھندلے ہو گئے ہیں۔ مسافروں کی سہولتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بس اسٹاپوں کو زیادہ واضح اور روشن کرنے کے لئے ایک اسکیم اپنائی گئی ہے ٭٭٭٭

شعبۂ چشم کی بہتری کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے سال رواں میں بے بصری کو دور کرنے کے لئے قومی پروگرام کے تحت این۔ آر۔ ایس میڈیکل کالج اور ہسپتال کے شعبہ چشم کو بہتر بنانے کی تجویز کو منظوری دے دی ہے اور اس سلسلے میں اس شعبہ نے مندرجہ بالا پروگرام کے تحت ساز و سامان کی خریداری کے لئے ۲۰۰۰۰ روپے بطور عطیہ بھی دینے کی منظوری دی ہے ٭٭٭

بقیہ: ماحولیات

کی گئی۔ پانی کی نکاسی کے لئے سہولتوں میں اضافہ کیا گیا اور ذخیرۂ نباتات کو فروغ دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے ٭٭٭

جھاڑگرام علاقہ کی ترقی

جھاڑگرام ترقیاتی بورڈ، جسے جھاڑگرام سب ڈویژن کی ترقی اور بہتری کی رفتار کو تیز تر بنانے کے لئے قائم کیا گیا، اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔ اس سب ڈویژن میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی آبادی کا تناسب کل آبادی کا علی الترتیب ۶ر۱۲ فیصد اور ۴ر۲۹ فیصد ہے۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں اس بورڈ نے بہت سارے ترقیاتی پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

جھاڑگرام کے لوگوں کے درمیان بہتر سہولتوں اور شہری مراعات کی توسیع کے لئے یہ بورڈ ہر سال بہت سارے پروگراموں کو روبہ عمل لاتا ہے۔ اس بورڈ کو جو فنڈ دیا جاتا ہے وہ اسے آبپاشی، تعلیم، دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت، مویشیوں کی پرورش و علاج، جنگلات، سڑک، سماجی ترقی وغیرہ کی مدوں کے تحت مختلف پروجیکٹوں کی تکمیل کے کام پر خرچ کرتا ہے۔

یہ بورڈ اپنی گوناگوں سرگرمیوں کو مقامی پنچایتوں کے عملی تعاون اور شرکت سے پایۂ تکمیل تک پہونچاتا ہے۔

گزشتہ آٹھ برسوں میں اس بورڈ کو کافی فنڈ فراہم کئے گئے۔ ان میں سے زیادہ تر فنڈ مستقل اثاثے پیدا کرنے کے کام پر خرچ کئے گئے۔

۷۸-۱۹۷۷ء اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں مختلف مدوں کے تحت دئے گئے رقوم اور اخراجات کے مطابقتی جائزہ سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ جھاڑگرام ترقیاتی بورڈ نے کتنے ترقیاتی پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ اس بات کا مطالعہ کرنے کے لئے دو میزانیں درج ذیل ہیں:-

میزان ۱

مالیاتی سال	الاٹ کردہ فنڈ	اخراجات کی کل مد	خرچ کردہ رقم
۷۸-۷۷ء	۳۵ لاکھ روپے	آبپاشی	۱۳۰۰۰۰ روپے
		سڑک	۱۳۸۸۵۳۳ روپے
		جنگلات	۹۲۵۰۰ روپے
		تعلیم	۳۹۸۷۰۹ روپے
		دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت	۸۷۰۰۰ روپے
		مویشیوں کے علاج	۴۰۰۰۰ روپے
		صحت عامہ	۱۰۸۵۰ روپے
		کل	۳۳۱۸۳۹۱ روپے

مالیاتی سال	الاٹ کردہ رقم	اخراجات کی کل مد	خرچ کردہ رقم
۸۵-۸۴ء	۷۰ لاکھ روپے	آبپاشی	۲۱۸۷۰۴۶ روپے
		تعلیم	۱۲۹۴۳۲ روپے
		متفرقات	۱۵۷۱۹۶ روپے
		سڑک	۲۹۵۷۳۲۶ روپے
		دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت	۱۰۰۰۰
		کل	۵۴۰۱۰۰۰ روپے

ہومیوپیتھک کالج اور ہسپتال کو عطیہ

ریاستی حکومت نے مہیش بھٹاچاریہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال کو ماہ جون اور جولائی ۱۹۸۵ء کے دوران ہسپتال کے ۵۰ بستروں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ۳۳۰۰۰ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ ●●●

بائیں محاذ حکومت کی صنعتی پالیسی کے چند پہلو

جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال

ریاست مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے محدود اختیارات ہیں۔ اسے ایک سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معیشت کے دائرے میں کام کرنا پڑتا ہے۔ دستور میں وفاقی اصولوں کے برعکس، ریاستوں کے لئے ضروری اختیارات کے سلسلہ میں کوئی گنجائش رکھی نہیں گئی ہے اور ہمیں خصوصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیوں کہ ہماری حکومت کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کا رویہ نہایت ناموافق ہے۔ ایسی صورتحال میں ہم لوگ عوام کے سامنے اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ہم کیوں بنیادی تبدیلی لا نہیں سکتے، اگرچہ ہماری حکومت کی نوعیت اور مطمحِ نظر مرکزی حکومت کی نوعیت سے مختلف ہے۔ لیکن ہم اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انتخابات کے ذریعہ حکومت کی تشکیل کرکے ہمارے لئے ایسے طریقہ سے حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھانا ممکن ہو سکا جو مرکز میں اور بہت ساری ریاستوں میں برسر اقتدار کانگریس پارٹی کے طرزِ حکومت سے نمایاں طور پر بہتر ہے اور زیادہ جمہوری ہے۔ بائیں محاذ کے اپنائے کم سے کم پروگرام کے ذریعہ عوام کو خاص طور پر نادار اور غریب لوگوں کے لئے کچھ امداد فراہم کرنا ممکن ہو سکا۔ لوگوں کو متحرک بنا کر اور انکی تائید اور ہمدردی حاصل کرکے ہم ایسا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عوام کی، انھیں امداد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ، سیاسی بیداری کو اجاگر کیا جائے تاکہ وہ سچ اور جھوٹ، دوست اور دشمن کے درمیان تمیز کر سکیں اور اس متبادل راستے کو دیکھیں جو انہیں سرمایہ داری اور جاگیرداری کے شکنجوں سے آزاد کر دیگا اور ایک نئے "جدید ترقی پذیر سماج" کو جنم دے گا۔ یہ ایک کٹھن کام ہے اور ہمیں بہت دور تک آگے جانا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے مقصد کی کامیابی کی جھلکیاں نظر آ رہی ہیں۔ جب سارے ہندستان میں لوگوں کی عظیم اکثریت خاص طور پر محنت کش طبقہ کے لوگوں کے دلوں میں صحیح سیاسی بیداری رونما ہوگی اور وہ سب خود کو بر ژوائی اثرات اور تصورات سے آزاد کر لیں گے۔ وہ سب تجربہ اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ سچائی کو پالیں گے۔ بائیں اور جمہوری ریاستی حکومتیں اپنے محدود اختیارات کے ساتھ اس طریقہ کار کو جلد از جلد روبہ عمل لانے میں مدد کر سکتی ہیں۔ ایسے تناظر اور مقصد کے ساتھ ہم مغربی بنگال میں کام کر رہے ہیں۔ یقیناً ہم اس راہ میں کچھ آگے بڑھے ہیں لیکن مسلسل معاشی بحران اور پریس کی ایک بڑی تعداد اور کانگریس پارٹی اور مرکزی حکومت کے ذرائع نشریہ کے ذریعہ ہمارے نظریہ کی قصداً مسخ اور ہماری کارگزاریوں کی غلط تشہیر کی وجہ سے ہماری ذمہ داریاں اور بھی کٹھن بن گئی ہیں اور اسی لئے یہ بات کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم عوام سے مسلسل رابطہ قائم رکھیں اور اپنے پروگراموں کی تکمیل کے ذریعہ اور ان کے روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرکے انکی دوستی اور محبت حاصل کریں۔ اسی حقیقت اور اسی سوجھ بوجھ کے پیش نظر ہماری صنعتی پالیسی کی چند پہلوؤں کو میں اجاگر کر رہا ہوں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام میں جہاں ہمیں کام کرنا پڑتا ہے پبلک سیکٹر (ریاستی سیکٹر) مرکزی اور ریاستی، اور پرائیویٹ اور مشترکہ سیکٹر ہوتے ہیں۔ پرائیویٹ سیکٹر میں بڑے پیمانے کی صنعتیں شامل ہیں ... میں چھوٹے پیمانے کی اور دیہی صنعتیں، بہت سے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں اور غیر ملکیوں کی مشترکہ ... اور بڑے پیمانے کی صنعتیں

اوّل الذکر صنعتوں کی بابت کچھ آزادی حاصل ہے لیکن بعد الذکر صنعتوں کے سلسلے میں پرائیویٹ صنعت کاروں کے لئے مرکزی سرمایہ کاری اور لائسنس دونوں کے لئے مرکزی حکومت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ فی الحال ہماری ریاست میں چھوٹے پیمانے کی بہت ساری یونٹیں ہیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ لوگ برسر روزگار ہیں۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کرنا کافی اہمیت کا حامل ہے کہ ہم نے ہینڈلوم اور کھادی سیکٹر میں بھی کافی تیز رفتاری سے ترقی کی ہے۔ لیکن مرکزی کانگریسی حکومت نے ہمیں جدید صنعتوں جیسے پیٹرو کیمیکل کومپلکس، کیمیاوی صنعت، جہاز کی مرمت، ٹرک لاریاں تیار کرنے کے کارخانے، ریل کے ڈبے تیار کرنے وغیرہ سے محروم رکھا ہے۔ کئی برسوں سے مالیاتی ادارے اس ریاست میں برائے نام قرض فراہم کر رہے ہیں۔ مغربی بنگال میں پرائیویٹ سیکٹر کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔ انہیں لائسنس دینے سے انکار کیا جاتا ہے۔ چند پرائیویٹ کاروباری ایسے بھی ہیں جو اس ریاست میں کمائے نفع کے کچھ حصے کو ریاست میں مزید سرمایہ کاری کے لئے استعمال میں نہیں لاتے ہیں بلکہ وہ دوسری جگہ سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ریاستی پیمانہ پر چند کثیر الاقوامی اور برائے صنعت کار اور اجارہ دار گرچہ وہ اس ریاست میں نفع کماتے ہیں اور طرح طرح کی وجوہات دکھا کر اس ریاست کے مفادات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے صنعتی اداروں کو پژمردہ حالت میں چھوڑ دیتے ہیں اور دوسری جگہ صنعت کاری کرتے ہیں۔ ہماری پالیسی یہ ہے کہ ہماری معیشت اور منصوبہ بندی میں ایک بنیادی تبدیلی لائی جائے اور کثیر الاقوامی اداروں پر انحصار کی اور اجارہ داروں کی روک تھام کرنے کے لئے مرکزی حکومت پر زور دیا جائے۔ پرائیویٹ اور ریاستی سیکٹر دونوں میں غیر ممالک کے ساتھ کام کرنے کے لئے مرکزی حکومت کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ جب مختلف سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ ملکوں کے معاشی کمیشن ایک ساتھ مل بیٹھتے ہیں تو ریاستوں کو اس سلسلہ میں تاریکی میں رکھا جاتا ہے۔ اور مغربی بنگال کو شاید ہی کبھی نئے پروجیکٹ کے سلاٹ کے طور پر چنا گیا ہو۔ ہماری ریاست کے لئے ہم مل جل کر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور صنعتوں کی نوعیتوں پر منحصر سوشلسٹ اور سرمایہ دار دونوں ملکوں کو یہاں صنعت قائم کرنے کے لئے بہت ساری سہولتیں فراہم کرتے ہیں لیکن جب تک موجودہ صورتحال برقرار رہے گی اس وقت تک ہم خاص طور پر جدید صنعتیں قائم کرنے کے لئے اس ریاست میں مرکزی حکومت کی سرمایہ کاری کو اوّلین اہمیت دیتے رہیں گے۔ گرچہ ہماری پالیسیاں مرکزی پالیسیوں سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ یہ صورتحال مرکزی حکومت سے یہ درخواست بھی کرتی ہے کہ وہ ریاست میں پرائیویٹ سیکٹر کو لائسنس دے کر اور صنعتوں کے لئے فنڈ فراہم کر کے ریاستوں کی مدد اور تعاون کرے۔ پرائیویٹ سیکٹر میں اجارہ دار اور کثیر الاقوامی صنعتیں شامل ہیں۔ چوں کہ ان کے پاس سرمایہ کاری کے لئے کافی وسائل ہیں اس لئے انہیں ان پابندیوں کے تحت جو MRTP اور FERA کے تحت عائد ہیں سرمایہ کاری کا حق حاصل ہے۔ اس سے ہماری معیشت کو فروغ حاصل ہوگا اور خاص طور پر معاون صنعتوں کے ذریعہ براہ راست یا بالواسطہ ہمارے نوجوانوں کو روزگار فراہم ہوگا۔ مشترک سیکٹر میں جہاں ریاستی حکومت کے حصص کی اکثریت ہوتی ہے۔ ہم صنعت اور مزدوروں کے مفاد کی خاطر موثر طور پر انتظامیہ میں شرکت کر سکتے ہیں — حالات کی حقیقت کے پیش نظر مارکسسٹ ہونے کے ناطے ہم اپنے اس نظریہ میں کسی قسم کی غلطی نہیں پاتے ہیں۔ یہ ایک سائنسی رویہ ہے جسے ہم نے ہماری ریاست کے مفاد کی خاطر اور لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے اپنایا ہے۔

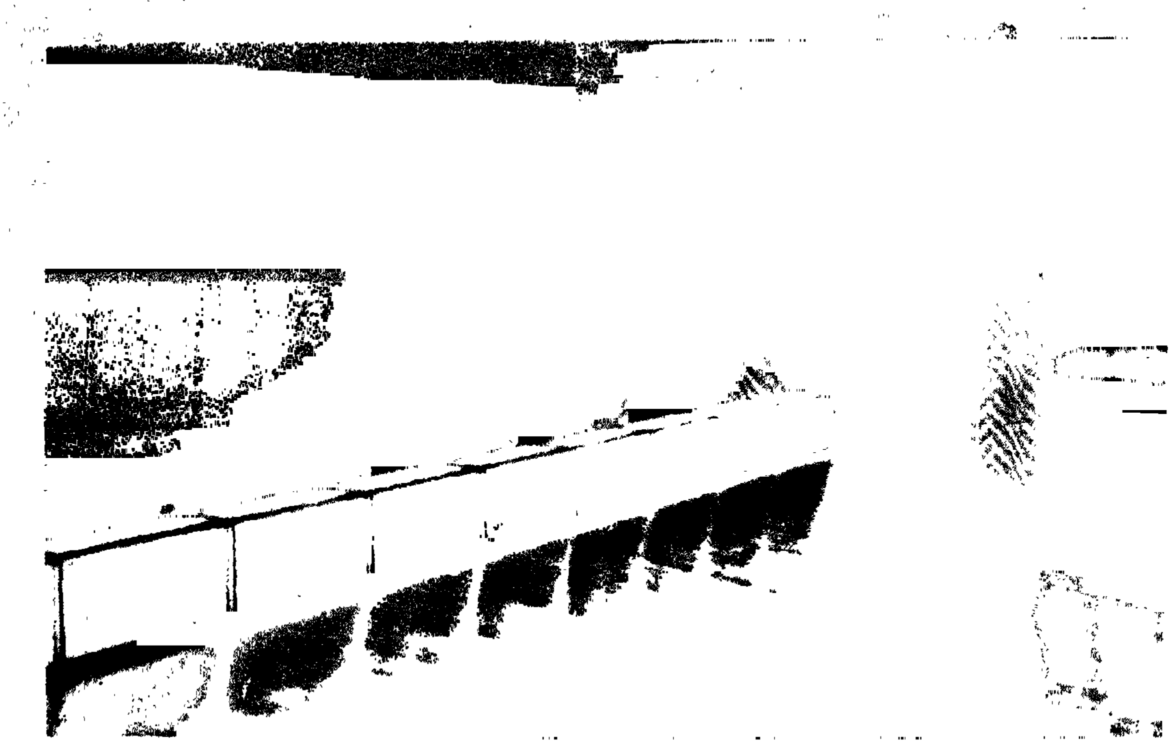
ہماری پالیسی کا لب لباب یہ ہے کہ ہم اس ریاست میں جدید اور بڑی صنعتوں جیسے پیٹرو کیمیکل، الیکٹرونکس، جہاز سازی، ٹرک سازی وغیرہ میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے مرکزی حکومت سے درخواست کرتے رہیں۔ ریاست کی صنعتی ترقی کے لئے کام کرنا اور مغربی بنگال کے خلاف مرکزی حکومت کی امتیازی پالیسی کے خلاف جدوجہد کرنا اور چند صنعت کاروں کی، جو اس ریاست میں نفع کماتے ہیں لیکن اپنے نفع کا کچھ حصہ اس ریاست میں مزید سرمایہ کاری پر خرچ نہیں کرتے، پالیسیوں کی مخالفت کرنا ہمارا حق ہے، ہمارا فرض ہے۔ ان صنعتوں کی بابت جنہیں پرائیویٹ صنعت کاروں نے بیمار بنا دیا حالانکہ ان صنعتوں

کو قومیائے بنکوں اور مالیاتی اداروں کی طرف سے کافی فنڈ فراہم کئے گئے تھے، ہم مرکزی حکومت سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ یونٹوں کے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھال لے اور انہیں قومیا لے کیوں کہ اس صورتحال کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہمارے بجٹ ناکافی ہیں لیکن مالی دشواریوں کے باوجود بھی ہم نے اس طرح کی چند یونٹوں کو اپنا لیا ہے اور انہیں قومیا لیا ہے اور اس طرح کئی ہزار ورکروں کو پھر برسرروزگار کر دیا ہے۔ ہم اس طرح کی چند اور یونٹوں کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے تیار ہیں لیکن مرکزی حکومت ایک ناموافق پالیسی کا اعلان کر کے ہماری راہ میں دشواریاں پیدا کر رہی ہے۔

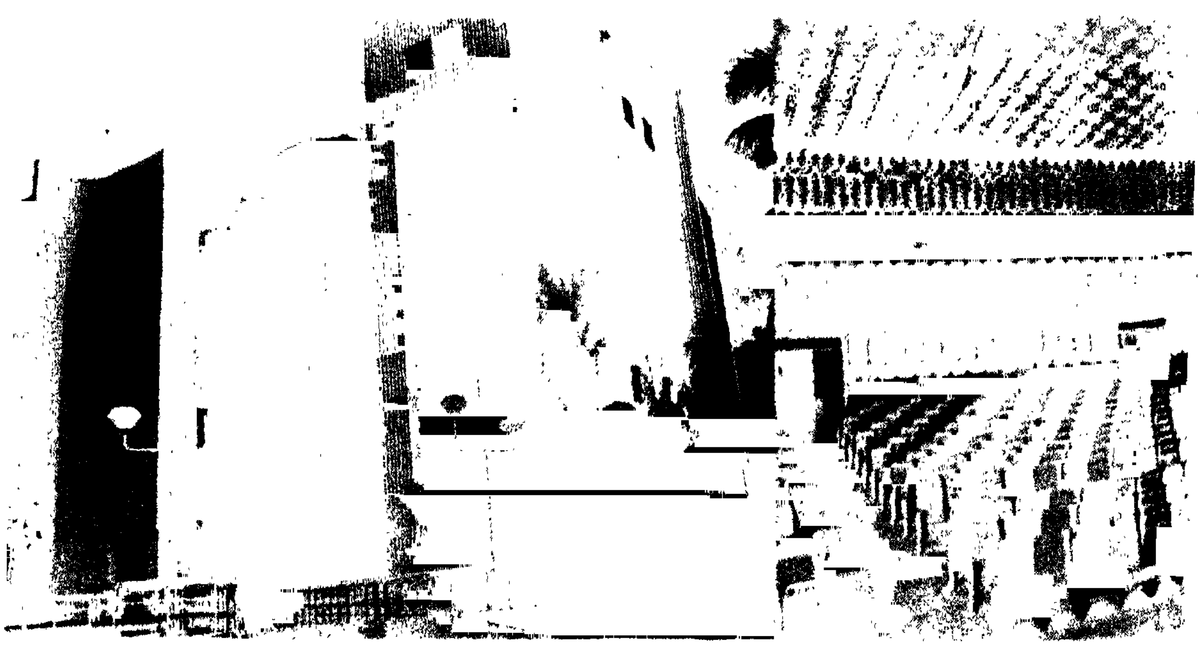
مرکزی پالیسی یہ ہے کہ اگر ہم کسی یونٹ کی انتظامیہ کی ذمہ داری سنبھالیں تو ہم اس یونٹ کے ذمہ، اسے زیر انتظام لینے سے قبل جو قرض تھے، وہ تمام ہمیں ادا کرنے ہوں گے۔ ہم مرکزی حکومت پر اس بات کا دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ اس پالیسی کو ترک کر دے تاکہ ہم اور بھی زیادہ مزدوروں اور ملازمین کی ملازمتوں کو برقرار رکھ سکیں اور ہم سبھوں کا مقصد بھی یہی ہونا چاہئے۔ ہم نے صنعتی ترقی کے نئے علاقوں کی کھوج لگانے اور وہاں بڑی بڑی سہولتیں، جیسے پختہ سڑکوں کی تعمیر، پانی اور بجلی کی فراہمی وغیرہ کے کام کو ترجیح دی ہے۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ مرکزی حکومت سیاسی وجہ سے ہمارے ساتھ امتیاز برت رہی ہے۔ بہرحال ہم لوگ اس ریاست میں صنعتی صورتحال میں بہتری لانے کے لئے مسلسل کوششیں کر رہے ہیں اور ہم کبھی بھی خاموش تماشائی بنے بیٹھے نہیں رہے۔ اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ عوام کے مفادات کی حفاظت کی جائے اور وہ ہم سے بیزار نہ ہو جائیں۔ ہم نے اس بات پر ہمیشہ زور دیا ہے کہ عوام کو امداد اور سہولتیں فراہم کی جائیں، ان کے ساتھ ہی ان میں سیاسی بیداری کو اجاگر کیا جائے۔ ہم منفی رویہ اختیار نہیں کر سکتے اور نہ اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ پرائیویٹ سیکٹر کی صنعتیں ناتوانی میں مبتلا رہیں۔ چند پرائیویٹ صنعت کار اس ریاست سے اپنے سرمایہ کو اٹھانا چاہتے ہیں کیوں کہ یہاں بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار ہے۔ اس لئے صنعت کاروں کی اس کوشش پر ہم خاموش بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس کے ساتھ ہی ہم اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی محسوس کریں گے اگر ہم مرکز در منصوبہ مرتب کرنے والوں کو اپنے متبادل معاشی پالیسیوں سے اچھی طرح روشناس نہ کرائیں، اور عوام کے سامنے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معیشت کے عیبوں کی تشریح نہ کریں۔ ہمیں اس بات کی بھی وضاحت کرنی ہے کہ کیوں ہماری معیشت کی بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے اور کیوں ایک ریاستی حکومت ایسی تبدیلی نہیں لا سکتی۔ سارے ہندوستان میں اس بنیادی فرض کو پورا کرنا ہے۔ ہم ایک ریاست میں اس قسم کے معاشی نظام کو، جسے ہم اپنا منزل مقصود سمجھتے ہیں، رائج نہیں کر سکتے، اس کی وجہ یہ آئینی بندشیں ہیں جن کے تحت ریاستی حکومت کو موجودہ دستوری ڈھانچہ میں کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم کانگریس پارٹی کی رجعت پسند حکومت پر اپنے نظام حکومت کے طریقہ کار سے اور تمام سطحوں کے لوگوں کے ساتھ مل کر خلوص اور کارگذاری سے اپنے کم از کم پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کر اپنی برتری قائم کر سکتے ہیں۔

اس ریاست میں ہماری حکومت ہمیشہ اس بات کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ یہ بات اجاگر کی جائے کہ ہماری حکومت سماج کے محروم طبقوں کے حقوق اور سہولتوں کے تحفظ اور انہیں فروغ دینے کے لئے خلوص کے ساتھ کوشاں ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہم نے صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے اپنی مسلسل کوششوں کو جاری رکھا ہے۔



اچھی اور صحت مند ثقافت کے فروغ کے لئے کلکتہ میں حال ہی میں تعمیر کردہ آرٹ فلم سینٹر "نندن"



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Editor Md Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers 54/1C Shyampukur Street Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
15 SEPTEMBER 1985

Postal Regd. No. WB/CC—32
Vol. 32 No. 18
PRICE 12 Paise



کلکتہ میں رِبندرا سدن کے پاس حال ہی میں تعمیر کردہ آرٹ فلم سینٹر "نندن" کی افتتاحی تقریب کے مناظر:
اوپر: (دائیں سے بائیں) سشری جیوتی باسو، وزیرِ اعلیٰ، شری ستیہ جیت رائے، مشہور فلم ڈائرکٹر، شری پربھاش
بھودیکار، وزیرِ اطلاعات و ثقافتی امور، اور دیگر اصحاب
نیچے: افتتاحی تقریب کے موقعہ پر "نندن" ہال میں سامعین





پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : برتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۹ اور ۲۰

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت : ۲۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ - آر این مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ہزار دواری کی "منتقلی دلیل" قبول کرتے ہوئے۔

دیدارِ یار

تخلیق : پوشکن
ترجمہ : ظ۔ انصاری

وہ لمحہ مجھے یاد ہے بے مثال
جب آنکھوں پہ اترا تھا تیرا جمال
فریبِ نظر تھا کہ حسنِ پری
گزرتی ہوئی اک جھلک دیکھ لی

سلگتی ہوئی شامِ تنہائی میں
بھری بزم میں، جلوہ آرائی میں
سُنی ہے وہ کومل صدا دیر تک
کبھی خواب میں دیکھ لی ہے جھلک

گئی عمر..... اور ساتھ لیتی گئی
امنگوں کی شورش کنواروں کے دن
کٹی رات پھیکی پڑی چاندنی
وہ کومل صدا، اُس کی یادوں کے دن

کہیں کالے کوسوں پہ اپنوں سے دور
کٹے ایسے کتنے برس بیش و کم
نہ ذوقِ سخن اور نہ ایماں کا نور
نہ جینے کی لذت، نہ الفت کا غم

مگر روح جاگی ہے مدت کے بعد
مجھے پھر میسر ہے تیرا جمال
اسی حسن سے آج آنکھیں ہیں شاد
فریبِ نظر ہے کہ حسنِ خیال

دھڑکتا ہے دل، جسم کو ہے سرور
ملی دوسری زندگی تازہ دم :
سخن کی تب و تاب، ایماں کا نور
مزا زندگی کا محبت کا غم

"غریبی ہٹاؤ" پروگرام میں پنچایت کا کردار

وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کے مابین خطوط

ہندوستان کے وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے گزشتہ ۵ راگست کو مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو ایک خط لکھا۔ اپنے خط میں وزیر اعظم نے غربت کو دور کرنے کے لئے اور بھی تیز مہم چلانے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ مقامی سطحوں پر منصوبے مرتب کرکے اور انہیں روبہ عمل لانے میں پنچایتی راج ادارے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے اسی خط کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعظم کے دیہی ترقی کے لئے نظریہ کو کافی سراہا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اس ریاست میں بائیں محاذ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد سے ہی دیہی ترقیاتی پروگرام میں پنچایتوں کے کردار پر کافی زور دیا اور اس مقصد کے پیش نظر اس ریاست میں دوبارہ پنچایت انتخابات ہوئے۔ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کے خطوط کا متن درج ذیل ہے :

وزیر اعظم کا خط

منصوبہ بند ترقی کے لئے ہماری کوششوں میں مضافاتی علاقوں کی تیز تر ترقی اور مضافاتی غربت کو دور کرنے کو اعلیٰ ترجیح دی گئی۔ اس بات سے تو اب سبھی واقف ہو چکے ہیں کہ سماجی انصاف اور غریبوں کی آمدنی کی سطحوں میں اضافہ، ضروری نہیں کہ یہ دونوں معاشی افزائش کی پیداوار ہیں۔ غربت کو دور کرنے کے لئے اور بھی تیز مہم کی ضرورت ہے اور جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام اور خصوصی روزگار پروگراموں کے ذریعہ اس سمت میں پہلی بار کوشش کی گئی ہے۔ ان ترقیاتی پروگراموں سے مستفید ہونے والے لوگوں کی تعداد اور اس مسئلہ کی پیچیدگی کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نتائج کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

بہرحال مجھے مدھیہ پردیش اور اڑیسہ میں اپنے حالیہ دورے کے دوران چند خامیاں نظر آئیں۔ میں نے دیکھا کہ مستفید ہونے والوں میں ہمیشہ غریب ترین لوگ نہیں ہوتے۔ امداد کی تقسیم کے سلسلے میں تاخیر کی شکایتیں بھی موصول ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی ایسی شکایتیں بھی موصول ہوتی ہیں کہ مستفید ہونے والے لوگوں کو امداد کی پوری رقم نہیں دی جاتی۔ اکثر سپلائی کردہ پیداواری اثاثے مقامی حالات کی ضرورتوں پر پورا نہیں اترتے ان پروگراموں کی تکمیل میں نمایاں کامیابی حاصل ہو سکتی اگر سب سے نیچی سطح سے منتخب لوگ ان پروگراموں میں صحیح معنوں میں شرکت کرتے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ پنچایتی راج اداروں کے ذریعہ ہی عوام کی شرکت حاصل کی جا سکتی ہے۔ مقامی سطح پر منصوبہ بندی اور ان اسکیموں کی، جو علاقے اور لوگوں کی ضرورتوں کی عکاسی کرتی ہیں تکمیل کے لئے عام لوگوں کی سرگرم شرکت کی ضرورت ہے۔

اجتماعی ترقیات کے دنوں میں ان اداروں کے قیام کے لئے شروع شروع میں بڑے جوش و خروش کے اظہار کیا گیا تھا، لیکن بعد میں بہت سارے علاقوں میں ان سرگرمیوں کی رفتار سست ہو گئی۔ ان اداروں کے لئے معینہ وقت میں انتخابات نہیں کرائے گئے۔ ان لوگوں کو وسائل کی مستحکم بنیاد فراہم نہیں کی گئی۔ دیہی ترقیاتی پروگراموں میں ان کی شرکت یکساں طور پر تشفی بخش ثابت نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں جہاں ضروری ہو' اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ چند دنوں قبل میرے ساتھی شری بوٹا سنگھ' وزیر زراعت اور مضافاتی ترقی' نے منتخب پنچایت راج اداروں کو مستحکم بنانے کے سلسلے میں خط لکھا تھا۔

مجھے اس بات سے کافی مسرت حاصل ہوگی اگر آپ ان اداروں کے لئے باضابطہ انتخابات منعقد کریں، انہیں کافی انتظامی اختیارات دیں اور مالیاتی سہولتیں فراہم کریں تاکہ ترقیاتی سرگرمیوں میں وہ بڑی تیزی اور شدت کے ساتھ سرگرم عمل ہو جائیں۔ کیا میں اس بات کی امید کر سکتا ہوں کہ آپ اپنی ریاست میں پنچایتی راج اداروں کو متحرک بنانے کے لئے جلد از جلد اقدامات کریں گے۔

وزیر اعلیٰ کا خط

مجھے آپ کا خط مورخہ ۵ راگست ۸۵ء کو ملا۔ پڑھ کر بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیہی ترقیاتی پروگراموں' خاص طور پر غریبی ہٹاؤ' پروگرام کو رو بہ عمل لانے کے کام میں پنچایتوں کی شرکت کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کے خیالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ میں یہاں اس بات کا پھر سے ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم لوگوں نے دیہی ترقیات پروگرام' خاص طور پر تکمیلی مضافاتی ترقیاتی پروگرام اور کام کے لئے خوراک / قومی مضافاتی روزگار پروگرام کو اپنی ریاست میں رو بہ عمل لانا شروع کیا' تو اس وقت ساتویں دہائی کے آخر کے عرصہ میں، ساتھ ہی آٹھویں دہائی کے شروع کے عرصہ میں مرکزی حکومت نے ہماری مخالفت کی۔

ان باتوں کے پیش نظر آپ کا خط ایک تبدیلی کی ضرورت کے احساس کو اجاگر کرتا ہے اور میں اس بات کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ چھٹے اور ساتویں منصوبوں کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کے کیا خیالات ہیں، کیوں کہ مضافات میں پیداواری افزائش اور تقسیم کئے جانے والے انصاف کے درمیان تنازعات کو، جیسا کہ آپ کے خط میں ذکر کیا گیا ہے، دور کرنے کے لئے ہم' موجودہ سماجی۔ معاشی ڈھانچہ میں رہتے ہوئے' حتی الامکان کوشش کریں گے۔ غریب تر کسان اور پروڈیوسر پیداوار میں بہتری لا سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہم تسلیم کرتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ خاص طور پر دیہی غرباء کے ذریعہ دیہی ترقیاتی طریقہ کار کے معنی افزائش اور اس کے ساتھ ہی مساوات دونوں کی حسب خواہ منزلوں کی طرف پیش قدمی ہیں۔ اس لئے ہماری ریاست کے دیہی ترقیاتی پروگرام میں ہم لوگوں نے اصلاحات آراضی پر خصوصی زور دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اصلاحات آراضی سے مستفید ہونے والے کسانوں اور دیگر عام کسانوں کے لئے ہم لوگوں نے بہت ساری سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ان کسانوں کو تخم اور کھاد اور دیگر ضروری چیزیں سپلائی کی جا رہی ہیں۔ ان کے کھیتوں کی آبپاشی کے لئے پانی سپلائی کیا جا رہا ہے۔ انہیں قرض فراہم کئے جا رہے ہیں۔ انکی پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے دیہاتوں کو شہروں سے ملانے کے لئے پختہ سڑکیں بھی تعمیر کی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زراعت کے معاون کام کاج جیسے جانوروں کی پرورش و پرداخت' جنگلات اور ماہی گیری کی بھی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ایسی صنعتوں کے فروغ پر زور دیا گیا ہے جنہیں خام اشیاء یا تیار کردہ مصنوعات کے لئے زراعت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام میدانوں میں ٹکنالوجی کے استعمال کے سلسلہ میں ہم لوگوں نے عام مقامی لوگوں کے مفاد کی خاطر ان ٹکنکس پر زیادہ زور دیا ہے جو مقامی حالات کے لئے بہت موزوں ہیں۔ اس نقطہ کا آپ

نے اپنے خطاب میں بھی ذکر کیا تھا اور اس کام کے لئے مقامی وسائل اور مزدوروں کو مرکوز طور پر بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

ہم نے ۱۹۷۷ء میں شروع سے ہی یہ فیصلہ کیا کہ دیہی غریبوں کے لئے اور ان کے ذریعہ ہی دیہی ترقیاتی پروگرام کے منصوبے مرتب کرنے اور انکی تکمیل کے کام میں منظم طریقے سے دیہی غریبوں کو شریک کیا جائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر اس ریاست میں تقریباً ۱۵ سال کے بعد ۱۹۷۸ء میں پنچایت انتخابات منعقد کئے گئے۔ پھر اس کے پانچ سال کے بعد ۱۹۸۳ء میں پنچایتوں کے لئے دوسری بار انتخابات ہوئے۔ سہ رخی پنچایتی نظام کیلئے جن میں ۱۵ ضلع پریشد، ۳۲۹ پنچایت سمیتیاں اور ۳۳۰۵ گرام پنچایتیں شامل ہیں، تقریباً ۵۵ ہزار ممبروں کو منتخب کرنے کے سلسلے میں براہِ راست انتخابات ہوئے۔ گرام پنچایتوں کے منتخب نمائندوں کے پاس انفرادی طور پر کتنے قطعاتِ آراضی ہیں اور ان کا پیشہ کیا ہے، ان باتوں کے سلسلے میں نمونہ کے طور پر ایک جائزہ لیا گیا۔ اس جائزہ کی رپورٹ مظہر ہے کہ پنچایتوں کے ممبروں کی بڑی اکثریت دیہی سماج کے غریب تر طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

مزید براں یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ان پنچایتی اداروں میں جہاں شیڈولڈ کاسٹ یا شیڈولڈ ٹرائب مرد اور عورتوں کے نمائندے کافی تعداد میں نہیں ہیں۔ وہاں متعلقہ پنچایتی ادارہ کی سفارش پر ریاستی حکومت کے ذریعہ نامزدگی کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے تاکہ ان طبقوں کی نمائندگی حاصل ہو۔

یہ پنچایتیں ہیں، جن کا اپنا خصوصی کردار ہوتا ہے اور جنہیں عام دیہی لوگوں کا تعاون حاصل ہوتا ہے، جنہیں ہماری ریاست میں بڑے بڑے دیہی ترقیات پروگراموں کی مرتب کرنے اور انہیں پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ پنچایتیں اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات میں، بے نامی زمینوں کی کھوج لگانے میں اور ایسی زمینوں کو غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کرنے اور برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کرنے کے کام میں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں اس کے ساتھ ساتھ کام کے لئے خوراک / قومی مضافاتی روزگار پروگرام اور اب جامع مضافاتی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام کو مرتب کرنے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہونچانے کے کام میں پنچایتوں کو براہِ راست شریک کر لیا گیا ہے۔ جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام مستفید ہونے والوں کی شناخت، اسکیموں کا انتخاب اور انہیں بر سرِ عمل لانا ۔ کی تکمیل کی ذمہ داری بھی پنچایت سمیتی کو سونپی گئی ہے۔ ضلع مضافاتی ترقیات ایجنسی کی رہنمائی میں بلاک سطح اسٹاف پنچایت سمیتی کی مدد کرتے ہیں۔ اس ایجنسی اور ضلع پریشد کے تکمیلی کام کاج ضلع پریشد کے سبھا دھیپتی اور متعلقہ ممبران اور متعلقہ ایجنسی کے ممبران اور متعلقہ ضلع مجسٹریٹ کے تحت انجام دئے جاتے ہیں۔ ان پروگرام کے ساتھ خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں کے پروگرام کے تحت کئی اسکیمیں جیسے اناج، کھاد وغیرہ کی چھوٹی تھیلی کی تقسیم، چھوٹی آبپاشی، جنگلات کا سماجی استعمال، دیہی پانی سپلائی، دیہی مکانات اور کئی اہم اسکیمیں شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی رفاہ کی بابت اور دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی بابت پنچایتوں کی براہِ راست ذمہ داری کے تحت لائی گئی ہیں۔ درحقیقت ہماری ریاست کے دیہی علاقوں میں سالانہ منصوبے کے تحت جو اخراجات ہوں گے، حالیہ برسوں میں ان میں سے ایک تہائی سے زیادہ رقم پنچایتوں کے ذریعہ براہِ راست خرچ کی جاتی ہے۔ ان براہِ راست جامع ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ پنچایتوں کو یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے کہ وہ مستفید ہونے والوں کی شناخت کریں اور دیہی علاقو میں متعدد بڑے بڑے شعبوں کے اہم ترقیاتی پروگرام کی تکمیل کے کام میں عام مقامی لوگوں کو شامل کریں۔

ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے تینوں سطحوں پر پنچایتوں کو اسٹاف فراہم کئے گئے ہیں جن میں تکنیکی افسر بھی شامل ہیں اور ریاستی حکومت کل انتظامی اخراجات برداشت کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پنچایتوں کے ذریعہ کئے گئے تمام اخراجات کی جانچ کرنے کے لئے باضابطہ انتظام ہے۔ نیز ہر گرام پنچایت کے

لئے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ باضابطہ عوامی جلسے منعقد کرے اور وہاں اسکیموں کے انتخاب کی بابت عام لوگوں سے تبادلۂ خیال کرے اور اس سال کے لئے بجٹ لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

ان تمام پروگراموں میں پنچایتوں کی سرگرمیاں قابلِ تعریف ہیں۔ اصلاحات آراضی کے میدان میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہماری ریاست کو سارے ملک میں ایک اہم مقام افتخار حاصل ہے اور پنچایتوں کے ذریعہ مقامی لوگوں کی شرکت سے ہمیں یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اسی طرح ہماری ریاست میں کام کے لئے خوراک / قومی مضافاتی پروگرام اور مضافاتی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام کی تکمیل میں پنچایتوں اور دیہی عام لوگوں نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن کی ارتقائی تنظیم کی آخری رپورٹ میں یہ بات درج کی گئی ہے کہ مغربی بنگال میں پروگراموں میں مرتب کرنے اور انکی تکمیل کے کام میں بہتر تال میل پنچایتوں کی شمولیت کی وجہ سے ہوا۔ اس رپورٹ میں مزید یہ کہا گیا ہے کہ مغربی بنگال میں "دیہی پنچایتیں دیہی لوگوں کے لئے اسکیمیں تیار کرنے کے لئے جلسے منعقد کرتی ہیں اور ایسے جلسوں میں کام کاج کی ترجیحات کی بابت فیصلے کئے جاتے ہیں۔" عام طور پر ہمارے اندرونی جائزے سے بھی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ پنچایتوں کے ذریعہ تکمیل کردہ اسکیموں پر بہت ہی کم خرچ ہوتا ہے اور اس طرح کی تکنیکی اسکیموں پر جنہیں روایتی طریقہ کار سے پایۂ تکمیل تک پہونچایا جاتا ہے نسبتاً زیادہ خرچ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹھیکیداروں سے گریز کیا جاتا ہے اور کام کاج کی نگرانی پنچایت کے ممبران بذات خود کرتے ہیں اور اس طرح خرچ کم ہوتا ہے۔ اس طرح سے جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام میں پنچایتوں کی شرکت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عام لوگ بھی ایسے پروگراموں میں زیادہ تعداد میں شرکت کرتے ہیں اور اس طرح دھوکہ بازو دلالوں اور درمیانی لوگوں کو ان سے الگ رکھا جاتا ہے۔ جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام کی تکمیل کی بابت "نابارڈ" نے حال ہی میں نمونہ کے طور پر جائزہ لیا۔ یہ جائزہ ملک کے پندرہ ریاستوں میں لیا گیا۔ اس جائزے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس ریاست کے اضلاع میں مستفید ہونے والوں کی شناخت میں کبھی بھی غلطی نہیں ہوئی۔ اس جائزے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ غریب خاندان کی شناخت کے کام میں گرام پنچایتوں اور بنکوں کے اسٹاف کی مشترکہ کوششوں نے جیسا کہ مغربی بنگال میں کی گئی ہیں، اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس پروگرام کے مستحق لوگوں کو فائدہ پہونچے۔ یہ جائزہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ مستفید ہونے والے لوگوں، جنہوں نے غربت کی سطح کو پار کر لیا ہے، کی تعداد پنجاب کے علاوہ مغربی بنگال میں سب سے زیادہ ہے۔

ہماری ریاست میں پنچایتوں کی سرگرمیوں کی معتبر رپورٹ کے ساتھ، ہم نے، ساتویں منصوبہ کے پہلے سال کے شروع سے ہی نچلی سطح پر پنچایتوں کے ذریعہ عام لوگوں کی شرکت سے بلاک سطح اور ضلع سطح پر لامرکزی طور پر تال میل کے ذریعہ منصوبہ بندی کے لئے ایک نیا قدم اٹھایا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر ضلع میں اور ہر ضلع کے ہر بلاک میں تمام سطحوں پر پنچایتوں کے ممبروں اور دیگر متعلقہ منتخب نمائندوں اور تمام شعبوں کے متعلقہ حکام پر مشتمل ضلع منصوبہ بند کمیٹی اور بلاک منصوبہ بند کمیٹی قائم کی گئی۔ ضلع منصوبہ بند کمیٹی کے ضلع پریشد سبھا دھیپتی، چیئرمین اور ضلع مجسٹریٹ، ممبر سکریٹری اور بلاک منصوبہ بند کمیٹی کے پنچایت سمیتی سبھا دھیپتی، چیئرمین اور بلاک ترقیات افسر، ممبر سکریٹری ہیں۔ ضلع اور بلاک منصوبہ بند کمیٹیوں کو مزید انتظامیہ اور تکنیکی اسٹاف کے ذریعہ بھی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ ریاستی سطح پر مالی ترجیحات اور مالیاتی تقسیم کے سلسلے میں مجموعی رہنمائی کے پیش نظر بلاک سطح پر تمام شعبہ جاتی اسکیموں اور پنچایت اسکیموں کو ملا جلا کر بلاک منصوبہ بندی کمیٹی بلاک منصوبہ مرتب کرتی ہے۔ پھر پورے ضلع کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان بلاک منصوبوں کو ایک دوسرے میں ضم کر کے ایک ضلع منصوبہ مرتب کیا جاتا ہے۔ اب اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ ریاستی سطح اور بین ریاستی پروگرام کے لئے اخراجات کو چھوڑ کر

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

مسلم پرسنل لا اور شریعت

از : منصور حبیب اللہ

وزیر قانون ۔ حکومتِ مغربی بنگال

میرے ایک صحافی دوست نے مجھ سے یہ پوچھا ۔ "شریعت کے سلسلے میں حال ہی میں کل ہند پیمانہ پر جو بحث جاری ہے اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟"

میں نے جواب دیا کہ تقریباً سال بھر پہلے مٹیا برج کے ایک جلسہ میں تقریر کے دوران باتوں باتوں میں طلاق کے بعد مسلمان عورتوں کی مجبوریوں کا ذکر کرتے ہوئے میں بڑی پریشانیوں میں الجھ گیا۔ ایک اردو اخبار نے کہا کہ جناب عالی کا سر پھر گیا ہے اس لئے الم غلم بک رہے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق مسلم سماج میں جا کر ایسی باتوں کا ذکر کرنا ایک بے تکی سی بات ہوگی۔

پھر میری تائید میں لکھتے ہوئے ایک اور اردو اخبار نے میری بابت ایسی باتیں لکھیں، جن کی وجہ سے جنتا پارٹی کے سابق ایم ۔ پی جناب ایم ۔ پی ۔ شہاب الدین نے یہ سمجھا کہ میں ان کے خیال کی تائید کر رہا ہوں اور بنگلہ اخبار "آجکل" میں میں نے جن باتوں کا ذکر کیا تھا، ان کے سلسلے میں ایک صحافی نے میری تنقید کی ۔ میں نے کسی کو بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

میرے صحافی دوست نے مجھ سے کہا کہ میں ان باتوں کی مزید وضاحت کروں ۔ انہوں نے پوچھا کہ میں محترمہ شاہ بانو کے معاملہ میں سپریم کورٹ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں یا نہیں ۔

میں نے جواب دیا "بے شک میں اتفاق کرتا ہوں"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے صرف ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ کی رو سے ہی یہ فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس نے قرآن شریف کے سورہ بقر کی آیات، حدیث اور اسلامی قوانین کے ماہرین کی رائے معلوم کر کے یہ فیصلہ کیا۔

دین مہر اور نان و نفقہ کے اخراجات ایک نہیں ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ دین مہر، اور نان و نفقہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں ۔ دین مہر تو وہ رقم ہے جو شادی کے وقت نئی دلہن کو دولہا شادی کی شرط کے طور پر خوشی دینے کا اقرار کرتا ہے یا دیتا ہے ۔ ہمارے ایک ایم ۔ پی دوست مسعود الحسن صاحب، جو بہرام پور کے وکیل بھی ہیں، نے اس دن ہماری یاد دہانی کراتے ہوئے بتایا کہ تقریباً دس سال قبل بہرام پور میں ایک مطلقہ عورت نے نان و نفقہ کے لئے عدالت سے رجوع کی تھی ۔ مسعود الحسین صاحب نے اس عورت کی تائید کی تھی لیکن برہم پور میں اور ہائی کورٹ میں وہ عورت اس مقدمہ میں ہار گئی ۔ انہوں نے شاہ بانو کے مقدمہ میں سپریم کورٹ کی رائے کو سراہا ۔ انہوں نے مزید کہا کہ میری

موکل اگر اس وقت سپریم کورٹ کا خرچ برداشت کر سکتی تو ہو سکتا تھا کہ اس وقت فیصلہ اسی کے حق میں ہوتا۔

میری موکل نے سابق شوہر کی بابت یہ کہا تھا کہ چوں کہ اس نے دین مہر کا روپیہ ادا کر دیا ہے اور چوں کہ مطلقہ مسلمان خاتون طلاق کے بعد تین مہینے کی مدت سے زیادہ عرصہ کے لئے نان نفقہ نہیں پا سکتی، اس لئے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ کا اس پر اطلاق نہیں ہوگا۔

ججوں نے دوسری باتوں کو زیر بحث نہ لا کر براہِ راست یہ کہا تھا کہ "دین مہر" کے رو سے جب شوہر نے دے دئے تب بیوی کو اور کچھ نہیں دیا جا سکتا اور نان و نفقہ پانے کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

سپریم کورٹ نے محترمہ شاہ بانو کے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ "دین مہر" تو مطلقہ خاتون کو ملے گا اس کے ساتھ ہی شوہر کی آمدنی کے حساب سے مطلقہ خاتون کو نان و نفقہ بھی دینا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ "دین مہر" تو دراصل شادی کرنے کی اولین شرط ہے۔ اس کے ساتھ طلاق کا کوئی رشتہ نہیں۔ شادی کے بعد طلاق کی بات پیدا ہوتی ہے۔ دین مہر تو طلب کرنے پر نصف اور نصف قسط وار ادا کرنا پڑتا ہے۔

عرب میں تو پہلے زر نقد ادا کر کے شادی کرنی پڑتی ہے۔ حال ہی میں ابوظہبی کے ایک اخبار "الاتحاد" میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایک عرب شیخ کو شادی میں کپڑے، پوشاک، زیورات وغیرہ کے علاوہ کم از کم ۵۰ ہزار ڈالر دلہن کو یا اس کے والد کو دینا پڑتا ہے لیکن ہمارے ملک میں صورتحال بالکل اس کے برعکس ہے ہمارے ملک میں پہلے تو مسلمانوں میں "جہیز" کا رواج تھا ہی نہیں لیکن اب تو غریب، کھیت مزدوروں اور گداروں کے گھرانوں میں یہ رسم رائج ہو گئی ہے۔ کم از کم ہاتھ گھڑی، ریڈیو، اور سائیکل دینا پڑتا ہے ورنہ شادی نہیں ہوتی۔

عرب میں خاص طور پر اونچے طبقے میں عورتوں کی تعداد کم ہے، اس لئے وہاں عورتوں کی قدر و قیمت زیادہ ہے، اس لئے وہاں طلاق کے بعد بھی عورتوں کا دوبارہ نکاح ہو جاتا ہے اس طرح ان کا تحفظ کیا جاتا ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔

درحقیقت سوال یہ ہے کہ کیا مسلم پرسنل لا اتنا محدود ہے کہ اس میں درج باتوں یا نکات میں تبدیلی یا موجودہ حالات کے تحت ان کی تشریح یا تبدیلی یا ترمیم ممکن نہیں ہے۔ مسلم لیگ کے ایم۔ پی جناب بنات والا نے کہا کہ "مطلقہ عورت کو اس کے ماں باپ کھلائیں گے"۔ یہ ان کی رائے ہے، اور درحقیقت باپ بھائی کے گھر میں ایک مطلقہ عورت کو تمام تکالیف برداشت کر کے رہنا پڑتا ہے، لیکن ان باتوں کو کیا صحیح معنوں میں عورت کا تحفظ کہا جا سکتا ہے؟ قرآن پاک کی سورۃ بقر کی ۲۴۱/۲۴۲ آیتوں کی صرف ایک ہی تشریح کی جا سکتی ہے کہ نان و نفقہ کے مطالبہ کو شوہر کو پورا کرنا ہوگا۔ کٹر مولانا کی رائے میں اس طرح کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔

چند سوالات

اس مسئلہ کے ساتھ چند سوالات جڑے ہوئے ہیں۔ قرآن پاک کے سورۃ میں تشریح میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق تبدیلی لانا یا اضافہ کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ تشریح کون کرے گا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر حکومت یا عدالت کو ایسی تشریح کرنے کا اختیار نہیں ہے تو ملاؤں کو تشریح کرنے کا حق کہاں ہے؟ کون ان کا فتویٰ تسلیم کرے گا۔ حال ہی میں کرالا کے ملاؤں نے ایک عورت کو بید سے مارنے کا فتویٰ صادر کیا، لیکن ان لوگوں کے اس فتویٰ کو عدالت اور عوام کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا۔

لیکن آج یہ سوال پھر کیوں ابھرے گا؟

شرعی قوانین کی ہمیشہ تشریح کی گئی ہے، اور ان کے سلسلہ میں بحث و مباحثے بھی کئے جاتے ہیں۔ بحث و مباحثے کے دوران مسلمانوں کو بہت سارے مکاتبِ خیال ابھرے اور انہوں نے اپنے اپنے طور پر شرعی قوانین کی تشریح کی۔ اس سلسلے میں شیعہ اور سنی کے خیالات سے سبھی واقف ہیں کہ ان

کے خیالات ایک جیسے نہیں ہیں سُنّی میں تو کم از کم چار مکاتبِ خیال ـــ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اور شیعوں میں تین مکاتیبِ خیال ـــ اثنا عشری، اسمٰعیلی اور زیدی ہیں۔ یہ مکاتبِ خیال اپنے اپنے فلسفۂ قانون پر چلتے ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے فرقوں کے لئے مسلم پرسنل لا یا مسلمانوں کے شخصی قوانین مرتب کئے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی مذہبی فرقے ہیں جن کے ذاتی قوانین یا وراثت، شادی، طلاق وغیرہ کی بابت قوانین مختلف ہیں۔ فی الحال دنیا کے بڑے بڑے مسلم ممالک میں اسلامی قوانین مختلف شکلوں میں رائج ہیں۔ لہٰذا تشریح کے ذریعہ ہمیشہ سے ہی مسلم پرسنل لا میں تبدیلی اور ترمیم لائی گئی اور اس میں اضافہ بھی کیا گیا۔ کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ مسلم پرسنل لا ایسا ہے جس کی اور کوئی تشریح ممکن نہیں۔ اس میں کسی قسم کی ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔

سرکاری قانون کیا مسلم پرسنل لا کے خلاف ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ مسلم پرسنل لا یا مسلمانوں کی ذاتی یا شخصی قانون کی مخالف ہے؟

دفعہ ۱۲۵ میں کہا گیا ہے کہ مطلقہ عورتیں، نان و نفقہ پانے کی حقدار ہیں اگر وہ نادار ہوں اور ان کے شوہر صاحبِ حیثیت ہوں۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ اگر ایک خاتون کی اتنی جائیداد ہے یا بنک میں اس کے نام اتنی رقم جمع ہے کہ وہ اس سے اپنی زندگی کے اخراجات پورے کرسکتی ہے تو ایسی حالت میں کیا شوہر کو نان نفقہ دینا ہوگا؟ نہیں، قانون یہ نہیں کہتا۔

مسلم پرسنل لا میں اس بات کا ذکر ہے کہ مطلقہ عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے عدت کے عرصہ میں، یا تین مہینوں تک نان و نفقہ دینا پڑے گا، لیکن کیا اسکے معنی یہ ہیں کہ اس مدت کے بعد اس عورت کو راستے میں پھینک دینے کا قانون یا حکم اسلام نے دیا ہے؟

مسلم پرسنل لا کے بانی نے یہ کہا ہے کہ ایسی حالت میں مطلقہ عورت کی اس کے باپ، بھائی، چچا، چچیرے بھائی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ کیا ایسا ہوتا ہے؟ جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ باپ بھائی سب مل کر اسلام میں مقررہ جائداد کے حق سے لڑکی کو محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بات اب ایک رسم بن چکی ہے۔

سپریم کورٹ کا کہنا ہے کہ عدت کی مدت تک نان و نفقہ دینے کے قانون کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بعد عدت یہ دینا منع ہے یا اس طرح سے دینے کا فیصلہ کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ ایک شخص کو ایک قانون کے تحت نصف جائیداد کا مالک قرار دیا جاتا ہے اور ایک اور قانون کے تحت اسی شخص کو ایک چوتھائی جائیداد کا حقدار قرار دیا جائے تو کیا یہ پہلے قانون کی مخالفت ہوگی؟ سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا، لہٰذا دفعہ ۱۲۵ کے تحت جو فیصلہ صادر کیا گیا ہے وہ مزید تحفظ کے اقدام ہیں۔ پرسنل لا کے خلاف نہیں اور یہ اس لا کی مخالفت نہیں کرتا ہے۔ یہ تو صرف اس دفعہ کی تعریف میں کچھ اضافہ ہے۔

قرآن شریف میں بھی ہدایت ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن شریف کے سورۂ بقر کی ۲۴۱ / ۲۴۲ آیتوں کو مختلف طریقوں سے تشریح کرتے ہوئے یہ بتایا کہ قرآن شریف کی ہدایت کے مطابق نان نفقہ دیا جاسکتا ہے۔

قرآن شریف کی ۲۴۱ آیت مبارک میں کہا گیا ہے کہ مطلقہ عورت کے لئے حسبِ خواہ نان و نفقہ کا انتظام کرنا فرض ہے۔ اس آیت کریمہ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ان لوگوں نے بھی یعنی مخالفین نے بھی یہ کہا کہ یہ فرض ہر ایک کیلئے نہیں ہے، لیکن آخر میں ان لوگوں نے کہا کہ یہ تمام باتیں باپ بھائی

کے فرائض ہیں۔

باپ بھائی کا ان لوگوں نے کہاں سے انکشاف کیا یہ کہنا مشکل ہے، لیکن فرض کس کا ہے، یہ بات تو تسلیم شدہ ہے۔ اس آیت کریمہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ملک کا قانون، جو ہر ایک کے لئے (ہندو، مسلمان، عیسائی، بودھ) ایک جیسا ہے، اس فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری شوہر کو دیتا ہے تو پھر اس سے شریعت کی مخالفت کیونکر ہوئی؟ ع۲۴۰ آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ "اگر تم مرنے کے قریب ہو تب ہی تم اپنی بیوی کے لئے کم از کم ایک سال کیلئے اخراجات کا انتظام کر رکھو"۔ کیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر ایک قریب المرگ شخص، جو صاحب حیثیت بھی ہے، اپنی بیوی کیلئے اس عرصہ سے زیادہ عرصہ کیلئے یا بیوی جب تک زندہ رہے گی اس وقت تک کے لئے اخراجات کا انتظام کرے تو کیا اس کا یہ اقدام شریعت کے خلاف ہوگا۔ اسلام کے کٹر مولانا نے اور سماج کے چند مسلمان مرد سربراہ بہت تنگ نظری سے اس بات کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں عورتوں کے سلسلہ میں انصاف اور ہمدردی کی باتیں درج ہیں۔

درحقیقت سورۃ البقر کی ع۲۳۶ سے لیکر ع۲۴۲ تک کی آیتوں پر اگر تاریخی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو ہر شخص اپنے نقطہ نظر سے ہمدردی کے معنی میں وسعت پیدا کر سکتا ہے۔ اگر ہم ۱۴۰۰ سال قبل کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم یہ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے کہ اس وقت کے یونان، روم اور عرب سے لیکر وسطی ایشیا کے ملکوں کی تاریخیں عورتوں سے کی جانے والی ناانصافیوں کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ اس وقت قرآن شریف میں عورتوں کی بابت خاص طور پر طلاق کے سلسلہ میں یا مطلقہ عورتوں کی بابت جو باتیں کہی گئی ہیں وہ واقعی قابل تعریف اور حیرت انگیز ہیں۔

عدالت کیا شریعت کی تشریح کر سکتی ہے؟

بہت سارے کٹر مسلمانوں نے یہ کہا ہے کہ شریعت میں جو باتیں درج ہیں سپریم کورٹ کو اس کی تشریح کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ تب پھر کون تشریح کر سکتا ہے؟

انگریزوں کے دور حکومت میں ایسی تشریح کے لئے عدالتوں سے رجوع کیا جاتا تھا۔ بہت سارے معاملوں میں ولایت میں پریوی کاؤنسل میں جا کر ہی فیصلہ ہوا ہے۔ حالانکہ عدالت ہمیشہ سے ہی مسلم جیورسٹ یا قانون داں کے خیالات پر غور و خوض کر کے اپنی رائے کا اظہار کرتی ہے۔

ہمارے ملک کے مشہور مسلم جیورسٹ یا قانون داں یا ججوں نے کبھی بھی اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ مسلمانوں کا قانون یا آئین کیا ہے؟ اس سلسلے میں اگر عدالت کو تشریح کرنے کے اختیارات نہیں ہیں تو ان لوگوں نے عدالت کے اختیارات کی مخالفت بھی نہیں کی۔ جسٹس امیر علی، جسٹس سلیمان سے لے کر ہملوگوں کے سابق نائب صدر جمہوریہ ہند اور ہندوستان کے سابق چیف جسٹس جناب ہدایت اللہ تک کسی نے بھی اس سلسلے میں اپنی کوئی رائے پیش نہیں کی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں جب وقف کو جائز قرار دینے کا ایکٹ یعنی (Wakf Validating Act) پاس کیا گیا تو اس وقت جسٹس امیر علی، نواب عبد الجبار اور دیگر اصحاب نے یہ رائے دی کہ قانونی نظام میں تبدیلی نہ لا کر پریوی کاؤنسل سے رجوع کیا جائے کہ وہ عبد الفتح محمد کے کیس کے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔

لہٰذا آج سپریم کورٹ کے اختیارات کی بابت سوال اٹھ نہیں سکتا۔ گزشتہ دو صدیوں سے عدالتیں یہ کام کرتی آ رہی ہیں۔ عدالتوں کے فیصلوں پر بحث و مباحثے ہوتے ہیں، فیصلوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے عدالتوں سے درخواستیں بھی کی جاتی ہیں لیکن کبھی بھی یہ بات نہیں کہی گئی کہ عدالتوں کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کٹر ملاؤں کے علاوہ کسی اور نے یہ بات نہیں کہی۔

صرف مسلمانوں ہی میں مسلم پرسنل لا یا شخصی قانون اور اس کے استعمال کی بابت غلط فہمیاں نہیں پھیلی ہوئی ہیں بلکہ غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سلسلے میں تاریکی میں

ہے۔ حال ہی میں میں نے ایک مشہور ادیبہ کی تحریر پڑھی ۔ جس کہ مسلمانوں میں چار شادیاں کرنے کا قانون اب تک رائج ہے اور طلاق دینا بہت آسان ہے اس لئے وہ فرماتی ہیں کہ ہندو عورتوں کو بہت کچھ ملا ہے لیکن مسلمان عورتوں کو کچھ نہیں ملا۔

مسلم عورتوں کے حقوق

قانون میں درج باتیں اور حقیقت میں انہیں روبہ عمل لانا، ان دونوں میں کافی فرق ہے۔ اسلامی قوانین کے مطابق مطلقہ مسلمان عورتوں کو جو حقوق دئے گئے ہیں ان میں سے بہت سارے حقوق کو ہندو کوڈ میں درج کردیا گیا ہے جیسے مسلم عورتوں کا دین مہر کا حق شادی سے وابستہ ہے۔ لیکن بہت سارے معاملات میں عورتوں کو شادی کا دل دین مہر نہیں دیا جاتا ہے۔ عورتوں کو دین مہر کا روپیہ نہیں ملتا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ لیکن بہت سارے مسلمان ایسے ہیں جو دین مہر کی ادائیگی کے بوجھ سے خود کو یا اپنے فرزندوں کو آزاد کر دینا لازمی فرض سمجھتے ہیں اور وہ یہ فرض روپے کی شکل میں یا جائیداد کی شکل میں یا فی الحال جیسا ہوتا ہے بیمہ پالیسی دے کر پورا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندو کوڈ بل میں جو اہم باتیں یعنی عورتوں کا جائیداد میں حق اور شادی کی شرائط، درج ہیں انہیں مسلمانوں کے قانون میں آج سے ۱۴۰۰ سال قبل ہی تسلیم کر لیا گیا تھا۔

(۱) مسلم قانون میں مذہبی، سماجی یا مشترکہ خاندان وغیرہ کو الگ کر کے جائیداد میں شخصی حقوق کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں تاریخ میں مسلم خواتین اولین ہیں جنہیں جائداد کے معاملے میں باپ، شوہر، بیٹے کے تحت نہیں رہنا پڑتا ہے کیوں کہ انہیں جائیداد کا حق دیا گیا ہے۔ بعد میں وصیت نامہ وراثت سرپرستی کے ذریعہ عورتوں کو حقوق سے محروم نہ کیا جا سکے۔ اسی لئے جائیداد کا تہائی سے زیادہ حصہ وصیت نامہ کے ذریعہ دوسروں کو دینے کا حق مسلمانوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ حالانکہ وقف العدالت یا خاندان کے سلسلے میں وقف کے ذریعہ اس مقصد کو ناکام بنایا جا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے لیکن قانونی طریقے اور انتظامیہ کی طرف سے خاندانی جائیداد میں (Primogeniture) یعنی پہلے لڑکے کی افضلیت یا گود لئے بیٹے کی معارفت عورتوں کے حقوق کو تسلیم نہ کرنا یا خرید و فروخت کے ذریعہ جائیداد کے حقوق کو منتقل کر دینے کی باتیں عام ہو گئی ہیں لیکن اسلام نے جائیداد پر عورتوں کے کلی حقوق کو تسلیم کر لیا ہے اور ساری دنیا میں سب سے پہلے مسلم قانون میں یہ باتیں ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے اسی لئے مسلمانوں میں قریبی رشتہ داروں کے درمیان شادی وبیاہ کا سلسلہ رائج ہو گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کی وجہ سے خاندانی جائیداد کو باہر چلے جانے سے روکا گیا ہے۔

(۲) شادی مسلمانوں میں ایک معاہدہ کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں کی شادی معاہدے کی شادی ہوتی ہے! شادی شدہ مرد و عورت کے درمیان شادی کا تصور اس معاہدہ پر منحصر ہے۔ آج ہندو کوڈ میں خصوصی شادی کے طریقہ کار میں اس معاہدہ کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم قانون میں عورتوں کے تمام قانون تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ اس کے برعکس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلم قانون میں ایسے گوشے بھی ہیں جن کے ذریعہ مسلم عورتوں کے حقوق کو، جن پر مردوں نے وقت وقت پر ضرب لگایا ہے نقصان پہونچایا گیا ہے۔ اتر پردیش کی حکومت کے سابق ایڈیشنل گورنمنٹ ایڈوکیٹ (الہ آباد ہائی کورٹ کے موجودہ جج) جناب سید حیدر شوکت عابدی نے ۱۹۸۲ء میں شائع شدہ ایک مضمون میں لکھا ہے کہ فی الحال سعودی عرب کے بادشاہ نے مسلم قانون دانوں کے ذریعہ مسلم قانون کو ترقی پسند اور جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے آواز اٹھائی ہے۔ دنیا کے بہت سارے مسلم ممالک میں نئے سرے سے مسلم قوانین مرتب کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں ایسی حالت میں شاہ بانو کے مقدمہ میں سپریم کورٹ کی رائے

کی جو مخالفت کر رہے ہیں ان کے خیالات فرسودہ ہیں اور اصولی طور پر وہ مسلم قوانین کے مخالف ہیں۔

اینگلو مسلم لاء

آخر میں ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ شریعت شریعت کی رٹ لگا رہے ہیں وہ لوگ ہمارے مسلمان بھائیوں کی تعلیمی پس ماندگی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں غلط راستوں پر گامزن کر رہے ہیں۔ دراصل ہندستان میں کوئی شرعی قانون رائج نہیں ہے۔ جو ہے وہ دراصل اینگلو مسلم لا ہے یعنی مسلم لا جس کی ہندوستان میں عدالتوں کی رائے کی معارفت یا قوانین کی معارفت نشوونما ہوئی ہے۔ کسی بھی قانون کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ اس کے استعمال سے یا اسے عملی جامہ پہنا کر لگایا جا سکتا ہے۔

مسلم پرسنل لا میں جو باتیں درج ہیں اگر انہیں عملی شکل دینا ہو تو ہمیں رائج دیوانی یا فوجداری قوانین عدالت اور کچہری پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ہماری پیدائش سے موت تک عبادت گاہ سے لیکر قبرستان تک ہر جگہ ملک کے چالو قوانین کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مسلم پرسنل لا کے مطابق اگر ورثہ کی جائیداد نہ ملے تو مسلمانوں کو دیوانی عدالت میں جانا پڑتا ہے۔ تب پھر اتنی شرعی قانون کی باتیں کیوں ؟ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ہم لوگ تبدیل شدہ سماج میں رہتے ہیں جدید اور ترقی پسند راہ پر گامزن ہیں لیکن مسلمانوں کو اس سے دور رکھنے اور اس سے پیچھے رکھنے کی کوششیں ہو رہی ہیں جو مسلم سماج کے لئے نقصان دہ ہیں اور ان کی فلاح اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ ایک زمانہ میں جو لوگ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور جدید تعلیم حاصل کرنے کی، اور لڑکیوں کو اسکول اور کالجوں میں بھیجنے کی مخالفت کر رہے تھے آج انہیں کے فرزند یا ان ہی کی نسل کے لوگ شریعت کے نام پر مسلمانوں کو پیچھے رکھنا چاہتے ہیں ٭٭٭

بقیہ : رضا مظہری

آج موت کے سرد ہاتھوں نے انہیں خاموش کیا ہے افسوس ہے تو اس کا کہ موت کھلے دل سے اس فرشتہ صفت شخص کے پاس نہیں آئی بلکہ بے رحم مجبور کی طرح آئی جو اردو غزل کو برسوں تک اپنے دام میں الجھا کر مریضانہ کیفیت کی روئیدگی کر چکی ہے ــــ کاش کینسر نے اس ایک شخص کو اس قدر بخشا ہوتا کہ شیریں زبان کرب میں لڑکھڑانے سے محفوظ رہتی ــــ!

بس یہی وجہیں ہیں کہ ہر سوچتا ہوا انسان کسی دھڑکتے دل کے بجھ جانے پر کچھ دیر کے لئے خود بھی مر جاتا ہے۔ میں نے بھی ان کی موت کے ساتھ موت کی گھٹن کا مزہ چکھا ہے ــــ یہاں مظہری رک تو گئے ہیں لیکن ذہنوں میں ان کا سفر جاری ہے اور جاری رہے گا ــــ

ہمارے بعد سنا دوسروں سے
کہانی یہ ابھی پوری نہیں ہے

٭٭٭

ہومیوپیتھک میڈیکل کالج کو عطیہ

ریاستی حکومت نے مدنا پور ہومیوپیتھک میڈیکل کالج کے تدریسی و غیر تدریسی ملازمین کو اگست اور ستمبر ۸۵ء کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے ادارے کو ۱۱۲۰۰۰ روپئے کا غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے +

جنوب ہوڑہ جنرل ہسپتال

حکومت مغربی بنگال نے جنوب ہوڑہ کے لوگوں کو علاج کی سہولیتیں اور ہسپتال میں داخلہ کے مواقع کی توسیع کے لئے اس علاقے میں تخمیناً ۳۶، ۲۲ لاکھ روپئے کی لاگت پر جنرل ہسپتال کی تعمیر کے لئے منظوری دے دی ہے۔ یہ ہسپتال جنوب ہوڑہ جنرل ہسپتال کے نام سے جانا جائے گا۔ اس ہسپتال کے دس بستروں میں آٹھ بستر مفت اور دو بھاڑے کے ہوں گے ٭٭

مضافاتی ترقی

مغربی بنگال کے مضافاتی علاقوں میں رہنے والے پچاس فیصد سے زیادہ لوگ غربت کی سطح سے نیچی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب تک اس کثیر آبادی کی معاشی حالت میں بہتری نہیں لائی جائے گی اس وقت تک اس ریاست کی جامع معاشی اور سماجی ترقی تقریباً ناممکن ہے۔

ہمارے ملک میں جامع مضافاتی ترقی کے لئے کسی بھی قسم کے منصوبے کا، اصلاحات آراضی ایک اہم جزو ہے۔ اصلاحات آراضی کا اصل مقصد یہ ہے کہ درمیانی حقوق کو ختم کر دیا جائے اور قطعاتِ آراضی پر حقیقی کسانوں کو قانونی حقوق قائم ہو جائیں۔ حکومت نے قطعاتِ آراضی کی انتہائی حد مخصوص کر دی ہے اور اس طرح بہت سارے زرعی قطعاتِ آراضی پر حکومت کو حقِ ملکیت حاصل ہو گیا۔ یہاں ریاستی حکومت کی کامیابیاں بہت ہی شاندار ہیں۔ اس نے اب تک تقریباً ۱۳ لاکھ ایکڑ فاضل قطعاتِ آراضی کی کھوج لگایا جبکہ سارے ہندوستان میں ۵ء۷ لاکھ فاضل قطعاتِ آراضی حاصل کئے گئے۔ ریاستی حکومت نے اس زرعی قطعاتِ آراضی کو ۳۸ لاکھ بے زمین کسانوں میں سے ۱۶ لاکھ کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ریاستی حکومت نے اس سلسلہ میں موجودہ ایکٹ میں ترمیم لانے کے لئے تجویز پیش کی ہے اور جب اس تجویز کو صدرِ ہند کی منظوری حاصل ہو جائے گی تو اس وقت ریاستی حکومت اور بھی زیادہ قطعاتِ آراضی برآمد کر سکے گی۔ اور انہیں اور بھی زیادہ بے زمین اور زرعی مزدوروں کے درمیان تقسیم کر سکے گی۔ مزید برآں ریاستی حکومت نے "بھاگ چاشی" یا برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کرنے کا کام شروع کر دیا ہے اور گزشتہ آٹھ برسوں میں تقریباً دس لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے۔ اب یہ برگدار یا بھاگ چاشی جی توڑ محنت کر رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں غلے کی مجموعی پیداوار اور کھیتوں کی پیداواری صلاحیت میں کافی اضافہ ہوا۔ حکومت اس امر سے واقف ہے کہ ان برگداروں کے خاندان بھی دیہی ترقی کے لئے حکومت کے ذریعہ بر سرِ عمل لائے گئے تمام منصوبوں اور پروگراموں کی سہولتوں سے مستفید ہونگے۔ اس کے لئے پنچایت تنظیموں کو حسب ضروری اختیارات دئے گئے ہیں تاکہ مناسب طور سے مضافاتی ترقی پروگراموں کی تمام سہولتوں سے یہ لوگ مستفید ہوں۔

پنچایت تنظیموں نے "قومی مضافاتی روزگار پروگرام" جسے پہلے کام کے لئے خوراک پروگرام کہتے تھے کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ حکومت سے ضلع وار فنڈ پانے کے بعد ضلع پریشدوں اور گرام پنچایتوں نے اسکیمیں مرتب کیں اور انہیں پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ گرام پنچایتوں نے چھوٹی اسکیموں اور ضلع پریشدوں نے بڑی اسکیموں کو روبہ عمل لایا۔ زرعی مزدور اس موسم میں جب، زرعی کام نہیں ہوتا ہے، بے روزگار ہو جاتے ہیں۔ قومی مضافاتی روزگار پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ زرعی مزدوروں کے لئے سال بھر کے لئے روزگار فراہم کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ دیہی تنظیمیں بہت ساری اسکیموں کی تکمیل کے ذریعہ مختلف ترقیاتی کام کا جانچ کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں ریاستی حکومت نے "کام کے

لئے خوراک" اور "قومی مضافاتی روزگار پروگرام" کے تحت کام کے ۷۶ر۲۶ کروڑ دن پیدا کئے اور دسمبر ۱۹۸۴ء تک ریاستی حکومت نے مندرجہ ذیل اقدامات کئے ہیں:-

(۱) سماجی جنگلات اسکیم کے تحت ۸۰۰۰ ہیکٹرس قطعات اراضی میں شجرکاری کی گئی۔

(۲) شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لئے ۱۱۰۰ ٹیوب ویل نصب کئے گئے اور ۵۸۰ ٹیوب ویلوں کی مرمت کی گئی۔

(۳) ۶۰۰ سے زیادہ اجتماعی جھونپڑیاں تعمیر کی گئیں۔

(۴) ۴۳۰۰ سے زیادہ سوکھے تالابوں کی کھدائی کر کے انہیں پانی سے بھر دیا گیا۔

(۵) چھوٹی آبپاشی اسکیم کے ذریعہ مزید ۱۹۱۰۰ ہیکٹرس قطعات اراضی کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

(۶) قطعات اراضی اور پانی کے ذخیرے کو محفوظ رکھنے اور اصلاحات اراضی کی اسکیموں کے ذریعہ ۱۲۶۰۰۰ ہیکٹرس قطعات اراضی کو بہتر بنایا گیا۔

(۷) مجموعی طور پر ۱۵۲۰۰۰ کیلومیٹر لمبی دیہی سڑکوں کی مرمت کی گئی اور انہیں بہتر بنایا گیا۔

(۸) ۷۵۰۰ پائخانے تعمیر کئے گئے۔

(۹) ۲۶۰۰ پنچایت عمارتیں تعمیر کی گئیں

(۱۰) ۲۵۰ بانس اور لکڑی کے پل تعمیر کئے گئے۔

(۱۱) ۱۲۰۰۰ اسکولوں کی عمارتوں کی مرمت اور نو تعمیر کی گئی

(۱۲) ۳۶ گولے (اناج کو محفوظ رکھنے کے گودام) تعمیر کئے گئے۔

(۱۳) ۳ دیہی گودام تعمیر کئے گئے۔

(۱۴) ۱۷ بس اسٹینڈ اور ۴ آرام گاہ شیڈ تعمیر کئے گئے۔

اس کے علاوہ دیہی بے زمین لوگوں کے لئے روزگار اسکیم کے تحت ضلع پریشدوں کے ذریعہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے مالی سال کے دوران ترقیاتی اقدامات پر ۳۸ر۱۲ کروڑ روپے خرچ کئے گئے اور اس طرح کام کرنے کے ۸ لاکھ دن پیدا کئے گئے۔

اصلاحات اراضی کے میدان میں کامیابی تشفی بخش ہے۔ حکومت نے ان قطعات اراضی کو، جن کے سلسلے میں اسے حق ملکیت حاصل ہو گئی ہے، ۳۸ لاکھ زرعی مزدوروں میں سے ۴۲ فیصد مزدوروں کے درمیان تقسیم کر دیا تاکہ یہ لوگ بھی جامع مضافاتی ترقیاتی پروگراموں کے دائرہ عمل میں آسکیں۔ ہم لوگ مختصر عرصہ کے قرض اور تخم کھاد وغیرہ بطور عطیہ دے کر ایسے تین چار لاکھ لوگوں کو امداد فراہم کرتے ہیں۔ ہم لوگ ان لوگوں کے قطعات اراضی کے لئے آبپاشی کی سہولتوں کی توسیع کی بات پر بھی غور کر رہے ہیں۔

اس سے قبل اس پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی جماعتوں کو امداد فراہم کی جائے لیکن بنکوں نے لوگوں کی جماعتوں کو قرض دینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے بعد میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت کے بدلے میں خاندانوں کو امداد فراہم کی جائے۔ اب بنک دیہی خاندانوں کو مالی رقوم فراہم کر رہے ہیں تاکہ وہ سب غربت کی سطح سے اوپر اٹھ سکیں۔ مذکورہ بالا اسکیم کے تحت ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۲۷۵۸۰۶ خاندان مستفید ہوئے اور انہیں ۴۱ر۴۰۰۳ لاکھ روپے بطور قرض فراہم کئے گئے جبکہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۲۸۴۸۱ خاندانوں کو ۶۳ر۱۴۸ لاکھ روپئے بطور قرض فراہم کئے گئے تھے۔

جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام کے علاوہ حکومت کے دیگر شعبے بھی بہت سارے طریقوں سے دیہی ترقی کے کام میں مشغول ہیں۔ ریاستی حکومت کا مقصد یہ ہے کہ دیہی لوگوں کی غربت کو دور کیا جائے۔ اسی لئے موجودہ معاشی ڈھانچہ کے تحت تمام سطحوں پر ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لانا ضروری ہے اور تمام شعبے اس مقصد کی برآوری کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ جامع طریقہ سے اسے ممکن بنانے کے لئے تمام دیہی ترقی کے پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داری ایک تنظیم کو سونپی جانی چاہئے۔ اس سلسلہ میں

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

کرشن چندر

عبدالحئ شمیم

آج سے باسٹھ سال قبل ضلع پونچھ کے خوبصورت علاقہ میں ایک سرکاری ڈاکٹر کے گھر ۲۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو کرشن چندر نے جنم لیا اور بچپن کشمیر کی اس دلکش اور خوبصورت وادی کی حسین فضاؤں میں گزارا جس کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ ؎

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

وہاں کے ان مرغزاروں کی خوبصورتی، وادی کی دلکشی جھیلوں کی رعنائی، پہاڑوں کی بلندیوں اور پھولوں سے لدی گھاٹیوں کو دیکھ کر کرشن چندر یہ سمجھتے تھے کہ ساری دنیا ہی شاید اتنی خوبصورت ہوگی، اتنی دلکش ہوگی۔ لیکن جب پونچھ سے ہائی اسکول پاس کرکے کالج ایجوکیشن کے لئے وہ لاہور گئے تو انہیں ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخی میں جھیلوں کی وہ نیلاہٹ یاد آنے لگی۔ شبنمی دھندلکوں میں ان انجان گھاٹیوں پر لاکھوں رنگ برنگے پھولوں کی خوشبو یاد آنے لگی۔ پہاڑوں کے تناور درختوں کے وہ سائے ان کی نظروں میں گھومنے لگے جنہیں وہ اپنی وادی کے دروں پر کھڑا چھوڑ آئے تھے۔

۱۹۳۷ء میں لاہور کالج سے آپ نے ایل ایل بی کیا اور پھر ایم اے۔ ظاہر ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے سبب آپ کے ذہنی شعور کا ترقی پسندی کی طرف رجوع ہونا ہی تھا۔ اس ہی زمانہ میں پنجاب کی سرزمین شہید اعظم بھگت سنگھ کی حب الوطنی کے نغمے گا رہی تھی جن کی دھن سے یہ ابھرتا ہوا نوجوان بھی متاثر ہوا اور اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کی تحریک کی تربیت حاصل کرنے یہ کلکتہ چلے آئے لیکن وہ اپنے آپ کو زیادہ دنوں تک کلکتہ نہیں رکھ پائے۔ اور واپس لاہور آ گئے اور ۱۹۳۹ء میں بحیثیت پروگرام اسسٹنٹ لاہور ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت اختیار کی۔ یہاں بھی آپ صرف تین سال ہی رہ سکے۔ کیوں کہ اس دور کے مشہور و معروف فلم پروڈیوسر ڈاکٹر احمد نے آپ کو فلم لائن میں آنے کی ترغیب دی اور آپ نے خود کو شالیمار اسٹوڈیو سے منسوب کر لیا۔ ان کی پہلی فلم "من کی جیت" اس قدر مقبول ہوئی کہ انہیں مستقل طور سے فلم رائٹر بننے کے مواقع ملتے رہے۔ کیوں کہ کرشن چندر کا رجحان ہمیشہ عوام کی معاشی اور سماجی حالات سے متعلق رہا اس لئے ان کی کہانی کا پس منظر ان کے ان ہی جذبات کی ترجمانی کرتا رہا جس میں سطحی لذت اور ذہنی عیاشی کے سامان فراہم نہ ہو سکے۔ اسلئے ان کی فلمیں بہت زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں لیکن ذہین لوگ ان سے بڑی حد تک متاثر ہوئے۔

کرشن چندر کی ایماندارانہ کوشش اور ذہنی شعور کی پختگی نے جن میں ہندستانی قوم کی اصلاح کے جذبات کارفرما تھے ان کی نوکِ قلم سے چالیس سال تک اردو ادب کی وہ خدمت کیں کہ پورے ہندستان کے سماجی کردار میں ایک مخصوص تبدیلی رونما ہونے لگی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اس قدر مقبول ہوئے کہ آپکی تصانیف

کے دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمے ہوئے اور جب یہ ترجمے ہندستانی ادب سے آگے بڑھے تو کرشن چندر بھی ایشیا کے عظیم افسانہ نگار اور ناول نویس بن گئے کیوں کہ آپ عوام کے جذبات کے انتہائی قریب تھے۔ اسی لئے روس میں آپ کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۶ء میں آپ کو سودیت لینڈ نہرو لٹریری ایوارڈ سے نوازا گیا اور پھر تین سال بعد ۱۹۶۹ء میں خود حکومت ہند نے آپ کو پدم بھوشن کے اعزاز سے سرفراز کیا۔

چھوٹی موٹی کہانیاں تو آپ بچپن ہی سے لکھتے رہے لیکن مستقل سلسلۂ تصنیف ۱۹۳۸-۳۹ء سے شروع ہوا۔ جب آپ کی سب سے پہلی تخلیق "طلسم خیال" منظر عام پر آئی۔ کچھ دنوں لکھنؤ اور دہلی ریڈیو سے بھی وابستگی رہی۔ لیکن پھر آپ اس چالیس سال کے عرصے میں کبھی فرصت سے نہ رہے۔ تقریباً نوے بچانوے تصانیف آپ نے اس عرصے میں اردو ادب کو دیں۔ ان تصانیف کو اگر ذہنی شعور کے نظریہ سے دیکھا جائے تو ہم محسوس کریں گے کہ آپ کے ذہن نے بتدریج نئی نئی راہیں اختیار کی ہیں۔ نئے نئے تجربات کئے ہیں۔ دراصل ان تجرباتی منازل سے گزر کر ہی کرشن چندر صحیح معنوں میں کرشن چندر بن سکے۔ بقول ریوتی سرن شرما "کرشن چندر کا نام اردو ادب میں تجربات سے عبارت ہے"۔

آپ کی تصانیف کی فہرست تو بہت طویل ہے لیکن پھر بھی کچھ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جانا مناسب ہے۔

ٹوٹے تارے، پرائے خدا، زندگی کے موڑ پر، دروازہ، شکست، ان داتا، سمندر دور ہے، اجنتا سے آگے، صبح ہوتی ہے، جب کھیت جاگے، طوفان کی کلیاں، میں انتظار کروں گا، مٹی کے صنم، ستاروں سے آگے، گدھے کی سرگزشت، سونے کا سنسار، اور دنٹ پاتھ کے فرشتے ایسی تصانیف ہیں جن کے ہندستان اور ہندستان کے ترقی پسند عوام کرشن چندر کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رہیں گے۔ کرشن چندر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے وطن کو اور اس کی مشترک تہذیب کو اپنے دل و دماغ سے کسی بھی لمحے جدا نہیں ہونے دیتے۔ ان کے قلم سے ہمیشہ مقامی رنگ ہی ابھرتے ہیں۔ کردار نگاری میں بھی انہوں نے جس کردار کو ہیرو بنایا ہے وہ کسان اور غریب مزدور ہے۔

مارچ سنہ ۱۹۴۸ء میں شائع شدہ کہانیوں کا مجموعہ "ایک گرجا ایک خندق" کو وہ ہندستان اور پاکستان کے درمیان صلح و آشتی کی بنیادیں مضبوط کرنے والی کے نام منسوب کرتے ہیں اور اسی تصنیف کی ایک کہانی میں کالو بھنگی کا کردار اس طرح پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"کالو بھنگی اپنی پرانی جھاڑو لئے، اپنے ننگے گھٹنے لئے۔ اپنے پھٹے پرانے کھردرے پاؤں لئے، اپنی سوکھی سوکھی ٹانگیں لئے۔ اپنے بھوکے پیٹ اور اس کی خشک جلد کی سیاہ سلوٹیں لئے، اپنے مرجھائے ہوئے سینہ پر گرد آلود بالوں کی جھاڑیاں لئے ابھری ہوئے گال اور اپنی آنکھوں کے نیم تاریک گڑھوں کے اوپر ننگی چندیا ابھارے میرے ذہن کے ایک کونے میں کھڑا ہے"۔

کس قدر سچی عکاسی انہوں نے کی ہے کہ سچ مچ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا کالو بھنگی اپنے مخصوص انداز میں ہمارے سامنے کھڑا ہو۔

کرشن چندر کو وطن عزیز سے بے انتہا پیار رہا ہے، انہیں یہاں کی روایتی تہذیب اور مشترک کلچر بہت پسند ہے۔ وہ ہرگز یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ ہم کسی ایک تہذیب کو کچل کر دوسری تہذیب کو قائم رکھ سکیں گے۔

۱۹۶۶ء میں شائع ہونے والے ناول "مٹی کے صنم" میں سماج ان کے طنز کو بڑی وضاحت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ممکن ہے میرے بہت سے دوستوں کو برا لگے مگر ہندو تہذیب، ہندو تاریخ، ہندو تمدن کو یکسر اپنی زندگی سے کاٹ کر آپ کسی ٹھوس پاکستانی کلچر کی بنیاد نہیں رکھ سکتے۔ جس طرح مسلم تہذیب، مسلم تاریخ اور مسلم تمدن کے بغیر ہندستانی کلچر کا کوئی شعبہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ تاج، عطر، گلاب، غزل اور شیروانی، جامع مسجد کے میناروں اور صوفیوں کے مزار غائب کر کے ہم اپنے لئے کسی ہندوستانی کلچر کا تصور نہیں کر سکتے۔ اسی طرح سے پاکستانی کلچر کا مسئلہ پیدا

ہندو تہذیبی ورثے کو جلاوطن کر دینے سے نہیں سدھرتا"۔

ایک اور جگہ حسن شاہ کی راماین کے ذکر کے ساتھ کرشن چندر کے اس جذبے کی افادیت کو محسوس کیجئے جس میں آپ نے اپنے قلم سے منظر نگاری کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"چند اندھیری گلیاں تھیں۔ ایک بیری کا جھاڑ تھا۔ گھنے پیڑوں کے اندھیرے میں چھپا ہوا اک مزار تھا۔ ایک تاریک موڑ تھا۔ ایک پرانی تاریک حویلی تھی۔ جس کا بڑا پھاٹک کھلتے وقت کسی بوڑھے کی ہڈیوں کی طرح کڑکڑاتا تھا۔ لوہے کی سلاخوں سے بنے ہوئے سفید کتے بھو نکتے تھے۔ پھر ہم ایک وسیع دالان میں آجاتے۔ میرے پتا جی میرا ہاتھ چھوڑ دیتے اور ایک سفید ریش بوڑھے سے ہاتھ ملانے لگتے۔ اس گھر میں میں نے پہلی دفعہ "آداب عرض" سنا، سلیقہ اور آشنایہ دیکھا۔ شاہجہانی اور شاہی ٹکڑے چکھے اور ایک ہی حقے کی نے سے ایک ہندو اور ایک مسلمان کو کش لگاتے دیکھا"۔

دراصل کرشن چندر کی تحریر میں ایک سنجیدہ ادب کی ایک مستقل کوشش ہے جس کے ذریعہ عوام کی آواز بن کر ابھرے ہیں۔ بقول ریوتی سرن "ادب کی آواز میں جب تک انسان کے سانس کی آواز شامل نہ ہوگی وہ گونگا رہے گا۔ انسان کے اسی سانس کی آواز ہمیں کرشن چندر کی کہانیوں میں ملتی ہے اور ان کے ناولوں میں ملتی ہے"۔

کرشن چندر کی نثر پر علی سردار جعفری جیسے ترقی پسند شاعر کو رشک آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں "کرشن کی کہانیوں میں ہندستان کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو ہے جہاں سے اس نے خمیر حاصل کیا ہے۔ اس کی رگوں میں وقت اور تاریخ کا خون ہے اور دل میں عوام کے دل کی دھڑکن"۔ کرشن چندر نے اس جمہوری حقیقت نگاری کو آگے بڑھایا ہے جس کی بنیاد پریم چند نے ڈالی تھی۔

پریم چند ہمیں ماضی سے حال تک لاتے ہیں اور کرشن چندر ہمیں حال سے مستقبل کی طرف لے جا رہے ہیں۔

سماج کا درد لئے کرشن چندر چالیس سال سے ادب کی خدمت کر رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ سماج کا یہ درد ان کے اپنے دل کا درد بن گیا اور اسی درد دل نے ہم سے ہمارے کرشن چندر کو ۸ مارچ ۱۹۷۷ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ آج ہمارے کرشن چندر ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ہندوستانی کلچر میں دی ہوئی ان کی ادبی اقدار انہیں ہمیشہ ہمیشہ زندہ و جاوید رکھیں گی ٭٭٭

(بشکریہ "بہار کی خبریں")

بقیہ : "غریبی ہٹاؤ" پروگرام میں پنچایت کا

ہماری ریاست میں سالانہ منصوبہ اخراجات کا تقریباً دو تہائی حصہ بلاک اور ضلع سطحوں پر خرچ ہوگا۔ مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے مسرت حاصل ہوتی ہے کہ اس سال بھی بالکل نچلی سطح سے تال میل کے ذریعہ ہر ضلع کے لئے منصوبہ مرتب کیا گیا ہے جمہوری طریقہ سے منتخب پنچایتوں کے ذریعہ عام لوگوں کی اشتراکت سے ایک لامرکزی طریقہ سے منصوبہ مرتب کرنے میں سارے ملک کے لئے یہ ایک اہم شروعات ہو سکتی ہے ٭٭٭

بقیہ : مبادا ہم بھول جائیں

ایئر وائس مارشل ای۔ ایم پنٹو کا نام آتا ہے۔ وہ ایک حقیقی عیسائی تھے جو کبھی کبھی اپنے ماتحتوں کی بہبود کو اپنے مفاد سے بھی زیادہ اولیت دیتے تھے ـــــ سب سے آخر مگر کسی سے کم نہیں تھے۔ ایئر وائس مارشل کنور جسونت سنگھ جو ایک غیر معمولی کھلاڑی تھے اور جنہیں ہوائی فوج میں کھیلوں کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے آج اے آئی ایف میں بہترین کھلاڑی کے لئے وقف کی گئی ٹرافی ان ہی کے نام سے منسوب ہے۔

یہ لوگ اب نہیں رہے لیکن وہ آج کی انڈین ایئر فورس کے شہرۂ آفاق داستانی کردار کا ایک چھوٹا سا حصہ تھے ٭٭

مبادا ہم بھول جائیں

از ـــــــ ونگ کمانڈر، آر۔ شنکر

اکتوبر ۱۹۳۲ء کی آٹھ تاریخ تھی۔ بڑی مدت سے ایک کشمکش چل رہی تھی جس میں ہماری جیت ہوئی اور انڈین ایئر فورس نے جنم لیا۔ ہمارے لئے غیر معمولی ذہانت کا اظہار کرنے کا موقعہ اور وقت آگیا تھا۔ وہ غیر معمولی ذہانت بہت سے نوجوانوں کی شکل میں سامنے آئی۔ انڈین ایئر فورس کے وہ ابتدائی پیش رو مہارت، البصیرت، جذبۂ شجاعت اور جوش میں رنگے ہوئے سب کے سب ایک مثال قائم کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان میں سے کچھ تو اپنے وقت میں ہی عظیم بن گئے اور کچھ بعد میں عظمت کا لطف لینے کے لئے زندہ رہے۔ لیکن ایسے افراد بھی بہت سے تھے جنہیں قدرت نے کم محاسن عطا کئے تھے، جنہیں تقدیر نے کم سہارا دیا تھا۔ وہ بھی اس دوڑ میں شامل تھے لیکن وہ گم ہو گئے ہیں یا وقت کی بھول بھلیوں نے انہیں بھلا دیا ہے۔

وہ چھ ہندوستانی جو پہلے پہل کرینول میں تربیت کے لئے گئے اور واپس آکر انڈین ایئر فورس کو جنم دیا ان میں سے صرف ایک یعنی سبراتو مکھرجی زندگی ہی میں اپنے لئے ایک تاریخی مقام حاصل کر گئے۔ باقی پانچوں کم از کم اس بات کے مستحق ضرور ہیں کہ ان کا سرسری طور پر ذکر کر دیا جائے کیوں کہ انہوں نے آج کی زبردست جنگی تنظیم یعنی بھارتی فضائیہ کی ابتدائی بنیادیں قائم کرنے میں مدد دی۔ ہریش سرکار بنگال کے ایک رئیس اور مہذب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ چھوٹی عمر سے ہی ہوابازی کے جذبے سے سرشار تھے۔ موقع ملتے ہی وہ فوراً انڈین ایئر فورس میں شامل ہو گئے۔ مہذب، ذہین، کھلاڑی قد و قامت والے اس نوجوان نے اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں پر بڑا اثر ڈالا۔ لیکن بدقسمتی سے ان کے مقدر میں ایک ذلت آمیز انجام تھا۔ ان کے کیریر کا انجام آغاز سے پہلے ہی آگیا۔ بری فوج کے ساتھ ملکر ایک مشن کے دوران انہوں نے نیچے کو غوطہ لگایا اور بے خیالی میں سپاہیوں کے ایک کالم میں گھوم گئے جن سے چودہ سپاہی فوراً ہلاک ہو گئے۔ کورٹ مارشل کی کارروائی ناگزیر تھی لیکن نئی نئی انڈین ایئر فورس کی توہین کروانے کے بجائے انہوں نے اپنے کمیشن سے استعفیٰ دے دیا۔

ان میں چھ افراد میں دو تنومند سکھ بھی تھے .....

امرجیت سنگھ اور بھوپندر سنگھ۔ چاچا بھتیجے کی اس جوڑی نے، جنہیں اے سنگھ اور بی سنگھ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اپنے لئے خاص شہرت کمانے میں بہت ہی کم وقت صرف کیا۔ بھوپندر سنگھ سرگودھا کے ایک بہت ہی امیر زمیندار اور کارخانے دار سردار بہادر کرتار سنگھ کے بیٹے تھے۔ ان کے چچا کرنل ڈی۔ جی سنگھ ریلوے کے افسر تھے جنہوں نے انگلینڈ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے شہری ہوابازی میں کئی گھنٹوں کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ نوجوان بھوپندر سنگھ نے ہر ہفتے اپنے چچا کو سرگودھا سے جہاز اڑاتے ہوئے دیکھا جس سے چھوٹی عمر سے ہی انہیں ہوابازی کا خیال ستاتا رہا۔ اپنے چچا بھوپندر سنگھ کو کرینول میں داخلے کے لئے امتحان کی خاطر کتابیں رٹتے ہوئے دیکھ کر امرجیت نے بھی ان کے شانہ بہ شانہ اس کوشش میں کود جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں اکٹھے وہاں شامل ہوئے اور اکٹھے ہی انہیں کمیشن مل گیا۔ شروع سے ہی بھوپندر سنگھ جرأت اور تیزی کے لئے مشہور ہو گئے۔ ایئر چیف مارشل ارجن سنگھ (ریٹائرڈ) ہنسی ہنسی میں یاد کرتے تھے کہ جب وہ کرینول میں تربیت کے لئے گئے تو تربیت دینے والوں نے ان سے پہلی بات یہی دریافت کی کہ آیا وہ بھوپندر سنگھ کے رشتہ دار ہیں۔ جب انہوں نے ہنس میں جواب دیا تو سب نے بڑے اطمینان کی سانس لی۔ ایک کیڈٹ ہوتے ہوتے بھی نوجوان بھوپندر کرینول میں جانی پہچانی شخصیت بن گئے۔ کیونکہ وہ اپنی

طاقت ور موٹر سائیکل پر سوار ہوتے تھے اور تقریباً ہر ہفتے ایک حادثے میں مبتلا ہوتے تھے۔ یہی بے تحاشا جرأت اور اندھا دھند تیزی ان کے کیریر میں المناک حادثے کا باعث بنی۔ علاقے کی ایک آر پار اڑان میں انہوں نے اترنے کی غرض سے چکر لانے کے طریقے سے اپنی بلندی کم کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک تندوتیز عادت انہوں نے بنالی تھی۔ طیارہ پر ان کا قابو نہیں رہا۔ وہ زمین سے ٹکرا گئے۔ وہ خود بھی مر گئے اور ان کا بھتیجا امرجیت سنگھ بھی جو ان کے ساتھ ہی اڑان میں تھا۔

باقی دو افراد تھے شری ٹنڈن اور اعوان۔ ٹنڈن دو وجوہ پر خصوصی مقام کے مستحق ہیں۔ ٹنڈن کا قد جرابوں میں چار فٹ دس انچ تھا اور انہیں ٹچ کہتے تھے۔ ٹنڈن کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ طیارے کی رڈر بار ان کے پیروں سے بہت دور تھی۔ لہٰذا وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے رائل ایئر فورس کو اس بارے میں چوکنا کر دیا کہ ہوائی فوج کے لئے کم سے کم قد کا معیار قائم ہونا چاہئے۔ ٹنڈن کو اسٹورز برانچ میں کمیشن عطا ہوا۔ وہ آئی اے ایف کی لاجسٹکس برانچ کے بانی مبانی بن گئے۔

اعزاز بخش اعوان سرحدی صوبے کے بلند قامت پٹھان تھے اور ایسے مزاج کے مالک تھے جو ان کی شکل و صورت سے بالکل مختلف تھا۔ وہ راولپنڈی میں ڈاک سروس کے ایک اعلیٰ افسر کے فرزند تھے۔ اپنے پٹھانی ورثے کے مطابق وہ فعال تھے۔ موقع کا فائدہ اٹھا کر وہ کر[illegible] کے لئے منتخب ہو گئے۔ اعوان صاحب آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے اور ایک ونگ کمانڈر بن گئے۔ تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان چلے گئے اور اس ملک میں شہری ہوابازی کے بانی بن گئے۔

بعد کے برسوں میں یکے بعد دیگرے ریکروٹوں کے ٹکڑے کرینویل بھیجے گئے اور واپس آکر انہوں نے انڈین ایئر فورس کے مراتب میں اضافہ کیا۔ ان میں سے سب سے زیادہ شوخ و شنگ اسکواڈرن لیڈر ہنری رنگا نادھن تھے جنہیں ۱۹۳۵ء میں کمیشن عطا ہوا۔ وہ سر سیمتوول رنگا نادھن کے بیٹے تھے جو کہ وائسرائے کی ایگزیکیوٹو کونسل کے ممبر تھے اور بعد میں انگلینڈ میں بھارت کے ٹریڈ کمشنر رہے۔ ہنری ایک سراپا سپاہی تھے اور قزاق کا دل رکھتے تھے وہ پریڈ اور برداشت میں اتنے سخت تھے کہ برطانوی سارجنٹ میجر کو بھی شرما کر رکھ دیتے تھے۔ زندگی کی اچھی چیزوں کی شوقین تھے اور بڑی خوبی اور دلداری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ تندا سخی اور کبھی کبھی تیز مزاج بھی تھے۔ انڈین ایئر فورس میں ان کا مختصر کیریر ان کے دماغ اور اعمال پر چھائے ہوئے دلیرانہ جذبات کا اچھا خاصا ثبوت تھا۔ ابھی فلائنگ آفیسر ہی تھے کہ لوگ انہیں دیکھتے ہی رہ جاتے تھے۔ ایک واپٹی طیارے کو اڑاتے ہوئے انہوں نے ایک ایسی دوڑ میں فتح حاصل کی جو آئی اے ایف کے نمبر ۱ اسکواڈرن اور آر اے ایف کے نمبر ۲۸ اسکواڈرن میں ہوئی تھی۔ ایک اور موقع پر وہ رات کو ہی اپنے واپٹی طیارے میں اڑان بھر کے آ گئے۔ اس طیارے میں رات کو اڑنے کی سہولتیں نہیں ہوتیں۔ پورا ایک گھنٹے تک وہ اڑتے رہے جبکہ زمین پر عملہ بڑے خوف میں انتظار کرتا رہا۔ وہ سلامتی کے ساتھ اتر آئے اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولے "آپ سوچتے ہوں گے کہ میں نہیں اتر سکتا اور میں اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھوں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کے خوف کو ختم کر دیا ہے"۔ وہ ایک ایسے آدمی تھے جو کسی طرح کی بے ہودگی برداشت نہیں کرتے تھے۔ وہ بڑے غضب میں آجاتے تھے جب برطانوی سپاہی اور چھوٹے افسر ہندوستانی افسروں کو سلام کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ انہوں نے یہ معاملہ اپنے باپ کو پیش کیا اور جلد ہی ان لوگوں کو سزا دلوائی۔

وہ ایک ایسے آدمی تھے جو مسافر کی حیثیت سے جہاز میں چلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تقدیر کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایک ہڈسن طیارے میں کراچی سے کجا ملائی تک ایک مسافر کی صورت میں جاتے ہوئے ان کی موت ہوئی۔ ان کے سابقہ ڈپٹی ایئر چیف مارشل ارجن سنگھ جنہوں نے اس حادثے کو دیکھا تھا بڑے شدید دکھ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

"ہم چار جہازوں کی ترتیب میں اڑنے لگے۔ سکھر کے قریب میں نے دیکھا کہ دائیں ہاتھ والا ہری کین اس ترتیب کو توڑ

کرا دیا اٹھ رہا ہے۔ یہ ایک خطرناک حرکت تھی۔ میں نے پائیلٹ کو تنبیہہ کرنے کی کوشش کی لیکن وائرلیس ٹرانسمیٹر میں نقص تھا۔ پھر یہ ہری کین نیچے آگیا جس کا پروپیلر ہڈسن جہاز کی دُم کو کاٹ گیا اور میں نے دیکھا کہ ہڈسن کی دم علیحدہ ہوگئی ہے۔ ہڈسن چکرا گیا اور گرتے ہی اس میں آگ لگ گئی۔ میں ابھی تک وہ منظر نہیں بھلا سکا!

ہنری رنگا ناتھن کی شوخ شخصیت کے بالکل برعکس تھا۔ ونگ کمانڈر ہمنگو ناتھ چودھری جن کا شمار آئی اے ایف سروس کرنے والے سب سے زیادہ رنگین مزاج اور یگانہ افراد میں ہوتا ہے۔ خوش مزاج، ذہین اور پڑھے لکھے ہم۔ چودھری نمبر ۱ اسکوڈرن میں کم رہنے کے باوجود بھی اپنے ساتھیوں پر دیرپا تاثر چھوڑ گئے اور آج بھی انہیں اس اسکواڈرن کے پرانے ساتھی بڑے پیار کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ وہ کلکتہ کے فوجداری کے ایک مشہور وکیل مسٹر کے سی۔ چودھری کے فرزند تھے اور جنرل جے این چودھری یعنی بری فوج کے سابقہ چیف کے بھائی تھے۔ وہ یکم نومبر ۱۹۰۹ء کو پیدا ہوئے۔ لندن کے ہائی گیٹ اسکول میں تعلیم پائی۔ بعد میں کیمبرج یونیورسٹی کے سڈنی ہال میں داخل ہوئے جہاں سے انہوں نے تین مضامین میں گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ سنہ ۱۹۳۱ء میں لنکن اِن سے مکمل بار۔ ایٹ لا ہوئے لیکن میسرز اینڈریو یول کے یہاں تجارتی اسسٹنٹ مقرر ہوگئے۔ ہوا بازی کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ نمبر ا پائلٹ کا کورس پاس کیا اور جب سنہ ۱۹۳۹ء میں آئی اے ایف کا والنٹیر ریزرو تشکیل دیا گیا تو کلکتہ سے اس میں شامل ہونے والوں میں وہ سب سے اوّل تھے۔ تربیت ختم ہونے پر وہ کلکتہ میں نمبر ۳ اسکوڈرن انڈین ایئر فورس والنٹیر ریزرو کی فلائیٹ کے کمانڈنگ آفیسر بن گئے۔ ۱۹۴۲ء میں نمبر ۱ اسکوڈرن کے کمانڈنگ آفیسر بن گئے۔ یہ اسکواڈرن عملی طور پر بری فوجوں کے ساتھ مشترکہ مشقوں میں شامل تھا جنہیں جنرل ونگیٹ کی دوسری مہم کے لئے تربیت دی جا رہی ہے۔ وہ ترقی کر کے ونگ کمانڈر بن

گئے لیکن یہ آئی اے ایف کی بدقسمتی تھی کہ جنگ کے ختم ہونے پر وہاں سے سبکدوش ہوگئے اور انڈریوتر واپس آگئے لیکن بدقسمتی سے اپنی فلائنگ کلب میں حسب معمول اڑان بھرتے ہوئے آسمانوں ہی میں وفات پاگئے۔

جنوبی ہند کے رہنے والے ایئر مارشل راجہ رام بھی آئی اے ایف والنٹیر ریزرو سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مشغلۂ ہوا بازی شروع کی تھی۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۹ء کو انہیں آئی اے ایف وی آر میں کمیشن ملا۔ اس سروس میں انہوں نے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی۔ امپھال کے محاذ پر ہوائی سرگرمیوں کے دوران انہیں ڈسٹنگوشڈ فلائنگ کراس کا اعزاز دیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں وہ گروپ کیپٹن اور ۱۹۶۳ء میں ایئر وائس مارشل ہوگئے۔ ۱۹۶۵ء میں انہیں مغربی کمان کے ایئر آفیسر کمانڈنگ انچیف کی حیثیت سے ہند پاک لڑائی کا بوجھ سنبھالنا پڑا اور پدم بھوشن کا اعزاز حاصل کیا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۶ء کو انہوں نے ایئر مارشل کے طور پر فضائیہ کے وائس چیف کا عہدہ سنبھالا۔ آئی اے ایف کا سب سے بڑا عہدہ ان کی دسترس میں معلوم ہو رہا تھا۔ ۱۵ جون ۱۹۶۹ء کو بڑے تیز بخار کی حالت میں انہیں ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ تین دنوں کے بعد ان کا غیر معمولی جوش و خروش ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

اس کے بعد ایک داستانی کردار ہرجندر سنگھ کا نام آتا ہے جو ایک ہوائی سپاہی سے ایئر وائس مارشل کے مرتبے تک پہونچ گئے۔ وہ انجینئری کے ماہر تھے اور ایک سارجنٹ کی حیثیت سے انہوں نے شہتوت کی لکڑی سے پہیے تیار کئے اور نمبر ۱ آئی اے ایف اسکوڈرن کے لائسنڈر جہازوں کو ہمیشہ ہوا میں رکھا۔ یہ وہ جہاز تھے جن کی نئی طرز، تیزی اور تکنیکی مہارت کی وجہ سے دوسری جنگ عظیم کے دوران نمبر ۱ آئی اے ایف اسکوڈرن کی کارکردگی کو ساری رائل ایئر فورس میں سب سے بلند مقام حاصل ہوا۔ وہ آئی اے ایف کی تکنیکی شاخ کے صحیح طور پر بانی کہلاتے ہیں۔

اس کے بعد سب سے بڑے مہربان اور پیارے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ایک نظم

ڈاکٹر یوسف تقی

حضرت رضا مظہری کی نذر

وہ ہم سے بچھڑا
رفاقتوں کا عذاب سہہ کر
محبتوں کا عتاب سہہ کر
وہ ہم سے بچھڑا
وہ ہم سے بچھڑا کہ اس کی آنکھوں
کی ساری شمعیں ہی بجھ چکی تھیں
اداسیوں کے گھنے اندھیرے،
اجاڑ جنگل میں کھو چکی تھیں
مگر وہ پھر بھی
بصارتوں کا امین بن کر
لطافتوں کا یقین بن کر

جیا اور جینے کے سب سلیقے
سبھی طریقے سکھا گیا ہے
بتا گیا ہے
بتا گیا ہے کہ خواب ذہنوں میں ہو سلامت
تو خوف کیسا حقیقتوں کا
تو درد کیسا کدورتوں کا
بتا گیا ہے کہ اعلیٰ قدروں، نجیب جذبوں
کی خشک ٹہنی
فنا کے شعلوں کی حدتوں سے
سلگ سکی ہے نہ جل سکی ہے
نہ جل سکے گی ——— ★★

رضا مظہری! مکمل انسان کی علامت

ـــــ ظہیر انور

EMERSON نے کسی مقام پر کہا ہے:

"Any man's death diminishes me, because I'm involved in mankind"

ہر ذی روح انسان کے لئے حقیقتاً کسی شخص کی موت اس کے اندر کی عمارت کے ڈھہ جانے کے برابر ہے۔ ایک انفرادی شخص پوری خلقت کا ایک حصہ ہوتا ہے اور وہ جو پوری انسانیت سے وابستگی کا مرتکب ہوتا ہے وہ یقیناً ہر شخص، خواہ عام ہو یا خاص، کی موت پر آبدیدہ ہوتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی حصہ گم ہوتا نظر آتا ہے ـــــ اور جہاں بات خاص شخص کی موت سے ہو وہ یقیناً مجموعی شعور کا کرب بن جاتا ہے ـــــ ایسے ہی ایک شخص تھے رضا مظہری جنہیں ان کے طلباء اور قریبی لوگ کاظمی صاحب کے نام سے زیادہ پہچانتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ مظہری صاحب نے سیوان اور مظفرپور سے لیکر کلکتہ تک ایک پھیلے ہوئے عرصے میں اپنی ٹھوس پہچان بنائی تھی ـــــ پہچان جو یقیناً روایت سے پوری طرح ـــــ اور بری طرح ہم آہنگ تھی لیکن ایک تہذیب سے آراستہ تھی جسے ہم نے یا تو گفتگو کی فضا میں گم کیا ہے یا پھر کسی برٹش راج کے زمانے میں کہیں کھو دیا ہے۔

رضا مظہری کی پہچان نقاب پوشوں کی پہچان نہ تھی۔ وہ کسی Masqueraders کی پہچان نہ تھی جو ہر مہینے شہر میں زندگی شروع ہونے سے پہلے ہر چہرے کا جھوٹا نقاب ہوا کرتی ہے۔ کلکتہ والے جانتے ہیں کہ جمیل مظہری جیسی عہد ساز شخصیت کا یہ چھوٹا بھائی ادبی حلقوں میں اپنی الگ سمت اور پہچان متعین کر چکا تھا۔ یہ پہچان ایک معصوم، روایت زدہ، کلاسیکی نفاست کا دبیز لبادہ اوڑھے اس شاعر کی تھی جو نہ چاہ کر بھی نئی حسیت کی توسیع میں ہاتھ بٹاتا رہا ـــ یہ پہچان اس شخص کی تھی جو کم و بیش اپنی صحت کا ٹیگور کے ترجمے سے اقرار کرا چکا تھا۔ یہ پہچان اس استادِ محترم کی تھی جس کی شفقت نے گزرتے وقت کے بہاؤ میں بھی اپنی شخصیت کو برقرار رکھا تھا، یہ پہچان اس دوست کی تھی جس کا دامن وادیوں میں ٹھہری ہوئی اس خموشی سے بھرپور رہا جس کے محبت آمیز لہجوں میں ہر شخص کی پذیرائی تھی جنہوں نے زندگی اور ادب کو سمجھنے کی صحت مند کوشش بھی کی تھی۔

رضا مظہری کی شخصیت شجر سے مشابہ تھی، قرینہ اور شائستگی نے ان کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ میں نے قریب سے دیکھا ہے اور باوثوق ذرائع سے سنا ہے کہ شجر کی Sleepless Agents کی طرح اپنی زندگی کو انہوں نے روا رکھا تھا۔ صبح خرامی جیسی خوبصورت پرانی عادت سے لے کر اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے کم نصیب عزیزوں کو پہنچانے تک مظہری صاحب نے زندگی سے نظریں ملا کر باتیں کی تھیں۔ پابندیِ اوقات کے دشوار گزار مراحل سے لیکر وضع داری کی بلندی تک مظہری صاحب کی اپنی الگ اپج

تھا — گوکہ زندگی کے رموز کو آشکار کرنے کے لئے ان کے پاس وقت بہت کم تھے لیکن ہر بڑا شاعر اور ادیب بقول موزارٹ یہ ایک دُھن بار بار دہراتا ہے۔ اب یہ ادیب اور شاعر کی بساط کہ وہ اپنی دو چار دھنوں سے زندگی کی کیسی سمفنی تیار کرتا ہے۔

رضا مظہری جو علم اور گیان کی سرحدوں سے آشنا خاندان کے وہ چشم و چراغ تھے جنہوں نے اپنی زندگی کی سمفنی میں شرافت، کلاسیکی تہذیب اور انتہائی پُر وقار اخلاقی رویہ کی پرورش کی تھی۔ اس تہذیب کی پرورش اور اردو زبان سے ان کی وابستگی نے یقیناً ان کی بہتر سوچوں کا خون پیا ہوگا۔ بہ حیثیت انسان ان کی وسیع القلبی نے اپنے معاصرین میں سے تقریباً ہر ایک کو پیچھے چھوڑا ہے — میرا خیال ہے کہ کلکتہ شہر میں ایسا کوئی نہیں جو اخلاقی رکھ رکھاؤ میں اس دعوے کو جھٹلانے کی ہمت کریں — ان کی موت، اگرچہ بروقت بلکہ اک ذرا دیر سے ہوئی، لیکن ان کی موت پر ایک سچے کھرے، سادہ اور باتہذیب شخص کی موت ہے اور یقیناً ہم میں سے ہر شخص جو انسان بننے اور زندگی کو معنویت عطا کرنے کی کشمکش میں مبتلا ہے، انکی موت کی گھٹن میں شامل ہو گیا ہے۔

ایک استاد کی حیثیت سے رضا مظہری نے اپنے ہزاروں شاگردوں کے ذہن میں ایک انمٹ نقش چھوڑا ہے۔ آج مدرسہ عالیہ، کلکتہ کی فضا میں دس منٹ کی تقریر یقیناً اداس ہوگی جو ہر جمعہ کی صبح وہ اپنے طلبار کے لئے کیا کرتے تھے۔ اپنے طلبار سے بے پناہ پیار اور انہیں آگے لے جانے کا جوش ان کے اندر کا ایک اٹوٹ حصہ تھا — اسکول میں ان کی شخصیت ہر نئی صبح کے ساتھ بڑھتی اور پھیلتی گئی۔

ہر وہ شخص جو پگھلنے، بننے، سنورنے اور تحریر کی دنیا میں کچھ کر گزرنے کی تگ و دو کرتا ہے وہ لاشعوری طور پر وقت کو شکست دینا چاہتا ہے اور اپنے نام کو پانی کی رواں لہروں میں چھوڑ جانا چاہتا ہے۔ رضا مظہری نے بھی یہی کوشش کی۔ کلکتہ کی ادبی فضا کو جمیل مظہری اور رضا مظہری نے ایسی توانائی بخشی کہ آنے والی نسلوں نے اس کا اثر لیا۔ وہ نسل جو رخصت ہونے والی ہے ان شاعروں کو رہبر مان کر سفر شروع کیا تھا، اور وہ نسل جو اپنا قدم جمانے کی کوشش کر رہی ہے، زیادہ RADICAL لب و لہجہ میں ان سے بغاوت پر اپنی کھری یا کھوٹی عمارت کی بنیاد ڈال رہی ہے — لیکن گزرتا ہوا وقت اس بات پر ڈٹا رہا کہ رضا مظہری بہ حیثیت مترجم ایک مضبوط بنیاد ہے جس پر ان کی شہرت دیر تک قائم رہے گی۔ بنگلہ زبان کے شاہکار چیزوں کو اردو میں منتقل کر کے انہوں نے اردو کی خدمت کی ہے — اس کی وجہ یہ ہے کہ ترجمہ کا فن گہری ریاضت کا اعتبار چاہتا ہے۔

رضا مظہری شاعر بھی تھے — انکی شاعری کے معیار کا تعین وقت کرے گا۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ اپنی زندگی کی طرح ان کی شاعری بھی سہل ممتنع کا الزام اُٹھاتی ہے۔ سادگی اور پُرکاری، کلاسیکی نظم و ضبط اور ٹھوس زندگی کے موضوعات ان کی شاعری کے گوشے ہیں۔ یہ مان بھی لیا جائے کہ یقیناً وہ عظیم تر شعرا کی فہرست میں نہیں لیکن عظیم تر شاعر بھی مندرجہ ذیل اشعار کو اپنا لینے کی شدید خواہش محسوس کر سکتا ہے ؎

ہمارے بعد سُنا دوسروں سے
کہانی یہ ابھی پوری نہیں ہے

⁂

میں ان کو پا کے بھی اپنا بنا سکا نہ رضا
اس اختیار پہ بھی اختیار ہو نہ سکا

⁂

ہم کو بچپن ہی سے اک شوق تھا بربادی کا
نام لکھ لکھ کے مٹاتے تھے زمیں پر اپنا

ان کے مجموعے "خار و خس" میں ایسے اشعار آپ کو یقیناً ملیں گے جن کا رنگ و روغن کلاسیکی مزاج کی بنا پر ابھرا ہے اور تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور ہے۔

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

قانون ساز اسمبلی

بائیں محاذ حکومت نے جمہوریت کی پارلیمانی شکل کے محدود دائرہ میں رہتے ہوئے بھی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بہتر اقدامات کرنے کا وعدہ کیا، اور عوام کو جمہوری حقوق بحال کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ درحقیقت بائیں محاذ حکومت نے ان حقوق میں اضافہ کیا۔ اس عہد کے پیش نظر اس حکومت نے مجلسِ قانون ساز یعنی لیجسلیٹو اسمبلی کے طاقت اور وقار کی حفاظت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسمبلی کے کام کاج کو انجام دینے کے لئے بائیں محاذ حکومت چند بنیادی پالیسیوں پر کاربند ہے۔ وہ پالیسیاں یہ ہیں:

(۱) لیجسلیٹو اسمبلی کو مناسب طور پر اپنے فرائض انجام دینے کی اجازت دی جانی چاہئے (۲) اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ عوام کے نمائندے بلا خوف و خطر اور آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں (۳) اسمبلی میں حزب اختلاف کے ممبروں کو مناسب احترام اور اہمیت دینی ہوگی (۴) اگرچہ موجودہ نظام میں ایک اسپیکر کو ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے منتخب نہیں کیا جا سکتا تاہم وہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ ہر ممبر تمام حقوق اور مراعات سے، جن کی ضمانت دستور نے دی ہے اور اسمبلی کے قوانین کے مطابق ہے استفید ہوں۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں ان رہنما اصولوں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ریاستی اسمبلی کے لئے عام انتخابات ہوئے اور لوگوں کی بڑی اکثریت نے بائیں محاذ کو منتخب کیا۔ اس طرح اس ریاست میں بایاں محاذ برسرِ اقتدار آیا۔ اس وقت اس اسمبلی میں کوئی تسلیم شدہ حزب اختلاف پارٹی نہ تھی۔

جنتا پارٹی ہی سب سے بڑی حزب اختلاف پارٹی تھی، لیکن یہ پارٹی بھی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش نہ کر سکی۔ اس کے باوجود ۱۹۷۷-۸۲ء میں انہیں ایک حزب اختلاف پارٹی کی تمام مراعات دی گئیں اور بحث و مباحثہ، گفت و شنید وغیرہ میں حصہ لینے کے لئے مقررہ وقت کا نصف وقت اس پارٹی کے لئے مختص کر دیا گیا۔

۱۹۸۲ء کے عام انتخابات میں لوگوں کی بڑی اکثریت نے بائیں محاذ کو منتخب کیا۔ اس بار اسمبلی میں کانگریس (آئی) پارٹی تسلیم شدہ حزب اختلاف پارٹی بن گئی اور اس کے سربراہ کو اسمبلی میں حزب اختلاف کے سربراہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ اس سربراہ کو ایک کابینہ کے وزیر کی تمام مراعات حاصل ہیں۔ مغربی بنگال کی قانون ساز اسمبلی کی لمبی تاریخ میں پہلی بار اس طرح کے اقدامات کئے گئے۔

حزب اختلاف پارٹی کے ایک طبقہ میں انتظامیہ کے پارلیمانی طریقہ کار کی مخالفت کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اگرچہ حزب اختلاف کے ممبروں کو مناسب کردار ادا کرنا چاہئے، یہ طبقہ وہ کردار ادا نہیں کرتا، تاہم حکومت اور اسپیکر نے اسمبلی کے وقار کے تحفظ کے لئے چند بے مثال اور گرانقدر اقدامات کئے۔

۱۹۸۳ء میں کانگریس (آئی) نے حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پیش کی۔ اس کے ساتھ ہی حکومت کی طرف سے ایک متوازن تحریک، جو حکومت پر اعتماد کی تحریک تھی، پیش کی گئی، لیکن اسپیکر نے حکومت کی پیش کردہ تحریک پر بحث و مباحثہ کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے عدم اعتماد کی تحریک پر بحث و مباحثہ کرنے کی اجازت دی۔ بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں یہ ایک تاریخی فیصلہ تھا۔

۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو ایک کانگریس (آئی) کے* ممبر نے وزیر اعلیٰ کے خلاف غیر پارلیمانی اور ہتک آمیز باتیں کہیں۔ اسپیکر نے اس سے بار بار درخواست کی کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے، لیکن اس ممبر نے اپنے الفاظ واپس لینے سے انکار کر دیا۔

اس کے نتیجے میں اس ممبر کو دوران سیشن کے لئے معطل کر دیا گیا۔ اس ممبر نے اپنے پارٹی ممبروں کو ساتھ لے کر اسمبلی کی کارگزاریوں میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کے بعد اسپیکر نے مارشل کو حکم دیا کہ وہ اس ممبر کو اس اسمبلی سے باہر لے جائے۔ اسپیکر نے اس پارٹی کے سربراہ سے درخواست کی کہ وہ ان کے ممبروں کو باز رکھیں۔ اس درخواست کو رد کر دیا گیا اور گول مال ہو تا رہا۔ اس کے بعد اسپیکر نے چند اور ممبروں کو معطل کر دیا اور ان لوگوں سے کہا کہ وہ ایوان سے چلے جائیں، لیکن ان لوگوں نے ایسا کرنے سے بھی انکار کیا اور اپنی نازیبا حرکتوں کو جاری رکھا۔ آخر میں ان لوگوں نے ایوان کے صحن پر قبضہ کر لیا اور وہاں نو گھنٹوں سے زیادہ عرصے تک رہے اور کئی چیزوں کا نقصان کیا۔

اس کے دوسرے دن بجٹ پیش کرنا تھا، لیکن وہ سب جمے رہے اور اس لئے اسپیکر نے گارڈس کی مدد سے ان لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔ اس طرح اسپیکر نے ایک دستوری بحران کو ٹالا اور اسمبلی کے وقار کو بلند کیا۔ حسب معمول طریقہ سے بجٹ پیش کیا گیا۔ یہ ہندوستان کی پارلیمانی جمہوریت کی تاریخ میں ایک لا مثال حقیقت کی طرح درج رہے گا۔

اس سیشن میں چند دنوں کے بعد حزب اختلاف نے اسپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی۔ گرچہ قوانین کے خلاف ہے تاہم اسپیکر نے اس تحریک پر بحث کرنے کی اجازت دے دی اور اس طرح انھوں نے ایوان کو وقار کا تحفظ کیا۔ ان کی رائے یہ ہے کہ عوام کو نمائندوں کو اس بات کی اجازت دی جانی چاہئے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

۱۹۸۲ء میں ۲۶ سال کے بعد اس ریاست میں ہندوستان کے اسپیکروں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ سالِ رواں کے بجٹ سیشن کے دوران جب چند وزراء وقت پر موجود نہ ہوتے تو اسپیکر نے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا اور حکومت کو اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ ایسے واقعات سے ایوان کے وقار کو ٹھیس پہنچتا ہے۔ بعد میں وزیروں نے ایوان کے ممبروں سے معذرت کا اظہار کیا ::

جلسۂ تعزیت

ادارۂ شناخت (پارک سرکس) کی جانب سے حضرت رضا مظہری کے سانحۂ ارتحال پر ایک تعزیتی جلسہ گزشتہ ۷ر اکتوبر کی صبح کو 25/A۔ شمس الہدیٰ روڈ، کلکتہ ۱۷ میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی ابتدا میں ایصالِ ثواب کے لئے مرحوم کے حق میں دعا کی گئی۔ تقریروں میں جناب احسان دربھنگوی، جناب ظفر اوگانوی، جناب محمد آعظم، جناب انیس رفیع، جناب انجم عظیم آبادی اور جناب خواجہ نسیم نے مرحوم سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ شعری دور میں جناب نور کلکتوی، ڈاکٹر یوسف تقی، جناب انجم عظیم آبادی، جناب قیصر ساطا پوری، جناب موج شاکری، جناب سفیر الدین کمال، جناب عباس شفقت، جناب مصطفےٰ اکبر، جناب ممتاز عارفی نے مرحوم کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ دیگر شرکا میں جناب قاضی محی الدین، جناب شیخ معین الدین، جناب ابو ذر ہاشمی، جناب اشفاق احمد، جناب شاہجہاں قمر کے نام گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

جلسہ کی صدارت جناب احسان دربھنگوی نے کی اور نقابت کے فرائض مصطفےٰ اکبر نے انجام دئے ::

بقیہ: مضافاتی ترقی

بائیں محاذ حکومت نے ہر بلاک اور ضلع سطح کے تحت پروجیکٹ کمیٹیاں قائم کی ہیں، اور موجودہ مالی سال سے ان کمیٹیوں نے کام کرنا شروع کر دیا ہے ::



بلدیہ میں فائر بریگیڈ کی ایک حالیہ تقریب میں شری پراسنتا سور، وزیر مقامی حکومت و شہری ترقیات، افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.

Postal Regd. No. WB/CC–52
Vol. 32 No. 19–20
PRICE 25 Paise

MAGHREBI BANGAL
15 OCTOBER 1985

بائیں محاذ حکومت کے تحت
مزدوروں کیلئے نئی امیدیں

اپنی دشواریوں کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے گذشتہ آٹھ برسوں سے تمام شعبوں میں افزائش و ترقی کے لئے صنعتی فضا کو موافق اور خوشگوار بنانے کے سلسلے میں بہت سارے اقدامات کئے۔

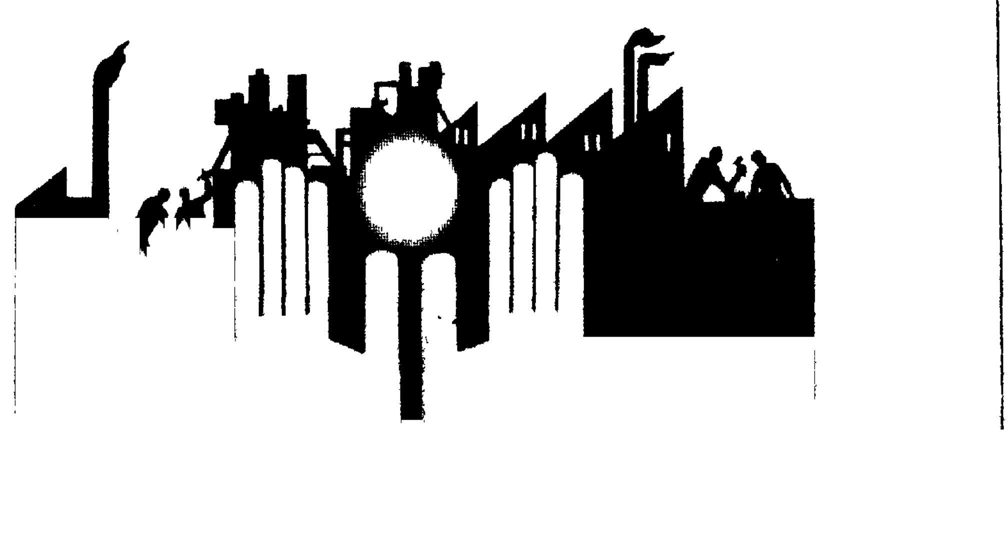
- پست ماندہ علاقوں میں صنعتوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی گئی جہاں بہت ساری سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں جیسے، سڑک، پانی وغیرہ کی سہولتیں، مالی تائید — مساوی شرکت، طویل مدت کا قرض، ضمانت، نقد بڑھاوا وغیرہ۔
- صنعتی ترقی کے لئے مشترک سیکٹر صنعت مع پرائیویٹ سیکٹر حصہ کے فروغ کے سلسلے میں منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ ہلدیا پیٹرو۔ کیمیکل پروجکٹ اس راستے میں ایک اہم پیشقدمی ہے۔
- ۱۹۸۴ء میں کل ۵۲۹۵، کروڑ روپے کے سرمایہ کی ۵۲۱ صنعتی یونٹوں کی منظوری مل گئی ہے۔ مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن نے ۳۱۸ یونٹوں کو، جن کے قیام پر ۵۸۴ کروڑ روپے کے سرمایہ کی ضرورت ہوگی، حتی الامکان امداد فراہم کی۔ مزید براں نو کاروباریوں کی مدد کے لئے صنعتی ترقیاتی ایجنسی (آئی ڈی اے) کی تشکیل کی گئی۔
- سالٹ لیک کے علاقے میں الیکٹرونکس کمپلکس کی ترقی کے لئے منصوبہ تیار کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لئے ۲۵ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔
- چھوٹی اور دیہی صنعتی سیکٹر کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی پالیسیاں ثمرآور ثابت ہوئیں — چھوٹے پیمانے کی رجسٹرڈ یونٹوں کی تعداد ۱۹۸۵ء میں ۹۰۰۰ سے بڑھ کر ۱۷۰۰۰ ہوگئی۔

ان برسوں کے دوران محنت کش طبقہ کو، اپنی جدوجہد میں روزگار کی شرائط میں بہتری، روزگار کے تحفظ اور ان ملوں اور کارخانوں کو، جنھیں مالکوں نے لاک آؤٹ پابند کردیا ہے، دوبارہ کھولنے کے سلسلے میں بائیں محاذ حکومت کی پوری تائید حاصل ہوئی ہے۔ محنت کش طبقہ کی فلاح وبہبود کے لئے نئے عہد کے تحت مزدوروں کو اعتماد حاصل ہوا — ان کے وقار اور احساس خودی بحال ہوئے۔

- وسیع بنیاد پر سہ رخی بارڈیز کی احیاء نو کی گئی اور ان کی تشکیل نو کی گئی۔ اس کے نتیجے میں بڑی بڑی صنعتوں میں اجرت کی بابت سمجھوتے ہوئے اور ریاست میں خوشگوار صنعتی تعلقات برقرار رہے۔
- بیشتر جگہوں میں ٹھیکہ مزدوری کو ختم کردیا گیا۔ مزدوروں کی کم سے کم اجرت مقرر کردی گئی۔
- ریاستی حکومت کے ذریعہ مزدوروں کی بابت اہم قوانین میں لائی گئی ترمیمات سے مزدوروں کو بہتر سہولتیں، روزگار کا تحفظ اور دیگر فوائد فراہم کئے گئے۔
- مغربی بنگال مزدور رفاہ بورڈ صنعتی اور چائے باغات کے علاقوں میں ۴۵ رفاہی مراکز چلا رہا ہے۔ نیز یہ بورڈ دو تعطیل گھر — دیگھا اور دارجلنگ میں چلاتا ہے۔ تین مزید تعطیل گھر — دارجلنگ کے پروکرپونگا، ہلدیا اور بکھالی میں، چالو کرنے کے کام کو منصوبہ کے تحت لایا گیا۔
- گذشتہ آٹھ برسوں کے دوران ۴۷۹۵۳ افراد کی، تبادلۂ روزگار کے ذریعہ تقرری کی گئی۔
- آج ۲۵ لاکھ سے زائد افراد ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ۲۱ خدمات شفاخانے، ۴ نئے ہسپتال جن میں ۱۰۰ بستروں کا اضافہ کیا گیا ہے، کھولے گئے۔

بائیں محاذ حکومت صنعتی توسیع کے لئے سہولتیں فراہم کرتی ہے اور محنت کش عوام کے کاز کی تائید کرتی ہے۔

حکومت مغربی بنگال





پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

انقلاب نمبر

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ نومبر ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۲۱

شرحِ خریداری

اس خصوصی شمارہ کی قیمت : ۲۵ پیسے فی پرچہ

سالانہ : تین روپئے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ۱۷ اگست ۱۹۸۵ء کو باراسات اسٹیڈیم کا افتتاح کرتے ہوئے۔



انقلاب

(آنے والے نئے نظامِ عالم کے پیش رس کی تمنائیں)

مخدوم محی الدین

اے جانِ نغمہ جہاں سوگوار کب سے ہے
ترے لئے یہ زمیں بیقرار کب سے ہے
ہجومِ شوق سرِ رہگذار کب سے ہے
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

نہ تابناکیٔ رُخ ہے نہ کاکلوں کا ہجوم
ہے ذرّہ ذرّہ پریشاں، کلی کلی مغموم
ہے کل جہاں متعفن ہوائیں سب مسموم
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

حیات بخش ترانے اسیر ہیں کب سے
گلوئے زہرہ میں پیوست تیر ہیں کب سے
قفس میں بند ترے ہم صفیر ہیں کب سے
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

رخِ حیات یہ کاکل کی برہمی ہی نہیں
نگارِ دہر میں اندازِ مریمی ہی نہیں
مسیح و خضر کی کہنے کو کچھ کمی ہی نہیں
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

ابھی دماغ یہ قحبائے سیم و زر ہے سوار
ابھی رکی ہی نہیں تیشہ زن کے خون کی دھار
شمیمِ عدل سے مہکیں یہ کوچہ و بازار
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے



اکتوبر انقلاب
اور
ہندستانی عوام



از:—— ایس۔ آر۔ سالک لکھنوی

اول تو چند صفحات میں اس موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ دوئم یہ کہ ہندستان کے عوام کو دنیا کے دیگر ممالک کے عوام سے جدا کر کے ان کے مسائل کو سمجھا بھی نہیں جا سکتا۔ جب بھی تاریخ عالم میں کوئی عظیم واقعہ رونما ہوا ہے تو اس کے اثرات جلد یا بدیر کم و بیش پوری دنیا پر قائم ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات سے عوام کی اکثریت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اگرچہ ابتدا میں اثر انگیزی کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اقلیت میں ہوتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ وہ اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اقلیت سے اکثریت کی جانب یہ سفر ایک دن انقلاب بن جاتا ہے۔

زندگی اپنی فطرت میں تغیر پسند واقع ہوئی ہے۔ زندگی صرف آگے بڑھنا جانتی ہے۔ اسے اپنے سفر میں چھوڑی ہوئی منزلوں کی یاد تو آتی ہے لیکن وہ کبھی ان منزلوں پر واپس نہیں جاتی۔ جو کل تھا آج نہیں ہے، جو آج ہے کل نہیں رہے گا۔ یہی ایک لازوال حقیقت ہے۔ اقبالؒ نے کہا:۔

دمادم نقش ہائے تازہ ریزد
بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروز تو تصویر دوش است
بخاک تو شرار زندگی نیست

چونکہ زندگی جامد نہیں رہ سکتی۔ اسے جمود سے نفور ہے۔ وہ اپنی رفتار میں پرانے نقش یا مٹاتی اور نئے نقش بناتی ہوئی آگے بڑھتی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی کا ہر دور انقلاب آشنا رہا ہے۔

سیاسی انقلابات کی بہت سی شکلیں ہوتی ہیں۔ سلطانی فتوحات، فوجی مداخلت، گروہی حملے، عوامی بغاوت وغیرہ۔ لیکن ایک ایسا انقلاب جس کی بنیاد کسی ٹھوس فلسفے پر ہو، جو عوام کے قدیم عقائد و نظریات و روایات کو متزلزل یا منہدم کر دے اور جس میں عوام نے شعوری طور پر حصہ لیا ہو، اس کے اثرات عالمگیر ہوا کرتے ہیں۔ روس کا اکتوبر انقلاب بھی ایک ایسا ہی انقلاب تھا جس کی بنیاد فلسفۂ اشتراکیت پر قائم کی گئی اور جس کے بارے میں دنیا کے مشہور مورخ، مفکر اور مصنف ایچ۔ جی۔ ویلز نے کہا کہ:

"انقلاب روس ظہور اسلام کے بعد سب سے بڑا واقعہ ہے۔"

عوامی شمولیت سے جو انقلاب برپا ہوتا ہے اس کے اثرات بہت دوررس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ وہ تقریباً ہر ملک کے استحصال شدہ عوام میں بیداری کی ایک لہر دوڑا دیتا ہے۔

اکتوبر انقلاب کی بنیاد عوامی اشتراکیت پر تھی جسے عرف عام میں "مارکسزم" کہا جاتا ہے۔ مارکسیت کا تعلق درحقیقت فلسفۂ تاریخ سے ہے۔ جو شخص تاریخ انسانی کو محض

انفاقات کا تسلسل یا عوامل کے انفرادی رجحان کا آئینہ سمجھتا ہے وہ مارکسیت کو بنیادی امور کے عرفان کا اہل نہیں سمجھتا حالانکہ مارکسیت سرتاسر تاریخ سے صرف بحث نہیں کرتی بلکہ ماضی و حال کے دقیق مطالعہ اور موازنہ و تقابل کے بعد مستقبل کے لئے ایک ایسے نتیجے پر پہنچتی ہے جو عوامی زندگی کے لئے سازگار ثابت ہو۔ ماضی کے گہرے مطالعے سے مارکسیت نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گوناگوں عقائد اور مذاہب اور جغرافیائی حدود کے باوجود دنیا دراصل صرف دو طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک وہ جو استحصال کرتا ہے اور دوسرا وہ جس کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک طبقہ دنیا کی آبادی کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے اور دوسرا بہت بڑا۔ اس چھوٹے طبقے میں دنیا بھر کے ظالم و جابر و مفاد پرست بادشاہ اور جاگیردار اور سرمایہ دار اور مالکان صنعت و حرفت رہے ہیں اور بڑے طبقے میں صرف محنت کش عوام۔ اس چھوٹے طبقے نے اپنا اقتدار اور محنت کش عوام پر دائمی استحصال قائم رکھنے کے لئے ابتدائے تاریخ سے آج تک عام ہتھیاروں سے کام لینے کے علاوہ چھ عدد ایسے عقائدی ہتھیاروں سے بھی ہمیشہ کام لیا ہے جنہوں نے محنت کش طبقے کو اس وقت تک بے بس رکھا جب تک کہ اکتوبر انقلاب نے اس کی آنکھیں نہیں کھول دیں۔ ڈاکٹر اقبالؒ ان چھ ہتھیاروں کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں :۔

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

("خضرِ راہ")

سیکڑوں صدیوں کے استحصالانہ جبر و ظلم اور مفاد پرستانہ نظام زر و زمین کے خلاف بقائے حیات عوام کے لئے کسی روایت شکن فلسفے کا وجود میں آنا قانونِ ارتقا کے تحت ضروری تھا۔ وہ فلسفہ کارل مارکس نے دیا۔ اس فلسفے کو زندہ حقیقت کے طور پر سامنے لانے کے لئے کسی پُرعزم کردار کی ضرورت تھی۔ وہ ضرورت لینن کے وجود سے پوری ہو گئی اور مارکسیت کی بنیادوں پر سرزمینِ روس میں زار کی عظیم مملکت و طاقت کے خلاف لینن کی پارٹی کے ذریعہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ایک ایسا انقلاب آیا جس نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس عظیم انقلاب نے تاریخِ عالم کے ایک نئے دور کا دروازہ کھول دیا۔ ایک ایسا دور جس نے محنت کش عوام کے خلاف نظامِ جبر و استحصال کو مسمار کر ڈالا اور ایک ایسے معاشرتی نظام کی بنیاد رکھ دی جس میں محنت کش عوام خود اپنی قسمت اور اپنی طاقتِ دولت آفرینی کے نتائج کے مالک بن گئے۔

وہ معاشرہ جس کی بنیاد ابتدائے تاریخ سے ہمیشہ نظامِ زر یا جاگیردارانہ نظام پر رہی اس میں صرف "اونچے طبقے" والوں ہی کی روایات و عقائد کی تقلید عوام سے کرائی گئی اور عوام اسی کو سرمایۂ تہذیب سمجھے۔ حکمراں طبقے کے نظریات ہی قابلِ فخر و تقلید مانے اور بہ جبر منوائے گئے اور اس عمل میں حکمراں طبقے کے مفاد پرست دانشوروں کے ذریعہ تائید و توانائی حاصل کی جاتی رہی۔

انقلابی دور میں نئے نظریات سامنے آتے ہیں۔ پرانی قدریں ایک بڑی حد تک منہدم ہو جاتی ہیں اور نئی قدریں ابھر کر زندگی و معاشرے کی اساس بنتی ہیں :۔

"نئی قدریں ابھرتی ہیں مٹا کر کہنہ قدروں کو
بدلتا ہے شعورِ زندگانی پیرہن ساقی"

(وفا رضوی)

انقلابی عوام قدیم سماج کی روایتوں اور نظریوں سے متصادم ہو کر عملی جدوجہد میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود قدیم عقائد و خیالات، اگرچہ ایک بڑی حد تک فرسودہ ہو چکے ہوتے ہیں تاہم ایک بڑی حد تک قائم بھی رہتے ہیں اور نظامِ استحصال میں انہیں قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ محنت کش عوام کے استحصال سے جہاں تک فائدہ اٹھایا جا سکے اٹھایا جائے۔ رجعت پسندی کی بنیاد ہمیشہ مفاد پرستی پر رہی ہے۔ فرسودہ خیالات و نظریات و روایات کی حمایت رجعت پسند طبقوں کی جانب سے ہمیشہ کی جاتی رہی ہے۔

اکتوبر انقلاب نے کچھ ایسے خارجی اثرات پیدا کئے کہ

پوری دنیا کے استحصال شدہ محنت کش عوام میں داخلی طور پر طبقاتی تضادات کا شعور بیدار ہوگیا جس کے نتیجے میں محنت کش عوام کی بہبودی کے لئے دنیا بھر میں متعدد سیاسی و معاشرتی تنظیمیں اور جماعتیں وجود میں آگئیں۔

ہندوستان کے محنت کش عوام میں بھی اس طبقاتی شعور کا پیدا ہونا ایک فطری اور تاریخی عمل تھا۔ اکتوبر انقلاب کا زمانہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کا زمانہ تھا۔ حکومت وقت نے ہندوستان میں فتحمند اکتوبر انقلاب کی ہر خبر کو "قید" کر ڈالا۔ اخباروں پر شدید سنسر عائد کر دیا گیا تاکہ عوام اس بیدار ذہنیت سے آشنا نہ ہوسکیں جو کسی انقلاب کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن انقلاب روس کی خبریں کسی نہ کسی ذریعہ سے چھن چھن کر ہندوستان پہنچتی رہیں۔ اکتوبر انقلاب کے دوران پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ - ۱۸) تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ہندوستان کے عوام آزادی کے طلبگار تھے اور اس منزل کے لئے راہوں کی تلاش میں تھے۔ وہ ایک ایسی حالت میں تھے جیسے کسی گہری نیند سے بیدار ہو رہے ہوں لیکن نیم خوابی کی کیفیت باقی ہو کہ اچانک اکتوبر انقلاب کے دھماکے نے جہاں پوری دنیا کے نظام میں ایک ہلچل پیدا کر دی وہاں ہندوستان کے محنت کش طبقوں کو بھی جھنجھوڑ ڈالا اور انہیں ایک حد تک اپنی آنکھوں سے دیکھنا سکھا دیا!

اکتوبر انقلاب نے روس میں جب زار کی عظیم الشان حکومت کو ختم کیا اور محنت کشوں کی حکومت کی بنیاد رکھی تو دنیا بھر کی سرمایہ دارانہ بنیادوں پر قائم حکومتوں کو ایک سکتہ سا ہو گیا اور اس وقت کی سب سے بڑی طاقت برطانیہ کو تو یقین ہی نہیں آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ مسٹر ونسٹن چرچل (جو دوسری عالمی جنگ کے بعد سر ونسٹن چرچل اور نوبل پرائز یافتہ ہوئے) نے کہا،

"یہ ذلیل چرواہے اور مزدور ایسے حکومت کرنا کیا جانیں؟ ایک ہفتے کے اندر گڑگڑاتے اور اہل ثروت کے سامنے سر جھکاتے اور پیروں پر گرتے نظر آئیں گے"

(ہسٹری آف دی فرسٹ ورلڈ وار صفحہ ۳۰۲)

افسوس کہ مسٹر چرچل کی یہ پیشن گوئی صحیح ثابت نہیں ہوئی اور روس کے محنت کش عوام نے تاریخ کا رخ بدلتے ہوئے مارکسیت کے اس فلسفے کو ثابت کر دیا کہ عوام اور محنت کش جب خود اپنے آپ پر حکومت کرتے ہیں تو وہ حکومت غیر متزلزل ہوا کرتی ہے۔

ابھی اکتوبر انقلاب کی آوازیں ہندوستان میں پہونچ ہی رہی تھیں کہ ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے جلیان والا باغ کے دردناک واقعے نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ پورا پنجاب ایک آتش فشاں بن گیا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو مرحوم کی قیادت میں انگریزی حکومت کے خلاف نفرت و حقارت کا ایک طوفان برپا ہوگیا۔ رابندرا ناتھ ٹیگور نے احتجاجاً اپنا "سر" کا خطاب واپس کر دیا۔ انگریزی حکومت نے "رولٹ ایکٹ" جاری کر کے پورے پنجاب میں اسے نافذ کر دیا جس کے تحت پنجاب کے عوام پر وہ ظلم و ستم ڈھائے گئے جس نے ہندوستان میں حکومت برطانیہ کو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے روسیاہ کر ڈالا۔ اسی دوران میں اکتوبر انقلاب کا اثر گاندھی جی کی تحریک عدم تعاون اور علی برادران کی تحریک خلافت پر بھی پڑا اور ان میں شدت آگئی۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے ہزاروں افراد ہندوستان سے دیگر ملکوں خصوصاً افغانستان، روس اور جرمنی کو بخوشی ہجرت کر گئے تاکہ ان ملکوں سے ہتھیار فراہم کر کے ہندوستان میں بھی ایک "اکتوبر انقلاب" برپا کر سکیں۔

جو مہاجرین روس پہونچے ان میں سے با صلاحیت اور پُرعزم نوجوانوں کو روس کے انقلابیوں نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ ان مہاجرین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ استالین نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ماسکو میں ایک یونیورسٹی قائم کر دی جس کا نام رکھا گیا - Communist University of the toiling east — یعنی "اشتراکی جامعہ محنت کشانِ مشرق"۔ اس یونیورسٹی کے فیضیافتہ طلباء میں اکرام حسین اور محمد علی اور کنور

محمد اشرف تھے تو جمہوریہ ویتنام کے مشہور و مرحوم صدر کامریڈ ہوچی منہ بھی تھے جنہوں نے جنگ ویٹ نام میں امریکہ کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس جامعہ کے سربراہوں میں ایک نام منابندرا ناتھ رائے (ایم۔ این۔ رائے) کا بھی تھا۔

اکتوبر انقلاب کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ایم۔ این۔ رائے کی کوششوں سے ہندوستان سے باہر ۱۹۲۰ء میں تاشقند میں ایک "ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی بھی قائم کی گئی اور مذکورہ یونیورسٹی کے تمام اہل ہندوستانی طلبا راس کے ممبر قرار پائے۔

پھر ۱۹۲۱ء میں خود ہندوستان کے اندر "کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا" کی تشکیل عمل میں آئی۔ بنیاد رکھنے والوں میں تھے کامریڈ مظفر احمد مرحوم، شوکت عثمانی مرحوم، کنور محمد اشرف مرحوم، اور ایس اے ڈانگے۔ ان حضرات کے عزم و عمل کے ساتھ مشہور جلاوطن مجاہد حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی دعائیں اور نیک خواہشات شامل تھیں۔ مولانائے مذکور اس وقت روس میں تھے لیکن اس پارٹی کو ابھی مرکزیت حاصل نہیں ہوئی تھی اور انگریزی حکومت کی موجودگی میں اس زمانے میں ایسا ہونا ممکن بھی نہ تھا۔ لہٰذا مہاجرین اور مذکورہ یونیورسٹی کے جو طلباء بھی جیسے جیسے ہندوستان واپس پہونچ سکے انہوں نے الگ الگ صوبوں میں عوامی جدوجہد کے لئے پارٹیاں بنائیں اور انہیں ان صوبوں کی کمیونسٹ پارٹی ہی سمجھا گیا۔

(۱) **بنگال**: صوبائی طور پر سب سے پہلی کمیونسٹ پارٹی بنگال میں قائم ہوئی۔ اس کی تشکیل کامریڈ مظفر احمد مرحوم کے ہاتھوں ہوئی۔ ان کے ساتھیوں میں تھے کامریڈ عبدالحلیم مرحوم، کامریڈ قطب الدین مرحوم، کامریڈ گنیش گھوش مرحوم اور کامریڈ عبدالرزاق خاں مرحوم۔ اکتوبر انقلاب میں جہاں صنعتی کامگار پیش پیش تھے وہاں زراعتی مزدوروں اور بے زمین کسانوں نے بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر کامریڈ مظفر احمد نے بنگال میں ایک "پیزنٹ اینڈ ورکرس پارٹی" (کسان مزدور پارٹی) کی بنیاد بھی رکھی۔ بنگال میں کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد ۱۹۲۱ء میں پڑی۔

(۲) **پنجاب**: جب ۱۹۲۰ء میں تاشقند میں ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی قائم ہوئی تو اس میں شامل ہونے والوں میں پنجاب کے مہاجرین میں لاہور میڈیکل کالج کے ایک طالب علم محمد علی بھی تھے۔ بہت جلد وہ تاشقند میں قائم شدہ "ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی" میں ایک بہت ہی اونچے عہدے پر پہونچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے گہرے دوست غلام حسین بھی ایک مہاجر تھے۔ وہ پشاور کے ایڈورڈ میموریل کالج میں پروفیسر تھے۔ بعد کو یہ دونوں ہندوستان آئے اور پنجاب میں کمیونسٹ پارٹی اور ٹریڈ یونینیں قائم کیں۔ بعد کو غلام حسین لاہور ریلوے یونین کے صدر ہوئے اور انگریزی حکومت کے عتاب کا نشانہ بن گئے۔ انہیں "ریگولیشن ایکٹ ۱۸۱۸ء" کے تحت گرفتار کرکے دائمی طور پر قید کر دیا گیا۔ ان کا سیاسی کردار تو ختم ہو گیا لیکن ان کی اور محمد علی کی کوششوں سے پنجاب میں کمیونسٹ پارٹی اور ٹریڈ یونین تحریک کی بنیادیں پڑ گئیں۔

(۳) جنوب میں حیدرآباد اور مدراس (اب آندھرا پردیش اور تامل ناڈو) میں کمیونسٹ اور ٹریڈ یونین تحریکیں علی الترتیب امیر حیدر خاں اور سنگارا ویلو چٹیار کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ حیدرآباد میں نظام شاہی کا دبدبہ، شوکت و شان اور عوام پر جبر و استحصال انگریز حاکموں سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا۔ شہنشاہ انگلستان نے نظام حیدرآباد کو "اپنے فرزند دلبند" کا خطاب دے رکھا تھا اور نظام کی انگریز پرستی ضرب المثل بن چکی تھی۔ ایسے ماحول میں امیر حیدر خاں کا اشتراکی اصولوں پر حیدرآباد کی نظام شاہی اور جاگیردارانہ اقتدار سے ٹکر لینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ امیر حیدر خاں ایک آتش بیان مقرر تھے اور اشتراکی فلسفہ کو اس طرح سمجھاتے تھے کہ اچھے اچھے دانشوران کا لوہا مان جاتے تھے۔ ان کی تقریریں اور گفتگو سن کر سیکڑوں کمیونزم کی طرف مائل ہو گئے۔ کسانوں اور مزدوروں میں ولولہ پیدا ہو گیا۔ انہیں نظام شاہی کا معتوب ہونا ہی تھا اور ہوئے۔ انہیں گرفتار کرکے ایک طویل عرصے کے لئے کال کوٹھری میں قید کر دیا گیا۔ امیر حیدر خاں سے متاثر ہونے والوں میں مخدوم محی الدین مرحوم ([illegible]) کے مشہور لیڈر پی سندرّیا مرحوم اور کل ہند سی پی آئی (ایم) کے موجودہ جنرل سکریٹری کامریڈ نمبودری پد بھی ہیں۔

(۴) **بمبئی**: بمبئی جسے اب صوبہ مہاراشٹر کہا جاتا ہے وہاں کمیونسٹ پارٹی اور ٹریڈ یونینوں کے قیام کے لئے ایس اے ڈانگے

ے

کر۔ ایس تھیکار، رگھوپتی سہائے فراق، اور میر آجکو نے پیش قدمی کی۔
ایس۔ اے۔ ڈانگے کا مطالعہ مارکسزم کے بارے میں گہرا تھا۔ اکتوبر
انقلاب کے نتائج بھی ان کے سامنے تھے۔ گاندھی جی کے "عدم تعاون"
اور "عدم تشدد" کا فلسفہ بھی نظروں میں تھا۔ انہوں نے ایک کتابچہ لکھ
ڈالا جس میں کامریڈ لینن اور گاندھی جی کے نظریات کا موازنہ کیا گیا
تھا۔ کتاب کا نام تھا "Gandhi Vs Lenin" (گاندھی
بنام لینن) اس کتابچے نے بہت سے دانشوروں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔
ڈانگے کا مذکورہ بالا کتابچہ مولانا حسرت موہانی مرحوم کی
نظروں سے بھی گزرا۔ اس سے قبل وہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی
کے نظریات سے واقف ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی
اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی دونوں حضرت مولانا شاہ محمود الحسن
کے تلامذہ میں سے تھے۔ یہ تینوں آزادی طلب، بیباک اور حق پرست
مجاہدین انگریزی حکومت کے عتاب میں آگئے۔ تینوں پر مقدمہ چلایا گیا
اور انجام کار ان تینوں مجاہدین آزادی کو جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا
گیا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی چند برسوں بعد وہاں سے کسی طرح
فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور روس پہونچ گئے۔ اکتوبر انقلاب
میں مولانا سندھی نے کیا حصہ لیا یہ تاریخ انقلاب کا ایک الگ
باب ہے لیکن ان کے عمل و کردار کا مولانا حسرت موہانی نے گہرا اثر
لیا اور وہ اس حد تک اشتراکی نظریات کے حامی ہو گئے کہ ۱۹۲۱ء
میں کانپور میں ہونے والی "پہلی کمیونسٹ کانفرنس" کی صدارت قبول
کرلی۔ یہ مولانا حسرت موہانی ہی تھے جنہوں نے اسی سال (۱۹۲۱ء)
میں احمد آباد میں منعقدہ کل ہند کانگریس کے اجلاس میں ہندوستان کے
لئے "مکمل آزادی" کا مطالبہ کرتے ہوئے اپنی قرارداد پیش کی تھی اور
جسے اکثریتی تائید کے باوجود گاندھی جی نے مسترد کر دیا تھا کیوں کہ
اس وقت تک ہندوستان کے جاگیردار اور سرمایہ دار انگریزی
حکومت کو اپنے لئے سایۂ عاطفت سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں
روس کی طرح ہندوستان میں بھی ایک "عوامی اکتوبر انقلاب" نہ
آجائے!

"اکتوبر انقلاب" ہندوستانی زبانوں کے ادب پر بھی اثر
انداز ہوا۔ دیگر زبانوں سے قطع نظر صرف اردو زبان ہی کو لے لیجئے

اس کی داستانوں، ناولوں اور افسانوں کا ماحول ہی بدل گیا۔ معیار نقد و نظر
میں تبدیلی آگئی۔ پرانی "اچھائیاں" اب بری نظر آنے لگیں اور
پرانی بہت سی "برائیوں" میں حسن ملنے لگا۔ اب تک ہر داستان
(بشمول افسانہ و ناول) کا ہیرو یا شہزادہ تھا یا وزیر زادہ، امیر زادہ
تھا یا سوداگر بچہ وہ ہمیشہ بے حد خوبصورت، گورا چٹا، تندرست
و توانا ہوا کرتا تھا اور حسین ترین دوشیزائیں اس پر جان دینے
لگتی تھیں۔ محلوں اور باغوں کا ماحول ہوتا تھا۔ غریب مفلس
کسان، مزدور گھرانے کا "کالا کلوٹا بیگن لوٹا" نوجوان کسی
ادیب کے خواب میں بھی اس کی داستان کا ہیرو نہیں بن سکتا تھا۔
اکتوبر انقلاب نے کایا ہی پلٹ دی۔ داستانوں کے ہیروؤں کے
رنگ و لباس بدل ڈالے۔ حسن و تہذیب کا معیار بدل ڈالا، پریم چند
اور علی عباس حسینی اور سدرشن وغیرہم کے ہیرو پھٹے پرانے دریدہ
لباسوں میں، کسانوں اور مظلوموں اور مزدوروں کے گھرانوں میں
پیدا ہونے لگے۔ زندگی کی داستان آگے بڑھتی رہی۔ داستانیں
عوام کی کشمکش زندگی کا آئینہ بن گئیں۔ اردو شاعری میں
اقبال وقت سے پہلے وہ سب کچھ کہہ چکے تھے جسے بہت بعد کو
ہر ترقی پسند شاعر کہنے لگا۔ لیکن اقبال کی عالمگیر شاعری کو
صحیح معنوں میں سمجھنے کا شعور "اکتوبر انقلاب" کے بعد ہی پیدا ہوا۔
اقبال احمد سہیل، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری اور دیگر شعراء
کی شاعری میں زندگی سے محبت کے "راگ" ظلم سے ٹکرانے کی للکار
کسان اور مزدور کے عزم کی گفتگو اور غلامی سے آزاد ہونے
کی طلب کی جھنکار گونج اٹھی۔ مشاعرے نوابوں اور امیروں کے
ایوانوں کے علاوہ عوام کے چوپالوں میں بھی منعقد ہونے لگے۔
انقلاب ایک مسلسل سفر کا نام ہے۔ اکتوبر انقلاب
آج بھی زندہ اور رواں ہے۔ آج سے آٹھ سال پہلے مملکت روس
میں اکتوبر انقلاب کا ساٹھواں جشن منایا گیا۔ اس جشن میں
مملکت روس کے اس وقت کے سربراہ کامریڈ بریژنیف نے اپنی
صدارتی تقریر میں کہا:

"سوویت کے باشندے، تمام ممالک کے کمیونسٹ اور دنیا
کے تمام ترقی پسند انسان آج عظیم اکتوبر کا جشن منا رہے ہیں۔ آج سے
[illegible]

محمد امین

ہے وقت کی آواز کہ صف بند ہوں مظلوم
ایوانِ ستم کے در و دیوار ہلا دو
دن رات جو محنت کا لہو پیتی رہی ہے
اس خواہشِ سرمایہ کو مٹی میں ملا دو
غربت کا کفن بیچ کے دھن جمع ہے جتنا
دولت کے اس انبار کو اب آگ لگا دو
روٹی کے لئے بکتی ہے عزت سرِ بازار
اب داغ یہ تہذیب کے ماتھے سے مٹا دو
باقی نہ رہے دھر میں اُجرت کی غلامی
انسان کو انسان سے آزاد کرا دو
خونخوار سیاست جہاں ہوتی ہے مرتب
ڈالر کی سیہ کاری کے اس قلعہ کو ڈھا دو
تنظیم ہو اس طرح کہ بن جائے نشیمن
بکھرے ہوئے تنکوں کو قرینے سے سجا دو
وہ خون کہ جو ارضِ فلسطین میں بہا ہے
اس خون کی ہر بوند پہ اک پھول کھلا دو
آتا ہے نیا دور زمانے کو بدلنے
احساسِ تغیر کو نئی راہ دکھا دو

* * * *

انقلاب — ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد سے عبارت ہے

شہید بھگت سنگھ کی تاریخی دستاویز جو انہیں شہید کئے جانے کے بعد دستیاب ہوئی تھی

عزیز ساتھیو!

اس وقت ہماری تحریک ایک بہت اہم مرحلے سے گزر رہی ہے۔ ایک سال کی شدید جدوجہد کے بعد آئینی اصلاحات کے بارے میں کچھ متعین تجویزیں گول میز کانفرنس نے وضع کی ہیں اور کانگریسی لیڈروں کو ان پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے ...... جو موجودہ حالات میں اپنی تحریک کو ختم کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ اس کے موافق فیصلہ کریں یا خلاف، ہمارے لئے یہ معاملہ کم اہمیت کا حامل ہے۔ موجودہ تحریک کسی قسم کے سمجھوتے پر ختم ہو جانی ہے۔ سمجھوتہ جلد ہو یا بدیر ہونا ہے اور سمجھوتہ کوئی ایسی غیر شریفانہ یا قابل مذمت چیز نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھتے ہیں۔ یہ سیاسی حکمت عملی کا ایک ناگزیر عنصر ہے۔ کوئی بھی قوم جو جابروں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے ابتدا میں لازمی طور سے ناکام رہتی ہے اور اپنی جدوجہد کے درمیانے عرصے میں سمجھوتوں کے ذریعہ کچھ جزوی اصلاحات حاصل کرتی ہے اور آخری درجے میں ہی ——— قوم کی تمام قوتوں اور وسیلوں کو پوری طرح سے منظم کر لینے کے بعد ہی وہ ممکنہ طور سے آخری وار کر سکتی ہے جس کے ذریعہ وہ حکمران کی حکومت کو منتشر کر دینے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ ناکام ہو سکتی ہے۔ اس سبب کسی قسم کا سمجھوتہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ روس کی مثال سے اس کی بہترین انداز میں توضیح کی جا سکتی ہے۔

روس کی مثال

سنہ ۱۹۰۵ء میں روس میں ایک انقلابی تحریک پھوٹ پڑی تھی۔ تمام لیڈر بہت پر امید تھے۔ لینن غیر ممالک سے لوٹ آئے تھے جہاں انہوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ یہ جدوجہد کی رہنمائی کر رہے تھے۔ لوگ انہیں یہ بتانے آئے کہ ایک درجن زمیندار ہلاک کر دیے گئے اور ان کی بہت سی حویلیاں پھونک دی گئیں۔ لینن نے جواب میں ان سے کہا کہ واپس جائیں اور ۱۲ سو زمینداروں کو ہلاک کریں اور ان کے جتنے بھی محلات پھونک سکیں پھونک دیں۔ ان کی رائے میں اس کام کے معنی کچھ ہونگے، اگر انقلاب ناکام ہو گیا۔ دوما (پارلیمنٹ) کا آغاز ہوا۔ لینن نے پارلیمنٹ میں شرکت کی وکالت کی۔ یہ وہ واقعہ ہے جو ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ ۱۹۰۶ء میں وہ اس پہلی پارلیمنٹ میں شرکت کے خلاف تھے جس نے اس دوسری پارلیمنٹ کے مقابلے کام کی زیادہ گنجائش فراہم کی تھی۔ اس کے تو حقوق گھٹا دیے گئے تھے۔ یہ بدلے ہوئے حالات کا نتیجہ تھا۔ رجعت پسندی بالادستی حاصل کر رہی تھی اور لینن سوشلسٹ خیالات سے بحث کے منچ کے بطور پارلیمنٹ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔

ایک بار پھر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد جب بالشویکوں کو بریسٹ لیتووسک معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو لینن کے سوا ہر شخص اس کے خلاف تھا۔ لیکن لینن نے کہا: "امن"۔ امن اور ایک بار پھر امن: — کسی بھی قیمت پر امن — بہت سے روسی صوبے جرمن جنگباز کے حوالے کر دیے جانے کی قیمت پر بھی امن۔ جب کچھ بالشویک مخالف لوگوں نے اس معاہدے کے سبب لینن کی مذمت کی تو انہوں نے بڑی بے باکی سے کہا کہ بالشویک جرمن حملے کا سامنا کرنے کی حالت میں نہیں ہیں اور انہوں نے بالشویک حکومت کی مکمل فنا پر اس معاہدے کو ترجیح دی۔

جس بات کی میں نشاندہی کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ سمجھوتہ ایک ناگزیر ہتھیار ہے جسے جدوجہد پروان چڑھتے ہوئے بار بار استعمال کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جو چیز ہمیں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہئے وہ تحریک کا نصب العین ہے۔ ہمیں ہمیشہ جو چیز صفائی کے ساتھ پیشِ نظر رکھنی چاہئے وہ ہے وہ مقصد جس کے حصول کے لئے ہم لڑ رہے ہیں۔ اس سے ہمیں اپنی تحریکوں کی کامیابی اور ناکامیاں کا احتساب کرنے میں مدد ملتی ہے اور ہم بآسانی مستقبل کا پروگرام تیار کر سکتے ہیں۔ تلک کی پالیسی — نصب العین سے بالکل جدا، یعنی ان کی حکمتِ عملی بہترین تھی۔ آپ اپنے دشمن سے سولہ آنے وصول کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں اور آپ کو صرف ایک آنہ ملتا ہے۔ اسے جیب میں ڈال لو اور باقی کے لئے لڑو۔ معتدلوں میں جو چیز ہم ملاحظہ کرتے ہیں وہ ان کا نصب العین ہے۔ وہ ایک آنہ حاصل کرنے کے لئے آغاز کرتے ہیں اور اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ انقلابیوں کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وہ ایک مکمل انقلاب کے لئے کاوش کر رہے ہیں۔ اپنے ہاتھوں میں مکمل اقتدار کی۔ سمجھوتوں سے اس لئے خوف محسوس ہوتا ہے کیونکہ قدامت پسند سمجھوتے کے بعد انقلابی قوتوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اہل اور بہادر انقلابی لیڈر تحریک کو ایسے خطروں سے بچا سکتے ہیں۔ ایسے موقع پر ہمیں بہت محتاط ہونا چاہئے تاکہ حقیقی معاملات خصوصاً مقصد کے بارے میں کوئی الجھن نہ پیدا ہو۔ برطانوی لیبر لیڈروں نے اپنی حقیقی جدوجہد سے دغا کی اور محض ریاکار سامراجی بن کر رہ گئے۔ میری رائے میں کٹر ہٹیلے قدامت پسند ان سامراجی لیبر لیڈروں سے ہمارے لئے بہتر ہیں۔ حربوں اور حکمتِ عملی کے لئے لینن کی زندگی اور کام کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ سمجھوتے کے موضوع پر ان کے خیالات "بائیں بازو کا کمیونزم" میں موجود ہے۔

میں نے کہا ہے کہ موجودہ تحریک یعنی موجودہ جدوجہد کسی قسم کے سمجھوتے یا مکمل ناکامی میں ختم ہونی ہے۔

حقیقی انقلابی قوتیں اکھاڑے میں نہیں بلائی گئیں

میں نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ میری رائے میں اس مرتبہ حقیقی انقلابی قوتوں کو اکھاڑے میں نہیں بلایا گیا۔ یہ ایسی جدوجہد ہے جس کا متوسط طبقے کے دکانداروں اور چند سرمایہ داروں پر انحصار ہے۔ یہ دونوں اور خصوصاً موخرالذکر کسی بھی جدوجہد میں اپنا املاک یا ملکیت کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ حقیقی انقلاب افواج دیہات اور کارخانوں میں ہیں — کسان اور مزدور۔ لیکن ہمارے سرمایہ دار لیڈران سے کام لینے کی جرأت نہ تو کرتے ہیں اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ سوتا ہوا شیر اگر ایک بار نیند سے بیدار کر دیا گیا تو وہ اس کے حصول کے بعد بھی ناقابلِ تسخیر رہے گا جو ہمارے لیڈروں کا مقصد ہے۔ ۱۹۲۰ء میں احمد آباد کے مزدوروں کے اپنے پہلے تجربے کے بعد مہاتما گاندھی نے اعلان کیا :۔

"ہمیں مزدوروں کو چھیڑنا نہیں چاہئے۔ فیکٹری پرولتاریہ کا سیاسی استعمال خطرناک ہے۔" (دی ٹائمز، مئی ۱۹۲۱)

اس وقت سے ان میں ان تک پہنچنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کسان رہ جاتے ہیں۔ ۱۹۲۲ء کی باردولی قرارداد میں صفائی سے اس خوف کا اظہار کیا گیا ہے جو لیڈروں کو اس وقت محسوس ہوا تھا جب انہوں نے عظیم کسان طبقے کو نہ صرف غیر قوم کے غلبے بلکہ زمین داروں کے جوتے کو بھی جھٹک دینے کی خاطر اٹھتے دیکھا تھا۔

برطانویوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کو ترجیح

یوں ہے جو ہمارے لیڈر کسانوں کے بجائے برطانویوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال کو چھوڑیئے کیا آپ کسی بھی لیڈر کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس نے کسانوں یا مزدوروں کو منظم کرنے کی کوئی کوشش کی؟ نہیں، وہ خطرہ مول نہیں لیں گے۔ یہ ان کی کمی ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ایک مکمل انقلاب کبھی ان کا مطلب نہیں تھا۔ اقتصادی اور انتظامی دباؤ کے ذریعہ انہیں کچھ مزید اصلاحات کی امید تھی، ہندوستانی سرمایہ داروں کے لئے کچھ مزید رعایتوں کے اسی لئے میں کہہ رہا ہوں کہ اس تحریک کا مردہ ہو جانا لازمی ہے — کسی قسم کے سمجھوتے کے بعد یا پھر اس کے بغیر بھی۔ نوجوان کارکن جو پورے خلوص کے ساتھ "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ بلند کرتے ہیں، بذاتِ خود تحریک چلانے کے لئے بخوبی منظم اور کافی طاقت ور نہیں۔ درحقیقت

ہمارے بڑے لیڈر بظاہر شاید پنڈت موتی لال نہرو کے سوا کوئی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی جرأت نہیں رکھتے تھے، اسی لئے ہر مرتبہ وہ بلا شرط گاندھی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ اپنے اختلافات کے باوجود وہ کبھی ان کی سنجیدگی سے مخالفت نہیں کرتے اور مہاتما کے لئے قراردادیں منظور کی جاتی ہیں۔

ان حالات میں پُرخلوص نوجوان کارکنوں کو جو سنجیدگی سے انقلاب چاہتے ہیں، میں خبردار کرتا ہوں کہ زیادہ مشکل دن آنے والے ہیں۔ وہ خبردار ہو جائیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ الجھ جائیں یا ہمت چھوڑ بیٹھیں۔ عظیم گاندھی کی دو جدوجہدوں کے ذریعہ جو تجربہ حاصل ہوا ہے اس کے باعث ہم اپنی موجودہ حیثیت اور آئندہ پروگرام کا واضح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

انقلاب کا مطلب

اب مجھے معاملہ بالکل آسان انداز میں بیان کرنے دیجئے۔ آپ نعرہ لگاتے ہیں — "انقلاب زندہ باد"۔ میں یہ فرض کئے لیتا ہوں کہ آپ کا واقعی یہی مطلب ہے۔ اصطلاح کی ہماری تعریف کے مطابق جو اسمبلی بم کیس کے ہمارے بیان میں واضح کی گئی ہے، انقلاب کا مطلب ہے موجودہ سماجی نظام کا پوری طرح سے تختہ پلٹ دینا اور اسے سوشلسٹ نظام سے بدل دینا۔ اس مقصد کی خاطر ہمارا فوری مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔ درحقیقت ریاست، سرکاری مشنری، اپنے مفاد کے فروغ اور دفاع کے لئے حکمراں طبقے کے ہاتھوں میں بس ایک ہتھیار ہے۔ ہم اسے چھیننا اور کام میں لانا چاہتے ہیں تاکہ اسے اپنے نصب العین یعنی نئے خطوط یعنی مارکسوادی بنیاد پر سوشلسٹ تعمیر نو کے لئے استعمال کر سکیں۔ اس مقصد کی خاطر سرکاری مشنری سے کام لینے کیلئے ہم لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمیں مسلسل عوام کو تعلیم دینی ہے اور اپنے سماجی پروگرام کیلئے ایک سازگار ماحول پیدا کرنا ہے۔ جدوجہدوں کے دوران ہم انہیں بہترین انداز میں تربیت اور تعلیم دے سکتے ہیں۔

یہ چیزیں ہمارے سامنے واضح ہونے کے بعد یعنی ہمارا فوری اور آخری مقصد صفائی سے بیان ہونے کے بعد اب ہم موجودہ صورت حال کا تجزیہ کر سکتے ہیں۔ کسی بھی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں بہت واضح اور بالکل دوٹوک ہونا چاہئے۔

ہمیں معلوم ہے کہ چونکہ ہندستانی حکومت میں ہندستانیوں کی شرکت اور حصے کے بارے میں بہت غل مچایا گیا تھا۔ اس لئے منٹو مارلے اصلاحات پیش کی گئیں جن کے ذریعہ وائسرائے کی کونسل قائم کی گئی جسے محض مشاورتی حقوق حاصل تھے۔ جنگ عظیم کے دوران جب ہندستانی مدد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، سیلف گورنمنٹ کے بارے میں وعدے کئے گئے اور موجودہ اصلاحات پیش کی گئیں۔ اسمبلی کو قانون سازی کے محدود اختیارات سونپے گئے ہیں لیکن وہ وائسرائے کی خیرسگالی پر منحصر ہیں۔ اب تیسرا مرحلہ ہے،

انقلابیوں کے لئے معیار

اب اصلاحات سے بحث ہو رہی ہے اور انہیں مستقبل قریب میں پیش کیا جانا ہے۔ ہمارے نوجوان کیسے ان کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے، مجھے نہیں معلوم کہ کس معیار پر کانگریسی لیڈر انہیں پرکھنے والے ہیں لیکن ہم انقلابی مندرجہ ذیل معیار اختیار کر سکتے ہیں:-

(۱) ہندستانیوں کے کاندھوں پر منتقل کی گئی ذمہ داری کی حد۔

(۲) شروع کئے جا رہے سرکاری اداروں کی وضع اور عوام کو دئے گئے شرکت کے حق کی حد۔

(۳) مستقبل کے امکانات اور تحفظات۔

یہ کچھ مزید وضاحت کے متقاضی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ ہم اپنے عوام کو دی گئی ذمہ داری کی حد کی آسانی کے ساتھ اس کنٹرول کے ذریعہ جانچ کر سکتے ہیں جو ہمارے نمائندوں کو منتظمہ پر حاصل ہوگا۔ اب تک منتظمہ کو قانون ساز اسمبلی کے تئیں کبھی ذمہ دار قرار نہیں دیا گیا اور وائسرائے کو ویٹو کا اختیار حاصل تھا جس کے سبب منتخبہ ممبروں کی تمام کوششیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ سوراج پارٹی کی کوششوں کے صدقے وائسرائے کو قومی نمائندوں کے سنجیدہ فیصلے بے شرمی سے پیروں تلے کچلنے کی غرض سے ان غیر معمولی اختیارات کا استعمال کرنا پڑتا تھا۔ یہ بات سب کو بخوبی معلوم ہے اور مزید مباحثے

کی محتاج نہیں۔

اب سب سے پہلے تو ہمیں منتظمہ کی تشکیل کے طریقے کو دیکھنا چاہیئے۔ آیا منتظمہ عوامی اسمبلی کے ممبروں کے ذریعہ منتخب ہوتی ہے یا پہلے کی طرح اوپر سے مسلط کی جاتی ہے اور مزید یہ کہ کیا یہ ایوان کے تئیں ذمہ دار ہوگی یا ماضی کی طرح اسکی پوری طرح توہین کرے گی۔

جہاں تک معاملہ ہے دوسری بات کا، ہم اسے ووٹ دینے کے حق کی وسعت سے جانچ سکتے ہیں۔ ووٹ کا اہل بنانے کے لئے املاک موجود ہونے کی بات پوری طرح سے ختم ہونی چاہیئے اور اس کے بجائے ووٹ دینے کا عام حق ہونا چاہیئے۔ ہر بالغ، مرد اور عورت دونوں کو ووٹ کا حق ہونا چاہیئے۔ اس وقت ہمیں بس یہ دیکھنا ہے کہ ووٹ دینے کا حق کتنا وسیع ہوتا ہے۔

جہاں تک ہیئت کا معاملہ ہے، ۲ ایوانوں پر مشتمل حکومت موجود ہے۔ میری رائے میں ایوان بالا یا تو سرمایہ دار توہم پامال ہے۔ میرے خیالوں میں ایک ایوان پر مشتمل حکومت جس کی ہم توقع کر سکتے ہیں بہترین ہے۔

میں یہاں صوبائی داخلی خودمختاری کا کچھ تذکرہ کر سکتا ہوں لیکن میں نے جو کچھ سنا ہے، میں اس کی روشنی میں بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ اوپر سے مسلط کیا گیا گورنر جو قانون ساز اسمبلی سے اونچے اور زائد غیر معمولی اختیارات سے لیس ہو، ایک جابر سے کم نہیں ہوگا۔ بہتر ہو کہ اسے ہم "داخلی خودمختاری" کے بجائے "صوبائی جبر" کہیں۔ یہ ریاستی ادارے کو جمہوری بنانے کی عجیب وضع ہے۔

تیسری بات بالکل واضح ہے۔ گزشتہ دو برسوں کے دوران برطانوی سیاست داں، مانٹیگو کے اس وعدے کی نفی کی کوشش کر رہے ہیں کہ برطانوی خزانہ ختم ہونے تک ہر دس برس کے بعد اصلاحات کی ایک اور خیرات دی جائے گی۔

لیکن کیا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کیا فیصلہ کیا ہے انہوں نے مستقبل کے بارے میں؟

سمجھوتہ آگے کو قدم

ہمیں یہ بات واضح کر دینی چاہیئے کہ ہم ان چیزوں کا تجزیہ کامیابی پر خوشی منانے کے لئے نہیں بلکہ اپنی صورتحال کے بارے میں ایک واضح خیال کی تشکیل کے لئے کر رہے ہیں تاکہ ہم عوام کو سمجھا سکیں اور انہیں مستقبل کی جدوجہد کے لئے تیار کر سکیں۔ ہمارے لئے سمجھوتے کا مطلب گھٹنے ٹیک دینا کبھی نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ آگے کو ایک قدم اور کچھ آرام ہوتا ہے۔ بس اتنی ہی بات ہے اور کچھ نہیں۔

موجودہ صورتحال سے بحث کرنے کے بعد ہمیں آئندہ کے پروگرام اور اس کارروائی لائن کے بارے میں غور کرنا چاہیئے جو ہمیں اختیار کرنی ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، کسی بھی انقلابی پارٹی کے لئے ایک قطعی پروگرام بہت ضروری ہے کیوں کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انقلاب کا مطلب کارروائی ہے۔ اس کا مطلب ہے منظم اور منصوبہ بند کام کے ذریعہ سوچ سمجھ کر کی گئی تبدیلی ہے اچانک یا غیر منظم یا دفعتاً ہوئی تبدیلی یا خلل کے برخلاف۔ اور ایک پروگرام کی تشکیل کے لئے مطالعہ لازمی طور سے کیا جانا چاہیئے۔

(۱) مقصد (۲) وہ حالتیں جہاں سے ہمیں آغاز کرنا ہے یعنی موجودہ حالات (۳) کارروائی کا طریقہ یعنی ذرائع اور طریقے۔

اگر ان تینوں عناصر کے بارے میں واضح سمجھ نہ ہو تو پروگرام کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی جا سکتی۔

ہمارا مقصد

ہم نے موجودہ صورتحال سے کسی حد تک بحث کر لی ہے۔ مقصد کے بارے میں بھی کچھ کہہ لیا گیا ہے۔ ہم ایک سوشلسٹ انقلاب چاہتے ہیں جس کی ناگزیر ابتدا ایک سیاسی انقلاب ہے۔ یہ ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ سیاسی انقلاب کا مطلب ریاست کی (یا زیادہ بھدے الفاظ میں اقتدار کی) برطانیہ کے ہاتھوں سے ہندوستانیوں کو منتقلی نہیں، بلکہ ان ہندوستانیوں کو جو آخری مقصد تک ہمارے ساتھ ہیں یا زیادہ دو ٹوک لفظوں میں اقتدار عوامی حمایت کے ذریعہ انقلابی پارٹی کو منتقل کیا جائے۔ اس کے بعد خلوص کے ساتھ آگے بڑھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سوشلسٹ بنیاد پر پورے معاشرے کی تشکیل کی

کی جائے۔ اگر آپ کا مطلب یہ انقلاب نہیں تو برائے مہربانی رحم کیجیے۔ "انقلاب زندہ باد" چلانا بند کر دیجیے۔ انقلاب کی اصطلاح کم سے کم ہمارے لئے اتنی مقدس ہے کہ اسے اتنی آسانی سے استعمال یا مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ آپ قومی انقلاب کے حق میں ہیں اور آپ کی جدوجہد کے مقاصد ریاستہائے متحدہ امریکہ کی وضع کی ہندوستانی جمہوریہ ہے تو میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ برائے مہربانی مجھے یہ بتایئے کہ کن قوتوں پر آپ کا انحصار ہے جو یہ انقلاب لانے میں آپکی مدد کریں گی؟ واحد قوتیں جن پر انقلاب لانے کے لئے آپ انحصار کر سکتے ہیں چاہے وہ قومی ہوں یا سوشلسٹ، کسان اور مزدور ہیں۔ کانگریسی لیڈروں میں انہیں منظم کرنے کی جرأت نہیں۔

انقلابی قوتیں کون سی ہیں؟

آپ یہ بات اس تحریک میں دیکھ چکے ہیں۔ کسی بھی شخص سے بہتر وہ اس بات سے واقف ہیں کہ ان قوتوں کے بغیر وہ بالکل بے بس ہیں۔ جب انہوں نے مکمل آزادی کی قرارداد منظور کی تو اس کا مطلب حقیقتاً انقلاب تھا — ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نوجوان عناصر کے دباؤ کے تحت انہیں یہ کام کرنا پڑا اور پھر وہ اپنی دلی آرزو یعنی داخلی خود مختاری کے اصول کے لئے دھمکی کے بطور استعمال کرنا چاہتے تھے۔ کانگریس کے گزشتہ تین اجلاسوں کی قراردادوں کے مطالعے سے آپ یہ بات باآسانی سمجھ سکتے ہیں — میرا مطلب ہے مدارس، کلکتہ اور لاہور (کے اجلاسوں کی قراردادیں)۔ کلکتے میں انہوں نے یہ قرارداد منظور کی کہ ۱۲ مہینے کے اندر داخلی خود مختاری دی جائے ورنہ وہ اپنے مقصد کے بطور مکمل آزادی کی قرارداد اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کی درمیانی رات گزرنے تک انہوں نے پورے احترام کے ساتھ کسی ایسے تحفے کا انتظار کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے "وقار" کی بنیاد پر آزادی کی قرارداد منظور کی، ورنہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا۔ لیکن اس وقت بھی مہاتما جی نے یہ حقیقت چھپائی نہیں کہ (سمجھوتے کے لئے) دروازہ کھلا تھا۔ یہ تھی حقیقی روح۔ ابتدا ہی سے وہ اس بات سے باخبر تھے کہ ان کی تحریک

بس ایک سمجھوتے پر ختم ہوگی۔ یہ ہے وہ نیم دلی جس سے ہم نفرت کرتے ہیں، جدوجہد کے کسی خاص درجے میں سمجھوتہ نہیں۔ بہرحال ہم ان قوتوں سے بحث کر رہے ہیں جن پر آپ انقلاب کے لئے انحصار کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ آپ کسانوں اور مزدوروں کی سرگرم حمایت حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچیں گے تو مجھے یہ کہنے دیجئے کہ وہ کسی جذباتی گفتگو سے بیوقوف بننے والے نہیں۔ وہ آپ سے بالکل صاف صاف یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کے انقلاب سے انہیں کیا فائدہ پہنچنے جا رہا ہے جس کے لئے آپ ان سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیا فرق پڑے گا ان کے لئے اگر ہندوستانی حکومت کے سربراہ لارڈ ریڈنگ کے بجائے سر پرشوتم داس ٹھاکر داس ہوں؟ کیا فرق پڑتا ہے ایک کسان کے لئے اگر لارڈ ارون کی جگہ سر تیج بہادر سپرو سنبھال لیں۔ اس کے قومی جذبے کو چھیڑنا فضول ہے۔ آپ اپنے مقصد کے لئے اسے "استعمال" نہیں کر سکتے۔ آپ کو یہ بات سنجیدگی سے کہنی ہوگی اور اسے سمجھانا ہوگا کہ انقلاب کا مطلب اس کی اور اس کے لئے فلاح ہے۔ پرولتاریہ کا اور پرولتاریہ کے لئے انقلاب۔

جب آپ نے اپنے مقاصد کے بارے میں یہ دوٹوک خیال وضع کر لیا ہو تو آپ ایسی کسی کارروائی کے لئے اپنی قوتوں کو منظم کرنے کی خاطر سنجیدگی سے بڑھ سکتے ہیں۔ اب ۲ مختلف مرحلے ہیں جن سے آپ کو گزرنا پڑے گا۔ پہلا تیاری کا اور دوسرا کارروائی کا۔

انقلاب ایک مشکل فریضہ

موجودہ تحریک کے خاتمے کے بعد آپ پرخلوص انقلابی کارکنوں میں غصہ اور کچھ ناامیدی ملاحظہ کریں گے۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ جذبات پرستی کو جانے دیجئے۔ حقائق کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جایئے۔ انقلاب ایک بہت مشکل فریضہ ہے۔ انقلاب لانا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں۔ نہ ہی یہ کسی طے کردہ تاریخ پر لایا جا سکتا ہے۔ یہ خصوصی حالات، سماجی اور اقتصادی حالات کے تحت لایا جا سکتا ہے۔ ایک منظم پارٹی کا کام یہ ہے کہ ان حالات کے پیش کردہ ایسے موقع کو استعمال کرے اور انقلاب کے لئے عوام کو تیار کرنا ایک بہت مشکل فریضہ ہے۔ اور یہ انقلابی

کارکنوں سے بڑی قربانی کا متقاضی ہے۔ مجھے یہ بات واضح کرنے دیجئے کہ اگر آپ کو کوئی پارٹی یا ایک بچے جائے دنیادار خاندان والے آدمی ہیں تو برائے مہربانی آگ سے مت کھیلئے۔ لیڈر کے بطور آپ پارٹی کے کسی کام کے نہیں۔ ہمارے پاس پہلے ہی ایسے بہت سے لیڈر موجود ہیں جو تقریریں کرنے کی غرض سے شام کو کچھ گھنٹے نکال لیتے ہیں۔ یہ بیکار ہیں۔ ہمیں ضرورت ہے اس اصطلاح میں جو لینن کو بہت عزیز تھی، سے "پیشہ ور انقلابیوں" کی۔ پورے وقت کام کرنے والے جنہیں انقلاب کے علاوہ کوئی اور آرزو یا زندگی کا کام نہ ہو۔ ایسے کارکن کسی پارٹی میں جتنی بڑی تعداد میں منظم ہوں، آپ کی کامیابی کے لئے اتنے ہی زیادہ امکانات ہیں۔

منصوبہ بند انداز میں کام کرنے کے لئے جس چیز کی آپ کو سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ہے ایک ایسی پارٹی جس کے کارکن اس وضع کے ہوں جس سے اوپر بحث کی گئی ـــــ دو ٹوک خیالات اور گہرا تصور اور پہل کرنے کی صلاحیت (!) اور تیزی سے فیصلے (کی)۔ پارٹی میں آہنی نظم و ضبط ہو اور لازمی طور سے روپوش پارٹی نہ ہو بلکہ اس کے برخلاف ہو۔ اگرچہ رضاکارانہ طور سے جیل جانے کی پالیسی بالکل ترک کر دی جائے۔ یوں ایسے بہت سے کارکن پیدا ہوں گے جو ایک روپوش زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ انہیں اسی جوش وخروش کے ساتھ کام جاری رکھنا چاہئے۔ اور کارکنوں کا یہ ہے وہ گروہ جو حقیقی موقع کے لئے اہل لیڈر پیدا کرے گا۔

پارٹی کو ضرورت ہے ایسے کارکنوں کی جنہیں نوجوان تحریک کے ذریعہ ہی بھرتی کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم نوجوان تحریک کو اپنے پروگرام کا نقطۂ آغاز سمجھتے ہیں۔ نوجوان تحریک کو مطالعاتی حلقوں، کلاس میں لیکچروں اور پرچیوں، کتابچوں، کتابوں اور رسالوں کی اشاعت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ سیاسی کارکنوں کے لئے بھرتی اور تربیت کا بہترین منبع ہے۔

جو نوجوان اپنے خیالات پختہ کر چکے ہوں اور مقصد کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دینے کے لئے تیار ہو چکے ہوں، انہیں پارٹی میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ پارٹی کارکن ہمیشہ نوجوان تحریک کے کام کی رہنمائی اور کنٹرول کریں۔ پارٹی کو عوامی پرچار کے کام سے آغاز کرنا چاہئے۔

یہ بہت ضروری ہے۔ غدر پارٹی (۱۹۱۴ - ۱۹۱۵) کی کوششوں کی ناکامی کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب عوام کی ناواقفیت، بے حسی اور کبھی کبھی سرگرم مخالفت تھی۔ اور اس کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ کسانوں اور مزدوروں کی سرگرم ہمدردی حاصل کی جائے اور انہیں منظم کیا جائے۔ پارٹی کا نام کمیونسٹ پارٹی ہونا چاہئے۔ سیاسی کارکنوں کی یہ پارٹی جو سخت نظم و ضبط کی پابند ہو، دیگر تمام تحریکیں چلائیں۔ اسے کسانوں اور مزدوروں کی پارٹیاں منظم کرنی چاہئیں۔ مزدور یونینوں، یہاں تک کہ کانگریس اور اس سے ملتی جلتی سیاسی تنظیموں پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہئے۔ اور ایک سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے نہ صرف قومی سیاست کا، بلکہ طبقاتی سیاست کا بھی، پارٹی کو ایک بڑی اشاعتی مہم کا اہتمام کرنا چاہئے۔ عوام کو سماجی نظریے کا تصور بخشنے والے تمام موضوعات پر مواد آسانی سے دستیاب ہونا چاہئے۔ اور اس کی وسیع پیمانے پر تقسیم ہونی چاہئے۔ تحریریں سلیس اور واضح ہونی چاہئیں۔

مزدور تحریک میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو سیاسی آزادی کے بغیر کسانوں اور مزدوروں کی اقتصادی آزادی کے خیالات کے حامل ہیں۔ یہ لوگ شرارتاً یا کند ذہن ہیں۔ ایسے خیالات بیکار اور واہیات ہیں۔ ہمارا مطلب ہے عوام کی اقتصادی آزادی اور اس مقصد کی خاطر ہم سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں ہمیں ان طبقوں کے چھوٹے اقتصادی مطالبات اور مراعات کے لئے لڑنا پڑے گا۔ لیکن یہ جدوجہد سیاسی اقتدار کی فتح کی خاطر آخری جدوجہد کے لئے انہیں تعلیم دینے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

فوجی شعبہ لازمی

ان کے علاوہ ایک فوجی شعبے کو بھی لازمی طور سے منظم کرنا پڑے گا۔ یہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بعض اوقات اس کی ضرورت بری طرح محسوس ہوتی ہے لیکن اس وقت آپ ایسے گروہ کا آغاز اور تشکیل نہیں کر سکتے جس کے پاس موثر ہونے کے لئے کافی ذرائع موجود ہوں۔ شاید یہ ایک موضوع ہے جو ایک محتاط وضاحت کا

متقاضی ہے۔ اس کا بہت بڑا امکان موجود ہے کہ اس موضوع پر میری بات غلط سمجھ لی جائے۔ بظاہر میں نے ایک دہشت پسند کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ لیکن میں ایک دہشت پسند نہیں ہوں۔ میں ایک انقلابی ہوں جو ایک طویل پروگرام کے بارے میں ایسے قطعی خیالات کا حامل ہے، جن سے یہاں بحث کی جا رہی ہے۔ میرے "عزیز ساتھی" رام پرشاد بسمل کی طرح مجھ پر یہ الزام عائد کر سکتے ہیں کہ میں پھانسی کی کوٹھری میں کچھ اور خیالات سے متاثر ہو گیا ہوں۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ میں انہی خیالات، انہی عقیدوں، اسی جوش و خروش اور اسی روح کا حامل ہوں جس کا باہر حامل تھا ــــ نہیں بلکہ کچھ اور بھی زیادہ۔ اس لئے میں اپنے قارئین کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ میرے الفاظ پڑھتے ہوئے محتاط رہیں۔ انہیں اپنی طرف سے کوئی مطلب نہیں نکالنا چاہئے۔ مجھے اپنی پوری قوت سے یہ اعلان کرنے دیجئے کہ میں نہ تو کوئی دہشت پسند ہوں اور نہ کبھی تھا۔ شاید اپنی انقلابی زندگی کے آغاز کے سوا۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان طریقوں کے ذریعے ہم کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ اس بات کا کوئی بھی شخص ہندوستانی سوشلسٹ ری پبلکن تنظیم کی تاریخ سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ ہماری تمام سرگرمیوں کی غرض تھا ایک مقصد یعنی یہ کہ ہم اس عظیم تحریک کے فوجی بازو کے بطور اپنی شناخت کرائیں۔ اگر کوئی مجھے غلط سمجھا ہے تو وہ اپنے خیالات میں ترمیم کرے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ بم اور پستول بیکار ہیں، بلکہ اس کے برخلاف۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صرف بم پھینکنا نہ صرف فضول ہے بلکہ بعض اوقات نقصاندہ بھی۔ پارٹی کے فوجی شعبے کو وہ تمام جنگی سامان جو اس کے پاس ہو، ایمرجنسی کے لئے ہمیشہ تیار رکھنا چاہئے۔ اسے پارٹی کے سیاسی کام کی پشت پناہی کرنی چاہئے۔ وہ آزادانہ کام نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے کرنا چاہئے۔

ان خطوط پر جن کی اوپر نشاندہی کی گئی، پارٹی کو اپنا کام کرنا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً ملاقاتوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ انہیں اپنے کارکنوں کے تمام موضوعات سے باخبر رکھنا چاہئے۔

اپنی انفرادیت کو کچلئے

اگر آپ ان خطوط پر کام شروع کریں، تو آپ کو بہت سنجیدہ ہونا پڑے گا۔ پروگرام اپنی تکمیل کے لئے کم سے کم ۲۰ برسوں کا متقاضی ہے۔ ۱۰ برس کے اندر انقلاب کے نوجوانی کے خواب یا ایک سال کے اندر سوراج کے گاندھی کے خیالی وعدے ترک کر دیجئے۔ اسے نہ تو جذبے کی ضرورت ہے، نہ ہی موت کی، بلکہ مسلسل جدوجہد، دکھ اور قربانی کی زندگی کی۔ پہلے اپنی انفرادیت کو کچلئے۔ ذاتی آرام کے خواب ترک کیجئے۔ تب کام شروع کیجئے۔ آپ کو ایک ایک انچ کر کے بڑھنا پڑے گا۔ یہ جرأت، استقامت اور بڑے پختہ عزم کا متقاضی ہے۔ کسی بھی طرح کی مشکلیں اور مشقتیں آپ کو بددل نہیں کریں گی۔ کوئی ناکامی یا غداری آپ کو بددل نہیں کرے گی۔ آپ پر جو بھی ۲ بلائیں مسلط کئے گئے ہوں وہ آپ کے انقلابی جوش و خروش کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ دکھوں اور قربانیوں کی سختیاں جھیل کر آپ فتحیاب ہوں گے اور یہ انفرادی فتوحات انقلاب کا قابل قدر اثاثہ ہوں گی۔

انقلاب زندہ باد

(بشکریہ: 'لوک لہر' نئی دہلی) (۲ر فروری ۱۹۳۱ء)

بقیہ: اکتوبر انقلاب اور ہندستانی عوام

ساٹھ سال قبل، لینن کی تشکیل شدہ پارٹی کی قیادت میں روس کے کسانوں اور مزدوروں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی طاقت کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا سوشلسٹ انقلاب تھا۔ اکتوبر کے ان ناقابل فراموش دنوں نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ایک نیا دور، دنیا میں انقلابی ذہنیت کی بازآفرینی کا دور، سوشلزم اور کمیونزم کی جانب عوامی سفر کا دور شروع ہوا۔ اس نے وہ راہ کھول دی جس پر آج کروڑوں انسان گامزن ہیں اور جو راہ تمام عالم انسانی کے مستقبل کے لئے مقدر ہو چکی ہے ــــ!!

درگا پوجا کی تعطیلات کی وجہ سے
'مغربی بنگال' کا یکم نومبر کا شمارہ شائع
نہیں کیا گیا ــــــــ (مدیر)

غزل

پروفیسر اعزاز افضل

تھک گئے ہو تو یہ کہہ دو ہمیں گھر جانا ہے
کس لئے موڑ پہ بیٹھے ہو کدھر جانا ہے

اک طرف گردن و سر، ایک طرف دار و رسن
دونوں رستے ہیں، چلے جاؤ جدھر جانا ہے

کیوں تذبذب کے دوراہے پہ کھڑے ہو چپ چاپ
دل سے پوچھو وہ بتا دے گا کدھر جانا ہے

سامنے دھوپ کی سرحد ہے تکلف نہ کریں
ٹھہر جائیں، جنہیں سائے میں ٹھہر جانا ہے

سمت منزل کا تعین ہے اب انکے ذمے
جن کو یہ بھی نہیں معلوم کدھر جانا ہے

گام دو گام نہیں آج چراغوں کا سفر
شام سے تا بگذرگاہِ سحر جانا ہے

آپ پر بند نہ ہو جائے کہیں راہِ فرار
ہم تو یہ ٹھان کے نکلے ہیں کہ مر جانا ہے

صرف ترتیب ہوا کتنا لہو آنکھوں کا
اور تم کہتے ہو خوابوں کو بکھر جانا ہے

☆☆☆☆

اردو ادب پر مارکسزم کے اثرات

از:— ڈاکٹر عبدالمنان

عظیم شخصیتیں کسی عہد کی مخلوق ہی نہیں خالق بھی ہوا کرتی ہیں۔ ان کا شعور اتنا بلند، فکر ایسی گہری اور وسیع اور حوصلے اتنے جوان ہوتے ہیں کہ وہ اپنے نظریات سے دنیا میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں۔ جب معاشرہ زوال آمادہ ہوتا ہے اخلاقی قدریں پست ہو جاتی ہیں۔ اقتصادی حالات اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ دو وقت کی روٹی مہیا کرنے کی جہد تیز ہونے کے باوجود عافیت نصیب نہیں ہوتی اور زرگری اور زر پرستی کا ماحول پیدا ہوتا ہے تو طبقاتی کشمکش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ انسانیت کے پرخچے اڑنے لگتے ہیں۔ رشتہ کی ڈور ٹوٹتی ہے اور محبت کاروباری ہو جاتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں لین دین کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ جہاں لین دین کی کثرت ہوگی وہاں استحصال اپنا سر اٹھائے گا اور معاشرے پر ناامیدی کی بدلیاں چھا جائیں گی۔ دنیا میں جب ایسے حالات پیدا ہوئے تو اس کے سدباب کی غرض سے کارل مارکس پیدا ہوا۔ وہ غیر معمولی صلاحیت کا مالک تھا۔ اس نے یورپ کے نظام حیات سے متاثر ہو کر انسانیت کو ایک نظریہ دیا جسے جدلیاتی مادیت کا نظریہ کہا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مادہ متحرک اور متغیر ہے۔ مادہ کا تعلق زندگی سے اٹوٹ ہے۔ لہذا ہمارے خیالات، معتقدات اور فکر و احساس مادہ کے تابع ہیں۔ جس طرح حالاتِ زمانہ متبدل ہوا کرتے ہیں اسی طرح زندگی میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس لئے حالات کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی کا آنا ناگزیر ہے۔ مارکس نے دنیا کو اپنے خیالات و افکار سے جس قدر متاثر کیا ہے اس کا کلمہ آج بھی دنیا کے بیشتر افراد پڑھ رہے ہیں۔ مارکس کے مخالفین بھی ان کے کارناموں اور نظریات کی افادیت سے انکار نہیں کرتے۔ مارکس کے نظریات نے زندگی کے ہر شعبے پر اپنا اثر قائم کیا ہے۔ ادب پر بھی اس کے ناگزیر اثرات پڑے ہیں۔ اردو ادب بھی دیگر ادبیات کی طرح ایک طویل عرصہ تک مارکسزم سے اثر قبول کرتا رہا۔ اور رفتہ رفتہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی جسے ہم ترقی پسند تحریک کے نام سے جانتے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کا بنیادی مقصد مثبت اقدارِ حیات کی ترجمانی تھا۔ ترقی پسند تحریک اچانک معرضِ وجود میں آنے والی شے نہیں بلکہ اس کے وجود کا سبب دنیا کے مختلف خطوں میں ابھرنے والے انقلابات و تحریکات ہیں جو انسانی زندگی پر گہرا اثر ڈال رہے تھے۔ بقول مارکس — "اپنے ماحول کے ساتھ میرا تعلق ہی میرا شعور ہے"؛ جنگِ عظیم، صنعتی انقلاب، ۱۹۱۷ء میں روس کا انقلاب، ہٹلر اور مسولینی کی سرکردگی میں فاشزم کی تحریک اور ہندوستان میں جنگ آزادی کی تحریک کے علاوہ مہاجنی نظام کا قلع قمع۔ یہ ساری ایسی قوتیں تھیں جو زندگی پر اثر ڈال رہی تھیں

یورپ کے انقلابات نے ہندوستان کے ان نوجوانوں کو متاثر کیا جو یورپ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان طلباء میں سجاد ظہیر، ملک راج آنند، جیوتی گھوش،

پرمود سین گپتا اور دین محمد تاثیر تھے جنہوں نے ہندوستانی ترقی پسند مصنفین کی انجمن بنائی اور ایک مینی فیسٹو تیار کیا جس کا بنیادی مقصد نئے عصری تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا کر کے نیا شعور حیات بخشنا تھا تاکہ زندگی مایوسی، انتشار اور استحصال سے نجات حاصل کر سکے۔

۱۹۳۵ء میں کلچر کے تحفظ کی غرض سے دنیا کے ادیبوں کی ایک کانفرنس بلائی گئی تھی جس میں میکسم گورکی، رومن رولاں، ٹامس مان، اندرے مارلو، ملک راج آنند اور سجاد ظہیر نے شرکت کی تھی۔ اندرے مارلو نے ایک ایسا خطبہ پیش کیا تھا جس میں پوری دنیا کے ادیبوں کو ایک پلیٹ فارم پر آکر مستحصل زندگی اور افلاس زدہ لوگوں کے مسائل کا حل بتایا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب دنیا کے سارے ادیب یکجا ہو کر ترقی پسند نظریے کی تائید کی تھی اور یہ ارادہ کیا تھا کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ذاتی نہاں خانوں سے نکل کر اجتماعی مفاد اور تہذیب و ثقافت کے اعلیٰ اقدار کی حفاظت کی خاطر رجعت پسند قوتوں سے جنگ کریں اور اپنے فن کو انسانی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ ہندوستان میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس پریم چند کی صدارت میں ہوئی جس میں پریم چند نے ترقی پسند نظریات کی تائید کرتے ہوئے یہ کہا کہ "اب حسن کا معیار بدلنا ہوگا۔ ابھی تک اس کا معیار امیرانہ رہا ہے۔ ہماری کسوٹی پر وہ ادب کھرا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو، جو ہم میں ہنگامہ، حرکت اور بے چینی پیدا کرے سلائے نہیں۔"

اس تحریک میں اردو کے جن نوجوان ادیبوں نے عملی تعاون کیا اور اجتماعی نظام حیات کا تصور دیا ان میں سجاد ظہیر، عبدالعلیم، اختر حسین رائے پوری، مجاز، علی سردار جعفری، مجنوں گورکھپوری، خواجہ احمد عباس، فیض، عصمت چغتائی، خلیل الرحمٰن اعظمی، جاں نثار اختر، بیدی، جذبی، سہیل عظیم آبادی، اختر اورینوی، ڈاکٹر محمد حسن، قمر رئیس، پرویز شاہدی وغیرہ ہیں۔

اس تحریک کو تقویت بخشنے میں مارکسزم نے اہم رول ادا کیا۔ اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے رجعت پسند قوتوں سے نبرد آزما ہونے کی خاطر اپنے قلم کا سہارا لیا اور دو طبقوں کی دیوار کے انہدام کی ہر ممکن سعی کی۔ اس کے لئے انہوں نے مارکسزم سے روشنی حاصل کی۔ مارکسزم نے زندگی، سماج اور اقتصادیات کے بارے میں جو بالغ نظریات پیش کئے تھے ان سے استفادہ کیا۔ مارکس کا خیال تھا کہ زندگی کی ابتدا تصور سے نہیں وجود سے ہوتی ہے اور اس کی بنیاد مادی قوتوں پر ہے۔ انسان کے خیالات و جذبات عصری حالات کے تابع ہوتے ہیں۔ زمانہ متحرک ہے اور اپنے جلو میں تبدیلیوں کا انبار رکھتا ہے۔ اس لئے ہر دور کے حالات ایک جیسے نہیں ہوتے لہذا ہر دور کے انسان کی زندگی بھی ایک جیسی نہیں ہوتی اور شعور جو خارجی محرکات سے غذا حاصل کرتا ہے ساکت و جامد نہیں ہوتا۔ لہذا اس مخصوص دور میں اقدار حیات یکسانیت کا شکار نہیں ہوتیں۔ ادب زندگی کے انہیں تبدیل شدہ حقائق کا ترجمان ہوتا ہے، اپنے وسیع کینوس میں عصری تقاضوں کا دست نگر ہوتا ہے اور بقول مجنوں گورکھپوری "ادب غیر شعوری نتیجہ ہوتا ہے ادیب اور خارجی عالم اسباب کے درمیان جدوپیکار کا۔ شاعر یا کسی دوسرے فنکار کے اندر جو تخلیقی اپج پیدا ہوتی ہے وہ دراصل ایک مطالبہ ہوتی ہے کہ موجودہ خارجی حقائق کو بدلا جائے اور اسکو از سر نو پیدا کر کے پہلے سے بہتر صورت دی جائے۔"

خود مارکس اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ کسی تاریخی تہذیب یا فنکاری اجتماعی ارتقا کی کسی مخصوص ہیئت کی آئینہ داری کرتے ہوئے بھی جمالیاتی اثر پیدا کر سکتی ہے جو اس تاریخی ماحول سے بلند و برتر ہو۔ بڑے شہ پاروں میں آفاقیت کی کرن اس لئے پھوٹتی ہے کہ ان کے خالق ایک ماحول کی حقیقت کو اپنی سطح سے بلند کر کے نئی سطح پر جنم دیتے ہیں اور ارتقا کی صورت حال کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہومر، ورجل، ملٹن، شیکسپیئر، غالب اور فیض وغیرہ زندہ اسی بنا پر رہیں گے۔ ترقی پسند ادیبوں نے حال کی زندگی کی ایسی ترجمانی کی ہے

کہ اس میں مستقبل کی کرن پھوٹتی نظر آتی ہے۔ وہ اشتراکیت سے متاثر ہو کر یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے کہ ادب حال کا آئینہ دار اور مستقبل کا اشاریہ ہوتا ہے۔ انگریزی کے مشہور شاعر ٹینی سن کا قول ہے کہ پرانا نظام بدل جاتا ہے اور خود کو نئے نظام کے حوالے کر دیتا ہے اور خدا اپنی قدرت کے روپ مختلف صورتوں میں دکھاتا ہے تاکہ ایک اچھا نظام دنیا کو بگاڑ نہ دے۔

مجنوں گورکھپوری فرماتے ہیں:

"ہمارا مرکزی تصور یہ ہے کہ ادب ہو یا فلسفہ وہ دراصل تاریخ ہوتا ہے یعنی وہ زمانہ اور ماحول کی پیداوار ہوتا ہے اور زندگی کے تمام اسباب اور حالات سے متاثر ہوتا ہے اور جس طرح یہ اسباب اور حالات دور بہ دور بدلتے رہتے ہیں، جس طرح انسانی معاشرت بدلتی رہتی ہے اسی طرح ادب بھی بدلتا رہتا ہے اور پھر معاشرت کے بدلنے اور بہتر سے بہتر صورت اختیار کرنے میں مدد بھی دیتا ہے۔"

ترقی پسند ادیبوں نے جن خیالات کو محور بنا کر اپنا سفر جاری کیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے ماحول یا معاشرہ کی صورت حال سے نتیجہ اخذ کر کے ادب کو پرانی فرسودہ فضا سے نکال کر نئی دنیا کا ترجمان بنائیں۔ شاعر یا ادیب زمانہ اور ماحول کا پروردہ ہی نہیں پروردگار بھی ہوتا ہے، وہ حساس دل کا مالک ہوتا ہے؛ اس کے دل کی دھڑکنیں زمانے کی بے رحمیوں سے دھڑکنے لگتی ہے۔ وہ مداوائے غم کے لئے تیشۂ قلم کا سہارا لیتا ہے اور فرسودہ نظام کو بدل دینا چاہتا ہے۔ ترقی پسندوں نے اس راہ کی طرف توجہ صرف کی لیکن وہ کہیں کہیں اتنے آگے بڑھ گئے کہ ادب میں سطحیانہ بازی گری ابھر گئی۔ اشتراکی نظریے میں جو سوچا سمجھا عمل تھا اگر اس کی افادیت پر نظر رکھتے ہوئے خالص اجتماعی حالات کی استواری کی غرض سے بلند فنی رنگ و آہنگ اور جمالیاتی کیف و سرود کا خیال رکھتے تو جو الزامات ترقی پسندوں کے سر آتے رہے، شاید ان سے وہ لوگ بچ سکتے تھے۔

ترقی پسند ادب کا مطالعہ اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ اس کی محرک وہ قوتیں ہیں جنہوں نے نہ صرف اردو زبان بلکہ ہندستان کی دیگر ترقی یافتہ زبانوں کو متاثر کیا ہے۔ تاریخ کے کسی زمانے میں کم ایسی قوتیں برسرِ پیکار ہوتی ہوں گی جن سے انسانی کارکردگی اتنی متاثر ہوئی ہو جتنی کہ اس تحریک سے۔ یہی وجہ ہے کہ رشید احمد صدیقی جیسے بالغ نظر کو ترقی پسند تحریک کو سراہتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ تاریخ کے کسی زمانے میں بھی کم ایسی عالم گیر قوتیں منظرِ عام پر آئی ہوں گی جن سے انسانی سرگرمی اتنی متاثر ہوئی ہو جتنی اس ترقی پسند تحریک سے۔ یہ تحریک جو اشتراکی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے زندگی کی نقاب اٹھانے اور اسے بہتر بنانے کی ایک سبیل ہے۔ ترقی پسند ادبی سرمایہ پر توجہ دینے سے قبل اس تحریک سے پہلے کے ادبی سرمائے پر طائرانہ نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ ایک عرصہ تک اردو شاعری پر تخیل کی پروازی کا سایہ تھا۔ طلسماتی جہان کا غلبہ تھا اور گل و عارض سنوارنے میں شعرا کا فن مصروفِ کار تھا۔ زندگی خیالی دنیا کا سرمایہ تھی۔ یہ حقائق کے اس جہان میں سرد و گرم برداشت کرتی ہے جہاں ہم سبھی بास کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اس طلسماتی جہان پر غالب نے ضرب لگائی اور زندگی کی سچی اور کھری ترجمانی میں اپنی انفرادیت کا نقش چھوڑا۔ حالی، شبلی اور آزاد نے ادب کے نئے پیرائے بیان کئے۔ اقبال نے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی تلقین کی اور ان کے افکار کا رشتہ ان کی اپنی دنیا سے قائم کیا ؎

یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہیں
تری نگہ میں ابھی شوخیٔ نظارہ نہیں

ترقی پسندوں نے اور تازیانے لگائے۔ زندگی کی سچائیوں کی تلاش کی۔ محبت کو ارضی روپ میں پیش کیا۔ خوابوں کے طلسم توڑے اور اس طرح ایک جہانِ تازہ کی تخلیق کی۔ موضوع اور ہیئت میں تجربے ہوتے۔ زندگی اور عام مزدور، کسانوں اور پچھڑے طبقے کی زندگی کے گوناگوں مسائل کو ادب کا موضوع بنایا گیا۔ بربریت اور بہیمیت کے خلاف صدائے

احتجاج بلند کی اور استحصال و زرگری کی آہنی زنجیروں کو توڑا۔ انہیں احساس تھا کہ میکدۂ حیات کا نظام بدلنا ہے، پرانے بت توڑنے ہیں اور نئے بت تراشنے ہیں۔ یہ کام کٹھن تھا لیکن عزم راسخ اور بلند حوصلہ کے سہارے انجام تک پہونچے۔

ابتدا میں ترقی پسند ادیبوں نے آزادی کے ترانے گائے۔ برطانوی سامراج کے خلاف آواز اٹھائی۔ ملک کو خوشحال اور بہتر بنانے کی آرزوئیں کیں۔ رجعت پسند قوتوں کے خلاف نعرے لگائے اور ایک ایسے سویرے کی امید کی جو خوشی کا پیامبر ہوتا ہے۔ ترقی پسند شاعروں میں جن کی آوازیں دور دور تک پہونچیں اور ذہن انسان کو متاثر کرنے لگیں ان میں فیض، مخدوم، سردار جعفری، پرویز شاہدی کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ان شاعروں کے یہاں فکر کے اظہار میں توازن اور گمبھیرتا ہے۔ یہ رکیک اور سطحیت کو راہ نہیں دیتے اور شاعری کی جمالیاتی قدروں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان کا فن مجروح نہیں ہوتا۔ ترقی پسند شاعروں نے یہ محسوس کیا تھا کہ ہندستان سامراجیت کا غلام ہے لہذا ادیبوں اور شاعروں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہندستان کی آزادی کی جدو جہد میں اپنے رہنماؤں کے دوش بدوش آگے بڑھے اور ہندوستانیوں میں سیاسی بیداری پیدا کرے، چنانچہ اس دور میں عام روایت سے ہٹ کر یہ کہنے کی جرأت پیدا ہوئی کہ وہ جنگ آزادی میں محبت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ فیض کی نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ" یا سردار جعفری کی نظم "انتظار نہ کرنا" اسی حقیقت کی ترجمان ہیں۔ فیض کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے
اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے
دنیا نے تیری یاد سے بے گانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اس نظم کو دیکھئے ؎

چند روز اور مری جان، فقط چند ہی روز
ظلم کی چھاؤں میں دم لینے پہ مجبور ہیں ہم

. . . .

دل کی بے سود تڑپ جسم کی مایوس پکار
چند روز اور مری جان، فقط چند ہی روز

علی جواد زیدی کی ایک نظم 'میری راہ میں' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تم ساتھ کہاں تک جاؤگی
تم کو تو مجھی سے الفت ہے، تم دنیا بھر کو کیا جانو
رستہ ہے کٹھن، منزل ہے کڑی، کچھ سوچو سمجھو پہچانو
اچھا ہے کہ اب سے لوٹ چلو، گھر جاؤ مرا کہنا مانو

. . . .

اسی زمانے میں مجاز کی نظم " نوجوان خاتون سے خطاب " بے انتہا مقبول ہوئی جس کا یہ شعر ضرب المثل ہوگیا ؎

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

آزادی کے بعد ہندستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور جس سویرا کی امید جاگی تھی اور زمانے کی کروٹوں سے پیمان وفا باندھا گیا تھا اس کا برعکس دیکھا گیا۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک ہمارے سماج میں جس انداز سے افراتفری پھیلی انتشار، ناامیدی، بے یقینی اور منافرت کا دور دورہ شروع ہوا، ہمارے شعراء متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ اس دور کے سرمایوں میں ظلم و استبداد کے خلاف آواز، سرمایہ داروں کے استحصال کے خلاف نعرے ملتے ہیں۔ شعراء نے پورے انہماک کے ساتھ بربریت، زرگری، بے یقینی اور ظلم کے خلاف صف آرائی کی اور ان برائیوں کا پردہ چاک کیا جو انسانیت کے دامن کو تار تار کرتی ہیں۔ فیض، مخدوم، جذبی، سردار، مجروح اور کیفی کے یہاں انہی حالات کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ سردار جعفری کی "قیدی کی موت" کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

اس نگار کے تصور ہی سے ہے دل پاش پاش
اک پھٹے کمبل کے ٹکڑے پہ ہے اک قیدی کی لاش
کھینچ کے آیا ہوں سے بھرائی ہوئی آنکھوں میں درد
اینٹھے ہونٹوں پہ جم کر رہ گئی اک آہِ سرد

مخدوم محی الدین کی شاعری ترقی پسندی کا نعرہ نہیں بنتی۔ فیض کی شاعری کا حسن دمکتا ہے اور وہ شعریت کو مجروح ہونے سے یکسر بچاتے ہیں۔ ان کے خیال کی رفعت ان کے فنی رنگ میں کہیں جاذب نظر آتی ہے۔

ترقی پسند تحریک نے نئی اصناف کو اپنے احاطہ میں جگہ دی۔ آزاد نظم، نظم معریٰ وغیرہ کے تجربے ہوئے اور یہ تجربے کامیاب رہے۔ ناول اور افسانہ کے علاوہ خاکہ نگاری، سیرت نگاری اور تنقید کی طرف توجہ صرف کی گئی۔ ناول نگاروں میں خواجہ احمد عباس، کرشن چندر، بیدی، عصمت وغیرہ نے انتہائی شہرت حاصل کی۔ قاضی عبدالستار، حیات اللہ انصاری اور سہیل عظیم آبادی کے ساتھ ساتھ صالحہ عابد حسین کے ناول بے حد مقبول ہوئے۔ پریم چند نے جس حقیقت نگاری کی طرف توجہ صرف کی تھی ترقی پسند ناول نگاروں کے کارنامے اس کی توسیعی کڑی بن گئے۔ کرشن چندر کا "شکست"، عصمت چغتائی کا "ٹیڑھی لکیر"، بیدی کا "ککھو جلی"، خواجہ احمد عباس کا "انقلاب"، سہیل عظیم آبادی کا "بے جڑ کے پودے" اور دیگر ناول نگاروں کے متعدد کارنامے سماجی زندگی کے اعلیٰ ترجمان ہوئے اور زندگی کی حقیقتوں کا دلکش نقشہ کھینچا گیا۔

اردو افسانہ نگاری نے پریم چند کے ہاتھوں ایک مکمل صنف کی حیثیت حاصل کی اور حقیقت نگاری کی قابلِ قدر ترجمان ہوئی لیکن اسے ترقی پسند تحریک کے زیرِ سایہ جلا ملی۔ جن افسانہ نگاروں کو خاص مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ان میں کرشن چندر، بیدی، عصمت، خواجہ احمد عباس، سہیل عظیم آبادی، رام لعل، عابد سہیل، شین مظفر پوری، صالحہ عابد حسین، شکیلہ اختر، جیلانی بانو وغیرہ کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ ان فن کاروں میں جن کی تخلیقات نے اردو افسانہ نگاری کو وسعت و جامعیت بخشی اور ایک نئی سمت جہت عطا کی وہ کرشن چندر، بیدی اور عصمت ہیں۔ ان کے کاروں کو زندگی کی سچائیوں کی تلاش ہے اور سماجی بصیرت ملتی ہے۔ ان کہانی کاروں نے سماجی اقدار کی شکست و ریخت دی اور اجتماعی نظامِ حیات کا اظہار کیا۔

ترقی پسندی کے دور میں اردو تنقید نے بھی خاطر خواہ ترقی کی۔ جس پودے کو حالی نے لگایا تھا اس کی اچھی دیکھ ریکھ کے نتیجے میں ترقی پسندوں نے پھل کھایا۔ فرق یہ ہے کہ حالی نے عہد کے مزاج سے آشنا ہو کر اخلاقی پہلو کو اجاگر کیا تھا اور ترقی پسندوں نے سماجی معنویت کی بات کی۔ ان کے یہاں تجزیے کا مخصوص سانچہ مرتب ہوا اور سماجیت پر زور دے کر زندگی کو مادی نقطۂ نظر سے پرکھنے کا عمل جاری ہوا۔ ترقی پسند ناقدوں میں مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین، عبدالعلیم، اعجاز حسین، آل احمد سرور، علی سردار جعفری، خلیل الرحمٰن اعظمی، اختر اورینوی، محمد حسن، شکیل الرحمٰن، قمر رئیس، افصح ظفر وغیرہ کے نام بطور خاص پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ان ناقدوں کا تنقیدی رویہ اشتراکی ہے۔

ہمارا ادب ایک زمانہ تک یاسیت اور تخیل کی وادی میں بھٹک رہا تھا۔ کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ فنکاروں نے اس گھپ اندھیرے میں شمع فروزاں کی اور تن بہ تقدیر رہنے کے بجائے جدوجہد کی طرف گامزن کیا۔ ہم جس نیم بارانی خطہ یا براعظم میں رہتے ہیں وہاں افلاس ہی افلاس اگتا ہے، دکھ پلتا ہے، یاسیت کا راج ہے۔ ترقی پسندوں نے یاسیت کی گھٹی ہوئی فضا سے انسان کو نکالا، ایک آزادانہ ماحول دیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض صفات کے اظہار میں اتنے شدت پسند ہو گئے کہ ان کی آواز کی گونج سلب ہو گئی اور بے جا نعرے زیادہ ابھر گئے۔ لیکن جن سچے فن کاروں نے روشنی بکھیری اور ادب کی جمالیاتی قدروں کا ممکن لحاظ رکھا ان کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

سات نومبر

ولی رضوی

یہ وہ تاریخ ہے قائم ہے جس سے عظمتِ محنت!
اسی تاریخ کو خونِ شہیداں رنگ پر آیا
اسی تاریخ کو نکلا جنازہ زار شاہی کا
اسی تاریخ نے ہر رسمِ عہدِ باستاں بدلی
اسی نے اپنے مستقبل کی رودادِ جہاں بدلی!
اسی نے "دستِ دولت آفریں" کو خود یقینی دی
جو مجبورِ نظر اب تک تھے ان کو دور بینی دی!
سرِ مزدور کو اونچا کیا اور آبرو بخشی
لبِ مجبورِ خاموشی کو رنگیں گفتگو بخشی

یہ وہ تاریخ ہے اہلِ خرد جس پر ہنسے اک دن
کسی چرچل نے فرمایا ــــ "مزے کا یہ تماشا ہے
ہے پیچھے بھیڑ دیوانوں کی آگے ڈھول تاشا ہے
یہ مزدور اور چرواہے حکومت کرنا کیا جانیں؟
یہ تھک جائیں گے ــ سر پیروں پہ رکھ کر گڑگڑائیں گے
بس اک ہفتے کی مہلت دو، یہ خود ہی بھاگ جائیں گے
یہ اُلّو باز کیا جانیں حکومت کس کو کہتے ہیں
سیاست کس کو کہتے ہیں حقیقت کس کو کہتے ہیں"
اسی تاریخ نے لیکن "حقیقت" سب کو سمجھا دی
"وہی دنیا کے مالک ہیں جو محنت کش ہیں دنیا میں"[1]
پھٹے دامن جو آئے تھے وہی ریشم سے ہیں پیوند
جو روڑے راہ کے سمجھے گئے تھے آج ہیں الوند[2]
نہ چنگیزی، نہ تیموری، نہ کوئی زار شاہی ہے
بس اک مزدور کی محنت ہے جو عالم پناہی ہے

ع ۱ کارل مارکس ۔ ع ۲ روس میں اک پہاڑی کا نام ۔

سائنسی مطالعہ کیلئے ریاستی حکومت کا عطیہ

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال سائنس اور ٹکنالوجی کمیٹی کو، بن بجلی، فوٹو۔ والٹائیک پمپس اور بائیو۔ گیس پلانٹ تنصیب کرنے کے سلسلے میں سندیش کھالی۔ I بلاک ۲۴ پرگنہ میں جائزہ لینے کے کام کے لئے ۵۰۰۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

پروفیسر ایس۔ دیب، اسکول آف انرجی اسٹڈیز، الیکٹرونکس ڈیپارٹمنٹ، جادب پور یونیورسٹی، اس جائزہ کے کام کے، انچارج ہوں گے۔ اس اسکیم کو تکمیلی مضافاتی توانائی منصوبہ پروگرام کے تحت بروئے کار لایا جا رہا ہے ؛؛

ڈھاکہ یونیورسٹی کیلئے ریاستی حکومت کا علامتی عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے جگنا تھ ہال کی، گزشتہ ۱۵ اکتوبر کو جس کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا تھا، تجدید کیلئے ۵۰ ہزار روپئے بطور علامتی عطیہ دئے۔

اس کے علاوہ ریاستی حکومت، ان لوگوں کیلئے جو اس حادثہ میں مجروح ہوئے ہیں، اسٹوڈنٹس ہیلتھ ہوم کے ذریعہ کچھ مقدار میں خون بھی سپلائی کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا ہال بنگلہ ثقافت کی تابناک ہستیوں سے عرصہ دراز سے وابستہ ہے اور اس بات کے پیش نظر یہ عطیہ دیا گیا ؛؛

ہومیوپیتھک کالج اور ہسپتال کو عطیہ

ریاستی حکومت نے ماہ اگست اور ستمبر ۸۵ء کے دوران ہسپتالوں کے ۵۰ بستروں کی دیکھ بھال کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے مدنا پور ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال کو ۴۴ ہزار روپئے کی منظوری دے دی ہے ؛؛؛

لندن کے قومی فلم تھیٹر پروگرام کے لئے "کونی"

لندن میں قومی فلم تھیٹر پروگرام میں شرکت کے لئے شری سورج دے کی ہدایت میں حکومت مغربی بنگال کی بنائی ہوئی فلم "کونی" کا انتخاب کیا گیا ہے۔ فلم ۱۷ اکتوبر کو دکھائی جائے گی فلم کے ڈائریکٹر کو اس میلہ میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ نومبر کے مہینے میں پرتگال میں ہونے والے فلمی میلہ میں بھی شرکت کیلئے اس فلم کا انتخاب کیا گیا ہے ؛؛

شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب مالیاتی کارپوریشن کیلئے ۱۵ لاکھ روپئے کا عطیہ

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب ترقیاتی اور مالیاتی کارپوریشن کو ۸۶-۸۵ء کے دوران ۱۵ لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ یہ رقم مذکورہ بالا کارپوریشن کے سرمایہ حصص میں عطیہ کے طور پر شیڈولڈ ٹرائب کی رفاہ کے لئے معاشی اور ترقیاتی پروگرام کو بروئے کار لانے کیلئے دی جائے گی ؛؛؛

بقیہ: اردو ادب پر مارکسزم کے اثرات

تقریباً ۲۵ برسوں سے زائد اشتراکی نقطہ نظر کی گہری چھاپ چڑھتی گئی اور شاعروں اور ادیبوں نے مارکسی نظریہ ارتقا کو بنیاد بنا کر ادب کی تزئین کی، جدید مسلسل کی دعوت دی۔ یاسیت کے اندھیروں سے ہٹایا اور فن کے مختلف تجربے دئے۔ آج بھی ان کے اہم نقوش فن کاروں کے لئے مشعل راہ ہیں ؛؛

تبصرہ

کتاب : "معصوم کرنیں"
شاعر : حشمت کمال پاشا
ناشر : "پاشا پبلیکیشن"
119- بنگالی بازار - کلکتہ ۲۴
قیمت : پندرہ روپئے

اردو زبان میں بچوں کا ادب نسبتاً کمزور اور محتاجِ قلم ہے۔ بچوں کے لئے اب تک جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک ادب کے لئے کافی نہیں۔ اگرچہ نظیر اکبرآبادی، اقبال، تلوک چند محروم، اسمٰعیل میرٹھی، حامد اللہ افسر، شفیع الدین نیئر نے بچوں کے شعری ادب کو استقامت بخشنے کی پُرخلوص کوششیں کی ہیں لیکن ان کوششوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ہم عصر اور بعد کے قلمکاروں نے کوئی جامع قدم نہیں اٹھایا۔ نتیجتہً اردو میں بچوں کا ادب کم مائیگی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ادب میں اس کمی کو پُر کرنے کی غرض سے گزشتہ دہائی سے اردو کے کچھ قلمکار مستقل طور پر خامہ فرسائی میں مصروف ہیں۔ ان قلمکاروں میں ایک روشن نام حشمت کمال پاشا کا ہے ۔ اردو حلقوں میں "بچوں کے شاعر" کے نام سے متعارف ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں بھی لکھیں، غیر ملکی زبانوں سے ترجمے بھی کئے اور کثیر تعداد میں نظمیں بھی کہیں۔ یہ نظمیں "معصوم کرنیں" بن کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ہر اعتبار سے قابلِ قدر ہے۔ سرِ ورق جاذبِ نظر اور بامعنی طباعت اور گیٹ اپ عمدہ اور قیمت مناسب ہے۔ عنوان کی مناسبت سے ہر نظم کے ساتھ اسکیچ، نظم کی معنویت کو زیادہ اجاگر کرتا ہے۔ قابلِ قدر بات یہ ہے کہ نظموں میں بچوں کی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ چھٹی، کھیل کود، پہیلیاں، سبق، تعلیم غرض بچوں سے متعلقہ ہر بات کو شعری پیکر میں اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ لفظ لفظ بچوں کی معصومیت اور انکی ذہنی نفسیات کا عکس بن کر سطحِ ذہن پر ابھرتا ہے۔ حشمت کمال پاشا کا کمال یہ ہے کہ وہ موقع اور محل سے ہر بات کہتے ہیں اور ہر بات میں کہیں نہ کہیں بچوں کے لئے درسِ عمل چھوڑ جاتے ہیں اور جہاں کہیں بھی موقع ہاتھ آتا ہے ہمارے غلط رواج پر طنز بھی کر جاتے ہیں۔ پاشا کی نظمیں بچوں کے لئے باعثِ کشش اس لئے بھی ہیں کہ انہوں نے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے وہ بچوں کی دلچسپی اور ان کی پسند کے مطابق ہیں۔ اس لئے انکی نظمیں جہاں بچوں کے ذوقِ مطالعہ کو تشفی بخشتی ہیں وہیں بچوں کے ذہنی ارتقاء اور معلومات افزائی میں مدد بھی فراہم کرتی ہیں۔ ان کی نظموں کا مطالعہ ایک طرف بچوں کے دلوں میں قومی یکجہتی کے جذبے پیدا کرتی ہیں تو دوسری جانب ان کے اندر اخلاقیات کی اعلیٰ قدروں کو جنم بھی دیتی ہیں۔

یہ کتاب یقیناً ہمارے مستقبل کی سنوار اور ایک صاف ستھرے سماج کی تشکیل کے کام میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اس با مقصد کتاب کا مطالعہ ہر بچے کے لئے لازمی قرار دیا جا سکتا ہے۔

حشمت کمال پاشا "معصوم کرنیں" کی اشاعت کے سلسلے میں یقیناً اردو دوستوں کی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

— مصطفٰے اکبر

تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے۔
— مدیر

کتاب : حسن وعشق
شاعر : نور بخش نورؔ کلکتوی
ناشر : مصنف،
51/8 ۔ شمس الہدیٰ روڈ ۔ کلکتہ ۱۷
قیمت : بارہ روپئے

'حسن وعشق' شاعر کا پہلا مجموعۂ کلام ہے جو ۱۴۴ صفحات اور ۱۳۳ غزلوں پر مشتمل ہے ۔ اس کی اشاعت میں مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا مالی تعاون شامل ہے ۔ مجموعہ میں شامل غزلیں عام طور پر روایتی انداز کی شاعری کی مثالیں ہیں ۔ شاعری کا مزاج مخلصانہ، ناصحانہ اور عاشقانہ ہے ۔ زبان کی چاشنی، سادگی، نرمی، برجستگی اور نغمگی ان کی شاعری میں خوب ہیں ۔

آپ ہنسئے نہ میری صورت پر ؛ آپ کی دوسری تصویر ہے یہ

آسرا ہے تو آسرا تیرا ؛ تو سہارا ہے بے سہاروں کا

نورؔ صاحب کے یہاں روایتی شاعری کے بہترین نمونے موجود ہیں جن میں سیدھے سادے خیال، پاکیزہ جذبات اور عام فہم الفاظ کے ساتھ سہل تراکیب کا استعمال، محاورہ بندی، رعایت لفظی، سنگلاخ زمینوں سے احتراز وغیرہ وہ خوبیاں ہیں جو شاعر کی انفرادیت کو نمایاں کرتی ہیں ۔

مجھ سے کبھی کرو تو ملاقات کم سے کم ؛ تم سے تو کر لوں دل کا دو اک بات کم سے کم
بات مطلب کی کہاں کرتے ہیں آپ ؛ آپ تو کرتے ہیں باتیں اور اور
زلف شب گوں کی قسم رات ڈھلی جاتی ہے ؛ زندگی کرنے کا اب بھی کوئی ساماں کر دو

دراصل نورؔ صاحب نے پرانی قدروں سے اپنی شاعری کے نمونوں کو اخذ کیا ہے ۔ جن کی اہمیت ہر دور میں تقریباً یکساں دیکھنے میں آتی ہے ۔ حسن وعشق کے جذبات جو پہلے تھے وہ آج بھی ہیں ۔

ہاں! اس جذبے کا طریقۂ اظہار کچھ بدل گیا ہے ۔ انہوں نے دلی جذبات اور احساسات کو جس سلیس اور سادہ وشگفتہ پیرایے میں بیان کیا ہے وہ ان کی شاعرانہ صلاحیت کا غماز ہے ۔

کہیں تیرا تذکرہ ہے کہیں میرا تذکرہ ہے
کہیں حسن کی کہانی کہیں عشق کا فسانہ

واقعہ یہ ہے کہ شاعر کی نظر میں حسن وعشق دونوں کا یکساں احترام ہے ۔ ان کے نزدیک حسن زندگی کے لئے باعث تحریک ہے تو عشق وسیلۂ نجات ۔

عشق نے ہم کو بنایا کام کا ؛ اس سے پہلے ہم کہاں تھے کام کے

غالبؔ نے جس جذبہ کے تحت عشق کو مورد الزام ٹھہرایا کہ "عشق نے غالبؔ نکما کر دیا" نورؔ صاحب اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

اس بلندی پر ہمیں عشق نے پہونچایا ہے نورؔ
وہ بلندی کہ نہ جہاں وہم وگماں تک پہونچے

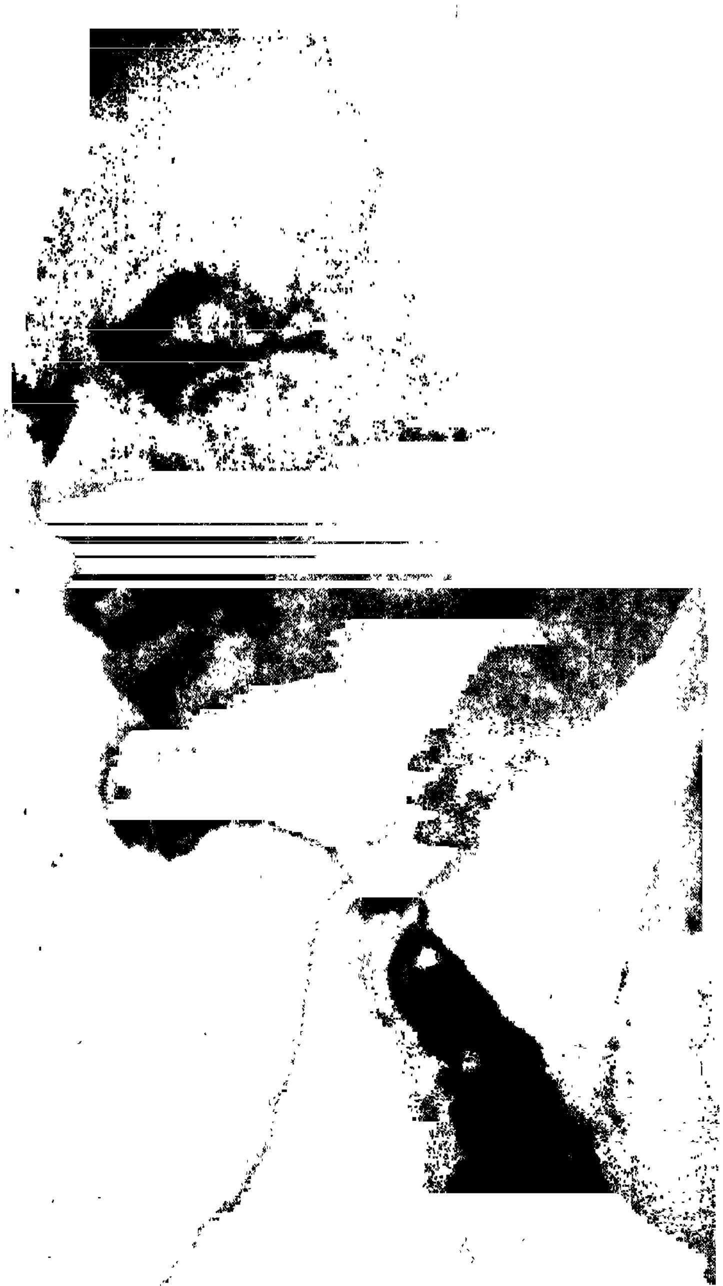
شاعر کا یہی خلوص فکر اور خلوص اظہار کہیں کہیں اتنا موثر ہو ہے کہ ذہن ودل دونوں کے لئے تسکین کا سامان مہیا ہوتا ہے ۔ تغزل کے رنگ ودروغن کی لو پورے آب وتاب کے ساتھ روشن نظر آتی ہے ۔

تھک کے دم توڑ دیا صبح کی امید نے آہ ؛ رات ڈھلتی ہی گئی اور سویرا نہ ہوا
کیا جانے جھک گئی ہے جبیں میری کس لئے ؛ نقش قدم تو اس کا سر رہگذر نہیں
اک جہاں یوں تو تری راہ طلب میں ہے رواں ؛ کس کو معلوم ہے اب کون کہاں تک پہونچے

غرض کہ حسن وعشق کی غزلوں میں جو کچھ کہا گیا ہے اور جس طرح کہا گیا ہے "غزل کی تہذیب" کی چھاپ ان میں موجود ہے ۔

بس یہ کہ مجموعہ میں "الف" تا "ی" کی پابندی اور ترتیب طبع رواں پر گراں گزرتی ہے ۔ ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بعض زمینوں پر مجبوراً غزلیں کہی گئی ہیں ۔ اس عمل سے ان کی شاعری کا معیار مجروح ہوتا ہے ۔ کیا خوب ہوتا کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں انتخاب سے کام لیا جاتا ۔ عدم انتخاب کی وجہ سے اشعار 'بلند اور بلحاظ پست' ہیں ۔ مجموعہ میں غزل کی کیف آفرینی، تاثیر عشق، کرشمۂ حسن اور پاکیزگی اظہار ہمارے تھکے ہارے ذہن ودل دونوں کو ایک سکون، ایک لذت بخشتی ہے ۔ اس لحاظ سے حسن وعشق کی اشاعت لائق تحسین ہے ۔

(محمد اعظم)



MAGHREBI BANGAL
15 November 1985

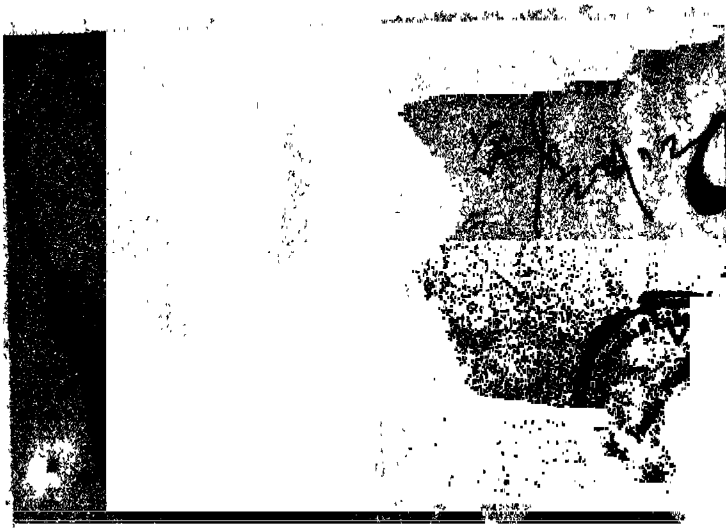
Vol. 32 No. 21
PRICE 25 Paise



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۱۷ر اگست ۱۹۸۵ء کو بھات پاڑا میونسپلٹی میں پریم چند صد سالگرہ بھون کا افتتاح کرتے ہوئے

(نیچے) پریم چند صد سالگرہ بھون

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta 700 004.



مغربی بنگال

یکم دسمبر ۱۹۸۵ء

پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتمن بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

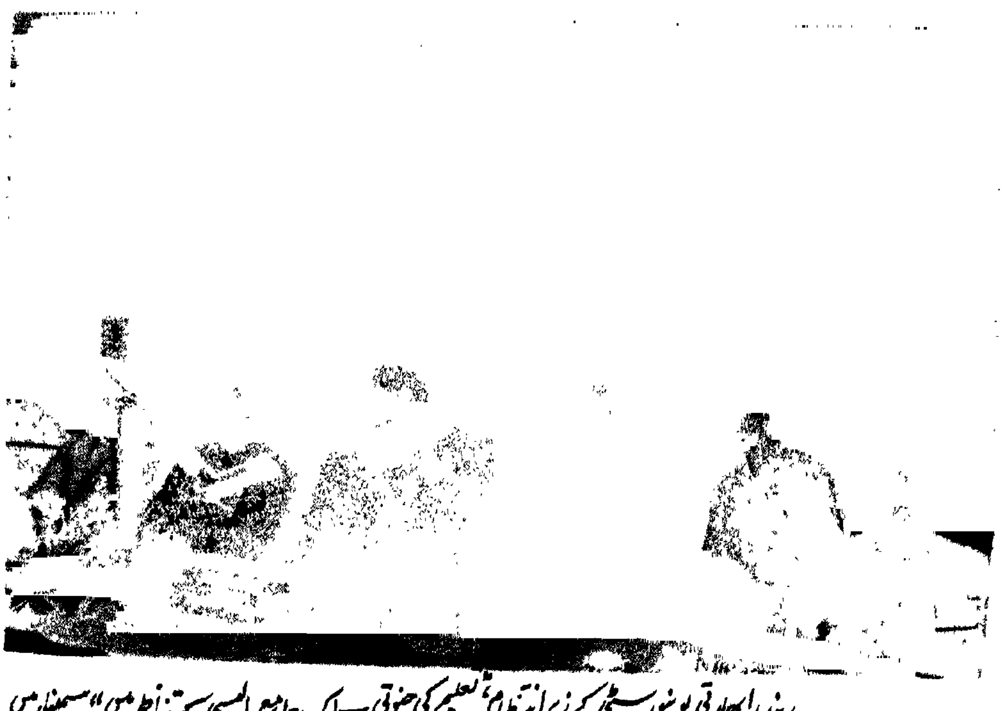
جلد نمبر ۳۲ * یکم دسمبر ۱۹۸۵ء * شمارہ نمبر ۲۲

شرحِ خریداری

اس شمارہ کی قیمت : ۱۲ پیسے * سالانہ : تین روپئے

ترسیل زر کا پتہ

برنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳-آر.این.مکھرجی روڈ۔ کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱



رابندر بھارتی یونیورسٹی کے زیر انتظام "تعلیم کی چنوتی — ایک جامع پالیسی کے تناظر میں" سیمینار میں مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر ڈکشت تقریر کرتے ہوئے۔ گورنر کے دائیں طرف وزیر اعلیٰ تعلیم شری شمبھو گھوش اور بائیں طرف ابتدائی و ثانوی تعلیم شری کانتی بسواس بھی دیکھے جا سکتے ہیں

بائیں محاذ حکومت کی صنعتی پالیسی کے چند پہلو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کا اخباروں کے نامہ نگاروں سے بات چیت

وزیر اعلیٰ کا "بزنس اسٹینڈرڈ" اخبار کے نامہ نگار سے انٹرویو (۱۲ جون سنہ ۱۹۸۵ء)

سوال: حالیہ مہینوں میں مغربی بنگال میں مشترکہ سیکٹر کے صنعتی اداروں کو فروغ دینے کے لئے آپ کے عملی رویے کی بابت لوگ بات چیت کر رہے ہیں۔ آپ کا سیاسی نظریہ کیا ہے۔

جواب: ہمارے پارٹی پروگرام (جسے سی پی ایم کی سیاسی حکمت عملی کہا جا سکتا ہے) کی دفعہ ۱۱۲ میں اس نقطہ کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس میں ایسی حکومتیں قائم کرنے کے امکانات کو خارج از بحث قرار نہیں دیا گیا ہے، جنہوں نے عوام کو فوری امداد پہنچانے کا عہد کیا اور اس کے ساتھ ہی موجودہ بورژوائی اور زمیندارانہ ریاست اور حکومت (جیسی کہ مرکز میں ہے) کو بدلنے کی ضرورت سے لوگوں کو تعلیم سے روشناس کرنے کی ذمہ داری سنبھالی۔

ہندستانی ماحول میں مارکسزم کے عملی اصولوں کی بابت ہم نے جو کچھ سمجھا اس کا لب ولباب یہی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم اشتراکیت یا ایک بنیادی تبدیلی لانا چاہتے ہیں۔ جب تک ہم مرکز میں برسر اقتدار نہیں آتے اس وقت تک ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ایسی حکومتوں میں رہتے ہوئے، ہم صرف بہتر انتظامیہ کی کوششیں کر سکتے ہیں تاکہ لوگ ایسے فرق اور رکاوٹوں کو سمجھ سکیں۔

کلکتہ چیمبر آف کامرس میں ۱۹ ر اگست سنہ ۷۷ء کو میں نے اپنی تقریر میں صنعت کاروں اور تاجروں سے کہا کہ وہ مخصوص نظریہ اپنائیں۔ ہم لوگوں نے ملی جلی معیشت (کے تصور) کو تسلیم کر لیا تھا گرچہ ہم اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ درحقیقت کوشش یہ ہوتی ہے کہ جاگیردارانہ نظام سے جوڑی جیسے معاہدہ کر کے سرمایہ دارانہ نظام کی تعمیر کی جائے۔ ہم لوگ اشتراکیت کے لئے دہلی کے نعروں کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے ہم نے ہمیشہ عوامی یا ریاستی سیکٹر، پرائیویٹ سیکٹر اور مشترکہ سیکٹر کا ذکر کیا۔ میں نے صنعت کاروں سے کہا کہ میں آپ لوگوں کو مدعو کرتا ہوں کہ اپنے کمائے نفع کو مغربی بنگال میں سرمایہ کاری پر خرچ کریں اور یہاں نئی صنعتیں قائم کریں۔ مزدوروں سے اچھا برتاؤ کریں، ڈر اور خوف کی کوئی وجہ نہیں۔

درحقیقت ان باتوں کو میں اس وقت سے دہرا تا جا رہا ہوں۔ ایف ای آر اے اور ایم آر ٹی پی کمپنیوں کی بابت میں یہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے انہیں خوش آمدید کہا کہ وہ آئیں اور یہاں موجودہ قوانین کے دائرہ عمل میں رہتے ہوئے سرمایہ کاری کریں۔ ہم ان کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔ مغربی بنگال میں مشترکہ سیکٹر کے نام کا کوئی کاروبار نہ تھا۔ اگر ہم پرائیویٹ سیکٹر کو مدعو کرتے ہیں تو کیا ایسا کرنا مشترکہ سیکٹر کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ مثال کے طور پر فلپس کمپنی کے کیس کو لیجئے۔ یہ کمپنی مغربی بنگال میں ایک لائسنس حاصل کرنے کے لئے گزشتہ چالیس برسوں سے کوشش کر رہی ہے۔ سنہ ۱۹۶۷ء میں بھی کمپنی کو کوئی لائسنس نہیں ملا۔ لیکن اس کمپنی کو مغربی بنگال میں لائسنس کیوں نہیں ملا؟

حال ہی میں اس نے ایک بار پھر درخواست داخل کی۔ اس کمپنی نے بتایا کہ اس کے بغیر مغربی بنگال میں ان کی موجودہ صنعتی یونٹ بیمار ہو جائے گی۔ میں نے لائسنس حاصل کرنے میں ان کی مدد کی۔ اسی طرح جی۔ ای۔ سی نے بھی لائسنس کے لئے درخواست داخل کی تھی تو اسے بھی لائسنس نہیں ملا۔ لائسنس کے لئے درخواست کرنا تو غیر قانونی کام نہیں ہے۔ اس کمپنی کو دیگر ریاستوں کے لئے لائسنس ملا تو پھر مغربی بنگال کے لئے کیوں نہیں دیا گیا۔

ہلدیہ اور کلیانی میں پرائیویٹ سیکٹر نے بہت ساری صنعتی یونٹیں قائم کی ہیں۔ مشترکہ سیکٹر کی بھی یہاں چند یونٹیں جیسے اینڈروپولیٹل ہیں۔ کھڑگپور میں بھی چند بڑی یونٹیں قائم کی گئی ہیں۔ ہم نے ان کی مدد کی۔ برآمد علاقے بھی دوسری جگہ قائم کئے گئے، لیکن مغربی بنگال کے لئے ہم لوگوں نے بار بار درخواستیں کیں، جو رائیگاں ثابت ہوئیں۔ یہاں پرائیویٹ اور مشترکہ سیکٹروں میں صنعتی یونٹیں قائم کی جا رہی ہیں، اس لئے اس میں نئی بات کہاں سے پیدا ہو گئی۔

بدقسمتی سے مغربی بنگال میں جدید صنعت نہیں ہے اگر یہاں ایسی صنعتیں ہیں بھی تو انہیں مرکزی یا پرائیویٹ سیکٹر ہی قائم کر سکتا ہے۔ ہم اپنے طور پر یہاں ایسی صنعتیں قائم نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو برسوں پہلے صنعتیں قائم کرنے کا خیال چکا تھا۔ میں نے پانچ سال تک انتظار کیا۔ یہ ایک غلطی ہے جو میں نے کی، لیکن میرے پاس اس کے سوا دوسرا راستہ نہ تھا۔ ہم روپئے کہاں سے لائیں۔ تب یہ پرائیویٹ صنعت کار (شاید مسٹر آر۔ پی۔ گوئنکا سے مراد ہے) آگے آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے اور ہم لوگ مشترکہ سیکٹر میں ہوں گے بشرطیکہ وہ فنڈ فراہم کر سکیں اور میں نے ان کی باتوں کو تسلیم کر لیا۔

الیکٹرونکس کے لئے میں برسوں سے اس سلسلہ میں کوششیں کر رہا ہوں۔ میرا یہ خیال تھا کہ دہلی ایسی صنعتوں کا انتظام کرے گی، لیکن بی۔ ای۔ ایل نے ایسا نہیں کیا۔ یہاں بھی ہم نے برسوں انتظار کیا۔ اب ہم لوگوں نے ان تمام باتوں کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ یہاں صنعتوں کے قیام کے لئے ہم خود ہی کوشش کریں گے۔ ایک ویبل (Webel) ہے۔ اس ویبل کی توسیع کے لئے ہم لوگ پرائیویٹ سیکٹر کو سامنے لا رہے ہیں۔ اگر ہمارے ریاستی سیکٹر کی حکومت ہند یا مالیاتی ادارے مدد نہ کریں، تو ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ مارکسزم ایک سائنس بھی ہے اور میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ سمجھا وہ ان اقدامات سے ظاہر ہے۔

ایک اور کیس 'کیٹالسٹ پلانٹ' کا ہے۔ اس پلانٹ کو ہندوستان لیور' ہلدیا میں نصب کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس وقت کے متعلقہ مرکزی وزیروں شری وسنت ساٹھے اور رام چندر رتھ سے اس سلسلہ میں بات چیت بھی کی۔ مسٹر رتھ نے وعدہ بھی کیا کہ ایسا ہو گا۔ انہوں نے مجھے متعلقہ فائیل بھی دکھلائے، لیکن اس یونٹ کو گجرات میں نصب کرنے کی اجازت دی گئی۔ ہلدیہ یونٹ کے لئے یہ قیاس آرائی کی گئی کہ آئی۔ سی۔ آئی، آسٹریلیا سے کوئی غیر ملکی تکنالوجی فراہم نہیں ہو گی۔ اب ہندوستان لیور نئی سرمایہ کاری کے لئے تقریباً ۱۰ کروڑ روپئے لئے انتظار کر رہا ہے۔ ہم ان کی تائید کریں گے۔ معاشی سرگرمیوں کی توسیع سے مراد لوگوں کے لئے زیادہ روزگار ہے۔

مرکزی سیکٹر کی ایک یونٹ نے ہلدیہ میں تیل کھوج پلاٹ فورمس کے لئے تیل تیار کرنے کا آرڈر حاصل کیا۔ اس یونٹ کے لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ انہیں اس کام کاج میں کسی قسم کی دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ان کی مدد کریں گے اور ان کیساتھ تعاون کریں گے۔

مغربی بنگال میں صنعتی افزائش کے آثار تو نظر آ رہے ہیں، لیکن اب بھی ہم حکومت ہند کی سرمایہ کاری کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ اس کے پاس کافی روپئے ہیں، ورنہ اس کام کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کر دینا چاہئے۔ ہم پرائیویٹ سیکٹر کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ وہ بذات خود آزادانہ طور پر یا مشترکہ

نہیں ہیں۔ اس وقت ہم نے اس بات کی امید کی تھی کہ کم از کم ایک دو صنعتیں — الیکٹرونکس، جہاز سازی/مرمت یا پیٹرو کیمیکلس جن کے لئے ہمیں جنتا حکومت کے دور میں اجازت بھی مل گئی تھی، یہاں قائم کی جائیں گی۔ ہم لوگ چار یا پانچ برسوں تک اس سلسلے میں اپنے طور پر ضروری اقدامات کرتے رہے لیکن آخر میں یہاں کوئی صنعت قائم نہیں کی گئی۔ ہم نے الیکٹرونکس کے لئے ۱۰۰ ایکڑ قطعات اراضی مختص کر دئے تھے لیکن ہمیں بتایا گیا کہ یہاں ایسی صنعت قائم نہیں کی جائے گی۔ آخر میں ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ ساتویں منصوبہ میں یہاں صنعتیں قائم کرنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔

اسی دوران میں نے یہاں چند چھوٹی صنعتوں کے قیام کے لئے پرائیویٹ کمپنیوں سے بات چیت کی۔ چند کثیر الاقوامی کمپنیوں سے بھی بات چیت کی، نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔

تب مسٹر آر۔ پی۔ گوئنکا آئے اور انہوں نے پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ میں اپنی دلچسپی دکھائی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ صنعت قائم کرنے کی اجازت نامہ کو بروئے کار لائیں گے۔ اس پروجیکٹ کی نوعیت کے پیش نظر انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مشترکہ سیکٹر میں اس صنعت کو قائم کرنا چاہئے۔ ہم لوگوں نے اس سلسلہ میں انتظامات کئے اور بہت ہی جلد ایک معاہدہ پر دستخط ہو گیا۔ اب بہت ہی جلد ان لوگوں سے بات چیت ہوگی جنہیں ٹکنالوجی سپلائی کرنی ہے۔ اس طرح یہ بہت ہی اہم ترقیاتی قدم ہے اور ہلدیہ میں اس صنعت کے لئے لگ بھگ ۶۴۵ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔

اس کے علاوہ بھی میں بہت سارے چیمبرس آف کامرس اور پرائیویٹ سیکٹر کے بہت سارے لوگوں سے ملاقات کر رہا ہوں اور انہیں سرمایہ کاری کے لئے کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے اس سلسلے میں کچھ کرنے کا وعدہ کیا لیکن ابھی تک اس سلسلے میں تھوڑا بہت کچھ کیا گیا۔ جہاں تک مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن کا سوال ہے تو اس کے پاس بھی اتنے فنڈ نہیں ہیں اور اس لئے وہ بھی یہاں زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مرکزی حکومت نے

سیکٹر میں کام کر سکتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ سرمایہ کاروں نے مغربی بنگال میں دلچسپی لینے میں بڑی تاخیر کی۔ سرمایہ کاری کے لئے دیگر ریاستوں کے مقابلے میں یہاں فضا سازگار ہے۔ سرمایہ کار بہت دور اندیش ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو ضرور دیکھ رہے ہیں کہ ہندستان کے دیگر علاقوں میں کیا ہو رہا ہے۔ ترقیاتی مشیروں کے شری سادھن دت یہاں آئے اور مجھ سے ملاقات کی۔ وہ وتے بل کے ساتھ پرائیویٹ یا مشترکہ سیکٹر میں یونٹ قائم کر سکتے ہیں۔ میں نے انہیں دیگر سہولتوں کی فراہمی کا یقین دلایا۔ ہم سبھوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس صورت حال کا بہتر سے بہتر استعمال کریں، ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم صنعت کاری کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگ مجھے خبط الحواس سمجھیں گے۔

مرکز کے پاس سب رقم ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکیتی بلاکوں سے رقم حاصل کر سکتا ہے۔ مرکز معاشی پالیسیوں کی بابت فیصلہ کرتا ہے۔ میرے اختیارات محدود ہیں۔

وزیر اعلیٰ کا 'کیپٹل' کے نامہ نگار سے گفت و شنید
('کیپٹل' ۸ جولائی تا ۲۱ جولائی ۱۹۸۵ء)

سوال: عرصہ دراز کے جمود کے بعد حکومت مغربی بنگال نے کئی ایک صنعتوں میں نئی سرمایہ کاری کے لئے تجاویز کو آخری شکل دے دی ہے۔ ان صنعتوں میں پیٹرو کیمیکل شامل ہے۔ مغربی بنگال میں سرمایہ کاری کی سرگرمیوں میں یکایک تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ آپ کے خیال میں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: جہاں تک مغربی بنگال کی صنعت کاری کے امکانات کا سوال ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ حالیہ برسوں میں چند اہم باتیں رونما ہوئی ہیں، اور آپ سب تو اس امر سے واقف ہیں کہ ہم لوگوں نے برسر اقتدار آنے کے بعد سے صنعت کاری کے لئے دستاویزات مرتب کئے اور مرکز سے مطالبہ کیا کہ وہ اس ریاست میں جدید صنعتیں قائم کرے۔ فی الحال ایسی صنعتیں مغربی بنگال میں

یہاں آنے سے بار بار انکار کیا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ہندستانی معیشت کا بحران جاری رہا، لیکن اس کے باوجود پرائیویٹ سیکٹر کے چند افراد نئی تجویزوں کو ساتھ لے کر ہمارے پاس آ رہے ہیں۔ ہم نے چند تجاویز کو تسلیم کر لیا۔ ان اقدامات سے گوناگوں ترقی ہو گی۔ روزگار کے لئے مواقع فراہم ہوں گے اور صنعتی سرگرمیاں تیز ہو جائیں گی۔

شری سروج پودار پرولیا میں بھی مشترکہ سیکٹر میں ایک اسپنج لوہا پروجیکٹ کو روبہ عمل لانے کی عرصہ دراز سے کوشش کر رہے ہیں اور حال ہی میں انہیں متعلقہ صنعت قائم کرنے کی اجازت ملی۔ اسی جماعت نے کلیانی میں جدید ترین کیمیاوی اشیاء تیار کرنے کے لئے ایک یونٹ چالو کر دیا ہے۔ یہ پرائیویٹ سیکٹر میں ہے۔ درحقیقت کلیانی میں مشترکہ اور پرائیویٹ سیکٹروں میں بہت ساری چھوٹی صنعتی یونٹیں قائم کی گئی ہیں۔

ضلع پرولیا میں اسپنج لوہا پلانٹ نصب کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں سے وہاں جانے کو کہتے ہیں۔ یہ پروجیکٹ بھی ڈبلو۔ بی۔ آئی۔ ڈی۔ سی کے ساتھ مشترکہ سیکٹر میں ہو گا۔ یہاں کی تیار کردہ مصنوعات کی فروخت کے لئے اچھے بازار بھی ہیں۔ اس پلانٹ پر ۲۴ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔ اس کے ساتھ یو۔ ایس کارپوریشن کا ایک فرم تعاون کرے گا۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کیوں کہ پرولیا میں کوئی صنعت نہیں ہے۔ یہ ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ مغربی بنگال میں اور بھی پسماندہ علاقے ہیں۔ شمالی بنگال میں چائے کے باغات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

مغربی بنگال میں چودہ چھوٹے اسٹیل پلانٹس ہیں۔ میرے خیال میں اتنی ساری ایسی چھوٹی یونٹیں کسی اور ریاست میں نہیں ہیں لیکن یہ یونٹیں بہت زیادہ بجلی استعمال کرتی ہیں۔

ہم لوگ اپنے دیگر افزائش مراکز میں بیکار بیٹھے نہیں رہے۔ چند کمپنیاں اپنے کارخانے تعمیر کر چکی ہیں۔ تین چار کارخانے نو ہلدیہ میں ہیں، جن میں ہندستان لیور کا بھی ایک ہے۔ کھڑگپور میں بھی چند کمپنیوں نے اپنے اپنے کارخانے تعمیر کئے۔ خوش قسمتی سے ٹاٹا نے میٹل بوکس کو اپنا لیا ہے، ورنہ یہ بیمار ہو جاتی۔ وہ سب "ڈیوی ایشمور" میں سرگرم دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان یونٹوں کے چاروں طرف چھوٹی صنعتی یونٹوں کا ایک جال بچھ جائے گا۔ یہ تو صنعتی اقدامات کی مثالیں ہیں۔

آخر کار فالتا میں آزاد برآمدی علاقہ قائم کیا گیا۔ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ الیکٹرونک صنعت سے بہت سارے لوگوں کو دلچسپی ہے۔ ہمیں اس صنعت کی بابت کچھ باتیں تو معلوم ہیں، اور جو چیزیں ہمارے پاس نہیں انہیں ہم مرکز سے طلب کریں گے۔ ان الیکٹرونک صنعتوں میں جنہیں ہم سالٹ لیک اور دیگر شعبوں میں فروغ دے رہے ہیں، چند ایسی تکنالوجی ہیں جن کو ہمیں بیرونی ممالک سے حاصل کرنا پڑے گا اور اس کے لئے مرکز کی اجازت کی ضرورت ہے۔

بہت ساری غیر ملکی کمپنیاں بھی ہیں جو یہاں آنا چاہتی ہیں یا آ بھی چکی ہیں۔ ایک سوئس کمپنی نے پبلک سیکٹر اینڈریو یول کے ساتھ مل کر ایک کارخانہ قائم کیا ہے۔ میں آپ لوگوں کے سامنے جن باتوں کو عیاں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہیں کہ صنعتی سرمایہ کاری کے معاملہ میں ہم لوگ مرکزی حکومت کے ساتھ کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے چند پروجیکٹس پڑے ہیں، اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ مرکز کی شرکت کے ساتھ پبلک سیکٹر میں ہوں۔ ہم لوگوں نے پرائیویٹ سیکٹر کے ساتھ بھی اپنی کوششیں جاری رکھی ہیں۔ یہاں بھی جو بڑے لوگ ہیں ان کے پاس فنڈ ہیں، جو چھوٹے کاروباری ہیں ان کے پاس فنڈ نہیں ہیں۔ پھر صنعتی لائسنس تو مرکزی حکومت جاری کرتی ہے۔ اس لئے میں کچھ عرصہ سے ایسی کوششیں کر رہا ہوں۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ہم لوگ مضافاتی علاقوں میں اصلاحات آراضی یا قطعات آراضی کی از سر نو تقسیم، یا زرعی مزدوروں، کسانوں کے مفادات کی دیکھ بھال وغیرہ کی شکل میں جو خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں صنعت کاری

(باقی صـ۱۱ پر)

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال

از: ایس۔ اے۔ ایم حبیب اللہ
وزیر عدلیہ ۔ حکومت مغربی بنگال

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال مکمل ہونے کے موقعہ پر مدراس میں ایک واسطہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مغربی بنگال کے وزیر عدلیہ شری ایس۔ اے۔ ایم حبیب اللہ نے شرکت کی۔ اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے گزشتہ آٹھ برسوں میں مغربی بنگال کی گوناگوں ترقی کا ذکر کیا۔ وزیر موصوف کی تقریر کا متن درج ذیل ہے:

بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ جون کو آٹھ سال پورے کرلئے اور اس نے نویں سال میں قدم رکھا ہے۔ اس حکومت کو منہدم کرنے اور ریاستی سیاست کو غیر مستحکم بنانے کی مسلسل کوششوں کے باوجود یہ حکومت جوش و توانائی کے ساتھ برسر اقتدار ہے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خدمات انجام دے رہی ہے۔

یہ نہ صرف بائیں محاذ حکومت کی کامیابی ہے بلکہ یہ تو ہندوستانی جمہوریت کی بھی کامیابی ہے۔ جمہوریت اس آزمائش پر پوری اتری کہ تحریر کردہ دستور کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے مختلف نصب العین کے لوگ حکومتوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں۔ ہماری سرزمین کی گزشتہ چند برسوں کی تاریخ نے اس بات کو نمایاں طور پر ثابت کردکھایا کہ ہمارے عوام جمہوری طریقہ سے منتخب حکومتوں کو الٹنے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مغربی بنگال میں ہم بائیں بازو والے اس بات سے واقف ہیں کہ یہ اس ریاست کے باہر کے لوگوں کے جمہوری نظریے ہیں جنہوں نے درحقیقت مغربی بنگال کے لوگوں کی، انتشار پھیلانے والوں کی کوششوں پر قابو پانے میں مدد دی۔

بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار رہ سکی، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے پنچایتوں، میونسپلٹیوں کے لئے باربار انتخابات منعقد کرکے اور لوکل باڈیز کو زیادہ سے زیادہ مالی اور انتظامی اختیارات دے کر اپنی جمہوریت کی بنیاد کی توسیع کی۔ اس سال بائیں محاذ حکومت نے اس بات کی ہدایت جاری کردی ہے کہ منصوبہ بندی کا آغاز پنچایت کی سطح سے ہو۔ اس کے بعد ضلع منصوبہ بندی کمیٹیاں پہلے منصوبے مرتب کریں گی اور پھر ضلعوں کے منصوبوں کی بنیاد پر ریاستی منصوبے مرتب کئے جائیں گے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ لوکل باڈیز اور مقامی لوگوں کو منصوبہ مرتب کرنے کے سلسلے میں براہ راست کچھ کہنے سننے کا حق حاصل ہوگا۔

امن و امان

دوسرا نقطہ جس پر غور کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اس ریاست کے اندر اور باہر کے علاقوں سے تفرقہ پسند طاقتوں کی اشتعال انگیزی کے باوجود اس ریاست میں فرقہ وارانہ، لسانی اور ذات پات کی ہم آہنگی برقرار ہے۔ اس

کی وجہ لوگوں کا اتحاد ہے، عوامی تحریک ہے اور پولس اور دو مواقع میں فوجیوں کے بروقت اقدامات ہیں۔ حزب اختلاف کی طرف سے بار بار ریاستی حکومت پر الزامات عائد کئے جاتے ہیں لیکن ہماری ریاست میں بہترین امن و امان کی صورتحال برقرار ہے۔ ہریجن اور پسماندہ طبقے کے لوگ دیگر جگہوں کے بہ نسبت یہاں زیادہ محفوظ اور باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔

دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ مغربی بنگال میں کسی بھی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر نظربند کر کے حراست میں رکھنے کے کسی قانون کو روبہ عمل نہیں لایا جاتا۔ اپنی حکومت کے آغاز سے ہی، اپنے انتخابی منشور میں کئے گئے وعدوں کے مطابق بائیں محاذ نے یہ اعلان کیا کہ ان قوانین کو وہ روبہ عمل نہیں لائے گا، جنہیں اکثر جمہوری تحریکوں اور پارٹیوں کے خلاف استعمال میں لایا جاتا ہے۔ نظربندی کی حراست قانون کو ایک واحد مقدمہ میں بھی روبہ عمل نہ لا کر بائیں محاذ حکومت نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس ریاست میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے ایسے قوانین کو روبہ عمل لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان میں جمہوریت کے تمام چاہنے والوں کے لئے یہ بہت ہی گرانقدر سبق ہے۔

مزدور:

بائیں محاذ حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ لوگوں کی جمہوری اور پرامن تحریکوں خاص طور پر محنت کش طبقوں اور نوجوانوں کی جدوجہد کے خلاف پولس کی مداخلت کی اجازت نہ دی جائے اور یہ حکومت اس رہنما اصول پر کاربند ہے۔ یہ صرف اسی وقت پولس اقدامات کرتی ہے جب صورتحال شدت اختیار کر لیتی ہے اور امن و امان کا مسئلہ رونما ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فیاض پالیسی کے نتیجہ میں اس ریاست میں نسبتاً بہتر مزدور۔ مالک صنعتی تعلقات قائم ہیں۔

یہاں انجینئرنگ، پاٹ، چائے اور سوتی کپڑے بڑی بڑی صنعتوں میں لمبے عرصے کے سہ طرفی معاہدے اس بات کے شاہد ہیں۔ سنہ ۸۴-۸۳ء میں بہت ساری صنعتوں میں گفت و شنید کے ذریعہ نئے صنعت وار معاہدے ہوئے۔ سوتی کپڑے کی صنعت میں متعلقہ آجروں کے بے اڑ رویئے کی وجہ سے مالک۔ مزدوروں کے درمیان سمجھوتہ ہو سکا۔ پاٹ، چائے، بنیان سازی، انجینئرنگ صنعتوں اسی طرح کی دیگر صنعتی یونٹوں میں بات چیت کے ذریعہ مالک مزدوروں کے درمیان سمجھوتے ہوتے اور ان سے گزشتہ آٹھ برسوں میں اس ریاست میں لاکھوں صنعتی مزدوروں کی اجرتوں میں کافی اضافہ ہوا اور انہیں دیگر سہولتیں بھی فراہم کی گئیں۔ مہاراشٹر میں سوتی کپڑے کی ملوں میں عرصہ دراز تک مزدوروں نے ہڑتال کی لیکن آخر میں جب ہڑتال ختم ہوئی تو اس سے مزدوروں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا۔ برخلاف اس کے مغربی بنگال میں پاٹ اور دیگر صنعتوں میں مزدوروں کی ہڑتالیں مؤثر ثابت ہوئیں اور ان کی وجہ سے مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ ہوا اور ان میں اجتماعی طور پر بات چیت کرنے کی قوت اور بھی مستحکم ہو گئی۔ ریاستی حکومت کی فراہم کردہ تائید اور سرگرم امداد مزدوروں کے لئے بہت ہی معاون ثابت ہوئیں۔ اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر کیس انجینئرنگ صنعت میں مہنگائی بھتہ کا سمجھوتہ ہے۔ وزیر اعلیٰ کی ایما پر مہنگائی کو بے اثر کر دینے کی شرح فی نقطہ ۱٫۵۰ روپئے مقرر کئے گئے۔ بعد میں بیورو آف پبلک انٹرپرائزز نے اس شرح میں کچھ اضافہ کیا۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں ریاستی مصالحتی اداروں نے اس طرح کے ۴۲ فیصد تنازعات کا تصفیہ کر دیا، حالانکہ اس کے قبل کے آٹھ سال (سنہ ۷۶-۶۹ء) میں صرف ایسے ۲۰ فیصد تنازعات کا تصفیہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح گزشتہ آٹھ برسوں میں کم سے کم اجرت ایکٹ سنہ ۱۹۴۸ء کے تحت سالانہ اوسطاً ۱۶۰۰ مقدمے دائر کئے گئے جبکہ اس کے قبل کے آٹھ برسوں (۷۶-۶۹) میں ایسے

مقدموں کی تعداد صرف ۸۰۷ تھی۔

صنعت

آزادی اور تقسیم سے قبل مغربی بنگال صنعتی ترقی کے میدان میں دیگر ریاستوں سے آگے تھا۔ تقسیم کے بعد اسے سب سے بڑی صنعت کے لئے خام شئے یعنی پاٹ کے اہم وسائل اور اندرون ملک ایک بڑے بازار کو کھو دینا پڑا۔ کلکتہ نہ صرف مشرقی ہندوستان کے لئے بلکہ جنوبی مشرقی ایشیا کے لئے غیر ملکی سرمایہ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس صورتحال میں کافی تبدیلی ہوئی۔ یہاں سے کافی صنعتی سرمایہ اٹھا لیا گیا اور اس کی جگہ اس کے مساوی سرمایہ کاری نہیں ہوئی۔ ہندوستان کے سرمایہ کار، جنہوں نے غیر ملکیوں کے ہاتھوں سے صنعتوں کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے، ابھی مغربی بنگال میں کمائے نفع کا کچھ حصہ پھر مغربی بنگال میں صنعت کاری پر خرچ نہیں کرنا چاہتے۔ مرکز تو یہ منظر دیکھ رہا تھا لیکن وہ مدد کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ برخلاف اس کے مساوی کرایہ کی پالیسی جسے مرکز روبہ عمل لا رہا ہے، سے مشرقی ہندوستان کی تمام ریاستوں کے خلاف امتیاز برتا گیا ہے۔ پٹرو ڈالر تجارت اور مشرقی افریقہ کے ہندوستانیوں، جو کافی سرمایہ فراہم کرتے ہیں، کے ذریعہ جہاں مغربی ہندوستانیوں کی ریاستوں کو کافی فائدہ پہونچا وہاں مغربی بنگال کو غریب و نادار لاکھوں پناہ گزینوں کا بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ مشرقی بنگال کے امیر لوگ زیادہ تر زمین دار اور مہاجن تھے۔ جو کچھ وہ اپنے ساتھ لا سکے یا جو کچھ انہیں تبادلہ میں ملا ان کی مدد سے وہ سب یہاں آباد ہو گئے لیکن وہ اپنے ساتھ اتنا سرمایہ نہ لائے کہ ان سے سرمایہ کاری کی جائے۔ ریلویز اور مرکزی ایجنسیوں سے ڈبوں اور دیگر چیزوں کے لئے دیئے جانے والے آرڈر میں قصداً کمی، صنعتوں کے لئے لائسنس، حکومت مغربی بنگال نے جس کی بابت مطالبہ کیا تھا، دینے سے انکار، بنکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کی بے التفاتی، مغربی بنگال میں صنعتوں کو مدد کرنے کے لئے ایک مغربی بنگال بنک قائم کرنے کی اجازت دینے سے انکار۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے مغربی بنگال میں صنعتی ترقی کی رفتار سست ہو گئی۔ لیکن بائیں محاذ حکومت کی مرکوز اور مسلسل کوششوں نے اب اس صنعتی جمود کو توڑ دیا اور بہت برسوں کے بعد اب یہاں کی صنعتیں ترقی کے راستہ پر گامزن ہو گئی ہیں۔ یہاں صنعتوں کے لئے زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری، صنعتی لائسنسوں کی اور منظور کردہ صنعتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اس سال مئی کے مہینہ میں صنعتی میدان میں دو اچھی باتیں رونما ہوئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ۴ مئی ۱۹۸۵ء کو سالٹ لیک، کلکتہ میں غلبیس کے قائم کردہ ایک الیکٹرونکس یونٹ کا اور ویبل (WEBEL) گروپ کی کمپنیوں کی قائم کردہ اسی طرح کی دو یونٹوں کا افتتاح کیا گیا اور دوسری بات یہ کہ ۲۲ مئی کو مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن اور شری آر پی گوئنکا اور ان کے فرزند شری سنجیو گوئنکا کے درمیان ہلدیہ پٹرو کیمیکلس کے لئے ۶۴۵ کروڑ روپئے کے مشترکہ سیکٹر پروجیکٹ پر دستخط ہوئے۔ ان دونوں باتوں سے مغربی بنگال صنعتی ترقی کی راہ پر پھر سے گامزن ہو گیا ہے۔

تعلیم:

سنہ ۱۹۷۷ء تک اس ریاست میں تعلیمی فضا میں افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ ڈسپلن کی کمی اور امتحانات میں نقل کرنا وغیرہ نے پورے تعلیمی ماحول کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ سماج دشمن عناصر نے تمام تعلیمی اداروں کو اپنے قابو اور اختیار میں رکھا تھا۔ بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ آٹھ برسوں میں تعلیمی اداروں کو اس افراتفری کے ماحول سے آزاد کیا۔ اب ساری ریاست میں ایک تعلیمی فضا چھا گئی ہے اور اس کے لئے طلبا، اساتذہ اور دیگر ملازمین کو ٹھوس کردار ادا کرنا پڑا۔

سنہ ۸۳-۱۹۸۴ء کے لئے بجٹ میں تعلیم کی مد پر ۱۸۱ کروڑ روپئے مختص کئے گئے اور سنہ ۸۴-۱۹۸۵ء میں اس مد پر ۲۵۹ کروڑ

روپئے اور ۸۵-۸۶ء میں ۵۹۰ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔
ہر سال ریاست کی کُل بجٹ کا تقریباً ۲۳ فیصد تعلیم کے لئے مختص کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مرکز اپنی سالانہ بجٹ کا ایک فیصد تعلیم کے لئے مختص کرتا ہے۔ یہ منصوبہ بندی کے سلسلہ میں گاندھیائی تصور سے انحراف ہے، کیونکہ اس تصور کے مطابق تعلیم کے لئے کل بجٹ کی دس فیصد رقم مختص کرنی چاہیئے۔

۸۳-۸۴ء میں ریاستی حکومت نے ۱۲۰۰ پرائمری اسکول اور ۲۵۰ جونیئر ہائی اسکول قائم کئے۔ ۸۴-۸۵ء کے آخر میں ریاست میں تقریباً ۵۰۰۰۰ پرائمری اسکول تھے جن میں ۱۵ء۸۷ لاکھ بچے زیر تعلیم تھے، ۳۸۸۵ جونیئر ہائی اسکول اور ۵۶۵۳ ہائی اسکول تھے۔ ۸۴-۸۵ء میں جونیئر ہائی اسکولوں اور ہائی اسکولوں میں زیر تعلیم طلباء و طالبات کی مجموعی تعداد ۲۶ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ۸۳-۸۴ کی بجٹ سے پرائمری اسکولوں اور ثانوی اسکولوں میں اساتذہ کے لئے علی الترتیب ۴۰۵۰ اور ۸۰۰۰ آسامیاں پیدا کی گئیں۔ اسکول عمارت کی مرمت / تعمیر نو کے لئے ۶۳ء۲ کروڑ سے زیادہ روپئے خرچ کئے گئے۔

بجلی

مغربی بنگال پانچویں دہائی کے عرصہ میں بجلی پیدا کرنے والی ریاستوں میں اول نمبر پر تھا، لیکن آج یہ ساتویں نمبر پر ہے، اس کی وجہ مرکز کی امتیازی پالیسی اور سابق ریاستی حکومت کی کم فہمی تھی۔ کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے ۴۰ سالہ پرانے بوئیلروں کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور اس عرصہ میں ایک بھی جدید بجلی پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا نہیں گیا۔ مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ کلکتہ کی بجلی کے لئے بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی بجلی پیدا کرے۔ اس کے نتیجہ میں بجلی کی پیداوار اور سپلائی کے درمیان کافی فرق پیدا ہو گیا جس کے نتیجہ میں لوڈ شیڈنگ ہو رہا ہے۔

بائیں محاذ حکومت نے بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ ۷۶-۷۷ء میں ڈبلیو۔بی۔ ایس۔ای۔بی اور سی۔ای۔ایس۔سی کی بجلی کی مجموعی پیداوار صرف ۱۰۶۲ میگاواٹ تھی لیکن ۸۴-۸۵ء میں مجموعی پیداوار بڑھکر ۲۶۸۳ میگاواٹ ہو گئی۔ ڈبلیو بی ایس ای بی اسی آئی ایس سی اور درگاپور پروجیکٹ لمیٹڈ نے ۷۶-۷۷ء میں مجموعی طور پر ۴۷۸۰۳ لاکھ یونٹ بجلی پیدا کی، اور آج مجموعی پیداوار بڑھکر ۶۷۶۳۰ لاکھ یونٹ ہو گئی۔ ڈی۔وی۔سی کی بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت ۶۵۰۷۰ لاکھ یونٹ سے بڑھکر ۱۶۱۵۰ لاکھ یونٹ ہو گئی۔

اصلاحاتِ اراضی

بائیں محاذ حکومت کے نقطۂ نظر سے اصلاحاتِ اراضی تو زرعی پیداوار پر جاگیرداروں کے تسلط کو توڑنے کے لئے اور مضافاتی عوام کو زمینداروں اور مہاجنوں کے معاشی اور سماجی چنگل سے آزاد کرانے کے اقدامات ہیں۔ بلاشبہ سابق حکومت نے قصدِاتِ اراضی کے سلسلے میں قوانین نافذ کئے تھے لیکن اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ جاگیردارانہ اثرات کی وجہ سے ان قوانین کو سنجیدگی سے روبہ عمل لایا نہیں گیا۔ گزشتہ آٹھ برسوں میں بائیں محاذ حکومت وسیع بنیاد کی کسان۔ تحریک کی مدد سے اصلاحاتِ اراضی — بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھوں سے مقررہ حد سے زیادہ قطعاتِ اراضی کی کھوج لگا کر فاضل قطعاتِ اراضی حکومت کے حوالے کرنا اور ایسے فاضل قطعاتِ اراضی کو مقامی غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کرنا — کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے پرخلوص اور پرزور کوششیں کر رہی ہے۔ جاگیردارانہ غلبہ کو توڑنے سے ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ کسانوں میں بیداری پیدا ہو گئی۔ بہت سارے معاشی مشیر اور منصوبہ مرتب کرنے والے امیر کسانوں کو زیر غور رکھکر پروجیکٹوں کے لئے مشورہ دیتے ہیں اور انہیں مرتب کرتے ہیں۔ لیکن ایک ملک میں جہاں چھوٹے کسانوں کی بڑی اکثریت ہے، بائیں محاذ حکومت نے درمیانی درجہ کے اور چھوٹے کسانوں، بٹائیداروں

کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ترقیاتی پروجیکٹ مرتب کرے۔ اس کے نتیجہ میں پیداوار میں کافی اضافہ ہوا اور دیگر چیزوں کے مقابلہ میں غذائی اجناس کی قیمتیں مقابلتاً کم تھیں۔ آبادی اور بستیوں میں بے تحاشا اضافہ کے باوجود کلکتہ آج بھی ساری دنیا میں معاشی لحاظ سے سب سے بہتر شہر ہے۔

کھیل کود، ثقافت اور نوجوانوں کی خدمات

گزشتہ آٹھ برسوں میں کھیل کود، نوجوانوں کی رفاہ اور ثقافتی سرگرمیوں میں نوجوانوں کو شامل کرنے کی مسلسل کوششیں کی جارہی ہیں۔

کلکتہ اور اضلاع میں ان میدانوں میں اسٹیڈیم ثقافتی ہال تعمیر کرکے، اسپورٹس اور ثقافتی مقابلے اور ڈرامے منعقد کرکے ایک نئی فضا تیار کی گئی ہے۔ اسی طرح سالٹ لیک، کلکتہ کے علاقے میں کھلی ہوا کا بہت بڑا اسٹیڈیم تعمیر کیا گیا۔ یہ ایشیا کا سب سے بڑا اسٹیڈیم ہے۔ نیز تحقیق اور فلم کی ترقی کے لئے کلکتہ فلم مرکز جنوبی ایشیا میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔ ریاستی سنگیت اکیڈمی، نیپالی اکیڈمی، دارجلنگ میں اور اردو اکیڈمی کلکتہ میں قائم کی گئی۔ ان تمام کا مقصد عوام کی صحت مند ثقافتی روایت کی احیا ہے۔

قومی یک جہتی

بائیں محاذ حکومت کی ثقافتی سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ نوجوانوں کو سماج دشمن اثرات جو انہیں تباہی اور تنزلی کی طرف لے جارہے ہیں، کے دائرہ سے باہر نکالا جائے اور انہیں صحت مند ثقافتی سرگرمیوں سے وابستہ کردیا جائے۔ ان ثقافتی سرگرمیوں کا ایک اور مقصد یہ ہے کہ نہ صرف مغربی بنگال میں رہنے والوں مختلف لوگوں جیسے بنگالی، بہاری، نیپالی، سنتھالی وغیرہ کے درمیان بلکہ سارے ہندوستان میں قومی یک جہتی کو فروغ دیا جائے۔ ہم لوگوں نے تفریق پسند اور لوگوں کو تقسیم کرنے والی تمام قوتوں کو شکست دی۔ ہمیں اس بات پر یقین ہے کہ تفریق اور تقسیم کی پالیسی، جسے معاشی لحاظ سے امیر لوگ اپنے سیاسی دوستوں کی تائید سے روبہ عمل لاتے ہیں، قوم دشمن فرقہ پرست اور تفریق پسند عناصر کو اسبابات کی چھوٹ دیتی ہے کہ وہ لوگوں میں تفریق پیدا کریں اور انہیں منقسم کردیں۔

سماج کے مختلف طبقوں کی غیر مساوی معاشی اور ثقافتی ترقی اور ذات پات اور فرقہ واریت کا مسلسل تسلط نوعیں بنیاد ہیں جو قومی یک جہتی کو توڑنے والی طاقتوں کو مذہبی، فرقہ وارانہ اور لسانی اقلیتوں کے درمیان بدگمانی اور بدخیالی اجاگر کرنے اور پھیلانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت لوگوں کے پسماندہ طبقوں کی ترقی کے لئے اقدامات کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوشش کرتی ہے اور ثقافتی اور دیگر سرگرمیوں کے ذریعہ لوگوں کو فرقہ واریت، ذات پات کی تفریق وغیرہ کے خطرات سے اور انہیں یک جہتی اور اتحاد کی ضرورت سے روشناس کراتی ہے۔ معاشی، مالیاتی اور دیگر کمزوریوں کے باوجود بائیں محاذ حکومت ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور ایک بہتر اور ترقی پذیر بنگال کے سلسلے میں جدوجہد کرنے کے لئے لوگوں کو متحد رکھتی ہے ٭٭٭

بقیہ: بائیں محاذ کی صنعتی پالیسی کے.....

کے بغیر روزگار کی صورت حال میں نمایاں بہتری لانی نہایت مشکل ہے۔ پرانی صنعتیں بھی بیمار بن چکی ہیں۔ جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ چند صنعت کاروں نے اس علاقہ کے لاکھوں لاکھ روپئے کمائے لیکن وہ ان روپوں سے یہاں دوبارہ صنعت کاری نہیں کرنا چاہتے۔ ایک دو کے علاوہ ان میں سے زیادہ تر صنعت کاروں نے اپنے کارخانوں کو جدید پیمانہ پر ڈھالنے کی کوششیں نہیں کیں ٭٭٭

لائبریری اور غیر رسمی تعلیم

آزادی کے بعد سے تیس برسوں میں مغربی بنگال میں کل ۷۷۶ لائبریریاں تھیں لیکن گزشتہ آٹھ برسوں میں مغربی بنگال میں مزید ۱۶۴۵ نئی لائبریریاں قائم کی گئیں۔ مغربی بنگال میں قانونی لائبریری ایکٹ ۲ ار ستمبر ۱۹۷۹ء سے نافذ کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۴ء تک ہندستان کی ۲۲ ریاستوں اور مرکزی حکومت کے زیر انتظام ۹ ریاستوں میں لائبریریوں کی کل تعداد ۱۲۳۵۰ تھی۔ لیکن صرف مغربی بنگال میں عوامی لائبریریوں کی تعداد ۲۴۲۱ تھی۔ دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال میں لائبریریوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور سارے ہندستان میں جتنی لائبریریاں ہیں ان کی ۲ر۱۴ فی صد لائبریریاں مغربی بنگال میں ہیں۔

۷۹-۱۹۷۸ء میں اس ریاست میں منصوبہ کے تحت لائبریریوں کے لئے صرف ۲۸ر۵ لاکھ روپئے مختص کئے گئے تھے۔ ۸۵-۱۹۸۴ء میں منصوبہ بند اور غیر منصوبہ بند مدوں کے تحت لائبریریوں کے لئے مزید ۵ر۵ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ مختلف مدوں کے تحت اور بھی زیادہ رقوم مختص کی گئیں۔

دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال نے ہی عام لوگوں کی پہونچ کے اندر لائبریریوں کو لایا ہے۔ اس ریاست نے لائبریری کے لئے انتظامیہ کے جمہوریہ نظام کو فروغ دیا ہے۔ اس سے لائبریری خدمات میں کافی بہتری ہوئی۔ گرچہ ضلع لائبریریوں میں تمام خالی اسامیوں کو پُر نہیں کیا جاسکا، تاہم آٹھ اضلاع میں نئی اسامیاں تیار کی گئیں اور باقی اضلاع میں نئی بھرتی کا کام جاری ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں کتابوں کی نمائشوں کا باضابطہ انتظام کیا جارہا ہے۔ ایسی نمائشیں مختلف مقامی ثقافتوں کی آماجگاہ بن جاتی ہیں۔

بائیں محاذ حکومت لائبریریوں کے لئے کتابوں کے انتخاب اور کتابوں کی خریداری میں کافی دوراندیشی سے کام لیتی ہے۔ ریاستی مرکزی لائبریری سے کتابیں خریدنے کیلئے کتابوں کی فہرستیں شائع کی جاتی ہیں۔ ایک حالیہ فہرست میں بنگلہ کے علاوہ، انگریزی، ہندی، نیپالی اور اردو کتابیں کے نام درج ہیں۔ ان میں تقریباً ۲۱ فیصد کتابیں بچوں اور نوجوانوں کے لئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے دی گئی رقوم سے ۳۰ فیصد رقم مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سلسلہ میں کتابوں کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔ باقی ۷۰ فیصد رقم لائبریریوں کی اپنی ضرورتوں کے مطابق کتابوں کی خریداری پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ ایسی کتابیں خریدنے کی اجازت نہیں ہے جو ملک کے اتحاد اور یک جہتی کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں اور جن میں فرقہ واریت اور افتراق پسندی کو ہوا دی گئی ہے۔ اس طرح کی لائبریریاں کتابوں کے انتخاب کی شکل میں تفریق کے خلاف ہماری قومی جدوجہد میں شرکت کرتی ہیں۔

آج لائبریری سائنس میں دلچسپی بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اب بانی پور اور کلمپونگ میں لائبریری کے مہتمم کے لئے تربیتی مراکز چالو ہوگئے ہیں۔ لائبریریوں میں کام کرنے والے لوگوں کی تنخواہوں کی شرح تقریباً دوگنی کردی گئی ہیں۔ ان کے روزگار کا تحفظ کیا گیا۔ یکم اپریل ۱۹۸۱ء کے بعد سروس سے ریٹائر ہونے والوں کو ریٹائرمنٹ الاؤنس اور گراجیوٹی دئے گئے۔ اساتذہ کو بھی الاؤنس اور گراجیوٹی دئے جاتے ہیں۔ لائبریری ایکٹ کی تکمیل میں دشواریوں کو دور کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔

غیر رسمی تعلیم

عوام کی تعلیم کے جزو کے طور پر ۹ تا ۱۴ سال کے بچوں کے لئے غیر رسمی تعلیم کی توسیع ممکن ہو سکی۔ لوگوں کے تمام طبقوں تک تعلیم کا رسمی نظام پہونچ نہ سکا۔ اس بات کا اعلان کیا گیا تھا کہ سنہ ۱۹۹۰ء تک ہندوستان میں کوئی بھی شخص ابتدائی تعلیم سے محروم نہیں رہے گا۔ اور اس کے باوجود آج بھی ملک کے ۶۷ فیصد لوگ ناخواندہ ہیں، اور اسکی وجہ سماجی۔ معاشی حالات ہیں۔ اس لئے غربت کی سطح سے نیچی سطح پر زندگی بسر کرنے والے لوگوں سے شاید ہی تعلیم کی امید کی جا سکتی ہے۔ اس ملک کے ایک شخص کو کچھ پڑھ لکھ لینے کے بعد مزدور کا کام، یا کسی چائے کی دکان میں، کسی ریسٹورنٹ میں یا کسی ہوٹل میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اس منصوبہ کا مقصد یہ ہے کہ ان بچوں کو غیر رسمی تعلیم دی جائے جنہوں نے کچھ تعلیم حاصل کی اور جنہیں حالات سے مجبور ہو کر زندہ رہنے کے لئے خادم بن جانا پڑتا ہے۔ اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ اس تعلیم کے ذریعہ انہیں اتنا تعلیم یافتہ بنا دیا جائے کہ انہیں سماجی زندگی میں ایک مقام حاصل ہو جائے۔ یہ غیر رسمی تعلیم اس بات کی بھی کوشش کرے گی کہ اپنے شاگردوں کو رسمی تعلیم کے دائرہ میں لایا جائے۔ سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں مغربی بنگال میں غیر رسمی تعلیم کے ۳۲۰۸ مراکز تھے اور آج ایسے مراکز کی تعداد تقریباً ۱۸۰۰۰ ہے، اور یہاں تعلیم دینے والے رضاکارانہ اساتذہ انکی اعزازی خدمات کے لئے دئے جانے والے معاوضہ میں کچھ اضافہ کیا گیا۔ سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ایسے مراکز میں کل ۷۹۲۰۰ طلباء زیر تعلیم تھے اور فی الحال ۴۵۰۰۰۰ طلباء زیر تعلیم ہیں۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی غربت ان طلباء کو باضابطہ اسکول تعلیم کے دھارے سے ملنے سے باز رکھتی ہے۔ ایک جائزہ کے مطابق ایسے تربیت یافتہ طلباء کی کل تعداد کے دس فیصد سے کم طلباء ادارہ جاتی تعلیم سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

حال ہی میں شہری اور دیہی طلباء کے لئے موزوں نصاب مرتب کئے گئے۔ کتابیں بھی شائع کی گئیں اور ان مرکزوں میں تقسیم کی گئیں۔ نصاب کا مقصد یہ ہے کہ ان طلباء کو سماجی حقائق کی بابت عملی ترتیب دی جائے۔ ان سماجی حقائق میں طلباء کے روزمرہ کی سماجی زندگی اور ان کے ذاتی تجربات شامل ہیں۔ اسی لئے نصاب مرتب کرنے کے لئے ان باتوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا۔ اس نصاب کا یہ مقصد نہیں کہ تعلیمی نظام کو ان طلباء پر لاد دیا جائے۔ بڑے بڑے تعلیمی مراکز کے انتظامیہ کے لئے ریاستی اور ضلع سطح پر پلاننگ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ ان کمیٹیوں میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کو بھی شامل کئے جانے کا سوال زیر غور ہے۔

عوام کی تعلیم کے مختلف ذرائع اور موجودہ لائبریریوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دینا ضروری ہے اور عوام کی تعلیم کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے اچھے انتظامیہ، نگرانی اور تجزیہ کے لئے ایک اہل ڈھانچہ کی بھی ضرورت ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ۶۷ فیصد ان پڑھ لوگوں کے لئے لائبریری کی کیا اہمیت ہے۔ ناخواندگی کے دور ہونے کے ساتھ لائبریری کے لئے دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ تمام مسائل ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور حکومت اس بات سے باخبر ہے۔ ایسی بہت ساری لائبریریاں ہیں جہاں مکانات نہیں ہیں، جہاں کتابوں کی کمی ہے اور جو انتظامیہ کے مسائل سے دوچار ہیں۔ بعض کیسوں میں سماجی خیر سگالی کی کمی بھی پائی جاتی ہے۔ پھر مضافاتی لوگوں کے لئے موزوں اور مناسب لائبریری کھولنے کا بھی ایک مسئلہ ہے۔ ریاستی حکومت تو مالی دشواریوں سے دوچار ہے، اس لئے راتوں رات ان لائبریریوں کے مالی وسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح مغربی بنگال میں لائبریریوں کے مجموعی انتظامیہ کو میکانیکی طور پر تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ انتظامیہ کی سطح سے لائبریری کے عام کارکن تک انتظامی کام کاج میں سرعت نہیں ہے۔

اور یہ موجودہ سیاسی نظام کا نتیجہ ہے، لیکن عوام کی تعلیم کے تئیں جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اور اس کے جتنے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں، انہیں صحیح سوجھ بوجھ کے لوگوں اور اداروں کو آگے بڑھانا ہے ۔ عوامی تعلیم کے لئے غیر رسمی تعلیم جیسے واسطوں کے بہتر انتظامیہ کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن ان کوششوں کا مستقبل تو عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ٭٭

اثاثے کو اچھی حالت میں رکھنے کیلئے عطیہ

شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی کے تحت سندربن ترقیاتی بورڈ سے پیدا کردہ اثاثوں کو اچھی حالت میں برقرار رکھنے کیلئے ریاستی حکومت نے موجودہ مالی سال میں ۱۷۳۶۷۶ روپئے دینے کی منظوری دی ہے ٭٭٭

ماہی گیری ترقیاتی اسکیموں کے لئے عطیہ

ضلع مدناپور میں ۸۴-۸۵ء میں ڈی۔پی۔اے۔پی کے تحت ماہی گیری ترقیاتی اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت نے ۱۱ر۲ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے ٭٭٭

بانکوڑہ کے لڑکے کو انعام

سبھاشس داس بانکوڑہ ضلع اسکول کے کلاس X کا طالب علم ہے ۔ اس نے علاقائی زبان میں کل ہند مضمون نویسی کے مقابلہ میں پہلا مقام حاصل کیا ۔ اس مقابلہ کا انتظام قومی تحقیق و تربیت کے کاؤنسل، نئی دہلی نے کیا تھا۔ مضمون کا موضوع یہ تھا ــــ اقوام متحدہ : ایک بہتر دنیا کے لئے امید!

پہاڑی علاقوں کی زرعی ترقی

۱۹۸۵-۸۶ء میں مغربی بنگال کے پہاڑی علاقوں میں زرعی ترقیاتی اسکیم کے تحت نارنگی کے باغات میں جراثیم کش ادویہ چھڑکنے اور چھوٹی آبپاشی اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت نے ۲ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ٭

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلبار کو وظیفے

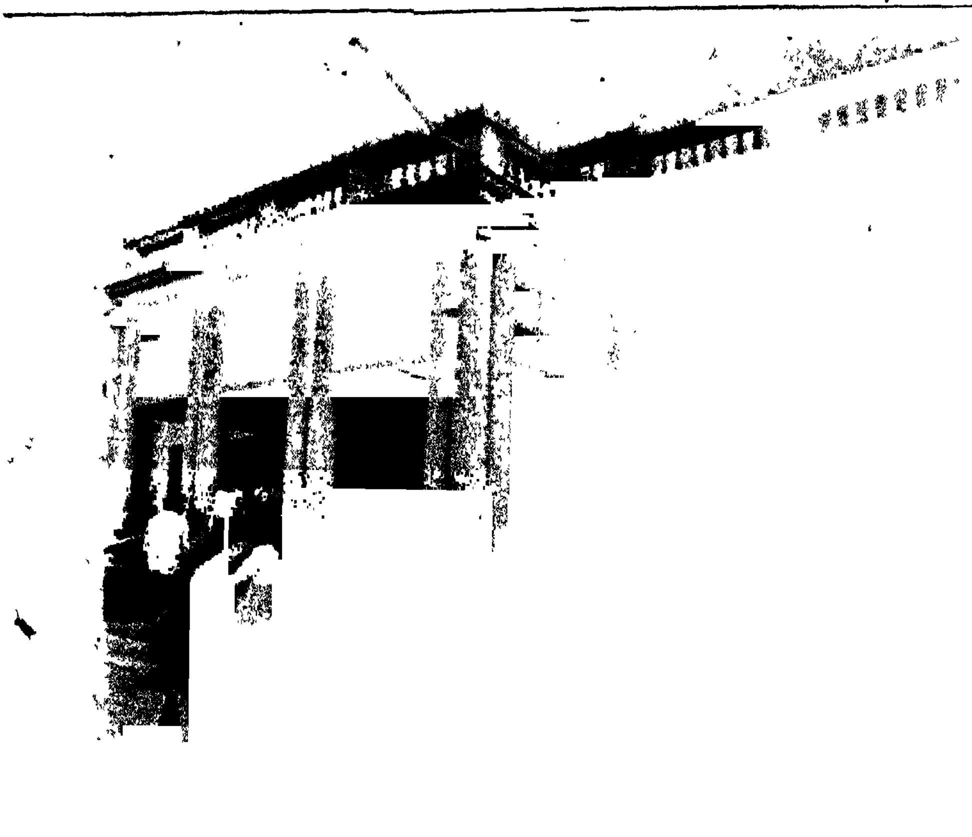
ثانوی درجہ سے اعلیٰ درجوں میں زیر تعلیم شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلبار کو وظیفے دینے کے لئے ریاستی حکومت نے ۸۵-۸۶ء میں ۸۵۷۰۵۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے ٭٭٭

ہومیوپیتھک کالج اور ہسپتال کو عطیہ

ریاستی حکومت نے رواں مالی سال میں مہیش بھٹا چاریہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج کو، اکتوبر ۸۵ء کے لئے کالج فیکشن کے اسٹاف کو تنخواہیں دینے کے لئے جو اخراجات ہوں کے انہیں پورا کرنے کے لئے ۵۶۰۰۰ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ۔ نیز اسی عرصہ کے لئے ۵۰ بستروں کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے اس کالج و ہسپتال کو ۱۶۵۰۰ روپئے دینے کی منظوری دی ٭٭٭



اوما شنکر ڈکشت، گورنر مغربی بنگال، حال ہی میں "حیدری منزل" بلیہ گھٹہ، کلکتہ، جہاں گاندھی جی نے ۱۹۴۷ء میں قیام کیا تھا، کو قوم کے نام منسوب کرتے ہوئے۔ گورنر کی بائیں طرف وزیر تعمیرات عامہ شری جیوتن چکرورتی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔
نیچے : کلکتہ کے بلیہ گھٹہ علاقہ میں واقع "حیدری منزل"۔



Postal Regd. No. WB/CC—52
Vol. 32 No. 22 1
PRICE 12½ Paise



شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال، ۲۱ر نومبر کو کمپونگ میں دارجلنگ میلہ کی تقریب میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے — اور (نیچے) اس میلہ کا افتتاح کرتے ہوئے۔



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate [illegible] Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West [illegible] and Printed [illegible] Printers, 34/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵ر دسمبر ۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۲۳

شرح خریداری

قیمت : بارہ پیسے فی پرچہ
سالانہ : تین روپئے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳ - آر - این - مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو ۵ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو مغربی بنگال میں یوم مسلح افواج کا امتیازی نشان خریدتے ہوئے

[illegible] نئی دہلی میں منعقدہ ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال پویلین ۔ تزئین : تارا پرشاد داس

غزل

حضرت رضا مظہری

جینے کا سلیقہ آجائے مرنے کا قرینہ آجائے
ان نام کے جینے والوں کو اے کاش کہ جینا آجائے

جانا ہو بلندی پر جس کو احسان وہ لے کیوں پستی کا
ٹھکرا دے اسے پائے ہمت گر سامنے زینہ آجائے

مایوس ہیں کیوں اہل ساحل ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کبھی
گرداب کا دامن یوں پھیلے ساحل پہ سفینہ آجائے

اوروں کو نہیں آتی جو نظر وہ تلخ حقیقت بھی دیکھیں
اتنی تو بصیرت نظروں میں اے دیدۂ بینا آجائے

بس ایک نگاہ مہری پر دل یوں اترایا جاتا ہے
جیسے کہ کسی بھیک منگے کے ہاتھ ایک خزینہ آجائے

ساقی کی نشیلی آنکھوں سے جذب اتنا تو حاصل کر لے
پینے کا خیال آتے ہی رضاؔ خود سامنے مینا آجائے

خوشگوار صنعتی تعلقات برقرار رکھنے کیلئے مناسب قانون مرتب کئے جائیں

عورتوں کے کام کرنے کے حالات میں بہتری لانے کیلئے موجودہ قوانین میں مناسب ترمیمات ضروری ہیں

گزشتہ ۲۵-۲۶ نومبر کو نئی دہلی میں منعقدہ ہندوستانی کانفرنس کے ۲۸ ویں اجلاس میں مغربی بنگال کے شعبۂ محنت کے وزیر ریاست - انچارج شری شانتی رنجن گھٹک نے شرکت کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے قومی اور ریاستی سطحوں پر صنعت و محنت سے متعلق قومی اور ریاستی مسائل کی وضاحت کی۔ وزیر موصوف کی تقریر کا متن درج ذیل ہے:

مسائل کی بات چھیڑنے سے پہلے میں مرکزی وزیر محنت کو ہندوستانی مزدور کانفرنس کے اس سیشن کے انعقاد کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ملک میں محنت کش طبقے جن مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے چند مسئلوں پر اس کانفرنس میں گفت وشنید ہوگی۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کانفرنس میں، جو پندرہ سال سے زیادہ عرصے کے بعد منعقد ہو رہی ہے، ہر مکتب خیال کے لوگوں کو اپنے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے مواقع فراہم کئے جائیں گے تاکہ ایسی باتوں کے سلسلے میں اتفاق رائے ہو جائے جو مجموعی طور پر انتظامیہ اور مزدوروں کی تحریک کے لئے قابل قبول ہو۔ اسی لئے ہم لوگوں نے وزیر محنت سے کہا تھا کہ وہ دو اہم ٹریڈ یونین یعنی سی آئی ٹی یو اور اے آئی ٹی یو سی کو مشاہدین کے طور پر مدعو کرنے کے سلسلے میں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے، اور تمام مرکزی ٹریڈ یونین تنظیموں کو مساوات کی بنیاد پر اس کانفرنس میں شرکت کرنے کی دعوت دے۔ ہمیں یہ جان کر کافی مسرت حاصل ہوئی کہ مرکزی وزارت نے اس کے بعد اس امر پر از سر نو غور کیا اور سبھوں کو شرکاء کی حیثیت عطا کر دی۔

ہم بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ مغربی بنگال میں مزدوروں پر مالکوں کے حملوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ حالیہ برسوں میں ٹریڈ یونین کے جمہوری حقوق میں کافی کٹوتی ہوئی ہے۔ ہم نے ESMA (لازمی خدمات برقرار ایکٹ) کی، جو ٹریڈ یونین کے حقوق پر شدید پابندی عائد کرتا ہے، زبردست مخالفت کی۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے قوانین صنعتی جمہوریت ــــ ایک منزل، جسے ہم لوگوں نے خود اپنے لئے منتخب کیا، کی خصوصیات نہیں ہو سکتے۔ سپریم کورٹ نے دفعہ ۳۱۱ کی جو تشریح کی ہے اس سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی ہے۔ اس تشریح کی رو سے ایک سرکاری ملازم کو قدرتی انصاف سے محروم رکھا گیا اور یہ کہ ملازم کو اپنی ملازمت سے ہاتھ بھی دھونا پڑ سکتا ہے اور اسے اپنے معاملہ کی تشریح کرنے کا موقع بھی فراہم نہیں کیا جاتا۔

ان تمام باتوں اور مزدوروں کے حقوق پر حملوں کے پیش نظر مزدوروں نے کافی تحمل کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ایجنڈا کے نوٹس میں جو اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں ان میں یہ باتیں درج ہیں کہ ۱۹۸۰ء سے تقریباً ہر سال ہڑتال کے ذریعہ کام کرنے کے جتنے دنوں کا کام نقصان ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ کام کرنے کے دنوں کا نقصان مغربی بنگال میں تالہ بندی سے

ہوا ہے۔ ہم اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ ان تالہ بندی کے اہم وجوہ ڈسپلن کا فقدان اور مزدوروں کا تشدد آمیز طریقہ کار رہا جیسا کہ اس نوٹ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس نوٹ میں جو وجوہ بتائی گئی ہیں وہ شاید آجروں نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور انہیں آزاد تفتیش کے ذریعہ حاصل نہیں کیا گیا، لیکن اصل وجوہ تو انتظامیہ کی نااہلیت، پرانی و متروک ٹکنالوجی، پیداواری ترقیاتی اقدامات کی کمی، فنڈ کی دوسری طرف منتقلی، کاروباری یکجہتی کی کمی وغیرہ ہیں۔ اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ پراویڈنٹ فنڈ اور ملازمین ریاستی بیمہ فنڈ میں آجروں کو جو رقوم جمع دینی ہوتی ہے، تمام آجر اس ادائیگی میں بلا خوفِ سزا تاخیر کرتے ہیں۔ مرکزی پراویڈنٹ فنڈ کمشنر کی سالانہ رپورٹ کے مطابق اس مد کے تحت آجروں کو ۱۱ کروڑ روپئے دینے ہیں۔ ادائیگی میں تاخیر کرنے والی بہت ساری کمپنیوں نے عدالتوں سے رجوع کیا اور بقیہ رقم کی آسان قسطوں میں ادائیگی کا حکم حاصل کر لیا۔

بہت سارے کیسوں میں آجرین من مانی طور پر مزدوروں کی اجرتوں میں کمی کر دیتے ہیں اور مزدوروں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ سب کٹی ہوئی اجرتوں پر کام کریں۔ ساتھ ہی وہ مزدوروں پر کام کا بوجھ زیادہ کر دیتے ہیں۔ ز انتظامیہ میں ان کی نااہلیت کے ذریعہ جو صنعتی یونٹیں بیمار ہو گئی ہیں انہیں چلانے کے لئے وہ حکومت سے مالی مراعات حاصل کرتے ہیں۔ سب آجر اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وسیع پیمانہ پر مزدوروں کو ہٹا دیتے ہیں، ان کی چھنٹائی کر دیتے ہیں۔ کارخانوں میں تالہ بندی اور مکمل بندی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی یکطرفہ طور پر کام بندی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ تالہ بندی، بندی اور چھنٹائی کی وجہ سے پیدا ہونے والی بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور دوسری تمام لازمی چیزوں کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے ان تمام مراعات اور سہولتوں کو بے اثر بنا دیا جو محنت کش طبقہ نے مسلسل جدوجہد کے ذریعہ حاصل کئے تھے۔ ہم نے ہمیشہ اس بات کی تجویز پیش کی کہ روزمرہ کی ضرورتوں کی تمام چیزیں نظامِ عوامی تقسیم کے ذریعہ مناسب قیمتوں پر سپلائی کی جائیں تاکہ غریب مزدور لوگوں کی کچھ مدد کی جا سکے۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ موجودہ صنعتوں کو بلا امتیاز خام اشیاء فراہم کی جائیں اور ایسی نئی صنعتیں قائم کی جائیں جن میں زیادہ تعداد میں مزدوروں کی ضرورت ہو۔ اس سلسلے میں صنعتوں اور کاروباری اداروں میں خودکار مشینوں کی تنصیب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ آج ہم جس اہم مسئلہ سے دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ تعداد میں بڑھتے ہوئے بے روزگاروں کو روزگار فراہم کئے جائیں۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اگر خودکار مشینوں سے روزگار کے امکانات کم ہو جائیں تو یہ بات ہمارے قومی مفاد کے براہِ راست خلاف ہوگی اور اس لئے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

ہمیں اس بات سے بھی تشویش لاحق ہو گئی ہے کہ حالیہ دور میں عوامی سیکٹر کی جگہ پرائیویٹ سیکٹر میں صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے قومی صنعتی پالیسی پر زور دیا گیا ہے۔ ایک مشترکہ معیشت میں پرائیویٹ سیکٹر کو اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے، تاہم ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ معیشت کی منصوبہ بند ترقی میں عوامی سیکٹر کو ہی ترجیح دی جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمام مرکزی ٹریڈ یونینوں نے مغربی بنگال میں ۱۲ ستمبر ۸۵ء کی ہڑتال کی تائید کی۔ یہ ہڑتال ۱۲ نکاتی مطالبات، جن میں پاٹ صنعت کو قومیانا، بند صنعتوں کو پھر سے کھولنا، سوتی کپڑے کی بابت پالیسی میں ترمیم لانا وغیرہ شامل ہیں، کی تائید میں کی گئی تھی۔

بونس کے معاملہ میں بھی ہم لوگوں نے اس بات کی تائید کی کہ تمام تنازعات کا باہمی بات چیت کے ذریعہ تصفیہ ہو جائے اور اس سلسلے میں ہم لوگوں نے اجتماعی بات چیت پر زور دیا۔ یہ جان کر خوشی حاصل ہوئی ہے کہ

خوشگوار صنعتی تعلقات برقرار رکھنے کیلئے مناسب قانون مرتب کئے جائیں

عورتوں کے کام کرنے کے حالات میں بہتری لانے کیلئے موجودہ قوانین میں مناسب ترمیمات ضروری ہیں

گزشتہ ۲۵-۲۶ نومبر کو نئی دہلی میں منعقدہ ہندستانی محنت کانفرنس کے ۲۸ ویں اجلاس میں مغربی بنگال کے شعبۂ محنت کے وزیر ریاست ،انچارج شری شانتی رنجن گھٹک نے شرکت کی ۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے قومی اور ریاستی سطحوں پر صنعت و محنت سے متعلق اور ریاستی مسائل کا [illegible] کیا ۔ [illegible] وزیر موصوف کی تقریر کا متن درج ذیل ہے :

مسائل کی بابت کچھ کہنے سے پہلے میں مرکزی وزیر محنت کو ہندستانی مزدور کانفرنس کے اس سیشن کے انعقاد کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔ ملک میں محنت کش طبقے جن مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے چند مسئلوں پر اس کانفرنس میں گفت و شنید ہوگی ۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کانفرنس میں ، جو پندرہ سال سے زیادہ عرصے کے بعد منعقد ہو رہی ہے ، ہر مکتب خیال کے لوگوں کو اپنے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے مواقع فراہم کئے جائیں گے تاکہ ایسی باتوں کے سلسلے میں اتفاق رائے ہو جائے جو مجموعی طور پر انتظامیہ اور مزدوروں کی تحریک کے لئے قابل قبول ہو ۔ اس لئے ہم لوگوں نے وزیر محنت سے کہا تھا کہ وہ دو اہم ٹریڈ یونین یعنی سی آئی ٹی یو اور اے آئی ٹی یو سی کو مشاہدین کے طور پر مدعو کرنے کے سلسلے میں اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرے ، اور تمام مرکزی ٹریڈ یونین تنظیموں کو مساوات کی بنیاد پر اس کانفرنس میں شرکت کرنے کی دعوت دے ۔ ہمیں یہ جان کر کافی مسرت حاصل ہوئی کہ مرکزی وزارت نے اس کے بعد اس امر پر از سر نو غور کیا اور سبھوں کو شرکا کی حیثیت عطا کر دی ۔

ہم بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ [illegible] ملک میں مزدور یونین کے حقوق میں تخفیف ہوگیا ہے ۔ حالیہ برسوں میں ٹریڈ یونین کے جمہوری حقوق میں کافی کٹوتی ہوئی ہے ۔ ہم نے ESMA (لازمی خدمات برقرار ایکٹ) کی ، جو ٹریڈ یونین کے حقوق پر شدید پابندی عاید کرتا ہے ، زبردست مخالفت کی ۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے قوانین صنعتی جمہوریت — ایک منزل ، جسے ہم لوگوں نے خود اپنے لئے منتخب کیا ، کی خصوصیات نہیں ہو سکتے ۔ سپریم کورٹ نے دفعہ ۳۱۱ کی جو تشریح کی ہے اس سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی ہے ۔ اس تشریح کی رو سے ایک سرکاری ملازم کو قدرتی انصاف سے محروم رکھا گیا اور یہ کہ ملازم کو اپنی ملازمت سے ہاتھ بھی دھونا پڑ سکتا ہے اور اسے اپنے معاملہ کی تشریح کرنے کا موقع بھی فراہم نہیں کیا جاتا ۔

ان تمام باتوں اور مزدوروں کے حقوق پر حملوں کے پیش نظر مزدوروں نے کافی تحمل کا ثبوت پیش کیا ہے ۔ ایجنڈا کے نوٹس میں جو اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں ان میں یہ باتیں درج ہیں کہ ۱۹۸۰ء سے تقریباً ہر سال ہڑتال کے ذریعہ کام کرنے کے جتنے دنوں کا نقصان ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ کام کرنے کے دنوں کا نقصان مغربی بنگال میں تالہ بندی سے

ہوا ہے۔ ہم اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ ان تالہ بندی کے اہم وجوہ ڈسپلین کا فقدان اور مزدوروں کا تشدد آمیز طریقہ کار ہی جیسا کہ اس نوٹ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس نوٹ میں جو وجوہ بتائی گئی ہیں وہ شاید آجروں نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور انہیں آزاد تفتیش کے ذریعہ حاصل نہیں کیا گیا، لیکن اصل وجوہ تو انتظامیہ کی نااہلیت، پرانی و متروک تکنالوجی، پیداواری ترقیاتی اقدامات کی کمی، فنڈ کی دوسری طرف منتقلی، کاروباری یکجہتی کی کمی وغیرہ ہیں۔ اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ پراویڈنٹ فنڈ اور ملازمین ریاستی بیمہ فنڈ میں آجروں کو جو رقوم جمع دینی ہوتی ہے، تمام آجر اس ادائیگی میں بلا خوف سزا تاخیر کرتے ہیں۔ مرکزی پروویڈنٹ فنڈ کمشنر کی سالانہ رپورٹ کے مطابق اس مد کے تحت آجروں کو ۱۱۲ کروڑ روپئے دینے ہیں۔ ادائیگی میں تاخیر کرنے والی بہت ساری کمپنیوں نے عدالتوں سے رجوع کیا اور بقیہ رقم کی آسان قسطوں میں ادائیگی کا حکم حاصل کر لیا۔

بہت سارے کیسوں میں آجرین من مانی طور پر مزدوروں کی اجرتوں میں کمی کر دیتے ہیں اور مزدوروں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ سب کٹی ہوئی اجرتوں پر کام کریں۔ ساتھ ہی وہ مزدوروں پر کام کا بوجھ زیادہ کر دیتے ہیں۔ نیز انتظامیہ میں ان کی نااہلیت کے ذریعہ جو صنعتی یونٹیں بیمار ہو گئی ہیں انہیں چلانے کے لئے وہ حکومت سے مالی مراعات بھی حاصل کرتے ہیں۔ سب آجر اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وسیع پیمانہ پر مزدوروں کو ہٹا دیتے ہیں، ان کی چھنٹائی کر دیتے ہیں۔ کارخانوں میں تالہ بندی اور مکمل بندی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی یکطرفہ طور پر کام بندی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ تالہ بندی، بندی اور چھنٹائی کی وجہ سے رونما ہونے والی بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور دوسری تمام لازمی چیزوں کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے ان تمام مراعات اور سہولتوں کو بے اثر بنادیا جو محنت کش طبقہ نے مسلسل جدوجہد کے ذریعہ حاصل کئے تھے۔ ہم نے ہمیشہ اس بات کی تجویز پیش کی کہ روزمرہ کی ضرورتوں کی تمام چیزیں نظام عوامی تقسیم کے ذریعہ مناسب قیمتوں پر سپلائی کی جائیں تاکہ غریب مزدور لوگوں کی کچھ مدد کی جا سکے۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ موجودہ صنعتوں کو بلا امتیاز خام اشیاء فراہم کی جائیں اور ایسی نئی صنعتیں قائم کی جائیں جن میں زیادہ تعداد میں مزدوروں کی ضرورت ہو۔ اس سلسلے میں صنعتوں اور کاروباری اداروں میں خودکار مشینوں کی تنصیب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ آج ہم جس اہم مسئلہ سے دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ تعداد میں بڑھتے ہوئے بے روزگاروں کو روزگار فراہم کئے جائیں۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اگر خودکار مشینوں سے روزگار کے امکانات کم ہو جائیں تو یہ بات ہمارے قومی مفاد کے براہِ راست خلاف ہوگی اور اس لئے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

ہمیں اس بات سے بھی تشویش لاحق ہو گئی ہے کہ حالیہ دور میں عوامی سیکٹر کی جگہ پرائیویٹ سیکٹر میں صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے قومی صنعتی پالیسی پر زور دیا گیا ہے۔ ایک مشترکہ معیشت میں پرائیویٹ سیکٹر کو اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے تاہم ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ معیشت کی منصوبہ بند ترقی میں عوامی سیکٹر کو ہی ترجیح دی جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمام مرکزی ٹریڈ یونینوں نے مغربی بنگال میں ۱۲ ستمبر ۸۵ء کی ہڑتال کی تائید کی۔ یہ ہڑتال ۱۲ - نکاتی مطالبات، جن میں پاٹ صنعت کو قومیانا، بند صنعتوں کو پھر سے کھولنا، سوتی کپڑے کی بابت پالیسی میں ترمیم لانا وغیرہ شامل ہیں، کی تائید میں کی گئی تھی۔

بونس کے معاملہ میں بھی ہم لوگوں نے اس بات کی تائید کی کہ تمام تنازعات کا باہمی بات چیت کے ذریعہ تصفیہ ہو جائے اور اس سلسلے میں ہم لوگوں نے اجتماعی بات چیت پر زور دیا۔ یہ جان کر خوشی حاصل ہوئی ہے کہ

بہت سارے معاملوں میں بونس تنازعات کا دو طرفی سطح پر تصفیہ ہوگیا اور اس طرح ایسے تنازعات کی تعداد ۱۹۸۳ء میں ۶۸۰ تھی جو کم ہوکر ۱۹۸۵ء میں ۲۹۲ ہوگئی۔ ہم بونس کی ادائیگی ایکٹ کی دفعہ ۱۲ کو خارج کردینے اور بونس کے مقصد کے لئے فی ماہ تنخواہ کی حد کو ۲۵۰۰ روپئے تک بڑھادینے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ قیمتوں میں بڑھتے ہوئے اضافہ کے پیش نظر کم سے کم بونس کو ۳۳ر۸ فیصد سے بڑھاکر کم از کم ۱۰ فیصد کردیا جائے اور ۲۰ فیصد کی انتہائی حد کو رد کردیا جائے۔

آپ سب اس امر سے واقف ہیں کہ پاٹ صنعت کو ۸۴-۱۹۸۵ء کے بعد کے نصف اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے پہلے نصف کے عرصہ میں شدید صورتحال سے گزرنا پڑا۔ ۱۸ پاٹ ملوں میں تالہ بندی ہے۔ اس کی وجہ سے ہزاروں مزدور بے روزگار بن گئے ہیں جبکہ ان میں سے بہت سارے مل کھل گئے ہیں تاہم ہمیں اس بات کا خدشہ لاحق ہے کہ صورت حال پھر بدتر ہو جائے گی۔

لمبے عرصے سے پاٹ صنعت میں زوال کا رجحان پایا جارہا ہے۔ مشین و آلات کی تجدید کاری کے لئے سرمایہ کاری کی کمی، زیر استعمال مصنوعات میں تنوع کی کمی، کاروباری یک جہتی میں کمی، بین الاقوامی اور گھریلو بازاروں کی کمی اور خام پاٹ کی غیر مستحکم قیمت اس کی اہم وجوہ ہیں۔ مصنوعی ریشوں کی تیاری اور استعمال کو کھلی چھوٹ دینے کی مرکزی حکومت کی پالیسی بھی باعث تشویش ہے۔ چند پاٹ ملیں اپنے یہاں مصنوعی تھیلے تیار کرتی ہیں اور انہیں اپنے یہاں تیار کردہ مصنوعات کو لپیٹنے کے لئے استعمال میں لاتی ہیں۔ خام پاٹ کی قیمت میں شدید کمی بیشی نہ صرف کسانوں کے لئے، جنہیں اکثر قانونی طور پر مقررہ کم سے کم قیمتوں سے بھی محروم رکھا جاتا ہے، بلکہ لمبے عرصے میں صنعتوں کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے مغربی بنگال

قانون ساز اسمبلی نے ۱۹۸۳ء میں ایک تجویز اتفاق رائے سے منظور کی تھی جس میں پاٹ صنعت کو قومیانے کا اور سرکاری ذرائع سے خام پاٹ کی خریداری میں اجارہ داری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس صنعت کو بچانے کا یہی واحد راستہ ہے اور اسی کی وجہ سے پاٹ اگانے والوں اور پاٹ صنعت میں برسر روزگار مزدوروں کا تحفظ ہوگا۔

کپڑے کی صنعت کی پالیسی کی بابت ہم اپنے خیالات کا اظہار کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ پولیسٹر اور دیگر مصنوعی دھاگوں کی تیاری پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس پالیسی سے سوتی کپڑے تیار کرنے والی ہماری پرانی صنعت پر ناموافق اثر پڑا اور اس کی وجہ سے بہت ساری کپڑا ملیں بند ہوگئیں یا انہیں بند کردینا پڑا۔ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ سوتی کپڑے کی پالیسی میں ان باتوں پر زور دینا چاہیئے کہ: (۱) عوام کے غریب تر طبقوں کو ارزاں شرحوں پر سوتی کپڑے فراہم ہوں اور (۲) اس صنعت میں روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوں۔ ریاستی حکومت نے بار بار اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ مساوی کرایہ کے نظام کو اٹھادیا جائے۔ متبادل کے طور پر دیگر اہم صنعتی خام اشیاء پر بھی اس اسکیم کو لاگو کردیا جائے۔

ایجنڈا کے نوٹ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ صنعتی بیماری ایک اہم قومی مسئلہ ہے۔ تاریخی وجوہ کی بنا پر مغربی بنگال میں یہ مسئلہ بہت ہی شدید بن گیا ہے جس کی وجہ سے صنعتی مزدوروں کی ایک بڑی تعداد بے روزگار بن گئی۔ اس مسئلے کی شدت کا احساس اس حقیقت سے عیاں ہوجاتا ہے کہ جون ۱۹۸۴ء کے آخر تک سارے ملک میں بیمار بڑی صنعتی یونٹوں کی تعداد ۵۱۳ تھی جن میں ۱۱۴ صنعتی یونٹیں مغربی بنگال میں واقع ہیں۔ یہاں اسباب کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ ریزرو بینک آف انڈیا نے بند اور بیمار صنعتی یونٹوں کا جو جائزہ لیا تھا اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ صرف ۲ فیصد

صنعتی یونٹوں میں بیماری اور بندی کے لئے مزدوروں کی بدنظمی ذمہ دار تھی۔ کام کرنے کے سرمایہ کی کمی، پیداوار کے طریقہ کار میں اور مصنوعات کو بازار میں فروخت کرنے میں جدت کاری کی کمی، کاروباری سالمیت کی کمی، خام اشیاء کی حصولیابی میں مشکلات، صنعتی افزائش کی رفتار میں سستی، غیر متوازن قیمت خرید، مطالبات میں اتار چڑھاؤ، صنعتی بیماری کے ذمہ دار ہیں۔

یہ ہمارا تجربہ ہے کہ ہندوستان کے صنعتی تعمیر بنک، جسے بیمار صنعتوں کی احیاء نو کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، ایک بیمار یونٹ کو امداد دینے کے طریقہ کار مرتب کرتے ہوئے اکثر مزدوروں کی تعداد میں کمی، ان کی اجرتوں میں کمی، پراویڈنٹ فنڈ اور ای ایس آئی کی واجب الادا رقوم کی ادائیگی میں تاخیر کی شرائط عائد کر دیتا ہے۔ ایک بیمار یونٹ کی احیاء نو کے لئے یہ رویہ شاید ہی مزدوروں کا تعاون حاصل کر سکے۔ اس رویہ میں تبدیلی لانی ضروری ہے اور اس صنعتی نو تعمیر بنک کو اپنے حلقۂ عمل کو وسیع کرنا چاہیئے تاکہ انفرادی یونٹوں کی بنیاد پر فاضل مزدوروں کو باروزگار رکھا جاسکے ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ یہ بنک اکثر بیمار صنعتی یونٹوں کی بحالی کے لئے جامع اور ٹھوس اسکیم تیار نہیں کرتا بلکہ وہ صرف وقتی طور پر چند دشواریوں کو دور کرنے کے لئے چند اقدامات کرتا ہے۔ میں یہاں بنگال پوٹریز کے معاملہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ صنعتی نو تعمیر بنک نے اس کمپنی کو کام کرنے کا پورا سرمایہ فراہم کرنے کی جگہ تنخواہ اور اجرتوں کے لئے سرمایہ دیتا ہے۔ یہاں میں اس سلسلہ میں اپنی تشویش کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ بنک یعنی آئی آر بی آئی کئی ایک بیمار یونٹوں کو جنہیں وہ امداد فراہم کرتا ہے اس کے مزدوروں کی بحالی کے لئے کوئی گنجائش رکھے بغیر اور ریاستی حکومت سے مشورہ کئے بغیر بند کر دینے کی کوشش کرتا ہے۔

کئی ایک قومیائے یونٹوں کی رفتار ترقی تشفی بخش نہیں ہے۔ خام اشیاء اور کام کرنے کے سرمایہ کی کمی، منصوبہ بندی کی کمی، نااہل انتظامیہ نے مغربی بنگال میں کئی ایک قومیائے صنعتی یونٹوں کو (جیسے ٹائر کارپوریشن آف انڈیا، اسٹیل کارپوریشن آف انڈیا) بری طرح متاثر کیا ہے۔ نیز مغربی بنگال میں دو عوامی سیکٹر اداروں کی دو ریفراکٹری یونٹوں کو بند کر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان یونٹوں سے اب نفع نہیں کمایا جاتا۔ اگر عوامی سیکٹر ادارے وقت پر ترقی کے لئے سرمایہ کاری نہ کریں اور کارخانوں کو بند کرنے کا سہارا لیں اس کا یقینی طور پر بہت ہی ناموافق اثر صنعتی صورت حال پر پڑے گا۔

ہمارے اختیارات محدود ہیں، بینکوں اور مالی اداروں سے بھی خاطر خواہ امداد فراہم نہیں کی جاتی۔ ہمارے بجٹ کی حالت بھی ناخوشگوار ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہم لوگوں نے چند بیمار صنعتی یونٹوں کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں، اور انہیں قومیا لیا ہے، اور اس طرح کئی ہزار ورکروں کو بے روزگار ہونے سے بچا لیا ہے۔ حکومت ہند کی اس شرط نے کہ اگر ہم نے کسی صنعتی یونٹ کو قومیایا تو قومیانے سے قبل اس یونٹ کے ذمہ جو قرض تھا، اسے ریاستی حکومت کو ادا کرنا پڑے گا، ان یونٹوں کے، جن کی ذمہ داری ریاستی حکومت نے سنبھال لی ہے، مستقبل میں ایک غیر یقینی صورت حال پیدا کر دی ہے اور اس کے ساتھ ان یونٹوں کی احیاء نو کے راستہ میں بھی دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ تمام مرکزی ٹریڈ یونینوں نے اس پالیسی کی مخالفت کی۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس پالیسی کو رد کر دینا چاہیئے تاکہ بہت سارے مزدوروں کے روزگار برقرار رہیں اور موجودہ اثاثوں کو موثر طور پر استعمال کیا جاسکے۔ ہمارا یہ بھی نظریہ ہے کہ کسی بھی صنعتی یونٹ کی، جس کے انتظامیہ کی ذمہ داری اس ایکٹ کے تحت ریاستی حکومت نے سنبھال لی تھی، ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لئے اعلان کرنے سے قبل ریاستی حکومت کے ساتھ مشورہ کرنے کے سلسلے میں

گنجائش رکھنے کے لئے آئی (ڈی اینڈ آر) ایکٹ میں حسب ضروری ترمیم لانی چاہئے۔ اگر ایسی یونٹوں کے سلسلہ میں ریاستی حکومت ہی کو اختیار حاصل ہے تو ڈی نوٹیفکیشن (ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کا اعلان) کے لئے تجویز کے ساتھ ریاستی حکومت کی رضامندی کو بھی لازمی بنا دینا چاہئے۔

ہماری حکومت اس بات پر زور دے رہی ہے کہ خوشگوار صنعتی تعلقات کو برقرار رکھنے کے لئے مناسب قانون مرتب کیا جائے ہم اس بات کی بھرپور تائید کرتے ہیں کہ صرف مخفی ووٹ کی بنیاد پر ہی ٹریڈ یونینوں کو تسلیم کر لیا جائے۔ مخفی ووٹ کے ذریعہ اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کے لئے مزدوروں کے حقوق کی بابت ریاستی اسمبلی میں ٹریڈ یونین ایکٹ میں منظور کردہ ترمیم کو ابھی تک صدر ہند کی منظوری نہیں ملی۔

ہم نے ہمیشہ ہی کہا ہے کہ انتظامیہ میں مزدوروں کی شرکت اسی وقت پرمعنی ہوگی جب اس اسکیم کو دکان اور کارخانہ کی سطح کے ساتھ ساتھ بورڈ سطح پر بھی پایہ تکمیل تک پہونچایا جائے گا۔ حصہ داروں کی نمائندگی کے برابر مزدوروں کی بھی نمائندگی ہوگی۔ مزدوروں کے نمائندوں کو بھی وہی مراعات اور حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر ڈائرکٹروں کو حاصل ہیں۔ انہیں پوشیدہ ووٹوں کے ذریعہ منتخب کیا جائے گا۔ ہمیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ پرائیویٹ سیکٹر میں کاروباری یک جہتی کی کمی اور مالک و مزدور کے درمیان رابطہ کی کمی کے پیش نظر اس اسکیم کو احتیاط کے ساتھ روبہ عمل لانا چاہئے اور منتخبہ بنیاد پر پرائیویٹ سیکٹر کی یونٹوں میں اس کا اطلاق کرنا چاہئے۔

غیر منظم سیکٹر میں بھی مزدوروں کے مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ انہیں مناسب اجرت ملے۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ۱۵ ویں لیبر کانفرنس کی سفارشات کے مطابق مزدوروں کی کم سے کم ضرورتوں کی بنیاد پر کم سے کم قومی اجرتیں مقرر کرنی چاہئیں۔ مزید برآں کم از کم اجرتوں کے اعلانیہ کے ذریعہ اجرت بورڈ کی تشکیل کے ذریعہ اجرتوں کے لئے مزدوروں کی اجتماعی طور پر بات چیت کرنے کے حقوق پر پابندی نہیں عائد کرنی چاہئے۔

اس کانفرنس کے لئے ایجنڈا میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے بدقسمتی سے اس میں ایک اہم مسئلہ کا ذکر نہیں کیا گیا اور وہ مختلف صنعتوں میں عورت مزدوروں کا خصوصی مسئلہ ہے۔ یہ کانفرنس عورتوں کے مسئلہ کو نظرانداز نہیں کرسکتی کیوں کہ عورتوں کی تعداد کل آبادی کی نصف ہے۔ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ مزدوروں کے مختلف قوانین میں عورت مزدوروں کی بابت درج باتوں کو سختی سے روبہ عمل لانے سے عورتوں کے روزگار کے مواقع میں کمی ہوگئی۔ یہ بات خاص طور پر باٹ اور سوتی کپڑے کی صنعتوں میں اور کوئلہ کانوں میں دیکھی جاسکتی ہے نیز ایک ہی قسم کے کام کے لئے مرد اور عورتوں کی اجرتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اس تفریق کو دور کرنے اور عورتوں کے کام کرنے کے حالات میں بہتری لانے کے لئے موجودہ قوانین میں مناسب ترمیمات لائی جانی چاہئے، ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ عورتوں کو مناسب پیشہ ورانہ تربیت دی جائے تاکہ وہ روزگار کے امکانات سے محروم نہ رہیں۔

مسٹر چیئرمین اور عزت مآب ممبران، آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آجروں اور مفاد پرستوں کے وسیع حملے کے نتیجہ میں محنت کش طبقہ اور عام لوگوں کو اور بھی زیادہ مصائب اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس افسوسناک صورتحال کی ابتری یا اسے برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے، ورنہ یہ صورت حال ہماری قومی معیشت کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ اس کانفرنس میں ان باتوں پر غور کیا جائے گا اور ایسی قراردادیں منظور کی جائیں گی جو ہماری حکومت کی پالیسیوں کو مرتب کرنے میں معاون ثابت ہوں گی تاکہ مزدوروں کی مراعات اور حقوق کی مکمل طور پر حفاظت کی جاسکے اور وہ سب قومی تعمیر کے کام میں مساوی شرکت دار کی حیثیت سے کام کرسکیں ٭٭٭

ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ، نئی دہلی میں مغربی بنگال کی شرکت

ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ نئی دہلی میں گزشتہ ۱۵ر تا ۲۷ر نومبر منعقد ہوا۔ حکومت مغربی بنگال نے اس میلہ میں شرکت کی۔

وزیر تجارت و صنعت شری نرمل بوس نے نئی دہلی میں منعقدہ ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ کے موقع پر پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ مغربی بنگال میں صنعتیں پنپ رہی ہیں۔ نئے کاروباری یہاں آ رہے ہیں اور حکومت بائیں محاذ پر ان کے اعتماد و ست زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ ایسی بہت ساری علامتیں ہیں جو گزشتہ کئی برسوں سے منجمد کی جگہ صنعتی احیاء نو کی طرف نشاندہی کرتی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مغربی بنگال میں نئے کاروباریوں کی دلچسپی کے اہم اسباب فرقہ وارانہ ہم آہنگی، علاقائی و صوبائی عصبیت کی عدم موجودگی اور سازگار صنعتی ماحول ہیں۔

شری بوس کے بیان کے مطابق مناسب مالی امداد فراہم کرنے کے سلسلے میں مرکز کے پس و پیش کی وجہ سے حکومت مغربی بنگال پرائیوٹ صنعتوں کے تعاون سے مشترکہ سیکٹر میں شامل ہوتی۔ اس سلسلے میں انہوں نے مشترکہ سیکٹر میں گوئنکا کے ساتھ ۷۰۰ کروڑ روپئے کے پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ اور برلا کے ساتھ ۱۰۰ کروڑ روپئے کے نائیلون کے معاہدے پروجیکٹ کا ذکر کیا۔

شری بوس نے ہندوستان کے تجارتی میلہ کے حکام سے یہ درخواست کی کہ وہ کم از کم ایک بار کلکتہ میں تجارتی میلہ کا اہتمام کرے۔ انہوں نے بتایا کہ ریاستی حکومت نے سالٹ لیک کے علاقے میں ایک مستقل نمائشی کمپلکس قائم کرنے کیلئے ۱۰۰ ایکڑ قطعات آراضی کا انتخاب کر لیا ہے۔

شری بوس نے یہ بھی کہا کہ برآمدات پروسیسنگ علاقہ فالتا میں قائم کیا گیا ہے جہاں مرکز کا اور ریاستی حکومتیں مل کر کام کریں گی۔ انہوں نے کہا کہ حکومت مغربی بنگال بیمار صنعتوں کا احیائے نو کے لئے کوشش کر رہی ہے اور ساتھ ساتھ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے صنعتوں میں مختلف النوع چیزوں کی تیاری کا انتظام کر رہی ہے۔

اس موقع پر وزیر ریاست برائے ادنی اور چھوٹی صنعت، شری برلائے تالکدار نے کہا کہ مغربی بنگال میں دیہی صنعتیں تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہیں اور دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں میں ۲۰ لاکھ سے زیادہ افراد برسر روزگار ہیں۔

شری بوس اور شری تالکدار دونوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ چند برسوں سے مغربی بنگال میں صنعتی فضا بہت بہتر اور سازگار ہو گئی ہے۔

ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ نئی دہلی کے پراگتی میدان میں گزشتہ ۱۵ر نومبر سے ۲۷ر نومبر تک منعقد ہوا۔ حکومت مغربی بنگال نے اس میلہ میں شرکت کی۔ اس میلے میں مغربی بنگال کا ایک پویلین ہے جو ۲۲۶۵ مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ مغربی بنگال کی ۲۳ صنعتی یونٹوں نے اپنا تیار کردہ مصنوعات اس نمائش میں پیش کیں۔ ان یونٹوں میں پرائیویٹ سیکٹر اور عوامی سیکٹر کی یونٹیں شامل تھیں۔

یہ پویلین بہت ہی شاندار اختراعی ڈھانچہ تھا۔ اس کا

بہت ہی خوشنما اور جدید محراب تھے اور ان میں بنگال کی فنکارانہ روایتی ڈیزائن کی نقاشی کی گئی تھی، اور اس طرح اس ریاست کی صنعتی احیاء نو اور اعلیٰ ثقافتی روایتوں کی نمایاں عکاسی کی گئی۔

اس پویلین کو جدید طرز پر سجایا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ تو بالکل کھلا تھا، اور کچھ حصے کو شیشے اور رنگوں سے مزین کردیا گیا تھا۔ اس لئے منعکس تصویروں نے اس پویلین کے رقبہ میں فرضی اضافہ کردیا تھا۔

اس نمائش میں ۲۳ صنعتی یونٹوں نے شرکت کی۔ ان میں سے دس یونٹیں پرائیویٹ سیکٹر کی تھیں، جن میں جی ای سی، کلور اینڈ انڈیا، ڈنلپ، ہندوستان موٹرس اور جیسے شری ٹیکسٹائیلس شامل تھے۔

نیشنل جوٹ مینوفیکچر کارپوریشن نے اس نمائش میں پاٹ صنعت کی اور مغربی بنگال چائے ترقیات بورڈ نے چائے صنعت کو پیش کیا۔ ڈبلیو۔ ای۔ بی۔ ای۔ ایل نے الیکٹرانکس کے پراسس والے پروجیکٹوں کے نمونے کی اور اپنی بہت ساری یونٹوں کی تیار کردہ مصنوعات کی نمائش کی۔ مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن نے بھی اپنے متعلقہ اداروں کی تیار کردہ مصنوعات کی نمائش کی نیز اس نے فالتا برآمدی پروسیسنگ علاقہ کا ایک ترقیاتی نمونہ بھی پیش کیا۔ دیہی اور چھوٹے پیمانہ کے صنعتی سیکٹر نے بھی اپنی بہت ساری جدید مصنوعات بھی نمائش میں پیش کیں۔ منجوشا، تانتوجا، تانتوشری، اور پورری چوکے نے اپنے اپنے اسٹالوں میں ہاتھ کرگھے کی مصنوعات اور چمڑے کے سامان کی نمائش کی۔ اس سال ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ نمائش بینوں کی تفریح طبع کی خاطر بنگلہ گیتوں کے کیسیٹ اور ریکارڈس بجائے گئے۔ بنگلہ کتابوں کی نمائش کی گئی اور بنگال کی مٹھائیاں فروخت کی گئیں۔

اس سال مغربی بنگال کے پویلین کو بہت ہی جدید طرز پر سجایا گیا تھا اور ہر روز ہزاروں کی تعداد میں نمائش بینوں نے اس کا معائنہ کیا۔ اس پویلین میں مختلف یونٹوں کی پیش کردہ مصنوعات نے نمائش بینوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کی اور سبھوں نے ان مصنوعات کی بڑی تعریف کی اور بہت سارے لوگوں نے ان مصنوعات کی بابت اور مغربی بنگال میں صنعتی فضا کی بابت پوچھ گچھ کی۔

اس نمائش میں جن ۲۳ صنعتی یونٹوں نے حصہ لیا وہ یہ ہیں:

مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن لمیٹیڈ، نظامت سیاحت، حکومتِ مغربی بنگال، مغربی بنگال کھادی و دیہی صنعت بورڈ، مغربی بنگال دستکاری ترقیات کارپوریشن (منجوشا)، مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹو بنکر سوسائٹی (تانتوجا)، مغربی بنگال چائے ترقیات کارپوریشن لمیٹیڈ، ایسوسی ایشن آف انڈین انجنیئرنگ انڈسٹری (مشرقی علاقہ)، جنرل الیکٹرک کارپوریشن آف انڈیا لمیٹیڈ، جے شری ٹیکسٹائلس، انڈیا لائنولیم لمیٹیڈ، مغربی بنگال چمڑہ صنعتی ترقیات کارپوریشن (پوررکا چوکے)، ڈنلپ انڈیا لمیٹیڈ، کلور اینڈ انڈیا لمیٹیڈ، دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت کی نظامت، مغربی بنگال ہاتھ کرگھا اور بجلی کرگھا ترقیات کارپوریشن لمیٹیڈ (تانتوشری)، اے۔ مکھرجی اینڈ کمپنی پرائیویٹ لمیٹیڈ، گراموفون کمپنی آف انڈیا لمیٹیڈ، انا پورنا بھنڈار، ہندوستان موٹرس لمیٹیڈ، اسٹینڈرڈ ویرنگ مشین مینوفیکچرنگ کمپنی، انجینئس (انڈیا) مشین اینڈ ٹولس لمیٹیڈ اور نیشنل جوٹ مینوفیکچررس کارپوریشن لمیٹیڈ۔

پانی کی سپلائی کو بہتر بنانے والی اسکیم کے سلسلے میں عطیہ

ریاستی حکومت نے سالِ رواں کے دوران کرسانگ میونسپلٹی کو اس کی پانی کی سپلائی کو بہتر بنانے والی اسکیم کو روبہ عمل لانے کے سلسلے میں ۱۵۰ لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ اس عطیہ کی بشمولیت سے اس اسکیم کے سلسلے میں اب تک کل عطیہ کی رقم ۲،۴۷،۸۰۰۰ روپئے تک پہونچ چکی ہے ٭٭٭

گریجا شنکر کی

صد سالگرہ کی تقریبات

حکومت مغربی بنگال نے حال ہی میں سنگیت اچاریہ گریجا شنکر کی صد سالگرہ کی تقریب بہت ہی تزک و احتشام کے ساتھ منائی۔ ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی شاخ "مغربی بنگال ـ راجیہ سنگیت اکیڈمی" نے ۲ دنوں کے لئے اس صد سالہ تقریبات کا اہتمام کیا۔

پہلے دن یعنی ۳ر نومبر ۸۵ء کو ثقافت کے ڈائریکٹر، شری سنتوش کمار چکرورتی نے اس موقع پر منعقدہ ایک تعزیتی جلسے میں اپنی تقریر میں مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے دھرو پدی گیت کے وشنوپور روایت کے شاندار پجاری گریجا شنکر کی زندگی اور قومی خدمات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا۔

سنگیت اچاریہ گریجا شنکر چکرورتی دسمبر ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے اور اپریل ۱۹۴۸ء میں اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ اوائل عمری سے ہی وہ آرٹ، پینٹنگ اور ناٹک کی دنیا میں مشہور ہو گئے تھے لیکن اپنی نوجوانی میں انہوں نے موسیقی میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ موسیقی کی دنیا میں گریجا شنکر وشنوپور کے گھرانے کے مشہور گویّے رادھیکا پرشاد سوامی سے فیض حاصل کیا، پھر مہاراجہ منندرا چندر نندی کے برہمپور سنگیت سماج سے "دھروپد" "دھامر" اور خیال کی تربیت حاصل کی۔ انہوں نے کلاسیکی موسیقی کی مختلف شاخوں میں بنارس گھرانے کے عظیم گنپت راؤ بھیا اور نان سین گھرانے کے استاد معین الدین خاں، مظفر خاں، بچھن شاہ (نواب صادق علی خاں) اور استاد محمد علی خاں سے استفادہ حاصل کیا۔ اس کے بعد گریجا شنکر نے خیال، ٹھمری اور دھروپد گیتوں کی اشاعت کے کام میں محو ہو گئے اور انہوں نے موسیقی کے اسکول اور ادارے جن میں سنگیت کلا بھون، بھوانی پور سنگیت بھارتی شامل ہیں، قائم کئے۔ انہیں سنگیت سمیلانی کا پرنسپل منتخب کیا گیا۔ اور انہوں نے یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ میں، موسیقی مقابلہ کا انتظام کیا۔

گریجا شنکر بہت سے مشہور شاگردوں کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ ان کے شاگردوں میں ڈاکٹر جامنی گنگولی، گیان پرکاش گھوش، سوکھیندو گوسوامی، تارا پدو چکرورتی، سدھیرلا چکرورتی، اے۔ ٹی۔ کانن، جے کرشنا سانیال شامل ہیں۔

رابندرا سدن میں پہلے دن کے پروگرام میں ڈاکٹر جامنی گانگولی نے اپنی تقریر میں بنگلہ میں "خیال" کو مقبول عام بنانے میں گریجا شنکر کے بے لوث خدمات کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر گانگولی نے سنگیت اچاریہ کی صد سالہ سالگرہ منانے کے لئے حکومت مغربی بنگال کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر گنگولی نے ایک خیال اور ایک ٹھمری سنائے۔ ان کے گانے میں شریمتی چھرنا بنرجی نے ان کا ساتھ دیا اور طبلہ پر شری سشیل بنرجی تھے۔ اس کے بعد مشہور گلوکار گیتا شری سندھیہ مکھرجی نے خیال اور ٹھمری گا کر سامعین کو محظوظ کیا۔ پنڈت مہاپرش مصرا نے طبلہ میں، مہیش پرشاد مصرا نے سارنگی میں، اشفاق حسین خاں نے ہارمونیم میں اور سوپنا گھوش نے تان پورا میں شریمتی مکھرجی کا ساتھ دیا۔ آخری پروگرام میں بمل مکھرجی نے ستار سے سامعین کو نوازا۔ طبلہ میں شنکر گھوش نے ان کا ساتھ دیا۔

دوسرے دن یعنی ۴ر نومبر کو شریمتی بینا نے، جو ریاستی سنگیت اکیڈمی کے منعقد کردہ موسیقی مسابقت میں ٹھمری میں اول مقام حاصل کیا تھا، دادرا، گیت اور ٹھمری

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

بڑھتی ہوئی شرحِ آبادی اور اس کے مُضر اثرات

ڈاکٹر زماں شفق

ہندوستان کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس بات کا اندازہ اس رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر ڈیڑھ سیکنڈ میں ایک آدمی اور ایک سال میں ایک کروڑ ۳۳ لاکھ افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی میں بے پناہ اضافہ سے ہندوستان کی معیشت پر کافی خراب اثر پڑ رہا ہے۔ صرف ہندوستان کی معاشی حالت ہی دگرگوں نہیں ہو رہی ہے بلکہ ہندوستان میں بسنے والے ہر ایک خاندان اور خاندان کے ہر فرد کی نجی زندگی پر بھی اس کے مُضر اثرات پائے جا رہے ہیں۔

ذیل میں ہم ان مسئلوں پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے:

غذا کی کمی: خاندان میں اضافہ ہونے سے غذا کی کمی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان کی آمدنی محدود رہتی ہے۔ محدود آمدنی ہی میں سبھی فرد کے لئے غذا فراہم کرنا پڑتا ہے۔ نتیجتاً محدود غذا ہی میں سے سبھوں کو کام چلانا پڑتا ہے۔ اس طرح مناسب خوراک نہیں ملنے سے خاندان کے سبھی فرد کی صحت پر خراب اثر پڑتا ہے۔ بچوں کو مناسب اور متوازن غذا نہ ملنے پر مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہونا پڑتا ہے جیسے آنکھوں میں روشنی کی کمی، ریکٹس، جسمانی نشو و نما میں رکاوٹ وغیرہ۔

لہٰذا آمدنی کے مطابق خاندان کا چھوٹا ہونا ضروری ہے تاکہ سبھوں کو حسبِ ضرورت غذا مل سکے۔ خاندان میں اضافہ سے غذا کی قلت ہوگی۔ نتیجتاً بچے حسبِ ضرورت متوازن و مقوی غذا نہیں ملنے سے بیمار پڑ سکتے ہیں اور مر بھی سکتے ہیں۔

پوشاک کی کمی:

خاندان میں اضافہ سے صرف غذا ہی کی کمی نہیں ہوتی ہے بلکہ کپڑوں کی بھی کمی ہو سکتی ہے۔ محدود آمدنی میں ہی سبھوں کے لئے کپڑوں کا مناسب انتظام کرنا سخت دشوار کام ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم کے لئے گرم کپڑوں کا حصول خاصا پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ گرم کپڑوں کی کمی سے بچوں کو سردی، کھانسی، زکام، نمونیا وغیرہ ہو سکتا ہے اور نمونیا کے حملے سے بچے مر بھی سکتے ہیں۔

رہائش کی کمی:

خاندان میں اضافے سے رہائش کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہو سکتا ہے۔ ایک ہی گھر میں چھ سات آدمی کسی بھی طرح نہیں رہ سکتے ہیں۔ اس سے ہوا آلودہ ہوگی اور صحت پر خراب اثر پڑے گا۔ شہری علاقے میں گنجان آبادی سے یوں بھی ہوا میں آلودگی پائی جاتی ہے جو صحت کے لئے سراسر مُضر ہے۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں اوسطاً ایک گھر میں ۴ آدمی رہتے ہیں۔ اب اگر فرض کر لیا جائے کہ ماں باپ یعنی ۲ کے بعد اگر ۴ - ۵ بچے ہوں تو ایک ہی گھر میں

۶/۷ لوگوں کا رہنا ہوگا۔ اس طرح ایک چھوٹے سے گھر میں جب ۶/۷ آدمی رہیں گے تو آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان لوگوں کو کن کن پریشانیوں سے گزرنا پڑتا ہوگا۔ اور پھر ان لوگوں کی صحت پر کتنے برے اثرات پڑتے ہوں گے۔

اگر خاندان میں اضافہ پر کنٹرول کیا جائے اور خاندان چھوٹا رکھا جائے تو رہائشی مسئلہ پر قابو پایا جا سکتا ہے اور ماحول کو آلودہ ہونے سے بھی بچایا جا سکتا ہے۔

تعلیم کی کمی :

خاندان میں اضافہ سے حصولِ تعلیم پر کافی خراب اثر پڑتا ہے۔ مہنگائی اور محدود آمدنی کے اس پُرآشوب دور میں تعلیم حاصل کرنا کافی کٹھن کام ہے۔ اسکول میں داخلہ، گھر سے اسکول تک جانا اور آنا، کتاب، کاپی، قلم ان سب میں کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر پڑھائی لکھائی کے لئے اور بھی دوسرے اخراجات ہیں۔ ایک دو بچوں کی تعلیم کا بوجھ اٹھانا ہی مشکل امر ہے۔ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو پھر انکی تعلیم کا بوجھ اٹھانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ اور اگر بچوں کو مناسب تعلیم نہیں دی جاتی ہے تو وہ بے کار اور بے کام کے ہو جائیں گے۔ آج کے دور میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔ بغیر تعلیم کے آدمی زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائے گا۔

روزگار کی کمی :

ہمارے ملک میں بے روزگاروں کی کمی نہیں ہے۔ اور بے روزگاری سے غریبی پیدا ہوتی ہے۔ غریبی، بے کاری اور بے روزگاری عوام اور حکومت دونوں کے لئے دردِ سر بنی ہوئی ہے۔ اس کی اصل وجہ شرحِ آبادی میں بے پناہ اضافہ ہے۔ روزگار کے مسائل محدود ہیں لیکن آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور آبادی میں اضافہ سے بے روزگاری میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ تعلیم یافتہ افراد بھی بے روزگاری کے شکار ہیں۔ ایسی حالت میں اگر لڑکے اور لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم اور دستکاری و ٹیکنیکل کی [illegible] تعلیم نہیں دی گئی تو بیکاری کا مسئلہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ بے روزگاری کی اصل وجہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے اور اگر بڑھتی ہوئی آبادی پر روک نہیں لگائی گئی یا کنٹرول نہیں کیا گیا تو بے روزگاری کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا اور بے روزگاروں کی تعداد بڑھتی ہی جائے گی۔

صحت پر خراب اثر

خاندان میں اضافہ سے خاندان کے افراد کی صحت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ محدود آمدنی میں خاندان کے افراد کیلئے غذا، پوشاک، اچھا سا گھر وغیرہ فراہم کرنا مشکل کام ہے اور مناسب غذا، گھر اور پوشاک کی کمی سے صحت پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ غذا کی کمی اور ہوا میں آلودگی کی وجہ سے جسم مختلف قسم کی بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ موسم کے مطابق مناسب پوشاک نہیں پہننے سے بھی صحت خراب ہو جاتی ہے اور آدمی بیمار بھی پڑ سکتا ہے۔

لہٰذا ہر خاندان کو چاہیئے کہ بڑھتی ہوئی آبادی پر کنٹرول کرے۔ کنبہ جتنا چھوٹا ہوگا اتنا ہی صحت مند ہوگا اور جتنا صحت مند کنبہ ہوگا اتنا ہی خوشحال ہوگا۔

تو کیا ہم صدق دل سے بڑھتی ہوئی شرحِ آبادی پر کنٹرول کریں گے ؟؟؟

بقیہ : گریجا شنکر کی صد سالگرہ

بھبیش چکرورتی نے بھجن گاکر سامعین کو محظوظ کیا۔ اس دن کے آخری پروگرام میں مشہور کلاسیکی گلوکار پرسون بنرجی نے ٹھمری گاکر سامعین کو مسحور کر دیا۔ سامعین نے درخواست پر شری بنرجی نے 'راج پر دھان بنگلہ گان' سنائے۔ طبلہ میں شری شنکر گھوش اور ہارمونیم میں شری بنرجے پاٹھک نے شری بنرجی کا ساتھ دیا۔

ان دو دنوں میں رابندرا سدن سامعین سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ ان پروگراموں کی تکمیل کے کام میں ثقافت شاغ کے نائب ڈائرکٹر شری چندن چکرورتی کی ریاستی سنگیت اکیڈیمی کے ایگزیکیوٹیو آفیسر شری مانس مکھرجی نے کافی [illegible]